نعتیہ ادب

مسائل و مباحث

(مدیر "نعت رنگ" صبیح رحمانی کے نام موصولہ مکاتیب کا موضوعاتی و تجزیاتی مطالعہ)

تہذیب و ترتیب

ڈاکٹر ابرار عبد السلام

کتاب .... نعتیہ ادب: مسائل و مباحث

(مدیر "نعت رنگ" صبیح رحمانی کے نام موصولہ مکاتیب کا موضوعاتی و تجزیاتی مطالعہ)

تہذیب و ترتیب .... ڈاکٹر ابرار عبدالسلام

اشاعت اوّل .... جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ / مارچ ۲۰۱۹ء

صفحات ۴۸۸

تعداد ۵۰۰

کمپوزنگ .... محمد آصف (0331-3652042)

ناشر .... نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

قیمت .... ۷۰۰ روپے

نعتیہ ادب: مسائل و مباحث

(مدیر "نعت رنگ" صبیح رحمانی کے نام موصولہ مکاتیب کا موضوعاتی و تجزیاتی مطالعہ)

تہذیب و ترتیب

ڈاکٹر ابرار عبدالسلام

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی

موبائل نمبر: 0332-2668266

sabeehrehmani@gmail.com

www.Naatresearchcenter.com

www.sabih-rehmani.com

انتساب

'نعت رنگ' کے روحِ رواں
سیّد صبیح الدین رحمانی
کے نام

حُسنِ ترتیب

ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company

کے قارئین اور نعت سے خاص رغبت رکھنے والے اصحابِ قلم کے تاثرات اور اس بابت ان کے علی الخصوص تحریر کردہ مضامین اور تاثرات حالیہ عرصے میں نعت نگاری کے ارتقا کی صورت حال اور اردو نعت نگاری کے مسائل و مباحث کو متعین کرنے اور سمجھنے کے لیے واقعتاً ایک بنیادی اور راست وسیلہ ہیں۔ چناں چہ اس احساس کے تحت یہ اس کے فاضل مدیر کی روشن خیالی یا وسعت قلب بھی ہے کہ وہ ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی تخلیقات اور خیالات سے، جو چاہے فاضل مدیر کو مختلف صورتوں میں بطور راست موضوعاتی مضامین اور تحریروں اور تاثراتی خطوط کی صورت میں موصول ہوتے رہتے ہیں، قارئینِ ''نعت رنگ'' کو ان سے واقفیت اور استفادے کے لیے ایک خاص اہتمام سے شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ ''نعت رنگ'' کا ایک بڑا وصف و امتیاز ہے کہ تخلیقات اور مضامین کے ساتھ ساتھ قارئین کے تاثرات اور خیالات کو بھی رسالے میں شائع کرنے کا ایک مستقل اہتمام رہتا ہے جن کے باعث ایک خاصا مفید و پرکشش تنوع بھی رسالے میں جگہ پاتا ہے اور قارئین کے لیے قابلِ استفادہ بنتا ہے۔ اس لحاظ سے قارئین کے وہ خطوط بھی خاصے کی چیز ہوتے ہیں جو بالالتزام ''نعت رنگ'' کے سب ہی شماروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور جن کا مطالعہ ایک اضافی استفادے و تنوع کا سبب بنتا ہے۔

ان خطوط میں وہ سب ہی کچھ ہوتا ہے، جو چاہے نعت کے فنی مباحث ہوں، مطبوعہ نعتوں کے بارے میں احساسات و تاثرات ہوں یا مضامین میں بیان کردہ خیالات سے اتفاق و اختلاف ہی کیوں نہ ہوں، یہ سب ہی کچھ ان خطوط میں قارئین کے ملاحظے و استفادے کے لیے مہیا رہتے ہیں۔ ان سب کے ساتھ ساتھ ان خطوط میں بالعموم وہ مسائل بھی زیرِ بحث آتے رہتے ہیں جو نعت نگاری کے فن و اسلوب اور اس کے رجحانات و موضوعات کے تعلق سے اہم ہیں اور نعت کے فن اور اس کے رجحانات و میلانات کو سمجھنے یا متعین کرنے کے لیے معاون ہو سکتے ہیں۔ یہ خطوط اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں مختلف نقاطِ نظر، اتفاق و اختلاف اور نعت کے تعلق سے سامنے آنے والے مسائل سب ہی ہمیں دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔ چناں چہ یہ خطوط بجائے خود اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان میں پیش کردہ خیالات و نظریات اور تاثرات کو موضوعاتی لحاظ سے دیکھا اور سمجھا جائے اور ان سے اخذ مطالب کیا جائے تاکہ نعت کے کل فنی و اسلوبیاتی اور ارتقائی امور اور ساتھ ہی مسائل بھی قارئین و شائقینِ نعت پر واضح رہیں۔

اس اہم ضرورت اور تقاضے کو عزیزی ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے خوب سمجھا اور اس ضمن

معین الدین عقیل

جدید نعت نگاری: مسائل ومباحث

اردو زبان کی تخلیقی شعری اصناف میں گزشتہ چند دہائیوں میں صنفِ نعت نے جس طرح اپنی حسیت، نوعیت اور روایت کے لحاظ سے اپنے تخلیق کاروں اور اس کے نقادوں میں خود کو موضوع بنوایا ہے، یہ ہمارے فن اور روایاتِ شاعری میں ایک مثال ہے۔ یہ اپنی مسلمہ و معروف روایتوں کے ساتھ بیسویں صدی کے وسط، بل کہ بعد تک بھی، ایک لگے بندھے راستے پر چل کر یہاں تک پہنچی تھی لیکن نعت نگاروں کے جذبہ ولگن کے سبب، جس میں قیامِ پاکستان کے بعد ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام کے احساس وشعور نے اور ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کے جذبے اور اسلامی ادب کی تحریک نے شاید شعرا کو تخلیق نعت کی جانب زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ راغب کیا ہے اور پھر عبدالعزیز خالد کے نعتیہ مجموعوں: ''منحمنا'' اور ''فارقلیط'' نے اردو شاعری میں موضوعات وہئیت کے نئے مباحث کو بھی جنم دیا، جس کے تحت نعت اور فن نعت کے مطالعات وپیش کش اور روایات کے جائزوں کے لیے یکے بعد دیگرے مخصوص رسائل کی بڑھتی ہوئی اشاعتی صورتِ حال نے بھی اس کے فن اور اس کے ارتقا کو ایک وسیع تر فروغ دیا ہے، جس میں ان دو تین دہائیوں میں صبیح رحمانی کی زیرادارت وزیرسرپرستی منفرد رسالے ''نعت رنگ'' کے اجرا اور پھر اس کے چند سالوں کے بعد 'نعت ریسرچ سینٹر' کے قیام اور اس کے تحت صنف نعت کے فروغ کو ایک بہت منفرد اور مقبول عام صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اردو نعت نگاری کی حالیہ مثالی اور حوصلہ بخش صورتِ حال کے پس پشت رسالہ ''نعت رنگ'' اور اس کے مدیر کی منفرد ومثالی کاوشوں کی نوعیت اور نعت کے زمرے میں ان دونوں کے کردار واثرات کا تعین اس صنف کے کسی نہ کسی نوعیت کے جائزوں اور مطالعات میں زیر گفتگو بھی آتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے خود ''نعت رنگ'' کے صفحات ان دونوں کے کردار واثرات پر اس

استدراکات و تصحیحات کے انبار لگا کر ایک مستقل کتاب تصنیف کرنا ضروری سمجھا ہو کہ کہیں ڈاکٹر گیان چند اور سیدہ جعفر جیسے اکابر محققین کی پیش کردہ غلطیاں ہماری تاریخ ادب میں جگہ نہ پا جائیں، یہ ایسا کام کیا تھا کہ جو آج کے بڑے سے بڑے اور نامور محققین، یونیورسٹیوں کے صدورِ شعبہ جاتِ اردو اور شہرت و مناصب کے بامِ عروج پر رہنے والے پروفیسروں سے ممکن نہ تھا، یہ اور ایسے منفرد و مثالی کام ابرار عبدالسلام کی توجہ، جستجو اور سخت محنت و لگن کے باعث سامنے آئے ہیں اور ان کی کاوشوں کا ایک سرمایہ ہیں۔

زیرِ نظر منفرد اور انتہائی مفید و کارگر منصوبہ بھی ابرار عبدالسلام ہی کے ذہنِ رسا کے باعث ممکن تھا، جسے انھوں نے اس قدر محنت و لگن سے مکمل اور پیش کیا ہے اور جو اس قدر افادی ہے کہ شاید ایسے مزید کاموں کے لیے یہ ایک مثال بن جائے اور محققین و مصنفین کو یہ راہ دکھائے کہ ہمارے ایسے دانشور اور ادیب و شاعر، بشمل اقبال، غالب، سید احمد خاں اور دیگر بیسیوں اکابر علم و ادب اور مشاہیر قوم و ملت کے خطوط کا ایسا مطالعہ کیا جائے جو ان کی فکر و دانش، ان کے عہد و معاصرین اور فن و اسلوب اور ان کی مجموعی خدمات اور ان کے اثرات کو اجاگر کر سکے۔

ابرار عبدالسلام کی اپنی اس ذہنی اپج کے مطابق، اور ان کے اس منفرد کام کے سامنے لانے کا وسیلہ بھی ''نعت رنگ'' اور اس کے مدیر صبیح رحمانی کو بننا تھا کہ مقصد تو شاید صرف نعت کے مباحث و مطالب کو نمایاں کرنا تھا، اور جو یہ مقصد پوری طرح مکمل بھی ہوا ہے، لیکن اس طرح سوچنے اور لکھنے پڑھنے والوں کو ایک شہ بھی ملی ہے کہ خطوط کا مطالعہ مطلوبہ نتائج تک پہنچنے کے لیے اور مخصوص یا مطلوب موضوعات کو ان سے کس طور پر اخذ کیا جائے اور ان کا مطالعہ کس صورت میں کیا جانا چاہیے کہ ان میں موجود موضوعات و مباحث بھی سامنے آسکیں اور اس طرح لکھنے والے کے ذہن و نظر کو بھی سمجھنا آسان ہو جائے اور ان سب پر مستزاد اس صورت میں مطلوب و مقصود نتائج بھی سامنے آجائیں۔

☆☆☆

میں ایسی پیش رفت کی کہ انھوں نے وہ سارے خطوط جو اپنی اپنی مناسبت سے ''نعت رنگ'' میں مستقلاً شائع ہوتے رہے، ان کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہوئے ان کے ایک موضوعاتی اور تجزیاتی مطالعے اور جائزے کو ضروری سمجھا اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ ان سارے خطوط کا مطالعہ کیا اور ان میں بیان کردہ مباحث و مطالب کو اس طرح موضوعاتی درجہ بندی یا تقسیم کے ساتھ اخذ کیا کہ ان کی روشنی میں اب نعت سے متعلق سارے ہی عصری مسائل و موضوعات اب اپنے اپنے عنوانات کے تحت مرتب صورت میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور ہم ابرار عبدالسلام کے خیالات و تجزیوں کے توسط سے خود بھی ان پر ایک رائے قائم کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ہماری علمی اور ادبی ضرورتوں کے تحت مکتوب نویسی یا خطوط کو ہم ایک عرصے سے جائز و ضروری حیثیت و اہمیت دے کر ان کے مجموعے مرتب و شائع کرتے رہے ہیں اور ان پر تحقیقی ضرورتوں اور استناد کی خاطر حواشی و تعلیقات کا اہتمام بھی کرتے اور خطوط کو ایک راست اور بنیادی ماخذ کی حیثیت میں مزید قابل استفادہ بناتے رہے ہیں۔ لیکن شاید کوئی کام خطوط کے حوالے سے ایسا نہیں ہوا کہ انھیں یک جا و مرتب کرنے کے بجائے ان کا موضوعاتی اعتبار سے مطالعہ و تجزیہ کیا جائے اور اس مطالعے و تجزیے کی روشنی میں مطلوبہ معلومات حاصل کی جائیں یا ممکنہ نتائج تک پہنچا جائے۔ ابرار عبدالسلام صاحب نے یہاں یہ ایک انوکھا اور مزید قابل استفادہ کام کیا ہے کہ جو ہمیں ڈھیروں خطوط کے راست مطالعے سے بچاتے ہوئے ان میں موجود مطالب و مباحث کو ایک بہت مناسب و سنجیدہ تجزیے کے ساتھ اخذِ مطالب کی راہ دکھائی ہے جو بے حد قابل استفادہ اور لائق تحسین ہے۔ خطوط کے حوالے سے اس نوعیت کے اس اولین مطالعے و تجزیے کو ہمیں کھلے دل سے خوش آمدید کہنا چاہیے۔

اس ایک منفرد کام کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ ابرار عبدالسلام کے ذہن رسا میں ایسا کام کیوں کر آیا کہ جس کی ایسی کوئی نظیر کم از کم راقم کے مطالعے کی حد تک کوئی نہیں! ہم تو ابرار عبدالسلام کو ایک خالص و منفرد محقق کے طور پر جانتے ہیں جن کے مطالعے اور دل چسپیوں کا محور و مرکز کلاسیکی ادب رہا ہے اور ان کے کام، جو چاہے ان کے اعلیٰ پائے کے متعدد تحقیقی مقالات ہوں یا ''آبِ حیات'' کی بے مثال تدوین و تحقیق ہو، یا ہمارے اکابرِ تحقیق: ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر سیدہ جعفر کی مشترکہ تصنیف کردہ ''تاریخ ادب اردو'' جیسی اہم تاریخی و تحقیقی کاوش ہو، ابرار عبدالسلام نے ان کی اس تصنیف میں تحقیق و واقعات کی جن جن غلطیوں کی نشاندہی کی اور

کر کے بالواسطہ اپنے ارادوں سے باز رہنے کا مشورہ بھی دیا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری جیسے ثقہ محقق و نقاد نے تو نعت کی تنقید کو ہی نامناسب اور غیر ضروری قرار دے ڈالا۔ (۲) لیکن انھیں کچھ اہل علم ایسے بھی میسر آئے جنھوں نے ان کی حوصلہ افزائی بھی کی اور ان کے خیالات کو سراہا بھی لیکن اس بھاری پتھر کو نہ خود اٹھانے کی حامی بھری اور نہ ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کا عندیہ دیا۔ چنانچہ نعت کے فروغ اور اس کا حقیقی منصب سامنے لانے کا بیڑا صبیح رحمانی کو دو چار ہم خیال دوستوں کے ساتھ ہی اٹھانا پڑا۔ 'نعت رنگ' کے اجرا کا خیال بعض لوگوں کے نزدیک ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا اور اس کی کامیاب اشاعت کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ رشید احمد صدیقی نے کسی جگہ لکھا ہے کہ بعض کام فرزانے نہیں صرف دیوانے کر سکتے ہیں۔ جناب صبیح رحمانی کی یہی دیوانگی 'نعت رنگ' کے اجرا کی صورت میں سامنے آئی اور آج یہ دیوانگی دو دہائیوں سے زائد صحرائی مسافت طے کر چکی ہے اور اٹھائیس شماروں کا ذخیرہ بغل میں دبائے اپنی فرزانگی کا ثبوت بھی دے رہی ہے۔

کچھ عرصہ قبل تک نعت صرف ایک ثوابیہ صنف کے طور پر ہی جانی جاتی تھی اور نعت گو شعرا صرف عقیدت کے اظہار یا حصولِ ثواب کی خاطر ہی تخلیقِ نعت کا فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔ جس طرح کلاسیکی عہد میں متصوفانہ خیالات منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے شاعری میں برتا جاتا تھا بعینہٖ نعت سے متعلق بھی شعرا کا رویہ کچھ اسی طرح کا رہا لیکن بطور ایک ادبی صنف اس کو دیکھنے، پرکھنے اور برتنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ (۳) قدیم ادوار میں بھی کلاسیکی شعرا کا رویہ کچھ اس سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ کلاسیکی شعری روایت کا مطالعہ ایسے اکا دکا شعرا ہی سے ہماری ملاقات کروا سکتا ہے جنھوں نے نعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہو۔ البتہ ایسے شعرا جنھوں نے نعت کو بطور تبرک، ثواب یا برائے گفتن شعر تخلیق کیا ہو، ان کی تعداد کو احاطۂ قلم میں لانے کے لیے ایک عرصہ درکار ہے۔ کلاسیکی شاعری کا شاید ہی کوئی دیوان، کلیات، مثنوی اور انتخاب ایسا ہو جس میں نعت کو شامل نہ کیا گیا ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تخلیق نعت اور شاعری کی تاریخ ہم عمر ہونے کے باوجود تخلیقِ نعت کا بوٹا کیوں سرسبز نہ ہو سکا؟ اور اس کی نشوونما کی راہ میں کون سے عوامل رکاوٹ کا باعث بنتے رہے؟ ان اسباب پر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ان کا بیان ہے:

''نعت کی پذیرائی زیادہ تر دینی حلقوں میں ہوئی۔ اس لیے عام ادبی حلقے اسے دینی ادب کا حصہ سمجھ کر علما و صوفیا کے لیے خاص قرار دیتے رہے۔ چونکہ ادبی تخلیق میں مذہبی عنصر کے

ڈاکٹر ابرار عبدالسلام

’نعت رنگ‘ کے تنقیدی زاویے

(مدیر’نعت رنگ‘ کے اداریوں اور ان کے نام خطوط کی روشنی میں)

(۱)

ایک ایسی صنف سے متعلق تحقیقی وتنقیدی مجلّہ جاری کرنا، جس پر لکھنے والوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہو اور جس صنف سے متعلق تخلیقی وتحقیدی امکانات بھی محدود سمجھے جاتے ہوں، ایک دیوانے کا خواب ہی محسوس ہوتا ہے جس کی تعبیر پانے کی خواہش کو خوش گمانی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے لیکن جب یہ خواب حقیقت کا روپ دھار چکا ہو اور اس کی اشاعت بھی اٹھائیس واں مرحلہ بخوبی طے کر چکی ہو تو اسے ایک کرامت ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ادبی کرامت ’نعت رنگ‘ کی صورت میں جناب صبیح رحمانی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہو چکی ہے۔

ایں سعادت بزور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جناب صبیح رحمانی کو سن شعور ہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت رہی ہے۔ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ انھیں پہلے پہل ثنا خوانیِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سننے اور پھر ثنا خوانی کرنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ متذکرہ دونوں مراحل طے کرتے ہوئے انھیں ایک بات شدت سے پریشان کرتی رہی کہ معاصر عہد میں نعت کو پرکھنے کا کوئی تنقیدی معیار موجود کیوں نہیں؟ اور اگر موجود نہیں ہے تو اسے کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟ اس حوالے سے انھوں نے مختلف علما وادبا سے تبادلہ خیال بھی کیا۔(۱) اکثر اہل دانش کی طرف سے حوصلہ افزا جوابات موصول نہ ہوئے۔ کچھ نے موضوع کی نزاکت کا احساس دلایا تو کسی نے خوفِ فسادِ خلق کو اس راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ بتایا اور کسی نے مسلکی مناقشوں کے خطرے کی طرف نشان دہی

کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اہل علم و دانش کے لیے ایسا ماحول تشکیل پا گیا جس میں نعت پر سوچنا، غور و فکر کرنا اور لکھنا غیر ادبی اور غیر تخلیقی فعل نہ رہا بلکہ وقت کی ضرورت بن گیا۔ مدیر 'نعت رنگ' نے اس ادبی فریضے کو بروئے کار لانے کے لیے اہل قلم دانشوروں کو نعت پر لکھنے کی دعوت دی۔ یہ فقط زبانی کلامی اظہار نہیں تھا بلکہ اس خیال کو عملی شکل دینے کے لیے 'نعت رنگ' میں قارئین کے خطوط کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا جس سے نعت کے ادبی، فکری اور لسانی پہلوؤں پر آزادانہ مکالمے کا راستہ کھل گیا۔ مدیر نے صرف راستہ ہی فراہم نہیں کیا بلکہ فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعت کے موضوع پر لکھے گئے مقالات کے حق اور مخالفت میں اہل علم قارئین کے تحریر کردہ تمام خطوط شائع بھی کر دیے (۷) اور ساتھ ہی اہل علم و دانش کو صلائے عام بھی دے ڈالی کہ وہ آئیں اور شریعت سے اکتساب کردہ قلب و نظر کی روشنی سے جادۂ نعت کو روشن کریں اور نعت کا درست اور حقیقی مقام متعین کرنے میں اپنا عملی کردار بھی ادا کریں۔ (۶) اس سلسلے میں مدیر 'نعت رنگ' کی گزارش تھی کہ وہ نعت کے فکری اور فنی معائب کی نشان دہی ضرور کریں لیکن استدلال، متانت اور سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ چھوڑیں کیونکہ تضحیک کرنا، پگڑی اچھالنا، تحقیر آمیز رویہ اختیار کرنا یا جارحانہ انداز اپنانا نقاد کا منصب نہیں۔ نقاد تو تخلیق کو راستہ فراہم کرتا ہے۔ تخلیق کار کو غیر تخلیقی روشوں پر بھٹکنے سے بچاتا ہے اور اسے تنقیدی شمع کی وہ روشنی فراہم کرتا ہے جو باشعور تخلیق کار کی معاون و مددگار ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ نقاد، تنقید لکھتے ہوئے تخلیق کو بھی اور تخلیق کار کو بھی کشادہ دلی اور وسیع النظری سے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ (۹)

مدیر 'نعت رنگ' کی کوششوں کے نتیجے میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر قارئین کے لیے 'نعت رنگ' کے ذریعے ایسا پلیٹ فارم مہیا ہو گیا جہاں وہ اپنے خیالات اور افکار کو آزادانہ پیش کر سکتے تھے۔ اس سے ایک طرف تو روشن خیالی اور رواداری کی فضا پیدا ہوئی تو دوسری طرف مختلف مسالک اور مکاتیب فکر کے افراد کے مابین ایک بامقصد اور صحت مند مکالماتی ماحول بھی میسر آ گیا۔ اب ہر شخص اپنے خیالات اور نقطۂ نظر کو 'نعت رنگ' کے وسیلے سے خطوط کے ذریعے بلا خوف و خطر قارئین تک پہنچا سکتا تھا۔ خطوط میں آزادیِ اظہار کے ذریعے ذہنی دوریاں اور قلبی نفرتیں ختم ہونے کا راستہ ہموار ہو گیا اور مختلف مکاتیب فکر کے افراد کے دلوں میں موجود عداوتیں اور ذہنوں میں موجود اشکالات رفع کرنے کا موقع ملا اور ساتھ ہی ایک دوسرے کو سمجھنے، سمجھانے، قائل کرنے اور قائل ہونے کی راہ بھی میسر آئی۔ اس طرح ایک طرف مکتوب نگاروں

وجود کو بالعموم ہماری ادبی تنقید دوسرے درجے کی چیز سمجھتی رہی ہے اس لیے ادبی حلقوں میں اسے پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ دوسری جانب دینی حلقے تھے۔ ان کے ہاں نعتیہ شاعری صرف وقتی آسودگی اور قلبی بے قراری کے لیے لمحاتی قرار کا باعث رہی۔ اس لیے ان کے ہاں بھی نعت کو مناسب مقام نہ مل سکا۔ نعتیہ شاعری کے فنی جائزے کے راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خوش عقیدگی اور خوفِ فسادِ خلق بنی کہ مقدس کلمات کو کس طرح نقد و نظر کے تختے پر چن دینے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں نعتیہ ادب کا باقاعدہ اور سنجیدہ فنی محاکمہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس لیے جو رائے بھی قائم کی گئی وہ مفروضوں اور دل جوئیوں پر مبنی رہی۔ نعت کی شعری حیثیت کو خود نعت گو حضرات کے طرزِ عمل سے بھی نقصان پہنچا۔ شعری صلاحیت رکھنے والے عموماً وہ لوگ تھے جو دینی حلقوں میں قابلِ احترام شخصیتوں کے مالک تھے۔ وہ لوگ دربارِ نبوی کی نزاکتوں کو بھی سمجھتے تھے اور شاعری کے رموز و غوامض کو بھی مگر وہ نعت کی آواز اور اپنی عقیدت کا اظہار جان کر اس کی نمائش مستحسن نہ سمجھتے تھے۔ وہ خوف زدہ تھے مبادا یہ جذبہ ریاکاری کی زد میں آ جائے۔ اس کے برعکس وہ اصحاب تھے جنھیں شعر اور جذبہ شعر کے تخلیقی اظہار پر قدرت حاصل نہ تھی یا ان کے ہاں جذبہ موجود تو تھا لیکن وہ اپنے اندر اس کے تخلیقی اظہار کی صلاحیت نہ پاتے تھے۔ بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ارادت کا اظہار شعر کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس طرح ہر وہ شخص جو وزن و قوافی کی عامیانہ سی شد بد بھی رکھتا تھا، شعر کہنے لگا۔ عوام نے محبت سے انھیں سنا، اور یوں یہ شعوری کاوش جو زیادہ تر تصنع کے ذیل میں آتی گئی، مقبول ہوتی گئی''۔ (۴)

نعت کے فروغ میں 'نعت رنگ' کے اجرا سے پہلے چند نعتیہ رسائل و جرائد ہی رونقِ محفل بنے ہوئے تھے۔ جن کی کوششوں کا محور تخلیقِ نعت کے فروغ تک محدود تھا۔ ان میں چند رسائل و جرائد ایسے بھی تھے جنھوں نے محدود سطح پر تنقیدِ نعت کا فریضہ بھی ادا کیا۔ (۵) لیکن یہ اختصاص صرف 'نعت رنگ' کو ہی حاصل رہا کہ اس نے نعت کی تخلیق ہی نہیں، تنقید اور تحقیق کے لیے بھی سنجیدہ کوششوں کا آغاز کیا اور اپنے گرد اہلِ قلم لکھاریوں کا ایسا حلقہ جمع کر لیا جو نعتیہ ادب کے حوالے سے سنجیدگی سے سوچ بھی رہا تھا اور اس سوچ کو عملی جامہ پہنا کر اپنی سنجیدگی کا ثبوت بھی فراہم کر رہا تھا۔ (۶) یہ حلقہ ایک دو روز میں تشکیل نہیں پایا بلکہ اس کی پشت پر برسوں کی محنت اور کاوش کارفرما رہی۔ نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے صبیح رحمانی اپنے دل کے چراغ میں مسلسل آنکھوں کا تیل ٹپکاتے رہے تب جا کر نعتیہ ادب کی تاریک راہ روشن ہو سکی۔ صبیح رحمانی کی انھی

کار کسی گوشہء گمنامی میں جا چھپیں اور ان کی خالی کی ہوئی جگہوں پر نئی نئی اصناف نے قبضہ جما لیا ہے لیکن کچھ ادبی اصناف ایسی بھی ہیں جنھوں نے تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی اور معاشرے سے ہار نہ مانی بلکہ مزاحمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ہونے کا احساس بھی دلایا۔ اس میں اگر چہ انھیں وقت کی ضرورتوں کے پیش نظر، احتسابی عمل سے گزرتے ہوئے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہونا پڑا لیکن انھوں نے اپنی بنیادی روح کو برقرار ہی رکھا۔ ایسی اصناف میں سے ایک مکتوب نگاری بھی ہے۔ آج کل باہمی خط و کتابت کی جگہ موبائل میسجز، ای میل، واٹس ایپ، اور فیس بک وغیرہ نے لے لی ہے۔ یہ درست ہے کہ ترسیل خیالات کے یہ تمام ذرائع موجودہ دور کا طرّہ ءامتیاز بن کر سامنے آئے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں مکتوب نگاری کی سی اعصابی مضبوطی مفقود نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے مکتوب نگاری کا فن آج بھی اپنی شناخت کا ایک مضبوط حوالہ بن کر سامنے آرہا ہے۔ مکتوب نگاری کی یہ روایت آج بھی زندہ ہے اور اپنی اہمیت کے باعث کل بھی زندہ رہے گی۔

اردو اخبارات اور رسائل میں خطوط کی اشاعت کی روایت تقریباً دو صدیوں پر محیط ہے۔ اردو کے قدیم اخبارات میں اہل علم و ادب اور دور دراز مقیم خبر نگاروں کے خطوط شائع ہو اکرتے تھے۔ 'اودھ اخبار' لکھنؤ اور 'دہلی اردو اخبار' دہلی میں بے شمار خطوط شائع ہوئے۔ ان خطوط کی نوعیت سیاسی بھی تھی، معاشرتی بھی اور علمی و ادبی بھی لیکن بالعموم خطوط کی نوعیت سیاسی اور معاشرتی ہوا کرتی تھی۔ (۱۲) سرسید احمد خان نے بھی 'تہذیب الاخلاق' میں خط و کتابت کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً انھیں مراسلے موصول ہوتے رہتے تھے۔ وہ ان مراسلوں کو 'تہذیب الاخلاق' میں شائع کرتے پھر ان کے مفصل جواب لکھتے۔ 'تہذیب الاخلاق' کے ایک شمارے میں بالعموم ایک ہی مراسلہ شامل کیا جاتا تھا۔ ان مراسلوں میں شرعی مسائل اور مذہبی حقائق کے بارے میں استفسار کیا جاتا اور سوالات اٹھائے جاتے تھے۔ بعض اوقات تو سرسید احمد خان اپنے اور 'تہذیب الاخلاق' کے خلاف موصول ہونے والے خطوط بھی شائع کر دیا کرتے تھے اور بعض اوقات کسی فرد کے نام خود خط لکھ کر بھی اپنا مؤقف واضح کرتے تھے۔ مثلاً ایک شمارے میں سرسید نے مولوی سید مہدی علی کے نام اپنا ایک خط بھی شائع کیا ہے جس کا عنوان 'نسبت طیور منخقہ اہل کتاب' ہے۔ اس خط میں انھوں نے مولوی سید مہدی علی کے 'رسالہ طعام اہل کتاب' کے حوالے سے ان کے ایک اعتراض کا جواب دیا تھا۔ ان کا اعتراض تھا کہ اگر چہ اہل

کے اس آزادانہ اظہار سے ان کے لیے تذکیہ نفس کا سامان فراہم ہوگیا تو دوسری طرف نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے سنجیدگی سے سوچنے کا عمل بھی شروع ہوگیا۔(۱۰)

(۲)

ماضی میں، مکتوب نگاری دیگر اصنافِ نثر کی طرح ایک بھرپور صنف نثر تھی۔ اگر ہم ۱۸۵۷ء کو ایسا خط مان لیں جو دو زمانوں کو ملا رہا ہے یا جدا کر رہا ہے تو ۱۸۵۷ء سے اُس طرف مکتوب نگاری کا غالب بلکہ مجموعی رجحان انشاپردازی ہی رہا لیکن ۱۸۵۷ء سے اِدھر غالب جیسے نابغہ کی کوششوں سے اس صنف کو اپنی قدیم روایت کے برعکس حیرت انگیز طور پر اپنی قلب ماہیت کرنے کا موقع ملا اور پھر یہ صنف بقول غالب ''نادرشاہی روشوں'' (۱۱) کو چھوڑ کر مکالمے کی صورت اختیار کرنے لگی۔ اگرچہ اس دور میں بھی متذکرہ بالا روشیں جدید روشوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی رہیں لیکن زمانے کی تیز رفتاری اور بدلتی ہوئی اقدار سے ہم آہنگ نہ ہونے کے باعث جلد ہی ان کی سانسیں پھولنا شروع ہوگئیں اور بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے وہ گوشۂ گمنامی کا حصہ بن کر رہ گئیں۔

غالبؔ اور معاصرین غالبؔ کے خطوط اس حقیقت کا انکشاف بھی کرتے ہیں کہ اب مکتوب نگاری صرف مکالمہ نہ رہی تھی بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھا کر علمی حیثیت بھی اختیار کر گئی تھی۔ اب یہ معاشرتی تاریخ بھی تھی اور تہذیبی مرقع بھی۔ تنقیدی حیثیت کی حامل بھی تھی اور تحقیقی رویے کا اظہار بھی۔ چنانچہ خطوط کی اہمیت کے پیش نظر مکاتیب کے مجموعے شائع کرنے کا ایک نامختتم سلسلہ شروع ہوا۔ آج تک سینکڑوں مکاتیب کے مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ یہ مجموعے شاعروں کے بھی ہیں اور نثر نگاروں کے بھی، مورخوں کے بھی ہیں اور محققوں کے بھی۔ مذہبی علما کے بھی ہیں اور صوفیا کے بھی۔ پچھلی ڈیڑھ صدی میں معاشرے کے ہر طبقے (صوفیا، علما، شعرا، ادبا، محقق، نقاد، مؤرخ، صحافی، سیاستدان وغیرہ) سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے خطوط کے متعدد مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔

جدید دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے ایک طرف ہماری معاشرت، تہذیب اور ثقافت کو بدل کر رکھ دیا ہے، تو دوسری طرف ادبی صورت حال بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ قدیم اصناف میں سے بیشتر ایسی ہیں جو زمانے سے قدم ملا کر نہ چل سکیں اور آخر

مقالات اور خطوط کے ذریعے تحقیق کو ایک نئی جہت عطا کی۔ اشاعت کی غرض سے آنے والے خطوط 'استفسار و جواب' کے عنوان کے تحت مجلّے میں شائع کیے جاتے تھے۔ ان خطوط کی نوعیت تمام تر علمی ہوا کرتی تھی۔ ان خطوط میں 'معارف' میں شائع شدہ مقالات میں موجود تسامحات کی تصحیح کی جاتی، مکتوب نگار 'معارف' میں شایع شدہ مقالات سے متعلق اپنا مؤقف پیش کرتا۔ اس کے علاوہ قارئین علمی اور تحقیقی موضوعات پر سوال بھی اٹھایا کرتے تھے۔ مدیر 'معارف' ان کا بالتفصیل جواب دیا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ بڑی شد و مد کے ساتھ جاری رہا۔ اگرچہ تقسیم ہند کے بعد وقفے وقفے سے خطوط کی اشاعت اور ان کے جوابات کا یہ سلسلہ چلتا تو رہا لیکن اس کا رخ 'وفیات' کی جانب مڑ گیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خطوط کی اشاعت برائے نام رہ گئی تھی البتہ کبھی کبھی بہت اہم خطوط بھی شائع ہو جاتے تھے لیکن اب مدیر کی توجہ 'وفیات' کے شعبے پر مرتکز ہو گئی تھی۔ اس عنوان کے تحت معروف اہل علم حضرات کی وفات پر ایک تعزیتی مضمون تحریر کیا جاتا تھا۔ (۱۸) ان وفیات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معارف میں شائع ہونے والے تمام تعزیتی مضامین کو بڑے سائز کی ۷۹۳ صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ (۱۹)

نیاز فتح پوری نے 'نگار' کو ایک علمی، تحقیقی اور روشن خیالی کو فروغ دینے والا مجلّہ بنانے میں بڑا اہم کردار کیا۔ اس رسالے میں 'باب المراسلۃ والمناظرۃ'، 'باب الاستفسار' اور 'استفسارات' کے عنوانات کے تحت قارئین کے خطوط شائع ہوا کرتے تھے۔ ان خطوط کا زیادہ تر تعلق، تاریخ، مذہب، تہذیب، ثقافت، علم، ادب اور تحقیق سے ہوا کرتا تھا۔ مکتوب نویس، رسالہ 'نگار' میں شائع شدہ مضامین سے متعلق استفسارات، استدراک یا تسامحات کی نشان دہی کیا کرتے اور کبھی خود کو درپیش علمی، تحقیقی مسائل سے متعلق سوالات لکھ کر 'نگار' کے مدیر کو بھیجا کرتے تھے۔ مدیر 'نگار' نیاز فتح پوری ان کے مفصل علمی جواب اس رسالے میں تحریر کیا کرتے تھے۔ (۲۰)

رسالہ 'ندیم' گیا (۱۹۴۹ء۔۱۹۳۱ء) میں بھی مشاہیر کے خطوط شائع ہوا کرتے تھے۔ اس رسالے میں اشاعت شدہ خطوط 'مکتوبات مشاہیر' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد۔ فراق گورکھپوری، اکبر الہ آبادی، امداد امام اثر، محمد علی جوہر، شوکت علی جوہر، سید سلیمان ندوی، پنڈت موتی لعل نہرو، فضل حق وغیرہ جیسے مشاہیر کے خطوط شامل ہیں۔ (۲۱)

کتاب کے ساتھ کھانا کھانا حرام تو نہیں لیکن اگر ان کے کھانے میں ایسی مرغی کا گوشت شامل ہو جسے ذبح کرنے کی بجائے اس کی گردن مروڑ کر مار دیا گیا ہو تو ان کے ساتھ اس قسم کا گوشت کھانا کس طرح جائز ہوا؟ سرسید نے اس خط میں ان کے اس اعتراض کا مفصل جواب دیا ہے۔(۱۳) احمد علی شوق کے اخبار 'آزاد' لکھنؤ میں ایک مستقل عنوان ''صیغہء مراسلات'' کا بھی ہوتا تھا جس میں تعلیم اور زراعت وغیرہ کے مسائل پر اظہار خیال کیا جاتا تھا۔(۱۴) اسی طرح 'نور الآفاق' اخبار جو سرسید کے 'تہذیب الاخلاق' کی مخالفت میں جاری ہوا، اس میں 'بانی مدرسۃ العلوم مسلمانان' کے مذہبی عقائد پر خطوط کی صورت میں بحث وتکرار کی جاتی تھی۔(۱۵)

بیسویں صدی کے آغاز کے اخبارات ورسائل میں ملی جلی صورت حال دیکھنے میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر 'پیسہ اخبار'، 'صحیفہ نامی'، 'اور 'اخبار عام' وغیرہ میں 'خط کتابت' اور 'مراسلات' کے عنوانات کے تحت جو خطوط شائع ہوئے ان کا انداز متذکرہ بالا اخبارات میں شائع ہونے والے مکتوبات کا سا تھا(۱۶) لیکن بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ہی ایسے اخبارات اور رسائل زیورِ طبع سے آراستہ ہونے لگے تھے جن میں شائع ہونے والے خطوط کی نوعیت معاشرتی اور سیاسی سے زیادہ علمی ہوا کرتی تھی۔ مارچ ۱۹۰۵ء میں پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی 'گلزار نسیم' کے حوالے سے ایک مباحثے نے جنم لیا۔ یہ مباحثہ 'معرکہ چکبست وشرر' کہلاتا ہے۔ اس مباحثے میں پنڈت برج نرائن چکبست اور عبدالحلیم شرر اور ان کے حامیوں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ اس طرح کثیر تعداد میں 'گلزار نسیم' کے حق اور مخالفت میں مواد شائع ہوا۔ یہ تمام مواد 'اودھ پنچ'، 'اردوے معلی'، 'زمانہ'، 'دبدبہء آصفی'، 'دکن ریویو'، 'رسالہ تہذیب'، 'ریاض الاخبار گورکھپور'، 'تفریح'، 'اتحاد'، 'دل گداز' اور 'کشمیری درپن'، میں شایع ہوا۔ یہ ادبی معرکہ خطوط اور مضامین کی صورت میں ہی سامنے آیا۔(۱۷) دلچسپ بات یہ ہے کہ اس معرکے میں گلزار نسیم کے حق اور مخالفت میں جتنا بھی مواد سامنے آیا وہ یا تو مضامین کی صورت میں تھا یا خطوط کی صورت میں۔ اگر کسی ادیب نے خط میں کوئی اعتراض کیا یا سوال اٹھایا تو اس کا جواب مضمون کی صورت میں آیا اور اگر مضمون میں کوئی قابلِ اعتراض مواد موجود ہوتا تو خط میں اس کا جواب دیا جاتا۔ غرض یہ کہ عمل اور ردعمل کا یہ سلسلہ مدت مدید تک چلتا رہا۔

بیسویں صدی میں 'معارف' اعظم گڑھ نے تحقیقی حوالے سے اپنی شناخت کے معتبر حوالے پیدا کیے۔ اس مجلّے سے وابستہ لکھنے والوں کا ایک ایسا طبقہ موجود رہا جنھوں نے اپنے تحقیقی

(حیدر آباد) نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو میں نعتیہ صحافت کا بھی ایک گراں قدر ذخیرہ موجود ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں کثیر تعداد میں نعتیہ ماہنامے اور کتابی سلسلے جاری ہوئے۔ نعتیہ ماہناموں میں 'نوائے نعت' (کراچی) 'نعت' (لاہور) 'حمد و نعت' (کراچی) 'کاروانِ نعت' (لاہور) اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح کتابی سلسلوں میں 'گل چیدہ' (لاہور) 'ایوانِ نعت' (لاہور) 'سفیرِ نعت' (کراچی) 'دنیائے نعت' (کراچی) 'راہِ نجات' (کراچی) 'عقیدت' (سرگودھا) 'نعت نیوز' (کراچی) 'خوشبوئے نعت' (سرگودھا) 'مدحت' (لاہور) سہ ماہی 'فروغِ نعت' (اٹک) 'ارمغانِ حمد' (کراچی) کے علاوہ ہندوستان کے رسائل میں 'جہانِ نعت' اور 'دبستان نعت' نے بھی نعت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اخبارات کے ساتھ ساتھ رسائل و جرائد میں بھی نعت کے گوشے اور خاص نمبر شائع ہوئے (۲۵) لیکن ان تمام رسائل و جرائد میں خواہ وہ نعت سے متعلق ہوں یا دیگر ادبی موضوعات و اصناف سے متعلق، ان میں نعت سے متعلق خطوط شائع تو ہوئے لیکن کسی میں بھی تواتر اور سنجیدگی سے نعت کو موضوعِ بحث نہیں بنایا گیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے بیشتر خطوط کی نوعیت محض رسمی اور رسیدی ہی رہی۔ البتہ کسی کسی شمارے میں ایسے خطوط ضرور دیکھنے میں آتے ہیں جن میں نعت پر ادبی، فکری اور فنی حوالوں سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے مگر ان کی حیثیت راکھ میں دبی ہوئی چنگاریوں کی طرح رہی ہے۔ یہ چنگاریاں قارئین کے لیے مستقل حرارت یا روشنی کا سامان فراہم نہ کرسکیں۔ نعتیہ صحافت میں دبی ہوئی ان چنگاریوں کا مقدر راکھ ہی میں دفن ہو جانا تھا لیکن خوش قسمتی سے انھیں 'نعت رنگ' کی صورت میں ایسا آتش دان میسر آگیا جس نے ان چنگاریوں کو بجھنے نہیں دیا۔ مدیر نعت رنگ نے راکھ میں دبی ہوئی ان چنگاریوں کو جستہ جستہ تلاش کر کے 'نعت رنگ' کی فضا میں پروان چڑھایا اور اب یہ چنگاریاں ایسا الاؤ بن چکی ہیں جس نے نعت کے گرد لپٹی ہوئی اندھی عقیدت کے خاروخس کو خاکستر بنا دیا ہے۔ آج صنفِ نعت 'نعت رنگ' کی بھٹی میں تپ کر ایسا کندن بن کر سامنے آرہی ہے جو تحقیق و تنقید کے بازار میں اپنی مضبوط ساکھ بھی قائم کر چکی ہے اور اعتبار کے معتبر حوالے بھی۔ یہ مدیر 'نعت رنگ' کے اُس خواب کی تعبیر بھی ہے جسے انھوں نے اس مجلّے کو جاری کرنے سے پہلے دیکھا تھا۔

'نعت رنگ' میں کئی طرح کے خطوط شائع ہوئے۔ ان میں کچھ محض رسمی اور رسیدی نوعیت کے ہیں، کچھ شکوہ آمیز اور کچھ تعارفی نوعیت کے حامل اور کچھ مکتوب نگار کی شخصیت کی گرہ

'ہماری زبان' نئی دہلی میں بھی خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس رسالے میں بالعموم ایک صفحہ خطوط کے لیے 'مراسلات' کے عنوان سے شائع ہوتا تھا۔ جس میں ملک کے طول و عرض سے اہل علم کے خطوط شائع ہوتے تھے۔ اس صفحے میں رسالے میں شائع ہونے والے کسی مضمون سے متعلق مکتوب نگار کی رائے درج ہوتی تھی۔ سندی مقالے کی تحقیق کرنے والے طالب علم موضوع سے متعلق پیش آمدہ مسائل لکھ بھیجا کرتے تھے، کسی شعر یا غزل کے خالق کے بارے میں معلومات یا انتساب سے متعلق معلومات درکار ہوتی تھیں۔ بہت سے حقائق اور تسامحات کی نشان دہی کی جاتی تھی۔ ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی پر 'دیوان غالب نسخہ امروہہ' شائع ہوا تو اس رسالے میں اس دیوان سے متعلق کثیر تعداد میں اہل علم و ادب کے علمی و تحقیقی خطوط شائع ہوئے۔ (۲۲)

۱۹۵۸ء میں ترقی اردو بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے دو سال بعد ۱۹۶۰ء میں 'اردو نامہ' کے نام سے ایک تحقیقی مجلّہ جاری کیا گیا۔ جس میں ایک طرف تحقیقی مقالات شائع کیے جاتے تھے تو دوسری طرف لغت اور زبان سے متعلق اہل علم کی آراء بھی طلب کی جاتی تھیں۔ ثانی الذکر کے حوالے سے مدیرِ مجلّہ کے نام بیسیوں خطوط موصول ہوئے۔ (۲۳) اس مجلّے میں اثر لکھنوی، افسر میرٹھی، اکبر علی خان، آمنہ خاتون، تحسین سروری، رشید حسن خان، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، ڈاکٹر سہیل بخاری، صفدر آہ، عبدالماجد دریابادی، قاضی عبدالودود، عرش ملسیانی، قدرت نقوی، نصیر الدین ہاشمی، ہارون خان شروانی، وغیرہ جیسی شخصیات کے علمی اور تحقیقی نوعیت کے حامل خطوط شائع ہوئے۔ (۲۴)

ان کے علاوہ کثیر تعداد میں ایسے رسائل و جرائد بھی شائع ہوتے رہے ہیں جن میں خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کے رسائل و جرائد میں 'شب خون' (الہ آباد)، ماہنامہ 'سہیل' (گیا)، 'ہماری آواز' (بدایوں)، 'آج کل' (دہلی)، 'ایوان اردو' (دہلی)، 'فکر و تحقیق' (دہلی)، 'کتاب نما' (دہلی)، 'شاعر'، (بمبئی)، 'اردو بک ریو (دہلی)، 'اردو دنیا' (دہلی)، 'مباحثہ' (پٹنہ)، 'شان ہند' (دہلی)، اہمیت کے حامل ہیں اور پاکستان کے رسائل و جرائد میں، 'فنون' (لاہور)، 'اوراق' (سرگودھا)، 'سیارہ' (لاہور)، 'مجلّہ بدایوں' (کراچی)، 'چہار سو'، (راولپنڈی)، 'طلوع افکار' (کراچی)، 'روشنائی'، (کراچی)، 'آئندہ' (کراچی)، 'مکالمہ' (کراچی)، 'دنیا زاد' (کراچی)، 'افکار' (کراچی)، 'مخزن' (لاہور)، 'الاقربا' (اسلام آباد)، اور 'نئی عبارت'

مخصوص نقطۂ نظر کے نمائندہ رسالے کے مروجہ اصول و ضوابط کا پابند نہیں رکھا۔
اس کا سبب صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ اس انداز اور مزاج کے حامل نعت پر کئی
جریدے شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ میں نے ہمیشہ 'نعت رنگ' کو ایک
ایسی محفل بنانے کی کوشش کی ہے جہاں مختلف الخیال احباب اپنے اپنے مکتب
فکر و اندازِ نظر کے ساتھ شریک ہو کر ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فکری،
مذہبی، ادبی اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کر سکیں، یہی نہیں بلکہ ادب کا عام مگر باشعور
قاری بھی اس گفتگو میں اسی اہمیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکے جس کا
حق ہم صرف لکھنے والوں کو دیتے رہے ہیں۔ ایک ایسے فورم پر جہاں اظہارِ
رائے کی آزادی ہو وہاں مباحث کا دائرہ صرف فکری، ادبی اور فنی نہیں رہتا بلکہ
کہیں کہیں اور کبھی کبھی مسلکی اور فقہی بھی ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا
ہونا کوئی بری بات نہیں ہے کہ یہ چیزیں بھی ہمارے لیے معنی رکھتی ہیں اور ہم
اپنے نظریات کو اسی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ
اختلافِ رائے بری چیز نہیں مگر شائستگی ضروری ہے۔ ہمارے بیشتر لکھنے والے
اس کا خیال رکھتے ہیں مگر کچھ احباب اپنی تحریروں پر اٹھنے والے سوالات سے
خاصی حد تک آزردہ نظر آتے ہیں۔ میری ان سے درخواست ہے کہ 'نعت رنگ'
کے معماروں میں ان عظیم ناموں کو دیکھیں جو ادب و مذہب کے اہم نام ہیں
لیکن انھوں نے نعت پر بے لاگ گفتگو کے در وا کرنے کے لیے اپنی تحریروں پر
اعتراضات اور سوالات کشادہ دلی سے برداشت کیے اور مسلسل 'نعت رنگ'
میں لکھتے رہے کہ ہم سب نعت پر ایسی تنقیدی گفتگو کو فروغ دینا چاہتے تھے جس
پر کسی قسم کی مصلحت اور فرقہ بندی کا سایہ نہ ہو۔'' (۲۶)

'نعت رنگ' کسی منجمد ذہن کی پیداوار نہیں۔ اس کی تشکیل اور آبیاری میں ہر رنگ، ہر
نسل، ہر علاقے، ہر برادری اور ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے روشن خیال دانشوروں نے حصہ لیا
ہے گویا اس کی رگوں میں ایک زندہ اور توانا خون دوڑ رہا ہے۔ اگر یہ مجلّہ کسی خاص مسلک یا نقطۂ نظر
کا ترجمان بن کر ابھرتا تو اس کے فکری اور تخلیقی سوتے کبھی کے خشک اور منجمد ہو چکے ہوتے اور یہ مجلّہ
دیگر نعتیہ رسائل کی طرح وقت سے پہلے پردۂ غیب میں چھپ جاتا یا محض رینگتے ہوئے اپنے وجود

کشائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کثیر تعداد ان خطوط کی ہے جو علمی، ادبی، مذہبی، تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کے حامل ہیں۔ یہی خطوط 'نعت رنگ' کا حاصل کہے جا سکتے ہیں۔ ان خطوط میں علم و دانش اور تحقیق و تنقید کے بے شمار خزف ریزے بکھرے پڑے ہیں۔ جن میں سے بعض تو علمی، تنقیدی اور تحقیقی حوالے سے خاصے کی چیز ہیں۔ یہ خزف ریزے بعض اوقات تو موضوع کے کسی پہلو کے ضمن میں آ گئے ہیں اور اکثر 'نعت رنگ' میں شائع شدہ مقالات کی تصحیح، توسیع یا تردید کی غرض سے تحریر کیے گئے ہیں۔ ان خطوط میں تنقیدِ نعت، تحقیقِ نعت، تخلیقِ نعت اور متعلقاتِ نعت کو بطورِ خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ افکار و نظریات کا ایک بہاؤ ہے جو مکتوب نگاروں کے ذہنی سرچشموں سے پھوٹتا ہوا 'نعت رنگ' کو سیراب کر رہا ہے۔ تحقیقات کا ایک گراں قدر سرمایہ ہے جو قارئین پر لٹایا جا رہا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ زبان و بیان اور اظہار کے خوبصورت پیرایے قارئین کے ذوق جمال کی آبیاری بھی کر رہے ہیں اور اس طرح تحقیق و تنقید کا ذخیرہ اپنے تخلیقی آب و رنگ کے ساتھ 'نعت رنگ' کے صفحات میں جلوہ گر ہوا ہے۔ ان خطوط میں نظری مباحث بھی ہیں اور تحقیق و تنقیدِ نعت کی عملی مثالیں بھی، ذاتی مشاہدات کا بیان بھی ہے اور باطنی واردات کا اظہار بھی، علمی نکات بھی زیرِ بحث آئے ہیں اور تحقیقی تسامحات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ نعت گو شعرا کے احوال و آثار بھی موجود ہیں اور تخلیقی رویوں پر جچی تلی آرا بھی۔ شخصیات کی آپ بیتیوں کے نقوش بھی موجود ہیں اور جلے کٹے خیالات بھی۔ غرض یہ کہ خطوط کے مختلف موضوعات اور پہلوؤں کی یہ کہکشاں اپنے اندر ایک الگ کائنات رکھتی ہے۔ ان خطوط کی مطالعاتی/انتقادی افادیت سے کسی بھی طور انکار ممکن نہیں۔ ان خطوط میں ایک طرف زندگی کے مختلف نقوش اور مظاہر اپنے جلوے دکھا رہے ہیں تو دوسری طرف علم، ادب، تاریخ، تہذیب، تحقیق اور تنقید کے سرمائے بھی لٹائے جا رہے ہیں۔

'نعت رنگ' میں جن شخصیات کے خطوط شائع کیے گئے ہیں، ان کا تعلق کسی مخصوص خطے، علاقے یا جغرافیے سے نہیں اور خوش آیند بات یہ ہے کہ اس میں کسی ایک مسلک، برادری، نسل یا گروہ کو اپنے خطوط چھپوانے کی اجارہ داری حاصل نہیں بلکہ یہ مجلّہ ہر زبان، ہر علاقے اور ہر مکتبۂ فکر کے دانشوروں کو فراخ دل اور کھلے ہاتھوں خوش آمدید کہہ کر اظہارِ خیال کا یکساں موقع فراہم کرتا ہے۔ اس حوالے سے مدیرِ نعت رنگ کا بیان ملاحظہ فرمائیے:

''نعت رنگ' کے اجرا کے وقت سے لے کر آج تک میں نے 'نعت رنگ' کو کسی

مدیر 'نعت رنگ' کو موصول ہوئے جو پچھلی دو صدیوں پر محیط صحافتی اور ادبی تاریخ میں کسی رسالے یا جریدے کو شاید ہی موصول ہوئے ہوں۔ 'نعت رنگ' کو موصول ہونے والے خطوط میں جن موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے اور نعت کے حوالے سے جو نکات اٹھائے گئے ہیں، ان سے معلومات کے صد ہا در ہی وا نہیں ہوئے، تحقیق کے نئے نئے جزیروں کی دریافت اور تنقید کی نئی شاہراؤں کی نشان دہی بھی ہوئی ہے۔

اگرچہ 'نعت رنگ' سے پہلے جاری ہونے والے رسائل میں بھی مضامین شائع ہوتے تھے لیکن ان کی نوعیت تنقیدی و تحقیقی سے زیادہ تقریظی، تعارفی اور تاثراتی دائروں میں گھوم رہی تھی نیز یہ کہ رسائل کا غالب رجحان تخلیقِ نعت کی اشاعت اور فروغ تک محدود ہوتا تھا۔ (۳۰) مدیر 'نعت رنگ' نے اس مجلّے کو صرف تخلیقِ نعت کے فروغ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں تحقیق و تنقید کو زیادہ جگہ دے کر اس امر کا بالواسطہ اعلان بھی کر دیا کہ اب تخلیقِ نعت کی سمت کا تعین او رہنمائی کا کردار نقاد اور محقق ادا کریں گے۔ چنانچہ 'نعت رنگ' کے لیے دنیا بھر سے معروف اور غیر معروف محققین اور ناقدین سے نعت کے مختلف پہلوؤں پر مقالات تحریر کروائے گئے اور اس کے ساتھ ہی ان مقالات کے موضوعات اور تخلیقِ نعت پر اہل قلم سے خطوط کے ذریعے آراء بھی طلب کی گئیں۔ 'نعت رنگ' کو موصول ہونے والے خطوط کو من و عن شائع کر دیا جاتا تھا اور ساتھ ہی قارئین سے التماس بھی کی جاتی تھی کہ وہ ان خطوط کو دل جوئیوں کے موسم میں تحریر کرنے کی بجائے تحقیق و تنقید کی گرم اور مرطوب آب و ہوا میں بارآور کریں۔ 'نعت رنگ' کے ابتدائی شماروں میں شائع ہونے والے تعریفی، تقریظی، رسمی اور رسیدی نوعیت کے خطوط رفتہ رفتہ خالص علمی، تحقیقی اور تنقیدی حیثیت اختیار کر گئے۔ چنانچہ اب صورت حال یہ ہے کہ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے خطوط میں تحقیقی و تنقیدی مباحث کا سلسلہ قدیم نظریات سے قدم آگے بڑھ کر جدید نظریات کا احاطہ بھی کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ اردو تنقید جن راہوں سے آج آشنا ہو رہی ہے، وہی راہیں اب نعت سے بھی ہم کلام ہونے لگی ہیں۔ یہ کام آسان نہ تھا، اس خواب کو تعبیر دینے کے لیے جو جذبہ، محنت اور لگن درکار تھا اب وہ 'نعت رنگ' کو میسر آ گیا۔

مدیر 'نعت رنگ' کے ذہن میں نعت کے مستقبل کا جو منظر نامہ تشکیل پا رہا تھا اس کو بروئے کار لانے کے لیے انھوں نے 'نعت رنگ' کے اداریوں کا انتخاب کیا۔ ان اداریوں میں انھوں نے نعت کے نئے نئے موضوعات کی نشان دہی کی، نعت کے متنوع امکانات کی طرف

کا یقین دلاتا۔ چونکہ اس کی رگوں میں نئے اور متنوع خیالات کا خون دوڑ رہا ہے اس لیے یہ مجلّہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ (۲۷)

اس کتابی سلسلے میں اشاعت کی غرض سے آنے والے ہر خط کو بغیر کسی قطع برید کے شائع کر دیا جاتا ہے گویا یہ مدیر کی اپنے حق ادارت سے دستبرداری کا بھی واضح اعلان ہے۔ مدیر 'نعت رنگ' کے اس طرزِ عمل کو بعض احباب نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور بعض نے سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے اس عمل کو پسند تو کیا لیکن بعض تحفظات کے ساتھ۔ مخالفت کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے اس نہج تک پہنچ گیا کہ انھیں ہمسایہ ملک کا ایجنٹ کہنے میں بھی کوئی خفت محسوس نہ کی گئی۔ (۲۸) دلچسپ بات یہ ہے کہ مخالفین کے الزامات اور اعتراضات، مدیر کے ارادوں میں رکاوٹ بننے کی بجائے مہمیز کا کام دینے لگے۔ مخالفین کے منفی طرزِ عمل کے باعث تنقیدِ نعت کا یہ سلسلہ سُست روی کا شکار ہو سکتا تھا لیکن خلاف توقع اس کی رفتار تیز تر ہوتی چلی گئی اور یہ مجلّہ آئے دن نئے نئے خیالات کی پرورش کی آماج گاہ بن گیا۔ دنیا بھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار نعت کے حوالے سے جو کچھ سوچ رہے تھے، ان کے خیالات، جذبات، افکار، نظریات اور نقطہ ہائے نظر ان خطوط کے ذریعے قارئین تک پہنچنے لگے۔

نعت کے حوالے سے سوچنے والے اذہان کے خلوص کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (۲۹) ہر شخص کا اپنا نقطۂ نظر ہوتا ہے اور اس کے اظہار میں وہ آزاد بھی ہے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آزادیِ رائے کے سب سے بڑے علم بردار بن کر سامنے آئے ہیں چنانچہ 'نعت رنگ' نے ہر صاحبِ علم کو نعت کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی آزادی دے کر سرد و گرم مباحث کا دروازہ کھول دیا۔ 'نعت رنگ' کی کھڑکیوں سے کبھی خنک اور یخ بستہ ہوائیں اور کبھی گرم اور جھلسا دینے والی لوویں ابھرتی رہیں۔ انھی ہواؤں کے ملاپ سے تنقیدِ نعت کا ایسا متوازن ماحول تشکیل پایا جس میں نعت پر سوچنا اور لکھنا معیوب اور ناپسندیدہ نہ رہا۔ اختلافی اور نزاعی موضوعات پر کھل کر مباحث کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابتدا میں ادبی موضوعات پر پیش کیے جانے والے اختلافی خیالات تو قارئین کے لیے قابلِ قبول تھے لیکن نزاعی مباحث تخریبی رخ اختیار کر سکتے تھے لیکن مدیر 'نعت رنگ' کی دانشمندی سے ان مباحث کا رخ تعمیری ہی رہا۔ چونکہ مدیر 'نعت رنگ' کا بنیادی مقصد فقط گیسوئے نعت کی آرائش اور تخلیقِ نعت کا فروغ رہا، اس لیے دنیا بھر سے نعت کے حوالے سے علمی مباحث، دلائل و براہین اور نکات سے مملو خطوط اتنی کثیر تعداد میں

مدیر 'نعت رنگ' کے ان خیالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعت جو دو دہائیوں قبل تک تقدیسی دائرے اور عقیدت کے سائے میں پروان چڑھ رہی تھی اور محض سننے سنانے کی چیز بن کر محافل میلاد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اب وہ اس مخصوص دائرے سے نکل کر علم و ادب اور تحقیق و تنقید کی انجمن میں آ بیٹھی۔

ادب کی تفہیم کی سینکڑوں سالہ روایت پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالیے، ہر عہد اور ہر دور میں ادب کو پرکھنے کا ایک علیحدہ اور مخصوص معیار ہی رائج رہا۔ جیسے ہی زمانے نے کروٹیں بدلیں، ادب کو پرکھنے کے معیار نے بھی نیا رخ اختیار کر لیا۔ ادب کو پرکھنے کا ہر طریقہ ادب کی کسی ایک جہت کی تفہیم یا ایک نکتے کی عقدہ کشائی میں مددگار کے طور پر سامنے آیا۔ ان طریقوں کو دبستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان دبستانوں میں جمالیاتی دبستانِ تنقید، تاثراتی دبستانِ تنقید، عمرانی دبستانِ تنقید، مارکسی دبستانِ تنقید، ساختیاتی دبستانِ تنقید، وغیرہ وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ تمام دبستان تنقید ادب کی تفہیم کے لیے کوئی ایک ہی مخصوص طریقہ یا انداز استعمال کرتے رہے ہیں۔ ان تمام دبستانوں کے تفہیمی طریق کار سے ادب کی یک رخی تصویر ہی سامنے آتی ہے۔ ادب کثیر الجہت اور کثیر المعنویت کا حامل ہوتا ہے۔ متذکرہ دبستانوں میں سے کوئی دبستان بھی، ادب کی تمام جہات اور امکانات کا سراغ لگانے یا سامنے لانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لیے نعتیہ ادب کی تنقید کے لیے کسی ایک دبستان تنقید کا استعمال کلی طور پر سودمند نہیں ہو سکتا۔ نعت کے تجزیہ و تفہیم میں کسی ایک ہی دبستان تنقید کا استعمال ایسا ہی ہوگا جیسے مختلف النوع اشیا کو ایک ہی میزان پر تولا جائے۔ ایسا طرز عمل کسی بے شعور یا کم شعور سے تو کیا جا سکتا ہے لیکن سنجیدہ نقاد سے اس طرح کے طرز عمل کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ ہر سنجیدہ نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ نعت کی تفہیم، تعبیر اور تشریح کسی متعینہ فارمولے کے تحت نہ کرے بلکہ نعت کے موضوع، ہیئت، تکنیک اور اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا الگ تنقیدی پیٹرن وضع کرے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نعت کی تفہیم و تنقید کسی لگے بندھے اصولوں کے تحت کرنے کی بجائے قدیم و جدید اصول و ضوابط اور افکار و نظریات سے کشید کیے ہوئے معیارات کی روشنی میں کی جائے۔ یہی نقطۂ نظر مدیر 'نعت رنگ' کا بھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نعت کی تنقید کو جملہ دبستانوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے انھوں نے 'انتخابی تنقید' کی اصطلاح وضع کی ہے جس میں وزیر آغا کی امتزاجی تنقید کی بازگشت سنی جا سکتی ہے۔ انتخابی تنقید کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر نعت رنگ لکھتے ہیں:

اشارے کیے، تنقیدِ نعت کے حوالے سے نئے اور قدیم نظریات کو برتنے کا مشورہ دیا اور تنقید کے جملہ دبستانوں سے اکتسابِ شعور کی طرف توجہ دلائی۔ نعت کو محض تقدیس کے دائرے سے باہر نکال کر بطور ایک ادبی صنف کے پرکھنے اور برتنے کا مشورہ دیا اور نعت کو رسمی، تاثراتی اور تعارفی تنقید کی صف سے نکال کر سائنٹفک، جدید اصولوں سے آراستہ اور ٹھوس بنیادوں پر پرکھنے اور برتنے کا مشورہ دیا۔ اس حوالے سے مدیر نعت رنگ کے اداریے سے ماخوذ ذیل کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ''۔۔۔دنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں تخلیق کیے جانے والے شاعری کے شہ پاروں اور ان پر تنقید کا تقابلی مطالعہ ہی اس بات کے جواب کا تعین کر سکتا ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب ہم نعتیہ شاعری اور اس سے متعلق تنقیدی مواد کو بین الاقوامی سطح پر رائج تخلیقی اقدار اور معیاروں کے تناظر میں متعارف کروائیں۔ عالم گیریت (Globalization) کے موجودہ رجحان کے پھیلاؤ کے پیشِ نظر یہ بات بھی قابلِ توجہ اور ضروری محسوس ہوتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی نبوت و رسالت کی ہمہ گیریت، جامعیت اور عالم گیریت کو عالمی سطح پر ان کی حقیقی جہتوں کے عین مطابق متعارف کرواتے؟ فروغ دیا جائے۔ یہ ہمارا دینی فریضہ بھی اور ادبی منصب بھی۔۔۔'نعت رنگ' کے انیسویں شمارے کی اشاعت پر میں یہ احساسِ ذمہ داری آپ تک منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے نعت کے ادبی فروغ کا جو سفر شروع کیا ہے وہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے۔ ابھی ہمیں نعتیہ ادب کو اس کی تمام تر جہتوں کے تناظر میں تنقید کے اعلیٰ ترین معیاروں کے مطابق متعارف کروانا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو حقیقی تنوع کے ساتھ۔۔۔ مسلمانوں کی عقیدت، محبت اور وابستگی کے حوالے سے عالمی ادب کی شعری اصناف مثلاً Epic اور Ode وغیرہ کی وساطت سے روشناس کرانے کی منزل بھی سر کرنی ہے اور منزل کو سر کرنے کے لیے ہمیں ضرورت ہے ایک ایسے ادارے اور پلیٹ فارم کی جو عالمی سطح پر اپنی شناخت اور دائرۂ عمل رکھتا ہو۔'' (۳۱)

سامنے لاتے ہیں اور قارئین کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

صبیح رحمانی نے 'نعت رنگ' کی عمارت کی بنیاد اٹھائی تو اس کی پہلی اینٹ ہی تنقیدِ نعت کی رکھی۔ (۳۳) ان کا یہ اجتہادی اقدام اس زمانے میں سامنے آیا جب تنقیدِ نعت، عقیدت کے سائے میں پرورش پا رہی تھی اور سبحان اللہ، ماشاء اللہ سے قدم آگے بڑھا نہیں پا رہی تھی۔ نعت کو درپیش اس بحرانی دور میں انھوں نے تنقیدِ نعت کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا اور پہلے شمارے ہی میں تنقیدِ نعت کی نظری اور عملی مثالیں (مضامین کی صورت میں) پیش کر کے نعتیہ صحافت اور تنقید کو حیران کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب نعت کو رسمی اور روایتی حصار سے نکال کر ادبی، فکری اور فنی تنقید کی کسوٹی پر پرکھا گیا اور نعتیہ ادب میں توانا رجحانات کے فروغ، صحت مند روایات کی ترویج، اور موضوع کی تقدیس کے خدوخال اجاگر کرنے میں تنقیدِ نعت کو ناگزیر قرار دیا گیا تھا۔ (۳۴) ان کا یہ انقلابی اقدام گویا اس عہد کے مروجہ اسالیبِ تنقیدِ نعت سے بغاوت کے مترادف تھا۔ نتیجتاً کم علم تو ایک طرف اہلِ علم کا بھی ایک بڑا طبقہ ان کی مخالفت پر اتر آیا اور اپنے خطوط اور مضامین کے ذریعے ان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتا رہا اور ناامید ہو کر اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہا۔ مدیر کو موصول ہونے والے خطوط کے مندرجات اور ان کے اسلوب کی نوعیت سر سید کو 'تہذیب الاخلاق' کے اجرا کے بعد موصول ہونے والے خطوط سے قدرے مختلف نہ تھی۔ جس طرح سر سید کو 'تہذیب الاخلاق' کی اشاعت کے بعد مخالفتوں کے طوفان کا سامنا کرنا پڑا اور معاصرین کے تیز و تند حملوں کو برداشت کرنا پڑا بعینہٖ 'نعت رنگ' اور مدیر 'نعت رنگ' کو ردِ عمل کا سامنا رہا۔

سر سید اور صبیح رحمانی دونوں نے ایسے معاملات اور موضوعات کا انتخاب کیا تھا جو ہمارے معاشرے میں شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ موضوعات سر سید کے عہد میں بھی حساس نوعیت کے حامل تھے اور پونے دو صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کی حساسیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ سر سید اور صبیح رحمانی دونوں کے نزدیک یہ موضوعات اہم بھی تھے اور وقت کی ضرورت بھی۔ سر سید احمد خان کا رویہ چونکہ جارحانہ تھا اس لیے ان کے خلاف مخالفت کا زور بڑھتا گیا اور آخر کار انھیں 'تہذیب الاخلاق' کی بساط کو لپیٹنا ہی پڑا۔ (۳۵) صبیح رحمانی نے نعت جیسے حساس موضوع کی اصلاح کے عمل کو بہ اندازِ دیگر لیا۔ اس لیے انھیں سر سید کی طرح شدید مخالفت کا سامنا کرنا تو نہیں پڑا لیکن مشکلات سے نبرد آزما ہونا ضرور پڑا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سر سید چونکہ حساس نوعیت کے موضوعات میں فریق کا کردار ادا کرتے تھے اس لیے مخالفت کے تمام وار انھوں نے

''میرا موقف یہ ہے کہ نعت کا مطالعہ انتخابی تنقید کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔ انتخابی تنقید سے میری مراد یہ ہے کہ تنقید کے تمام دبستانوں کے اصولوں کی روشنی میں نعت کا مطالعہ کیا جائے۔ تاریخی دبستانِ تنقید سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ کن حالات اور کن ادوار میں لوگ نعت کی طرف متوجہ ہوئے یا ہوتے ہیں۔ نفسیاتی دبستان تنقید کے ذریعے ان رموز کی عقدہ کشائی ہوسکتی ہے کہ شاعروں کی روحانی، ذہنی اور نفسیاتی کشاد میں نعت نے کتنا اور کس طرح حصہ لیا۔ نعت سے کس طرح شاعروں کا کیتھارسس ہوا ہے اور کس طرح نعت نے معاشرے کو پاکیزہ بنانے میں اپنا کردار ادا کیا، کیوں کہ اعلیٰ درجے کی نعت بلند تر اقدارِ حیات کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی اور اقدار ہی کی بنیاد پر انسانی معاشرے کی سمت نمائی ہوتی ہے۔ نعت کے مطالعے کے لیے اسلام کا مطالعہ بھی لازمی ہے تاکہ منصب رسالت سے آگاہی حاصل ہوسکے اور نعت محض رسمی عقائد تک محدود نہ رہے کیوں کہ سرکار کی سیرت کا ذکر نظم میں ہو یا نثر میں انسان کی تعمیر کرتا ہے۔'' (۳۲)

اہلِ علم کا ایک خاص طبقہ ایسا بھی ہے جو مقالے کے معیار اور استناد کو تحقیقی مقالے کی تسوید میں بروئے کار لائے گئے حوالوں اور مآخذ سے پہچانتے ہیں لہٰذا وہ تحقیقی مقالے یا کتاب کو پڑھنے کا آغاز اس کے آخر (الٹی طرف) سے کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ مقالہ یا کتاب کی تسوید میں برتے گئے مآخذ معیاری بھی ہیں یا نہیں۔ اسی طرح ادبی مجلّے کے معیار کو پرکھنے کا ایک طریقہ اس میں شائع ہونے والے خطوط کے مواد، آراء اور مکتوب نگاروں کے مراتب سے لگایا جاتا ہے کیونکہ اس طرح اس ادبی مجلّے کے تحقیقی و تنقیدی معیار کا پتا چلتا ہے۔ معاصر عہد کے ادبی رجحانات سے پردہ اٹھتا ہے اور اس مجلّے کے قارئین کی ادبی قدوقامت کا بھی اندازہ لگانے میں آسانی رہتی ہے۔ قارئین کے لیے شاید یہ بات حیران کن ہو کہ 'نعت رنگ' کا سب سے دلچسپ اور سب سے زیادہ پڑھا جانے والا حصہ اہل قلم کے مکاتیب کا ہے۔ 'نعت رنگ' کے قارئین ان مکاتیب کا شدت سے انتظار کرتے ہیں اور 'نعت رنگ' کے حصول کے بعد پہلی فرصت میں ان کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ یہ مکاتیب 'نعت رنگ' کے مشمولات کا معیار متعین کرتے ہیں۔ ''نعت رنگ' میں راہ پا جانے والی خامیوں کی نشان دہی کرتے ہیں، قارئین کے رجحانات اور رویوں کو

کی کسوٹی پر پرکھنے یا نہ پرکھنے کے حوالے سے تین طرح کے نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ پہلا گروہ تو نعت کو سرے سے ہی تحقیقی و تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کا مخالف تھا۔ ان کے نزدیک نعت کا تعلق چونکہ عقیدے سے ہے اور عقیدے کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا نہیں جاتا۔ اس لیے نعت کی تنقید غیر ضروری اور نامناسب ہے۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ نعت پر تنقید کا باب کھولنے سے صنفِ نعت کو ہی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں بلکہ اس کے پردے میں صاحبِ نعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا پہلو بھی مضمر ہے۔ (۳۸) جب کہ دوسرے گروہ کا نقطۂ نظر تھا کہ تنقیدِ نعت ضروری تو ہے لیکن ایک حساس موضوع ہونے کی بنا پر تنقیدِ نعت بہت احتیاط کی متقاضی بھی ہے چنانچہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سازگار ماحول کے تشکیل پانے تک کا انتظار کیا جائے اور اس پر کھلے عام بحث و تمحیث سے گریز کیا جائے۔ (۳۹) جب کہ تیسرا گروہ نعت پر تنقید و تحقیق کا قائل تو تھا لیکن اس کو پرکھنے کے لیے جدید تنقیدی نظریات یا مغربی افکار کی روشنی کو جائز خیال نہیں کرتا تھا۔ ان کے خیال میں نعت ایک خاص تہذیب کی پروردہ ہے اس لیے نعت کو اسی خاص تہذیبی اور معاشرتی سیاق میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس گروہ کا مؤقف تھا کہ اگر نعت کو اس کے تہذیبی سیاق میں سمجھنے کی بجائے کسی اور سیاق یا افکارِ نقد کی روشنی میں دیکھا جائے گا تو اس کے ساتھ سخت ادبی اور مذہبی بددیانتی ہوگی۔ (۴۰)

اول الذکر دونوں گروہ کے حامل افراد کے خیالات (بلکہ کسی حد تک تیسرے گروہ کے خیالات میں بھی) میں ایک چیز مشترک نظر آتی ہے وہ ہے خوف کا عنصر۔ یہ وہی عنصر ہے جس کی طرف ڈاکٹر منظور احمد نے فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو کے حوالے سے اشارہ کیا ہے۔ ڈاکٹر منظور احمد کا خیال ہے کہ اسلامی فکر میں جمود کا ایک سبب تو تصوف ہے جس کی نشان دہی اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں جا بجا کی ہے اور دوسرا عنصر خاص نفسیاتی ہے اور وہ ہے خوف۔ یہ عنصر ہمارے ذہنوں میں شعوری اور غیر شعوری طور پر جاگزیں ہو گیا ہے۔ یعنی اپنے تشخص کو کھو دینے، اپنی سیادت اور بالادستی کے ختم ہو جانے اور اپنے بکھر جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خوف۔ (۴۱) اسی طرح کا خوف ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ بن چکا تھا کہ اگر نعت کی تنقید کے در وا کیے گئے تو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے مرتبے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔ (۴۲) صبیح رحمانی کا خیال تھا کہ نعت کو تنقید سے بالاتر سمجھنے اور اسے مرزا پھویا بنا کر رکھنے سے فائدے کی بجائے الٹا نقصان پہنچے گا اور نقصان پہنچ بھی رہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ تنقیدِ نعت میں حزم و احتیاط ضروری ہے لیکن حد

اپنے سینے پر سہے جب کہ صبیح رحمانی نے ممنوعہ موضوعات کا دھارا اہل علم و دانش کی جانب موڑ دیا۔ دوطرفہ مباحث اور معرکوں کا 'میدانِ کارزار' 'نعت رنگ' کے صفحات پر رونما ہوا۔ یہ معرکے کبھی شعبہء مراسلات میں اور کبھی تحقیقی وتنقیدی مضامین کے حصے میں ظہور میں آئے۔ لہٰذا مخالفت کا جو طوفان ان کے خلاف اٹھنا تھا وہ طوفان اٹھا تو ضرور لیکن ان کے خلاف نہیں بلکہ مقالہ نگاروں اور مکتوب نگاروں کے درمیان قلمی اور ادبی معرکوں کی صورت میں ظہور میں آیا۔ جس کا سامنا بالواسطہ طور پر مدیر 'نعت رنگ' کو بھی کرنا پڑا۔ طوفان کی منہ زور لہریں وقتاً فوقتاً ان سے ٹکراتی تو رہیں لیکن ان کے پائے استحکام کو متزلزل نہ کر سکیں۔ وہ ایک مضبوط اور مستحکم مینار کی طرح ساحلِ سمندر پر تنے کھڑے رہے اور اس میں اٹھنے والی لہروں کے نشیب وفراز کا بغور مشاہدہ کرتے رہے لیکن جب انھیں طوفان کے تھمنے یا لہروں کے زور ٹوٹنے کا اندازہ ہونے لگتا تو سوال کا کوئی پتھر پھینک کر پھر اس میں ارتعاش پیدا کر دیتے۔ اس طرح نعت کے حساس موضوع پر گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا اور آج یہ سلسلہ تحریک کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

صبیح رحمانی نعت کے موضوعات پر گفتگو کرنے کے لیے 'نعت رنگ' کے اداریوں کا سہارا لیتے اور اس میں فیصلہ سنانے کی بجائے سوال اٹھاتے اور سوال کا رخ قارئین کی جانب موڑ دیتے۔ اس طرح اس سوال کے حق اور مخالفت میں مضامین اور خطوط موصول ہونے کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ وہ قارئین کے ان موصولہ دوطرفہ نقطہ ہائے نظر کے حامل مضامین اور خطوط کو 'نعت رنگ' میں شائع کر دیتے۔ اس طرح بات آگے بڑھتی اور بحث کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا لیکن اس سارے عمل میں ان کا کردار ایک عمل انگیز (Catalyst) کی طرح رہتا جو خود تو عمل میں حصہ نہیں لیتا لیکن اس کی موجودگی عمل اور ردِعمل کو تیز کرنے کا باعث ضرور بنتی ہے۔ (۳۶) بعینہٖ 'نعت رنگ' کا پلیٹ فارم تنقیدِ نعت کے دوطرفہ مباحث کو آگے بڑھانے میں ممد ومعاون رہا۔ صبیح رحمانی نے کبھی بھی کسی مؤقف کے پلڑے میں اپنے نقطہء نظر کا وزن ڈال کر اسے جھکانے کی کوشش نہیں کی۔ (۳۷) کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کا جانبدارانہ رویہ مکالماتی فضا اور ماحول کو مسموم کرنے کا باعث بنتا۔ نتیجتاً بحث یک طرفہ ہو کر رک جاتی اور مکالمہ آگے نہ بڑھ پاتا۔

صبیح رحمانی نے 'نعت رنگ' کا آغاز کیا اور نعت کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کا مشورہ دیا تو نعت سے دلچسپی رکھنے والا طبقہ کافی سیخ پا ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ نعت کا موضوع حساس نوعیت کا حامل ہے۔ اس لیے اس پر تحقیق وتنقید کا بے رحم نشتر چلانا مناسب نہیں۔ اس ماحول میں نعت کو تنقید

مطابق پیش کرتے ہوئے اپنے جدید عہد کے سائنسی نظریات اور عقلی معیارات کو بنیاد بنایا۔ ان کے اس اقدام سے علما کا ایک طبقہ ان کا سخت مخالف ہو گیا اور انھیں نیچری، ملحد، کافر، کرسٹان، زندیق، لامذہب، دہریہ، غدار اور انگریزوں کا ایجنٹ کہنے لگا۔ (۴۶) یہ درست ہے کہ اصلاحِ عقائد و افکار اور تفسیری کوششوں میں سرسید نے سخت ٹھوکریں کھائیں۔ انھوں نے جمہور علما سے اپنی راہ الگ نکال کر اور مسلمہ عقائد و افکار سے بھی اختلاف کر کے ہندوستانی مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو بدظن کر دیا تھا لیکن ان کی نیت نیک تھی اور نیک نیتی کے ساتھ اٹھنے والا قدم خواہ غلط کیوں نہ پڑ جائے اسے لائقِ تعزیر شمار نہیں کیا جاتا بعینہ جب صبیح رحمانی نے 'نعت رنگ' کا اجرا کیا اور اس میں تنقیدِ نعت کے مباحث کو جگہ دی تو ان کے خلاف بھی سخت واویلا ہوا۔ ان کی نیت پر شک کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے انھیں ہمسایہ ملک کا ایجنٹ بھی قرار دے ڈالا لیکن چونکہ ان کی نیت نیک تھی اس لیے بدظنی کی مسموم ہوائیں زیادہ دور تک ان کا تعاقب نہ کر سکیں اور تھک ہار کر راستے ہی میں دم توڑ گئیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکتوبی تنقید و تحقیق کی ایک صدی سے زائد عرصہ پر پھیلی ہوئی روایت کے باوجود اردو تحقیق و تنقید میں مکتوبی تنقید کو درخورِ اعتنا کیوں نہیں سمجھا گیا؟ اس کے ساتھ سوتیلے پن کا سلوک کیوں روا رکھا گیا؟ اور اسے ادب میں خاطر خواہ مقام کیوں نہ مل سکا؟ دوسرا سوال یہ کہ مکتوباتی تنقید و تحقیق کے مباحث رسائل و جرائد میں زیادہ دیر تک اور زیادہ دور تک کیوں نہ چل سکے؟ اور یہ مباحث مروجہ تحقیق و تنقید کو راستہ کیوں فراہم نہ کر سکے؟ تیسرا سوال یہ کہ اردو کے اکثر ادبی رسائل و جرائد خطوط کی اشاعت سے کیوں کتراتے رہے؟ اور جن رسائل و جرائد (چند استثنائی مثالیں چھوڑ کر) میں خطوط کی اشاعت ہوتی رہی ان میں سے اکثر کی نوعیت محض رسمی یا رسیدی ہی کیوں رہی؟ چوتھا سوال یہ کہ کسی بھی رسالے کی ترقی کا راز کن باتوں میں مضمر ہوتا ہے؟ یہ تمام سوالات توجہ طلب بھی ہیں اور اہلِ ادب کو دعوتِ فکر بھی دیتے ہیں کہ وہ ان سوالات کا جواب تلاش کریں اور خطوط کی ادبی اور تحقیقی و تنقیدی کم مائگی کا سدباب بھی کریں۔ ذیل میں ان سوالات کے ممکنہ جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خطوط کو بالعموم ذاتی نوعیت کی چیز سمجھا جاتا رہا ہے اور اس میں موجود مباحث کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ اسی وجہ سے خطوط کو وہ ادبی اور تحقیقی و تنقیدی مقام نہیں مل سکا جو دیگر اصنافِ ادب کو حاصل رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ خطوط

سے بڑھا ہوا محتاط رویہ اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا عمل غیر ضروری ہے۔ حزم و احتیاط کے تقاضوں کے زیرِ اثر نعت کی تنقید کے دروازے بند کر دینا کہاں کی انصاف پسندی ہے۔ ان کے خیال میں نعت کا ادبی فروغ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب اس صنف کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور اس کے فکری اور علمی پہلوؤں پر گفتگو کا ایسا ادبی ماحول فراہم کیا جائے گا جو خوف و ہراس اور اندیشوں کی فضا سے معمور نہ ہو۔ (۴۳) مزید یہ کہ نعت کی تنقید نہ رسمی ہو نہ تعارفی اور نہ ہی تاثراتی بلکہ علمی اور سائنٹفک ہونی چاہیے۔ جس کے پس منظر میں مشرقی علوم بھی کارفرما ہوں اور جدید مغربی زاویہ نظر بھی۔ مشرقی اور مغربی نظریات اور اصولوں کے تال میل سے ہی تنقید کا خمیر اٹھنا چاہیے اور اسی خمیر سے نعت کا تنقیدی مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ (۴۴)

یہی نہیں بلکہ ان کا خیال تھا کہ نعت کے معروف اور قد آور شعرا کے کلام کا بھی تنقیدی محاکمہ ہونا چاہیے۔ اس طرح ایک طرف ان کا ادبی مقام و مرتبہ سامنے لانے اور متعین کرنے میں مدد ملے گی بلکہ نعت کی تنقیدی تاریخ پر تاثراتی اور معتقداتی تنقید کے گرد و غبار کو دور کرنے کا موقع بھی ملے گا۔ یہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور تنقیدِ نعت کی ضرورت بھی۔ اس حوالے سے مئی ۲۰۰۵ء میں 'جامِ نور' (نئی دہلی) کو دیے گئے ایک انٹرویو کا بیان ملاحظہ فرمائیے:

> ''مولانا احمد رضا خان صاحب پر کام کرنے والوں پر ایک خوف کا سایہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کو اگر ہم تنقیدی رویوں سے گزاریں گے تو ہمارے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا جب کہ میرا خیال یہ ہے کہ اس تاثر کو ختم کرنا چاہیے۔ دیکھیے! غالب اردو کا ایک عظیم شاعر ہے اگر اس کے حق میں دو سو کتابیں وجود میں آئی ہیں تو اس کے فن کے خلاف بھی دو سو کتابیں وجود میں آئی ہیں مگر شاعر ہونے کی حیثیت سے اس کے قد پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ تنقیدی کسوٹی سے گزر کر اس کی شاعری دن بدن فن کے نئے پہلوؤں سے ہمیں آشنا کر رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی شاعری اتنی بڑی، اتنی وقیع اور مقبول ہے کہ ان کے سر سے کلام کی مقبولیت اور عظمت کا تاج اب کوئی چھین نہیں سکتا۔ لیکن مولانا کی شاعری پر کھل کر گفتگو نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ اب تک ان کا کوئی ادبی مقام متعین نہ ہو سکا۔'' (۴۵)

سر سید احمد خان نے قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے اور اسلام کی حقانیت کو جدید دور کے

تیسرے سوال کا جواب پہلے جواب کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ خطوط کو غیر ضروری سمجھا جاتا رہا اور رسائل کے صفحات میں خطوط کی شمولیت ضخامت کا باعث بن کر مالی بوجھ میں اضافے کا باعث تصور کی جاتی رہی۔ زیادہ تر مکتوب نگاروں کے خطوط کا تعلق رسیدی، رسمی، تعارفی یا شکوہ آمیز نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس لیے ان خطوط کی رسالے میں اشاعت غیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس کے باوجود رسائل میں تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے خطوط بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان خطوط میں معاصر عہد کے ادبی نظریات، رجحانات اور مباحث پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ مزید یہ کہ خطوط کی اشاعت سے رسالے کی ضخامت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مالی مسائل کا بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ وہ رسالہ جو پہلے ہی مالی مشکلات میں گھرا ہوا ہو وہ خطوط کو شاملِ رسالہ کر کے اپنی مشکلات میں اضافے کا خود ہی باعث بننے کا محرک قرار پائے گا۔ چنانچہ مدیر کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ خطوط جیسی غیر اہم صنف کو رسالے سے باہر ہی رکھے۔ اس میں مدیر کا فائدہ بھی ہے اور رسالے کا فائدہ بھی۔

چوتھا سوال سب سے اہم ہے اور اس کا جواب مدیر کی شخصیت میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کسی بھی ادبی مجلّے کو ترقیوں کی منازل طے کروانا مدیر کا فرضِ منصبی ہوتا ہے۔ مدیر ایک سربراہ کی طرح سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اچھے کو بھی اور برے کو بھی، خام کو بھی اور پختہ کو بھی۔ اقبال نے میر کارواں کی جو خصوصیات ''نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز'' بتائی ہیں، مدیر کو بھی انھی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔ اسے اندھے کی طرح اپنوں اپنوں کو ریوڑیاں بانٹ بانٹ کر خوش اور مطمئن نہیں ہونا چاہیے اور اگر وہ اپنے مخصوص ادبی معتقدات یا ذہنی رویوں کے زیرِ اثر کچھ ایسا کرتا ہے اور نتیجے میں وہ مجلّہ بے توقیر ہو کر قارئین کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو پھر مدیر کو قارئین سے شکوہ کناں ہونے کا بھی حق حاصل نہیں۔ مجلّے کو کامیاب بنانے اور قارئین کی دلچسپی کی چیز بنانے کے لیے مدیر کو چاہیے کہ وہ مجلّے کی ایسی فضا تشکیل دے جس میں مختلف الخیال افراد کھل کر سانس لے سکیں۔ اسے ایک کنویں کا مینڈک بننے کی بجائے وسیع اور فراخ حوصلے کا مالک ہونا چاہیے تا کہ وہ مجلّے کے لیے موصول ہونے والے ہر خیال اور نقطۂ نظر کو کشادہ دل اور کھلے بازوؤں کے ساتھ خوش آمدید کہہ سکے۔ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ایسے مدیر کو نہ ادبی کساد بازاری کا رونا رونا پڑے گا، اور نہ ہی ادب کی موت کا اعلان کرنا پڑے گا۔

کو بالعموم غیر ادبی سرگرمیوں سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔ اسی لیے مروجہ تحقیق و تنقید میں ان کی جگہ نہیں بن پائی۔ تیسری وجہ شاید یہ بھی رہی ہے کہ ہمارے ہاں تنقید اور تحقیق خاص مزاج کی حامل بن کر ایک مخصوص ڈھرے پر چلتے رہے ہیں اور اس میں (دو چار استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر) تبدیلی کا نہ کوئی بڑا موڑ آیا اور نہ حسبِ ضرورت اس نے ترقی کے قدم ہی آگے بڑھائے۔ اس کے باوجود کہ خطوط میں تحقیق و تنقید کا ایسا خزانہ موجود ہوتا ہے جسے کسی بھی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ادبی رسائل و جرائد میں متعدد خطوط شائع ہوئے۔ آج بھی شائع ہو رہے ہیں۔ ان میں علم و ادب سے متعلق تحقیقی و تنقیدی نکات اور مباحث بھی پیش کیے جاتے رہے ہیں اور ادبی مسائل بھی زیر بحث آتے رہے ہیں۔ اظہار خیال بھی نت نئے رنگوں میں سامنے آتا رہا ہے۔ پھر بھی خطوط کو دوسرے درجے کی چیز ہی سمجھا گیا۔ چوتھی وجہ یہ کہ چونکہ خطوط اس خاص فارمیٹ میں نہیں لکھے جاتے جن میں ہماری تحقیق و تنقید اظہار پاتی رہی ہے اور نہ ان میں، موجودہ تحقیق و تنقید میں مروج حوالہ جاتی انداز موجود ہوتا ہے اور نہ اکثر خطوط میں کسی موضوع کے تحت بیان کیے گئے خیالات کا وہ مربوط انداز دیکھنے میں آتا ہے جو تحقیق و تنقید کا وصف خاص شمار کیا جاتا ہے۔ پانچواں یہ کہ علما و ادبا اور محققین و ناقدین کے خطوط کو عام خطوط سے بالعموم ممیز بھی نہیں کیا جاتا رہا۔ شاید اسی لیے ان کے خطوط کو بھی محض خطوط سمجھ کر تحقیق و تنقید کے دائرے سے باہر کیا جاتا رہا ہے۔

اب ہم دوسرے سوال کی طرف آتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ جن رسائل و جرائد نے مکتوبی مباحث کو اپنے رسائل کا حصہ بنایا ان کی نوعیت مخصوص موضوعات تک محدود رہی اور مباحث کا سلسلہ بھی مخصوص افراد اور مخصوص موضوعات کے گرد ہی گھومتا رہا۔ معاصر عہد کے دو بڑے اور معروف ادبی رسائل خاص نقطۂ نظر کی حامل شخصیات کی نگرانی اور رہنمائی میں شائع ہوتے رہے ہیں اور مزید یہ کہ ان رسائل کے موضوعات اور افکار بھی مخصوص دائروں کا طواف کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں شائع ہونے والے خطوط اور مباحث بھی انھی دائروں سے کشید کردہ اثرات کا منطقی نتیجہ ہوتے تھے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی لیکن ان رسائل کے مباحث کا محور مخصوص ہونے کی وجہ سے نہ مباحث کا دائرہ ہی معاصر تمام مباحث تک بڑھایا گیا اور نہ اس سلسلے کو تمام قارئین تک پھیلایا گیا اور نہ رسالے میں اپنے نظریات کے مخالف نقطۂ نظر کے حامل خطوط کو آزادانہ جگہ دی گئی۔ (۴۷) لہٰذا مباحث کا سلسلہ اپنے امکانات کو برت لینے کے بعد رک گیا اور آگے بڑھ نہ پایا۔

نورانی، حافظ محمد عطاالرحمٰن قادری رضوی، جیسے مذہبی علما 'نعت رنگ' کا حصہ بن پاتے اور نہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، اسلوب احمد انصاری، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر جمیل جالبی، شان الحق حقی، ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر سہیل احمد صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر نجم الاسلام، وقار احمد رضوی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، مبین مرزا، ڈاکٹر یونس اگاسکر، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری جیسی معروف ادبی شخصیات نظر آتیں۔ مختلف مکاتب فکر اور نظریات کے حامل افراد کی 'نعت رنگ' کے فروغ اور ارتقا میں عملی کاوشوں کا نتیجہ ہی تھا کہ یہ رسالہ مذہب اور ادب سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم اور اہلِ قلم دونوں کے لیے قابل قبول بن گیا اور مخصوص موضوعاتی جریدہ ہونے کے باوجود اردو کی دیگر شعری اصناف میں نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

ذیل میں 'نعت رنگ' سے متعلق مزید چند سوالات کے جواب تلاش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ ان سوالات کی بنا پر 'نعت رنگ' کا معاصر نعتیہ رسائل و جرائد میں ادبی کردار سامنے لانے میں مدد ملے گی۔

(۱) پہلا سوال یہ کہ کیا 'نعت رنگ' کا مطالعہ نعت پڑھنے کے لیے کیا جا رہا تھا؟
(۲) دوسرا یہ کہ کیا 'نعت رنگ' کے تحقیقی و تنقیدی مضامین 'نعت رنگ' کو پڑھوا رہے تھے؟
(۳) تیسرا یہ ہے کہ کیا 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے خطوط 'نعت رنگ' کے مطالعے کا باعث بن رہے تھے؟
(۴) اور چوتھا سوال یہ کہ کیا 'نعت رنگ' کے اداریے 'نعت رنگ' کی دلچسپی کا سامان فراہم کر رہے تھے؟

ان سب سوالوں کے جواب 'نعت رنگ' ہی میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ذیل میں ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اگر 'نعت رنگ' کی مقبولیت کا سبب اس میں شائع ہونے والی نعتوں میں تلاش کیا جائے تو پھر اس سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کیا جانا چاہیے کہ 'نعت رنگ' کے معاصر اور ماقبل رسائل میں بھی تو نعت شائع ہوتی رہی ہے۔ پھر وہ رسائل مقبولیت کی وہ منزل حاصل کیوں نہ کر پائے جو 'نعت رنگ' کے حصے میں آئی۔ یہاں یہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والی نعتیں اسالیب اور موضوعات کے لحاظ سے معاصر نعتیہ رسائل میں شائع

دوسرا یہ کہ مجلّے کے ارتقا اور ترقی کا دار مدار مجلّے کی پالیسیوں پر ہوتا ہے۔ اگر مجلّہ زندگی آمیز ہو، معاشرتی رویوں اور ادب کو ہم آہنگ کر کے قدم آگے بڑھا رہا ہو تو وہ عوام کے دلوں اور ذہنوں سے قریب ہونے کی وجہ سے شہرت کے پروں سے اڑنا شروع کر دیتا ہے اور جو مجلّہ زندگی کے رشتوں اور ادبی رجحانات کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹ کر دیکھنے کا عادی ہو، وہ ادب کی زندگی میں زیادہ دیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ زمین سے ٹوٹا ہوا تعلق خواہ وہ ادب کا ہو یا زندگی کا زیادہ دیر پا نہیں ہوا کرتا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نعت رنگ' کی پالیسیاں کیا رہی ہیں؟ اور 'نعت رنگ' دوسرے مجلّات و رسائل سے کس طرح مختلف ہے؟' ذیل میں ان سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ 'نعت رنگ' نے اپنی تشکیل کے بعد پہلا قدم ہی تنقید کا اٹھایا اور مدیرِ نعت رنگ' نے اپنے ہر اداریے میں سوال کرنے اور اظہارِ خیال کی بلا روک ٹوک آزادی دے کر تنقید کے موسموں کو عام کر دیا تھا۔ اس مجلّے میں دیگر رسائل کے برخلاف خطوط کی اشاعت میں خاص دلچسپی لی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ مدیر، 'نعت رنگ' کے اداریوں میں سوالات اٹھانے کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی اہلِ علم کو ترغیب دلاتے رہے کہ 'نعت رنگ' ان کے روشن خیال افکار کو خوش دلی سے قبول کرنے کا منتظر ہے۔ لہٰذا وہ آئیں اور خطوط کے ذریعے اپنے خیالات، افکار اور نقطۂ نظر کو بے خوفی سے پیش کریں۔ (۴۸) مدیر کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے مجلّے کا دائرہ حیرت انگیز طور پر وسیع ہو گیا۔ چنانچہ 'نعت رنگ' میں مذہب، تہذیب، تاریخ، ادب، تحقیق اور تنقید کے مباحث نظر آنے لگے۔ مدیر کی روشن خیالی اور فراخ دلی کے باعث اس مجلّے پر کسی مخصوص عقیدے، فرقے یا نظریے کی چھاپ لگی اور نہ یہ مجلّہ کسی مخصوص علاقے، رنگ اور نسل کا ترجمان بنا۔

'نعت رنگ' اور دیگر زوال شدہ یا زوال آمادہ ادبی رسائل میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ 'نعت رنگ' نے ادب اور زندگی کو باہم آمیز کر دیا۔ مختلف الخیال افراد کو 'نعت رنگ' کے رشتے میں ایک لڑی کی طرح پرو دیا۔ توڑنے کی بجائے جوڑنے کا فریضہ ادا کیا۔ کیونکہ اگر یہ مجلّہ بھی دیگر مجلّات کی طرح اجنبیت کی فضا قائم کرتا یا مدیرانہ فرعونیت کے زیرِ اثر اپنے اور قارئین کے درمیان فاصلوں کی خلیج حائل کر بیٹھتا یا خود کو کسی اور زمین کی مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کرتا یا ادب اور مذہب کو خانوں میں بانٹ کر دیکھنے یا تفریق کرنے کی غیر ادبی اور غیر دانشورانہ کوشش کرتا تو اس محفل میں کوکب نورانی اوکاڑوی، عبدالحکیم شرف قادری، عبدالنعیم عزیزی، حافظ عبدالغفار، خوشتر

گوئی کا تصورِ انسان' شائع ہوا۔ اس مضمون کے جواب میں مولانا کوکب نورانی کا ایک مفصل خط 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۸ میں شائع ہوا۔ جس میں مولانا نے جمال پانی پتی کے استدلال سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ کوکب نورانی کے اس خط کے جواب میں جمال پانی پتی نے ''نعت گوئی کا تصورِ انسان اور مولانا کوکب نورانی'' کے عنوان سے ایک پرازمعلومات مقالہ قلم بند کیا۔ جس میں کوکب نورانی کے خیالات سے اختلاف کیا۔ اس طرح کے بیسیوں مقالات اور خطوط 'نعت رنگ' میں شائع ہوئے۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے مقالات کا یہی عنصر قارئین کو اس مجلّے کی جانب متوجہ کر رہا تھا اور اسے پڑھوانے پر مجبور کر رہا تھا۔

تیسرا سوال کہ کیا 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے خطوط قارئین کو اپنی جانب متوجہ کر رہے تھے۔ اس کا جواب بھی اثبات میں دیا جا سکتا ہے۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے کچھ خطوط تو محض رسمی، رسیدی، تقریظی یا تعارفی نوعیت کے ہیں لیکن بیشتر خطوط علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں نعت کے موضوعات، اسالیب، محسنات، معائب، عروضی مباحث وغیرہ پر کھل کر اظہار رائے کیا جاتا رہا۔ جس کی وجہ سے ان خطوط میں علم، ادب، تاریخ، تہذیب، مذہب، اخلاقیات، تنقید اور تحقیق کا بے مثال خزانہ تحریر میں آ گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ 'نعت رنگ' کے مباحث کو آگے بڑھانے، نعت کو درست سمت میں لے جانے اور نعت کے حقیقی موضوعات کے تعین میں یہ خطوط بھی بنیادی اہمیت کے حامل رہے ہیں تو کچھ غلط بھی نہ ہوگا۔

چوتھے سوال کا جواب بھی تیسرے سوال کے جواب کی توثیق کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ 'نعت رنگ' کے خطوط میں جو مباحث سامنے آ رہے تھے ان کے پس پشت 'نعت رنگ' کے اداریے بھی کام کر رہے تھے۔ مدیر 'نعت رنگ' اپنے اداریوں میں اکثر اوقات نعت سے متعلق ایسے سوالات اٹھاتے رہے ہیں جن کے جواب تلاش کیے جانے ضروری تھے۔ لہٰذا بیشتر خطوط اور مقالات کا محرک یہی سوالات بھی رہے ہیں اور یہ علمی ردعمل نعت اور تنقید نعت کو ترقیوں کی جانب لے کر جا رہا تھا۔

مذکورہ بالا بحث سے اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ نعت اور 'نعت رنگ' کے فروغ اور مقبولیت میں کوئی ایک عنصر یا محرک کارفرما نہیں رہا۔ کئی محرکات اس کی مقبولیت کے پس منظر میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے تھے لیکن ان میں سب سے اہم اور غالب عنصر تنقید کا رہا۔ نعت کی تفہیم اور تعبیر میں تنقید کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ 'نعت رنگ' کے اسی طرز عمل نے اسے اپنے پیشرو اور

ہونے والی نعتوں سے مختلف اور نسبتاً معیاری شائع ہو رہی تھیں اور نعت کہنے والے مختلف اور قادرالکلام شاعر تھے۔ ایسا بھی ہرگز نہیں۔ 'نعت رنگ' میں بھی انھی (ماسوا دو چار نعت گو شعرا کے) تخلیق کاروں کی نعتیں شائع ہو رہی تھیں جو معاصر اور ماضی کے نعتیہ رسائل کے لیے نعتیں بھیج رہے تھے۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ 'نعت رنگ' کو پڑھوانے اور مقبولیت سے ہم کنار کرنے میں محض نعتیں اہم کردار ادا نہیں کر رہی تھیں۔

اب دوسرے سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے مضامین اور معاصر نعتیہ رسائل میں شائع ہونے والے مضامین میں کیا فرق نظر آتا ہے؟ 'نعت رنگ' کے معاصر اور ماقبل نعتیہ رسائل میں بھی نعت پر مضامین شائع ہوتے رہے ہیں لیکن ان کا غالب رجحان تعریفی، توصیفی اور وضاحتی رہا گویا کہ ان رسائل میں شائع ہونے والے مضامین محض اسی عقیدت کے زیرِ اثر لکھے جاتے رہے جس عقیدت کے زیرِ اثر نعت کہی جا رہی تھی لیکن 'نعت رنگ' کو یہ اختصاص حاصل رہا کہ اس میں شائع ہونے والے مضامین کا غالب عنصر وضاحتی اور توصیفی کی بجائے تنقیدی اور تحقیقی رہا۔ 'نعت رنگ' کے اولین شمارے سے ہی اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ اس مجلّے میں ایسے مضامین شائع کیے جائیں گے جن میں نعت کو تنقیدی اور تحقیقی کسوٹی پر پرکھا گیا ہوگا۔ نعت کی پرکھ کا یہ رجحان اس سے قبل کے اور اس کے معاصر رسائل میں مفقود نظر آتا ہے۔ 'نعت رنگ' نے تخلیق نعت کو پرکھنے کا معیار نہ عقیدت کو بنایا اور نہ ہی تاثرات کو بلکہ اس مجلّے کی پالیسی ہی یہ رہی ہے کہ نعت کو جدید اور سائنٹیفک اصولوں کو پیش نظر رکھ کر پرکھا جانا چاہیے چنانچہ انھی اصولوں کو بنیاد بنا کر نعت پر تحقیقی اور تنقیدی مقالات لکھوائے گئے۔ اس طریق کار کے باعث مضامین میں اختلافی مباحث در آئے جس کی وجہ سے نعت کی ادبی تنقید میں نزاعی صورت حال پیدا ہوگئی اور ساتھ ہی علمی اور مذہبی حلقوں میں خاصا اضطراب بھی دیکھنے میں آیا لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ 'نعت رنگ' کو موصول ہونے والے مقالات دلچسپی اور دقت نظری کے ساتھ پڑھے جانے لگے اور ان مقالات میں اٹھائے گئے سوالات کے جواب تلاش کرنے کی طرف قدم بڑھایا جانے لگا۔ ایک فریق اپنے ادبی اور مذہبی معتقدات کا اظہار کرتا تو دوسرا ان خیالات کے رد میں مفصل تر جواب دیتا۔ اگر فریق اول ان خیالات سے متفق ہوتا تو خاموشی اختیار کر لیتا بصورت دیگر فریق ثانی کے جواب میں مزید دلائل اور شواہد سے کام لیتا۔ اس طرح جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مثلاً 'نعت رنگ' کے شمارہ ۶ میں جمال پانی پتی کا ایک مضمون 'نعت

آبیاری میں اپنا کردار ادا کریں کیونکہ اگر باہمی گفتگو اور اظہار رائے کا یہ سلسلہ چلتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب نعت اپنی پوری صنفی قوت اور تخلیقی توانائی کے ساتھ دنیائے ادب میں اپنا منفرد مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی (۴۹) اور اردو کی دیگر مقبول ادبی اصناف کے مقابل فخر کے ساتھ سینہ تان کر کھڑی ہو جائے گی اور یہ وہ وقت ہو گا جب نعت کے ناقدین کو بین الاقوامی ادب کے سامنے نعتیہ ادب کو پیش کرنے میں کسی بھی قسم کا معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسری طرف انھوں نے تخلیق کاروں کو بھی مشورہ دیا کہ وہ تنقید نعت کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کو خلوصِ دل سے قبول کریں۔ اگرچہ طبیب کا نشتر زخم کو کریدتا ہے تو ٹیسیں جنم لیتی ہیں لیکن طبیب کا یہی عمل زخم کو مندمل کرنے کا باعث بھی بنتا ہے۔ صدیوں پر محیط عقیدت اور تقدس کے غبار نے نعت کے حقیقی چہرے کو گہنا دیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تنقید کے آب سے روئے نعت کو اس طرح دھو دیا جائے کہ روئے نعت ایک مرتبہ پھر نکھر کر سامنے آ جائے اور نعت جو صرف مذہب کے خانے میں ہی بند ہو کر رہ گئی تھی مستقبل قریب میں وہ ادب کا حصہ بن کر سامنے آئے۔ مدیر نعت رنگ کا بیان ہے:

> ''میں اس نازک موڑ پر اپنے عہد کے نعت نگاروں سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ نعت کی ادبی اور فنی شناخت کے لیے کی جانے والی ان کاوشوں کو کھلے ذہنوں اور کشادہ دلی کے ساتھ قبول کریں۔ اگر آج نعت کے ادبی، فکری اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کو رواج دینے میں کامیاب ہو گئے تو کل نعت اور نعت نگاروں کو ادب اور تاریخ ادب میں ان کا جائز مقام مل جائے گا۔ اس صورت حال میں فائدہ یقیناً نعت نگاروں ہی کو ہو گا۔ ہمیں تخلیق کاروں (اور بالخصوص نعت نگاروں) کی حساس طبیعت کا علم ہے۔ اپنے فن پر تنقیدی گفتگو یقیناً ان پر گراں گزرتی ہو گی۔ ہم بھی ان آبگینوں کی نزاکت سے بے خبر نہیں۔ مگر تنقید کی آنچ وہ آنچ ہے جو شیشے کو توڑتی نہیں بلکہ پختہ تر کرتی ہے۔ وہ شیشہ جو بھٹی کی آگ سے مسکراتا ہوا نکلتا ہے شیشے کی آبرو بن جاتا ہے۔ جہاں تک کسی کی دل آزاری کی بات ہے تو ہماری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ ہمارے ہاں شائع ہونے والے تبصرے کسی ذات پر نہ ہوں بلکہ بات فن تک محدود رہے کہ فن کو

معاصر رسائل و جرائد سے منفرد اور ممتاز بنا دیا ہے۔

'نعت رنگ' کے خطوط کی کئی حیثیتیں اور کئی جہتیں ہیں۔ان میں سے ایک جہت تدریسی بھی ہے۔اگرچہ یہ خطوط تدریسی مقاصد کے زیرِ اثر یا نقطۂ نظر سے تحریر نہیں کیے گئے لیکن غیر ارادی طور پر بعض خطوط تدریسی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ان خطوط کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ قارئین کو معلومات ہی فراہم نہیں کر رہے بلکہ کچھ سکھا بھی رہے ہیں۔ سکھانے کا یہ انداز تدریسی ہے جسے بالواسطہ تحریر کے ذریعے برتا جاتا ہے۔'نعت رنگ' میں یہ انداز خطوط کی صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔بالخصوص نعت کا فنی مطالعہ کرتے ہوئے قارئین کو بتایا گیا ہے کہ نعت کیا ہوتی ہے؟ نعت کی خصوصیات کیا ہیں؟ کن کن موضوعات کو نعت میں برتا جا سکتا ہے اور کن موضوعات کو نعت میں برتنے سے گریز کرنا چاہیے۔کون سا شعر نعت سے تعلق رکھتا ہے اور کون سا نعت کی تعریف کے دائرہ کار سے باہر ہے۔کون سا لفظ نعت کی روح کی نمائندگی کرتا ہے اور کون سا لفظ نعت کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔غرض یہ کہ ان خطوط میں شعر کی درست قرات، صحیح خواندگی، شعری تفہیم کے طریق کار، شعری مسائل، لفظی نقائص اور عروضی مسائل سے آگاہی دی گئی ہے۔ذاتی شعری واردات اور تجربات میں قارئین کو شریک کر کے تخلیقی آداب بھی سکھائے گئے ہیں۔شعری تفہیم کے لیے فکری اور فنی دونوں سطحوں کا مطالعہ کیا گیا اور فکری مغالطوں اور کج رویوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔فنی سطح پر شعر کے لسانی اور عروضی نقائص کو سامنے لایا گیا ہے۔تفہیمِ شعر کے یہ دونوں طریق، اساتذہ شعرا استعمال کیا کرتے رہے ہیں اور یہی طریق شعر کا مقام متعین کرنے میں مددگار بھی ہوتے ہیں۔یہ طریقِ مطالعہ، خطوط کو تدریس سے ہم آہنگ کر کے اسے قارئین کے فائدے کی چیز بنا دیتا ہے۔اگر کوئی نو آموز قاری ذاتی دل چسپی لے کر ان خطوط کا مطالعہ کرے تو اسے شعر کی فکری اور فنی باریکیوں سے آگاہی بھی حاصل ہوگی اور وہ تحقیق و تنقید کی پر خار راہ میں انھیں اپنا رفیق بھی پائے گا اور رہنما بھی۔

مدیر 'نعت رنگ' نے اپنے اداریوں میں جا بجا نعت کے ادبی، فکری اور فنی پہلوؤں پر غیر متعصبانہ، غیر جانبدارانہ اور با مقصد بحث و مباحثے کی ضرورت پر زور دیا اور اس کے لیے 'نعت رنگ' کا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا دانشور اپنے مقالات اور خطوط کے ذریعے نعت کے ادبی، فکری اور فنی پہلوؤں پر سوالات اٹھا سکتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ صرف سوچتے رہنے اور ایک دوسرے سے کڑھتے رہنے کی بجائے میدانِ عمل میں قدم رکھ کر نعت کی فکری

مکالمے کا وہ راستہ جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھولا تھا وقت کی مقتدر قوتوں (سیاسی اور مذہبی) نے اقتدار کے چھن جانے یا افتراق کے جنم لینے کے خوف سے بند کر دیا۔ اس طرح اسلام اور اسلامی روایات طاق میں سجی ہوئی مقدس مورتی کی صورت بن کر رہ گئی تھیں جسے عقیدت کی نظر سے دیکھا تو جا سکتا تھا لیکن بالائے عقیدت سوچا نہیں جا سکتا تھا۔ وقت کا سیلِ رواں بہتا رہا۔ کبھی کبھار مکالمے یا مباحثے کی لہر سطحِ آب پر جنم لیتی اور پھر اسے گہرائیوں میں اتار دیا جاتا۔ اختیار اور اختلاف کی آنکھ مچولی چلتی رہی۔ اردو کی ادبی صحافت میں 'تہذیب الاخلاق' میں اس روایت نے ایک بار پھر آنکھ کھولی اور پھر مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی اب 'نعت رنگ' کا حصہ بن چکی ہے۔ 'نعت رنگ' نے اختلاف رائے کو صرف شائع ہی نہیں کیا بلکہ اسے نمایاں مقام دے کر اس کی اہمیت کا احساس بھی دلایا۔ کیونکہ مدیر کا خیال ہے کہ ''ردِ عمل اور اختلاف رائے کا اظہار ادب میں منفی نہیں، بلکہ مثبت رویہ گردانا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے فکر کے نئے پہلو سامنے آتے ہیں اور نئے زاویے پیدا ہوتے ہیں۔ (۵۱) ان کے اس عمل کو بعض احباب نے حیرت کی نظر سے دیکھا۔ (۵۲) لیکن مدیر 'نعت رنگ' نے اس کی بالکل پروا نہیں کی۔ ان کا نقطۂ نظر تھا کہ اختلاف کو شخصی ہونے کی بجائے فکری اور نظری ہونا چاہیے۔ اور ایسے اختلافات جو فکری یا علمی بنیادوں پر کیے جاتے ہوں وہ صحت مند معاشرے کی علامت ہوتے ہیں اور علوم وفنون کی ترویج و اشاعت میں بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مدیر 'نعت رنگ' کا مؤقف ملاحظہ فرمائیے:

> ''یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری محسوس ہو رہا ہے۔ کوئی لکھنے والا ہو یا پڑھنے والا، ہر شخص کا ہر دوسرے شخص سے مکمل اتفاق ضروری نہیں ہے۔ مکمل یا جزوی اختلاف کسی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف کوئی بری چیز بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے، ادب، فکر اور تنقید کے لیے تو یہ بڑی بابرکت شے ہے۔ اس لیے کہ اس سے خیال کے نئے در وا ہوتے اور فکر ونظر کے نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ تاہم یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اختلاف کو فکری ونظری سطح پر رہنا چاہیے۔ اسے ذاتی یا شخصی ہرگز نہیں بننا چاہیے اور نہ ہی اسے مخالفت کی سطح پر آنا چاہیے۔ نیا ہو یا پرانا، چھوٹا ہو یا بڑا، ہر لکھنے والے کی اپنی ایک حیثیت اور اہمیت ہے۔ البتہ پرانے اور بڑے لکھنے والوں کے لیے ہمارے رویے میں زیادہ سنجیدگی، متانت اور لحاظ نظر آنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم اپنے بڑوں کی عزت و

پر کھنے والے تکریم فن کار کے بھی قائل ہوتے ہیں۔'' (۵۰)

نعت کو عقیدت کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرنے میں ایک اہم کردار ان مراسلہ جاتی مباحث کا ہے جو 'نعت رنگ' میں شائع ہوتے رہے۔ ہر خط ایک نئی کیفیت اور نئے انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ تمام خطوط کا مرکزی موضوع تو نعت ہے لیکن ان تمام خطوط میں نعت اور نعت کے متعلقات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور فکری اور فنی دونوں حوالوں سے نعت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان خطوط میں اربابِ علم و عمل اپنے جذبات، خیالات، مشاہدات، واردات، مطالعات اور تحقیقات کے ساتھ شریک گفتگو رہے۔ کسی کا نقطۂ نظر انفرادی رہا تو کسی کا اجتماعی، کسی کے ہاں نرگسیت کی کلی چٹختے ہوئے پھول کی صورت اختیار کر گئی تو کسی کے ہاں نفرت کی چنگاریاں بھڑک کر انگارہ بن گئیں۔ کسی کے ہاں تعصبات کی گرمیاں موجود ہیں تو کسی کے ہاں خلوص کی سردیاں، کوئی غلط فہمیوں کا بوجھ اٹھائے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے تو کوئی علمی فتوحات کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ کسی کے لفظوں میں شعلے بھڑک رہے ہیں تو کسی کی تحریر پھولوں کا گل دستہ بنی 'نعت رنگ' کو مہکا رہی ہے۔ ان سب کے باوجود 'نعت رنگ' کے شعبۂ مراسلات کا مقصد مکالمہ ہی رہا۔ کبھی مکالمے کا یہ انداز مناظرے یا مجادلے کی صورت اختیار کر لیتا تو مکتوبات نگاروں کے خیالات کی حدت اور چنگاریوں کو مدیر 'نعت رنگ' اپنے اداریوں کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کر دیتے مبادا مکالمے کی یہ فضا زہر آلود ہو جائے یا مذاکرات کا یہ در بند ہو کر مدیر 'نعت رنگ' کی ساری کاوشوں پر پانی پھیر کر ہی رکھ دے۔

مکالمہ زندہ معاشروں کی دین ہے اور روشن دماغوں میں جنم لیتا ہے۔ مہذب معاشروں نے ہمیشہ مکالمے کو آگے بڑھایا ہے۔ وہ معاشرے جن کے ذہنی سوتے خشک ہو چکے ہوں وہاں مکالمہ مباحثے کی بجائے مناظرے یا مجادلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے معاشروں میں اختلافی اذہان کو نوکِ زبان سے نہیں نوکِ خنجر یا بندوق کی گولی سے جواب دیا جاتا ہے۔ سوال کو پیدا ہوتے ہی ذہن میں دفن کر دیا جاتا ہے بلکہ کوشش کی جاتی ہے کہ وہ جنم ہی نہ لے تاکہ اظہار خیال کا گلہ گھوٹنے کی نوبت ہی نہ آسکے۔ ایسی صورت حال میں مکالمہ جنم نہیں لیتا خوف اور دہشت جنم لیتی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی معاشرے میں جنم لیا لیکن آپ کی آمد سے فیصلے تلوار کی بجائے زبان سے ہونے لگے۔ اختلاف کرنے والے کا گلہ نہیں کاٹا جاتا تھا بلکہ اسے گلے لگایا جاتا تھا۔ امت کا اختلاف زحمت نہیں بلکہ رحمت بن گیا تھا۔

پہلوؤں پر بھی کھل کر بحث ہو رہی ہے اور لسانی اور فنی حوالے سے بھی۔ آغاز آغاز میں تنقیدِ نعت میں حد سے بڑھا ہوا محتاط رویہ اور رائے کی قطعیت کا فقدان نظر آتا تھا لیکن جیسے جیسے مکالمے کی فضا روشن ہوتی گئی اور عقیدتوں اور تقدس کا غبار چھٹتا گیا ویسے ویسے ناقدین نعت کے اظہار میں اعتماد آتا گیا۔ اب نعت کو ایک ادبی صنف کے طور پر بھی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے اور نعت کے فروغ میں تنقید کی اہمیت کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ صبیح رحمانی نے درست لکھا ہے:

> ''اس تناظر میں یقیناً یہ بات خوش آئند ہے کہ حالیہ عرصے میں تنقیدِ نعت کی طرف ادب کے کچھ معتبر، سنجیدہ اور اہم ناقدین متوجہ ہوئے ہیں۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نیا ابھرتا ہوا یہ طرزِ عمل دراصل ہمارے ہاں تہذیبی، فکری، ثقافتی، سماجی اور ادبی سطح پر ایک بڑی انقلابی تبدیلی کا بلیغ اور خوش کن اشارہ ہے۔ وقت کا تغیر اسی طرح قوموں کی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تبدیلی جلد ہی اپنے وجود کا اثبات ہمارے تہذیبی اور ملی وجود کو نئی معنویت سے ہم کنار کرے گی۔ ہمارے گم گشتہ وقار کی بحالی کا ذریعہ ہوگی اور ہماری آئندہ نسلوں کو اپنے فکری مبدا اور روحانی ورثے سے وابستہ و پیوستہ کر کے اس کو جینے کے اصل معنی سے سرشار کرے گی۔'' (۵۶)

اردو کی ادبی روایت پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی جو پہلو سب سے دلچسپ نظر آتا ہے وہ شعرا و ادبا کی باہمی چشمکیں ہیں۔ یہ چشمکیں ایک طرف شعرا کے باہمی تعلقات اور اختلافات کی عکاس ہیں تو دوسری طرف اس عہد کی ادبی صورت حال کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ شعرا کی چشمکوں کے ابتدائی نقوش شعرائے اردو کے تذکروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ سعادت خان ناصر کا تذکرہ 'خوش معرکہ زیبا' تو شعرا کے ادبی معرکوں سے بھرا پڑا ہے۔ (۵۷) شعرا کی معرکہ آرائیوں کو سازگار ماحول اس عہد کے مشاعروں نے فراہم کیا۔ جہاں شاعر کا ہی نہیں اس کی شاعری کا بھی کڑا محاسبہ کیا جاتا تھا۔ محمد حسین آزاد نے انیسویں صدی میں شمالی ہند کے مشاعروں کے متعلق لکھا ہے کہ اس عہد میں استاد شعرا تیغ و تفنگ سے لیس ہو کر اپنے شاگردوں کے لاؤ لشکر کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مشاعروں میں پڑھی جانے والی غزلوں پر اعتراضوں کے سبب بعض اوقات تو مشاعرہ میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک معرکے کے متعلق محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

وقار کا خیال رکھتے ہوئے نظر آئیں گے تو یہ دراصل بعد والوں کی تربیت کا
ذریعہ بھی ہوگا۔'نعت رنگ' نے اختلافات کو ہمیشہ خوش آمدید کہا ہے۔اس
شمارے میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔تاہم آئندہ بے احتیاطی یا بے ادبی کو
محسوس کرتے ہوئے ادارہ کسی بھی مضمون کی اشاعت سے انکار کا حق محفوظ
رکھتا ہے۔" (۵۳)

زندہ اور صحت مند معاشرہ ذہنی انجماد کی بجائے ذہنی کشادگی کو جنم دیتا ہے اور ایسے ہی معاشرے میں مکالمہ جنم لیتا ہے۔آزاد فکر وخیال کی مکالماتی فضا زندہ معاشرے کا صحت مند حصہ بھی ہوا کرتی ہے اور زندہ اور فکر انگیز ادب کی نشانی بھی۔زندہ معاشرے اور ادب کی یہی ترجمانی 'نعت رنگ' کے حصے میں آئی ہے۔مکالماتی فضا کو تشکیل دینے اور سازگار ماحول کی تخلیق میں 'نعت رنگ' کو دو دہائیوں سے زیادہ کی طویل مسافت طے کرنا پڑی اور سخت مجاہدہ کرنا پڑا تب جا کر ایسا سازگار ماحول تشکیل پایا جس میں اختلاف رائے کی گرما گرم محفلیں منعقد ہوسکیں۔یہ کوئی برا شگون نہیں۔اختلاف زحمت نہیں رحمت ہوا کرتا ہے۔یہ معاشرے کے لیے بھی اور ادب کے لیے بھی نیک شگون ہے۔مدیر نعت رنگ کا بیان ہے:

"زندہ اور فکر انگیز ادب ہمیشہ مکالماتی فضا کو قائم رکھتا ہے۔'نعت رنگ' ادب کی
اس کشادگی کا قائل ہے اور اس پر کاربند بھی۔یہی وجہ ہے کہ اِس کے صفحات پر
ابتدا ہی سے اختلافِ رائے کی گرما گرم محفلیں آراستہ ہوئیں۔ہم اب بھی ادب
وفکر کے مکالماتی بیانیے کو نیک شگون سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اس طرح
کے مکالمے ادب وفن کی راہوں پر نئے چراغ روشن کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔
اس لیے اگر کچھ لوگ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والی کسی بھی تحریر کے بارے
میں اپنی رائے یا اختلاف کا اظہار کرنا چاہیں تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے۔
شرط صرف یہ ہے کہ بحث علمی وفکری اور ادبی نوعیت کی ہو اور اس کا لب ولہجہ بھی
ادبی ہو۔" (۵۴)

'نعت رنگ' کے اولین شماروں میں مکالمے کی نوعیت اور سطح دونوں، ابتدائی نظر آتی ہیں۔زیادہ تر مکالمے عقائد کے اختلافات اور ذاتی نوعیت کے معلوم ہوتے ہیں۔(۵۵) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکالموں کی فضا اور سطح دونوں بلند ہونے لگیں۔اب نعت کے فکری

نے حصہ لیا۔اس معرکے کے بعد شعرا، ادبا، علما اور صوفیا کے درمیان کثیر تعداد میں معرکے سامنے آئے۔ اخبارات اور رسائل کی زینت بننے والے معرکوں کی داستان خاصی دلچسپ ہے۔ جن کی تفصیلات ادبی معرکوں سے متعلق کتابوں اور اردو کی ادبی تاریخوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔(۶۰)

ادبی مباحث یا معرکہ آرائی کی ایک داستان 'نعت رنگ' کے شماروں میں بھی بکھری پڑی ہے۔ یہ داستان اپنی ذات میں دلچسپ بھی ہے اور پڑھنے کے لائق بھی۔ 'نعت رنگ' میں کوئی مقالہ شائع ہوتا تو اس کا جواب اگلے شمارے میں مضمون کی صورت میں سامنے آتا اور کبھی خط کی صورت میں۔ کبھی کسی خط میں کوئی نقطۂ نظر پیش ہوتا تو اگلے ہی شمارے میں اس کا جواب سامنے آتا۔ اس طرح جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو کبھی کبھی کئی کئی شماروں تک پھیل جاتا۔ بظاہر یہ مباحث وقت کا ضیاع محسوس ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر اتر کر دیکھا جائے تو حیرت انگشت بدنداں نظر آتی ہے۔ سودا اور میر ضاحک، مصحفی اور انشا کے معرکوں کی طرح نہیں جن کے متعلق محمد حسین آزاد کو لکھنا پڑا:

> "طرفین سے ہجویں ہو کر وہ خاکا (کذا) اڑا کہ شائستگی نے بھی آنکھیں بند کر لیں اور کبھی کانوں میں انگلیاں دے لیں۔" (۶۱)

بلکہ یہاں دلائل و براہین کو باہم دست و گریباں دیکھ کر جہالت کی آنکھیں بند اور حیرت کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ 'نعت رنگ' کے مباحث کی اہمیت اور افادیت سے کسی طور بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شمارے میں ایسے مضامین اور خطوط موجود ہیں جن میں کسی مؤقف کو پیش کیا گیا ہے اور اگلے ہی شمارے میں علما، شعرا اور ناقدین کی طرف سے اس کی تصحیح، تردید یا تائید پیش کی گئی ہے۔ خیالات کی تردید، تائید یا اصلاح کا یہ سلسلہ 'نعت رنگ' کے ہر شمارے میں نظر آتا ہے۔ اس طرح جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور فریقین دو گروہوں میں منقسم ہو جاتے۔ ایک موافقت میں دلائل دیتا تو دوسرا مخالفت میں۔ اس طرح بحث کا سلسلہ آگے بڑھتا۔ ان مباحث کے سلسلے میں ایسے ایسے گوہر نایاب سامنے آئے جو تنقید نعت کے حوالے سے ضخیم مقالات میں بھی دیکھنے میں نہیں آتے۔ یہ خطوط طویل بھی ہیں (۶۲) اور علم و دانش سے معمور بھی۔ جن کا دامن علم و دانش کے خزانے سے معمور ہے۔ ان خطوط کے خالق علما و ادبا نے اپنے خیالات، افکار، تحقیق اور تنقید کے ذریعے تخلیق نعت اور تنقیدِ نعت کی ایسی شمع روشن کی جس کے باعث نعت کی راہ گزر روشن بھی ہوگئی اور زرنگار بھی۔

"یہ مشاعرہ ایک خطرناک معرکہ تھا۔ حریفوں نے تیغ و تفنگ اور اسلحہ جنگ سنبھالے تھے۔ بھائی بند اور دوستوں کو ساتھ لیا۔ بعض کو اِدھر اُدھر لگا رکھا تھا اور بزرگانِ دین کی نیازیں مان مان کر مشاعرہ میں گئے تھے۔" (۵۸)

یہ مشاعرے شاعر ہی نہیں شاعری کا میزان بھی تھے۔ بڑے بڑے اور مشاق شعرا مشاعروں میں جانے سے پہلے اپنی تخلیقات کو خوب جانچ پرکھ کر دیکھ لیا کرتے تھے اور احتیاطاً مشاق شعرا کو دکھا بھی لیا کرتے تھے۔ ذرا سی بے احتیاطی ہوئی اور مخالفین نے شاعر کو اعتراض کے نیزے پر اٹھا لیا۔ محمد حسین آزاد نے ایسی ہی ایک خفیف غلطی کے حوالے سے مرزا عظیم بیگ عظیم کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ آزاد لکھتے ہیں:

"۔۔۔ان میں مرزا عظیم بیگ تھے کہ سودا کے دعوی شاگردی اور پرانی مشق کے گھمنڈ نے ان کا دماغ بہت بلند کر دیا تھا۔ وہ فقط شد بود کا علم رکھتے تھے مگر اپنے تئیں ہندوستان کا صائب کہتے تھے اور خصوصاً ان معرکوں میں سب سے بڑھ کر قدم مارتے تھے چنانچہ وہ ایک دن میر ماشاءاللہ خاں کے پاس آئے اور غزل سنائی کہ بحر رجز میں تھی مگر ناواقفیت سے کچھ شعر رمل میں جا پڑے تھے۔ سید انشا بھی موجود تھے۔ تاڑ گئے۔ حد سے زیادہ تعریف کی اور اصرار سے کہا میرزا صاحب اسے آپ مشاعرہ میں ضرور پڑھیں۔ مدعی کمال کہ مغزِ سخن سے بے خبر تھا، اس نے مشاعرہء عام میں غزل پڑھ دی۔ سید انشا نے وہیں تقطیع کی فرمائش کی۔ اس وقت اس غریب پر جو کچھ گزری سو گزری مگر سید انشا نے اس کے ساتھ سب کو لے ڈالا اور کوئی دم نہ مار سکا۔" (۵۹)

بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے ہندوستانی معاشرہ بھرپور کروٹ لے چکا تھا۔ سیاسی مرکز کے تبدیل ہوتے ہی ادبی صورت حال بھی نئے دور اور نئے تقاضوں سے آشنا ہونا شروع ہوئی۔ تذکرہ نگاری نے تاریخ نگاری کی طرف قدم بڑھایا۔ نئے نئے ادبی رسائل و جرائد نے ادب کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ مشاعروں کی وہ محفلیں، جو انیسویں صدی میں نظر آتی تھیں، اب زوال کا شکار ہو گئیں۔ شعرا و ادبا کی باہمی چپقلشوں اور معاصرانہ چشمکوں نے اظہار کے لیے ان رسائل و جرائد کا رخ کرنا شروع کیا۔ غالباً بیسویں صدی کا پہلا بڑا معرکہ پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی 'گلزارِ نسیم' کے حوالے سے سامنے آیا۔ اس معرکے میں کثیر تعداد میں شعرا اور ادبا

انسانوں کی سطح پر لا کر خود آپ کی زبان مبارک سے اپنی بندگی کا اعتراف کروایا ہے۔ اور حاصل کلام کے طور پر لکھا:

> ''آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سلم ہم آپ جیسے بشر نہیں افضل البشر ہیں۔ عام انسانوں جیسے انسان نہیں، انسان کامل ہیں۔ اس موضوع پر لکھتے ہوئے انھوں نے رشید وارثی کے ایک مضمون سے بھی استفادہ کیا جس میں رشید وارثی نے حضرت باقی باللہ کے ایک قول کی تشریح میں حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت نقل کی ہے کہ ''اگر چہ تنزلات ستہ یا مرتب موجود کے اعتبار سے احمد بلا میم کا کنایہ درست ہے لیکن یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ذات محمدی V اور حقیقت محمدی V دو مختلف حقائق ہیں۔ ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے۔ اگر چہ مضمون نگار رشید وارثی کے اس خیال سے متفق نہیں لیکن مولانا کوکب نورانی نے لکھا کہ اگر مذکورہ قول حضرت باقی باللہ سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس کی تاویل اگر کی جائے گی تو لفظ 'احد' کی بنیاد پر ہوگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم مخلوق ہیں اور مخلوق میں احد ہیں۔ یعنی بے مثل، بے مثال، یکتا اور یگانہ۔ انھوں نے اس کی مثال میں دلیل دی کہ چائے، پانی اور پتی سے مل کر بنتی ہے۔ پانی کی مقدار زیادہ اور پتی کی مقدار کم ہوتی ہے مگر پانی میں تھوڑی سی پتی ملا دیں تو سب سے پہلے نام بدل جاتا ہے پھر رنگ، ذائقہ، مہک اثر اور حیثیت وغیرہ۔ جس بشر میں اللہ تعالیٰ نے نبوت رکھی اسے اب بشر نہیں رسول اللہ کہیں گے۔''

کوکب نورانی کے اس مؤقف پر جمال پانی پتی نے ایک اور مضمون ''نعت گوئی کا تصور انسان اور کوکب نورانی'' تحریر کیا جو 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۹ میں شائع ہوا۔ اس میں مضمون نگار نے کوکب نورانی کے متذکرہ استدلال سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا ان کا بیان تھا:

> ''مولانا نے ذات محمدی V اور حقیقت محمدی V کے حوالہ سے چائے کی جو مثال دی ہے اس سے تو ان کے خلاف نتیجہ نکلتا ہے۔ ان کی اس مثال سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی بے مثال بشریت تو درکنار خود بشریت ہی کی نفی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس لیے کہ پانی میں تھوڑی سی پتی ملانے سے جو چیز

ان مباحث میں حصہ لینے والوں میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، عبدالحکیم شرف قادری، پروفیسر طلحہ برق، شہزاد مجددی، حافظ عبدالغفار، ریاض حسین چودھری، احمد صغیر صدیقی، شمیم احمد گوہر، ڈاکٹر شعیب نگرامی، راجا رشید محمود، ریاض حسین زیدی، ڈاکٹر اشفاق انجم وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے 'نعت رنگ' کے شعبہء مراسلات کو اپنے علمی اور فکری مباحث سے زرنگار بنا دیا ہے۔ ان مباحث یا معرکوں میں مکتوب نگاروں یا مقالہ نگاروں کی گرمیاں، سردیاں، طنزو تعریض، جواب الجواب، جارحانہ، مدافعانہ، محققانہ اور ناقدانہ رویے سامنے آئے ہیں۔ یہ معرکے ذاتی رنجشوں کو بڑھانے یا مسلکی مناقشوں کو جنم دینے کا باعث نہیں بنے بلکہ ان مباحث کے نتیجے میں تنقیدِ نعت اور فروغِ نعت کا وہ عہد سامنے آیا جسے نعت کا سنہری دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

'نعت رنگ' میں جس شخصیت نے علمی وادبی اختلاف کو مباحث یا معرکہ آرائی میں منقلب کر دیا وہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی ہے۔ انھوں نے 'نعت رنگ' میں چھپنے والے بیشتر مضامین پر اختلافی نوٹ رقم کیے۔ ان کے طریق کار سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے دلائل کو آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اکثر اوقات ان کے مؤقف کو علمی مآخذ تقویت پہنچاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ 'نعت رنگ' کے صفحات پر مولانا کوکب نورانی کی جن اہلِ قلم دانشوروں سے معرکہ آرائی ہوئی ان میں جمال پانی پتی، ابوالخیر کشفی، رشید وارثی، احمد صغیر صدیقی، ریاض حسین زیدی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، ابوسلمان شاہجہاں پوری، اقبال جاوید، اکرم رضا، اور ریاض حسین کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

ان میں سب سے اہم معرکہ جمال پانی پتی اور مولانا کے درمیان رونما ہوا۔ جمال پانی پتی کا ایک مقالہ 'نعت رنگ' شمارہ ۶ میں 'نعت گوئی کا تصورِ انسان' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مضمون کا موضوع تو 'تصورِ انسان' تھا لیکن ان کی تمام تر بحث اس نکتہ کے گرد گھومتی رہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم محض اعلیٰ قدروں کے حامل انسان تھے یا ماورا انسان بھی کچھ تھے۔ یہ سوال حسن عسکری کے اس مضمون سے پیدا ہوا جو انھوں نے محسن کاکوروی کی نعت گوئی پر تحریر کیا تھا۔ حسن عسکری کے نزدیک حالی اور محسن دونوں ہی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی ایک جہت سے سروکار رہا۔ حالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشری یا انسانی جہت کو لے لیا۔ ماورائی یا نوری کو چھوڑ دیا۔ محسن نے ماورائی یا نوری جہت کو لے لیا، بشری یا انسانی جہت کو چھوڑ دیا۔ جمال پانی پتی نے حسن عسکری کی حمایت میں حالی کی مسدس پر اعتراض کیے کہ ''حالی جیسا آدمی رسول کریم کو عام

دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے

ان اشعار پر کشفی صاحب نے لکھا'' یہ شاعری ایک طرف تو غزل کی روایتی انداز کی عکاس ہے تو دوسری طرف بھگتی شاعری اور ہندی عناصر بھی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آدمی اپنے دفاع میں بڑی حد تک آگے جا سکتا ہے۔ وہ وصل کے سلسلہ میں نعت اور تصوف دونوں کا سہارا لے کر اسے جائز قرار دے گا۔ یہ ہمیں بھی معلوم ہے کہ وصل اور وصال تعین کے اُٹھنے اور اپنی خودی کے وہم سے بے گانہ ہو جانے کو کہتے ہیں بلکہ اربابِ تصوف تو یہاں تک کہہ اٹھتے ہیں کہ ''واصل حق مخلوق نہیں رہتا اور مخلوق کے اثرات اس پر سے زائل ہو جاتے ہیں۔'' لیکن جسمانی یک جائی کو شبِ اسریٰ سے ملانے کو کیا کہا جائے گا اور اگر معاملہ صرف خواہش وصل کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ان سے حیات طیبہ کے کس لمحہ میں دور رہا۔ کاش ہمارے شاعر کو معراج کے معانی اور امکانات کا علم ہوتا۔ (۶۸)

کشفی صاحب کے اس بیان پر مولانا کا اعترض تھا کہ:

''ص ۴۸ پر کشفی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ کے دو اشعار لکھے ہیں، ان کے بارے میں بھی نہیں سمجھ سکا کہ کشفی صاحب کا اعتراض کیا ہے؟ علاوہ ازیں جسمانی یک جائی اور شب اسرا کے حوالے سے کس نے کہا ہے؟ راجا رشید محمود کا جو شعر ہے اس میں بھی غالبًا یہ بات نہیں ہے۔ (۶۹)

کشفی صاحب کا دوسرا مضمون جس پر مولانا نے اعتراضات کے پے در پے وار کیے ''نعت کے موضوعات'' ہے۔ یہ مضمون 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۶ میں شائع ہوا۔ غالبًا کشفی صاحب نے یہ مقالہ عجلت میں تحریر کیا تھا کیونکہ وہ ان دنوں حجازِ مقدس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس لیے اس میں کچھ مقامات ایسے رہ گئے ہیں جنھیں وہ اپنی استادانہ مہارت سے نا قابلِ اعترض نہ بنا سکے۔ کشفی صاحب کے خیال میں اردو نعت کی روایت میں مدینہ کا تقابل جنت سے کرنے کا شعری رجحان عام ہے۔ وہ اس کے اسباب، اسلامی تعلیمات سے دوری، قرآن ناشناسی، سستی جذباتیت اور جنت کے استخفاف میں تلاش کرتے ہیں اور اس رجحان کے معاملے میں احتیاط کی ضرورت پر زور

بنتی ہے اسے بے مثال پانی نہیں، چائے کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ 'احد' کے
حوالے سے جمال پانی پتی نے مولانا کے بیان کردہ متذکرہ معانی کی بجائے
اسے ذاتِ خداوندی کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔" (۶۳)

مولانا کا دوسرا معرکہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب سے ہوا۔ مولانا کے خطوط پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کشفی صاحب کے مقالے کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قابلِ اعتراض مقامات پر کھل کر اختلاف کیا کرتے تھے۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۴ میں کشفی صاحب کا فکر انگیز مقالہ "نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم" شائع ہوا۔ (۶۴) اس مقالے میں کشفی صاحب نے بہت سے فکر افروز نکات پیش کیے ہیں۔ ضمناً انھوں نے نعت پر پڑنے والے غزل کے اثرات کا جائزہ بھی لیا اور لکھا:

"اس روایتی غزل کا سایہ ہماری نعت گوئی پر پڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہجر اور وصل کو تو چھوڑیے 'شبِ اسرا کا دولہا' بھی نعت میں ملے گا اور وہ رب محمد بھی غمِ ہجر میں تڑپ رہا ہے۔ معاذ اللہ۔" (۶۵)

کشفی صاحب کے اس بیان کے حوالے سے کوکب نورانی کا بیان تھا:

"جناب ابوالخیر کشفی کی تحریر میں "شب اسرا کے دولہا" کے الفاظ ص ۴۶ پر ہیں جو انھوں نے شاید (نعت میں) معترضہ بتائے ہیں، کیا میں ایسا سمجھا ہوں یا کشفی صاحب نے واقعی معترضہ بتائے ہیں؟ اگر ان کے نزدیک معترضہ ہیں تو کیوں ہیں؟ جاننا چاہوں گا۔" (۶۶)

اسی کے ساتھ کوکب نورانی نے دوسرا اعتراض کشفی صاحب کی اس عبارت پر کیا "اس لیے بہت سے صاحبان "اللہ" کے لفظ پر اصرار کرتے ہیں اور خدا کے لفظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی جمع خداؤں استعمال ہوتی ہے۔" کوکب نورانی کا مؤقف تھا کہ اگر لفظ خدا، اللہ تعالیٰ کا اصل نام نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص خدا حافظ کہے تو یہ غلط بھی نہیں مگر لفظ اللہ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ جو شخص اللہ کا استعمال کرتا ہے تو اسے ثواب بھی ملتا ہے۔ (۶۷) دراصل یہ اعتراض تو نہیں موافقت ہے لیکن درج اعتراض کے انداز میں ہوا ہے۔ ان کا تیسرا اعتراض اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کے دو اشعار پر کشفی کے درج ذیل بیان سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کعبہ دلہن ہے تربتِ اطہر نئی دلہن
یہ رشکِ آفتاب وہ غیرتِ قمر کی ہے

کشفی صاحب کے اعتراض کو مولانا کوکب نورانی نے خطوط میں رد کر دیا۔ (۷۱)

ان کا تیسرا معرکہ ڈاکٹر سید یحیٰی نشیط سے ہوا۔ یحیٰی نشیط 'نعت رنگ' کے مستقل قارئین اور مصنفین میں سے ہیں۔ ان کی علمی وسعت اور مطالعے کی گہرائی اور گیرائی سے انکار ممکن نہیں لیکن ایک خاص نقطۂ نظر کے حامل ہونے کے باوصف ان کی تحریروں میں ایسے بیانات در آئے ہیں جن پر مولانا کو گرفت کرنا پڑی۔ کشفی صاحب اور مولانا کی معرکہ آرائی کا آغاز کشفی صاحب کے مضمون ''اردو نعت کے موضوعات'' مشمولہ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۵ کے جواب میں شروع ہوئی جو اعتراض در اعتراض اور جواب الجواب کی صورت میں 'نعت رنگ' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا نے تقریباً ہر مضمون کے جواب میں مولانا کا اعتراض موجود ہے۔ اس کے نقوش 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۱۶ تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ (۷۲) ان کے علاوہ مولانا نے رشید وارثی، ابو سلمان شاہجہاں پوری، اکرم رضا، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر محمد حسن، عزیز احسن، پروفیسر اقبال جاوید، ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی کے مضامین پر بھی اعتراضات کیے ہیں۔ احمد صغیر صدیقی اور مولانا کی نوک جھونک کے نقوش 'نعت رنگ' کے کئی شماروں میں بکھرے پڑے ہیں۔

ان کے علاوہ آزاد فتح پوری اور ڈاکٹر یحیٰی نشیط، ریاض حسین چودھری اور ڈاکٹر اشفاق انجم، احمد صغیر صدیقی اور ڈاکٹر ابو الخیر کشفی، رشید وارثی اور افضال احمد انور، ڈاکٹر محمد حسن اور صابر سنبھلی، ابو الخیر کشفی اور عبد النعیم عزیزی، جیلانی کامران اور مبین مرزا و ڈاکٹر رؤف پاریکھ کے اختلافات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ اختلافات کہیں مباحث اور کہیں معرکوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ 'نعت رنگ' کے مباحث اور معرکوں کا موضوع ایک دلچسپ موضوع ہے جو تفصیل سے دیکھے جانے کا متقاضی ہے۔

'نعت رنگ' کے خطوط میں جو ادبی مباحث سامنے آئے ہیں وہ مکتوب نگاروں کے ذاتی نہیں بلکہ وہ فکری مغالطوں، تحقیقی لغزشوں یا لسانی خامیوں کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں۔ ان مباحث میں لہجوں کی یکسانیت کی تلاش یا کسی ایسی ہی خواہش کی تمنا بھی بے سود ہے۔ مزید براں یہ کہ اگر مباحث کا لہجہ یکساں رہتا تو بحث آگے نہ بڑھ پاتی اور نہ خطوط میں رنگا رنگی ہی پیدا ہو پائی۔ ان مباحث کی رنگا رنگی ہی دراصل خطوط کی دلچسپی اور خوبصورتی کا باعث ہے۔ ان مباحث میں کبھی لہجے کی رو بلند آہنگ ہو کر کثافت کی صورت اختیار کر گئی ہے تو کبھی دھیمی ہو کر لطافت کا احساس دلا گئی ہے، انھیں دونوں رنگوں کے تال میل سے مباحث کے تانے بانے تشکیل پا کر

دیتے ہیں۔ان کے اس مؤقف پر مولانا سخت گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کشفی صاحب نے ''سستی جذباتیت'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو پھبتی لگے ہیں انھیں عاشقانِ رسول کی مدینے سے محبت کو ایسے الفاظ سے مخاطب کرنے کی بجائے مناسب الفاظ سے مخاطب کرنا چاہیے تھا۔

کشفی صاحب نے دوسرا قابلِ اعتراض لفظ 'کملی' کے حوالے سے کیا تھا۔ان کا بیان ہے۔:

> ''یہ مدثر اور مزمل کے مرتبۂ عالی کی ہندی شکل ہے۔ وہ چادر جو وحی کے بارِ گراں کو سہل بنانے کے لیے تھی اس کو بھگتی کا رنگ دے کر یہ عاشقانہ روپ دے دیا گیا ہے۔۔۔معاذ اللہ یہ چادرِ رسالت V کو صوفی کی گلیم یا سادھو کی کملی سمجھتے ہیں۔''

کشفی صاحب کے ان الفاظ کو مولانا نے سخت ناپسند کیا۔ان کا اعتراض تھا:

> ''کشفی صاحب کو ایسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے جانے کیوں خیال نہیں آیا کہ صوفی اور سادھو میں مناسبت بیان کرنا اور سرکارِ دو عالم کی مبارک کملی کا بیان اس تناظر میں یوں کرنا بھی تو ادب و تعظیم کے منافی ہے۔انھیں دوسروں کو ادب سکھاتے ہوئے خود بھی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔''(۷۰)

کشفی صاحب کا تیسرا قابلِ اعتراض نکتہ گنبدِ خضرا سے متعلق تھا۔ان کا خیال تھا کہ گنبدِ خضرا کا ذکر شعرا بہت سطحی انداز میں کرتے ہیں۔اس میں نہ استوانوں کا تذکرہ، نہ صفہ کی علم آفرینی پر نظر، نہ مواجہ کی کیفیات کا ذکر۔۔۔وہ مواجہ جہاں گردن جھکا کر حاضری کا تصور ہی جیسے ہمارے وجود کو بدل دیتا ہے۔مولانا نورانی کو ان جملوں میں بھی لہجہ کا درشت ہونا ناگوار گزرا انھوں نے لکھا:

> ''وہ اپنے اس درشت لہجے میں گنبدِ خضرا کا ذکر بھی کر گئے ہیں۔کشفی صاحب وہی معنی و مفاہیم ہی کیوں معتبر جانتے ہیں جو ان کے علم و مطالعے میں ہیں؟''اکرام مانسب بہ'' کے تحت انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے نسبت رکھنے والی ہر شے کے بیان میں احتیاط کو فراموش نہیں کرنا چاہیے''

کشفی صاحب کا چوتھا قابل اعتراض بیان مذکورہ ذیل شعر میں 'مالک' کے لفظ پر اعتراض تھا۔

روزِ جزا کے مالک و آقا تمھی تو ہو
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

درپیش ہوا۔ کچھ عرصہ بعد وہ جب واپس آئے تو انھیں معلوم ہوا کہ بنارس کے ایک شخص نے میدان خالی پا کر ان کے تذکرے کو اپنے نام سے موسوم کر لیا ہے اور اس کی کئی نقلیں کروا کر مختلف شہروں میں بھیج دی ہیں۔(۷۴)

ایسے ہی کئی واقعات ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنی تصنیف 'متنی تنقید' میں پیش کیے ہیں۔ شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش سے یہ واقعہ منسوب ہے کہ ان کے دیوان کی صرف ایک ہی نقل موجود تھی۔ کسی شخص نے مطالعے کے لیے یہ دیوان مستعار مانگا اور کچھ دن بعد تخلص بدل کر اس دیوان کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ اسی طرح منہاج الدین نامی ایک شخص نے بھی ان پر ایسا ہی ستم کیا تھا۔ تصوف سے متعلق ان کی ایک تالیف اپنے نام سے منسوب کر لی تھی۔(۷۵)

ڈاکہ زنی کی یہ روایت قدیم ادوار ہی کا حصہ نہیں رہی۔ موجود دور میں بھی یہ روایت اپنی پوری آب و تاب سے روشن ہے۔ موجودہ دور میں جس طرح بہت سے معائب نے محاسن کا روپ دھار لیا ہے بالکل اسی طرح متذکرہ بالا ادبی خیانت نے مہذب شکل اختیار کر لی ہے۔ مختلف شعبہ جات میں دوسروں کی اگائی ہوئی فصلوں کو اپنی حرص و آز کی قینچیوں سے کاٹ کاٹ کر اپنی تحقیق و تنقید کا پیٹ بھرا جا رہا ہے۔ اب یہ رواج اس حد تک فروغ پا چکا ہے کہ اس میں نہ شرمندگی محسوس ہوتی ہے نہ اسے جرم خیال کیا جاتا ہے۔ ادبی رسائل، مجلّات اور محفلوں میں بھی اس طرح کے بے شمار واقعات آئے دن پڑھنے اور سننے میں آتے ہیں کہ فلاں مدیر نے فلاں شخص کا مقالہ اپنے یا اپنے کسی دوست کے نام سے شائع کر لیا اور صاحبِ مقالہ خالی ہاتھوں منہ تکتا رہ گیا۔ یہ دست درازی مضامین اور مقالات تک ہی محدود نہیں ادیبوں کی برسوں کی کمائی پر بھی دیدہ دلیری سے ہاتھ صاف کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح کی ادبی صورت حال کا سامنا 'نعت رنگ' کے ایک معروف مقالہ نگار جناب شفقت رضوی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ ایک خط کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے موجود دور کی ادبی صورت حال پر بلیغ روشنی پڑتی ہے۔

> ''بعد تسلیمات یہ حقیر و کم ترین قلم بردار اپنے چاہنے والوں اور نا چاہنے والوں کی خدمت میں اس کے ذریعہ بقائمی ہوش و حواس، بلا جبر و اکرہ، حالت ذہنی صحت میں برضا و رغبت تحریر کرتا ہے کہ ساٹھ سال قلم گھسنے کے بعد چند زخم اور چند داغ لیے ادبی دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ میں لکھنے کے عمل سے تائب ہو چکا۔ یکم جون ۲۰۰۱ء کے بعد لائق اشاعت علمی یا ادبی تحریر سے گریز کروں گا۔ البتہ

نعت رنگ‘ کی خوبصورتی کا باعث بنے ہیں۔ یہ خطوط اربابِ دانش وفکر کے ان افکار وخیالات کا ردعمل ہیں جو تحریری صورت میں ’نعت رنگ‘ کے صفحات پر جلوہ گر ہوئے۔ یہ مباحث ہر دو صورت میں نعت کے فکری اور تخلیقی مزاج کو سنوارنے اور نکھارنے کا باعث بنے ہیں۔ ان مباحث کی وجہ سے تخلیقِ نعت اور تنقیدِ نعت اس نئے عہد سے روشناس ہوئی جو ’نعت رنگ‘ کی دین ہے۔

تخلیق، تحقیق یا تنقید سے کسی بھی طور استفادہ معیوب نہیں ہوتا لیکن جب کسی کا خیال، نقطۂ نظر، نظریہ، فکر، تحقیق یا تجزیہ اپنی جھولی میں ڈال کر اپنا بنا لیا جائے تو اسے ادبی خیانت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاعری میں یہ اثرات بہت زیادہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان نقوش واثرات کا سراغ صرف اردو شاعری میں ہی لگایا جائے تو تصانیف کی کئی جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں۔ مصنفوں یا تخلیق کاروں کی تحریروں میں خیال کا اشتراک دو طرح سے سامنے آتا ہے۔ ایک توارد کی صورت میں اور دوسرا سرقہ کی صورت میں۔ اول الذکر مستحسن اور ثانی الذکر غیر مستحسن شمار کیا جاتا ہے۔ ثانی الذکر کے حوالے سے تحقیق وتفتیش کی بساط بچھائی جائے تو کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی سطح پر ہر فرد اس کا شکار نظر آتا ہے۔ غالب جیسا جینئس بھی جب پکڑا جاتا ہے تو یہ کہہ کر کہ متقدم شعرا نے اس کا خیال چرا لیا تھا، عذرِ لنگ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ (۴۷)

یہ تو صرف شاعری کا معاملہ ہوا۔ تحقیق وتنقید میں بھی سرقے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اس حوالے سے شعبۂ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی نے ’چہ دلاور است‘ کے نام سے ’جریدہ‘ کا شمارہ مرتب کیا ہے جس میں مشرق ومغرب کی سرقہ بازی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ سرقہ تو ایک طرف رہا۔ ادبی ڈاکہ زنی کی بھی ایک دلچسپ اور حیرت انگیز تاریخ موجود ہے۔ سینکڑوں سالوں سے غیروں کا مال ہتھیا کر اپنا بنایا جاتا رہا ہے۔ کبھی حیلے بہانوں سے، کبھی دھونس دھاندلی سے، کبھی جاہ وثروت کا لالچ دے کر اور کبھی مشترکہ کاوش کا چکمہ دے کر۔ قدیم زمانے میں جب پرنٹنگ پریس ایجاد نہیں ہوا تھا یا اس تک دسترس آسان نہ تھی اور کتاب کی اشاعت خاصا دشوار معاملہ ہوا کرتا تھا، ایسے موسموں میں کتابوں کی چوری اور ڈاکہ زنی معمول بن چکی تھی۔ اہلِ علم کی تصانیف کو ہتھیا کر اپنے نام سے مشہور یا شائع کروا دینا عام بات بن گئی تھی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب ’ید بیضا‘ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے کئی سالوں کی محنت کے بعد متقدمین شعرا کے حالات پر مشتمل ایک تذکرہ ترتیب دیا اور اس کی کئی نقول احباب میں تقسیم کیں۔ اسی دوران انھیں حرمین شریفین کا سفر

مضمون چھاپنے کے لیے لکھا نئے ڈاکٹر کوئی... ذوالفقار آئے ابوسلمان سے کہا
مسودہ بہت پُرانا ہے اب کیا اہمیت! یعنی تحقیق نئی باتوں کی ہونی چاہیے پُرانی
باتوں کی نہیں۔" (۷۷)

(۲) "یہ تبصرہ جو نوکِ قلم پر بے اختیارانہ آ گیا یہ میرے اور تمہارے درمیان کا
معاملہ ہے۔ اسے عام کرنے کی ضرورت نہیں۔ مظفر وارثی کینہ پرور آدمی نکلے
۔ اُن سے وہ اعزاز ہضم نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُن کو بخشا تھا۔
نعت جیسی صنف کے مصنف کا ایسی پست سطح پر اترنا عجیب سا لگتا ہے۔
اخلاقیات کے موضوع پر بیسیوں اشعار کہنے والا شاعر اسقدر رکیک لہجہ اختیار
کرے گا اس کا کبھی گمان بھی نہیں ہوا تھا۔ (۷۸)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات ہماری ادبی صورت حال کی بے رحم عکاسی ہی نہیں کر رہے، بہت سے شرفا کے مقدس چہروں پر پڑے ہوئے پردوں کو بھی نوچ رہے ہیں۔

ویسے تو ہر زبان کا ادب تعصبات سے بالاتر ہوتا ہے اور امن کی کوششوں میں اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن آج کے پرفتن دور میں دہشت گردی نے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اسلام کو دہشت اور خوف کی علامت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ آزاد خیالی اور آزادیِ اظہار کی آڑ میں مذہب اسلام اور شعائر اسلام کی تضحیک معمول بن چکی ہے۔ ہر طرف خوف، دہشت ظلم، زیادتی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ فرقہ پرستی، رنگ، نسل، زبان کی بنیادوں پر تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے۔ اقربا پروری، رشوت ستانی، چور بازاری، منافقت، جہالت، خود غرضی اور مفاد پرستی نے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ایسی صورت حال میں نعت ایک ایسی ادبی صنف کے طور پر سامنے آسکتی ہے جو تہذیبی مغائرت، متعصبانہ رویوں اور مذہبی مناقشوں کو ختم کر کے ملی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کی فضا پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس کے لیے نعت کو بھرپور انداز میں بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو تخلیق کا حصہ بنا کر ذریعہء ابلاغ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ نعت کو فضائل و برکات کے دائرے سے باہر نکال کر معاشرتی اصلاح کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے اور سیرت طیبہ کے ان نقوش کو نعت کا حصہ بنانا چاہیے جن سے معاشرے میں برداشت، حوصلے اور کشادہ دلی کی فضا ہموار ہوتا کہ مسلمانوں میں نفرت کی بڑھتی ہوئی خلیج کو ختم کیا جا سکے۔ اس طرح نعت سے سماجی شعور بیدار کرنے میں مدد ملے گی اور ہمارے

سابق میں جس اندوختہ پر میرے ''کرم فرماؤں'' نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اس پر میرا کوئی حق نہیں ہوگا، وہ چاہے چھاپیں نہ چاہیں نہ چھاپیں۔ چاہے میرے نام سے میری تحریریں چھاپیں یا اپنے سے کم ترجیحوں کے ناموں کو ترجیح دیں، مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ ماقبل بھی لوگوں نے میری چھ کتابیں اپنے نام سے چھپوالیں تو میں نے کیا بگاڑ لیا جواب بگاڑ [لوں گا]۔ ایک کتاب لاہور کے ایک ناشر کے پاس عرصہ چار سال سے ہے۔ ایک مسودہ کراچی سوپر مارکیٹ کے تہہ خانے میں عرصہ ساڑھے چار سال سے بند ہے۔ ایک مسودہ حیدرآباد سندھ کے ایک پبلشر کے پاس ہے۔ ان کے خلاف ایک ۷۵ سالہ بوڑھا ریٹائرڈ پروفیسر کیا اقدام کر سکتا ہے یہاں تو ان کا اُلّو بولتا ہے جن کا علم ''حرفِ چند'' سے ماسوا اور وہ افلاطون، سقراط اور بقراط کے استاد بنے شہرت اور سونے بٹور رہے ہیں۔ جاہلوں کی قدر دانی ناشروں کی بے بسی ایڈیٹر کی جہالت کو دیکھتے ہوئے شرفا اپنی عزت اسی طرح بچا سکتے ہیں کہ ''کتا شاہی'' ریس سے خود کو دُور رکھیں۔'' (۷۶)

ادبی اور معاشرتی زوال نے جس برے طریقے سے ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اِس کی مذکورہ ذیل اقتباسات میں کس خوبصورتی سے ترجمانی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) ''اب تو حد ہوگئی۔ میں نے حسرت موہانی کی نثر نگاری پر ایک مسودہ روانہ کیا تھا۔ کئی سال ہوئے وصولی کے خط کے ساتھ اس وقت کے ڈائریکٹر نے اشاعت کی یقین دہانی کرائی۔ عرصہ گزر گیا حال معلوم نہ ہوا۔ ابوسلمان صاحب انڈیا گئے تھے خدا بخش لائبریری کی بھی زیارت کی۔ ڈائریکٹر صاحب نے میری کتاب اور ان کی کتابوں کی اشاعت کا یقین دلایا۔ وہ صاحب چلے گئے نئے صاحب... کسی استفسار کا جواب نہیں دیتے اب اگر ماں بہن کو گننے پر آمادہ نہ ہوں تو میں کیا کروں۔ یہی حرکت بار بار ہو چکی ہے ایک بار ڈاکٹر وحید قریشی نے ''صحیفہ'' کے لیے مضمون چھاپنے کی اطلاع [کذا] وہ بدل گئے۔ احمد ندیم قاسمی مجلس پر مسلط ہوئے، مسودہ ہضم کر دیا۔ بزمِ اقبال لاہور نے ایک

اورعدم دستیابی کا رونا روتے نظر آتے ہیں تو کوئی اشاعت کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے نوحہ کناں ہے۔کوئی خریداروں کے رویوں کا شاکی ہےتو کوئی قارئین کی گم شدگی کا اعلان کرتا ہوانظر آتا ہے۔ادبی مجلّے تو ایک طرف رہے نعت کے فروغ میں جاری ہونے والے مجلّے بھی اسی صورتِ حال سے دوچار رہے۔ماہنامہ 'نعت' جنوری ۱۹۸۸ء میں لاہور سے جاری ہوا تو اس کے پہلے شمارے کے اداریے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> ''ماہنامہ 'نعت' اپنی علمی ومالی بے بضاعتی کے شدید احساس لیکن فروغ نعت کی بھرپور خواہش کے جلو میں شروع کیا جارہا ہے۔یہ نعت سے محبت رکھنے والوں کا بھی امتحان ہے۔دیکھیے ہم سب اس امتحان میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔''(۸۰)

رسالے کے مدیر کا بیان بین السطور وہ سب کچھ کہہ رہا ہے جس کا درج بالا سطور میں اظہار ہوچکا ہے۔'نعت رنگ' کے اداریے اس طرح کی صورت حال سے کوسوں دور ہیں۔ان میں نہ شکوہ شکایت نظر آتا ہے نہ مایوسیاں، نہ مقالہ نگاروں کی تلاش کی فکر نہ مجلّے کی ضخامت کا مسئلہ۔ (۸۱)اگر کچھ ہے تو وہ فقط نعت کے فروغ کی فکرمندی۔

'نعت رنگ' ایک ایسا ادبی مجلّہ ہے جو فروغ نعت میں کلیدی کردار ادا کررہا ہے۔اس مجلّے میں نعت کے حوالے سے مختلف موضوعات اور جہتوں پر اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ نعت گوئی کے آداب، شرائط، تقاضے، حفظ مراتب، واقعات اور روایات کی صحت وصداقت کے حوالے سے مباحث، تہذیبی اور ثقافتی حوالے سے نعتیہ ادب کا ابلاغ جدید اردو نعت کی نئی جہتوں کی دریافت، نعت کے نئے نئے پیرایۂ اظہار، نعت گوشعرا کے احوال وآثار، نعتیہ کتب، دواوین پر تبصرہ وتنقید، نعتیہ کلیات، گل دستوں اور انتخاب کا تعارف وغیرہ جیسے ان گنت موضوعات 'نعت رنگ' کی ادبی قدروقیمت کو بھی بڑھا رہے ہیں اور گیسوئے نعت بھی سنوار رہے ہیں۔'نعت رنگ' نعت کے حوالے سے سوچ اور فکر کے نئے نئے آفاق کی تلاش وجستجو میں مصروفِ عمل ہے۔ نعت کی تفہیم وتنقید میں ادب کے جملہ پہلوؤں کو بروئے کار لانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔قدیم وجدید افکار اور دبستانِ تنقید کا سہارا لیا جارہا ہے۔غرض یہ کہ تفہیم نعت اور تنقیدِ نعت کے حوالے سے سنجیدگی سے غوروخوض کیا جارہا ہے۔

معاشرتی رویوں میں تبدیلیوں سے اسلام اور مسلمانوں کا وہ روپ سامنے آئے گا جو بین المسلمین بھی قابل قبول ہوگا اور بین الاقوام بھی۔ مجلّہ 'نعت رنگ' یہ کردار بخوبی ادا کر رہا ہے اور مستقبل میں بھی اس سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اس میں نہ کسی خوش گمانی کا دخل ہے نہ نری جذباتیت کا عمل بلکہ 'نعت رنگ' کی پالیسیاں، رویے اور روایت اس کے غماز ہیں۔ اس حوالے سے مدیر 'نعت رنگ' ایک اداریے کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ''ایک ایسے ماحول میں جہاں مذہب سے جڑی ہوئی اصناف پر گفتگو کے دروازے صرف خوفِ فسادِ خلق سے بند ہوں وہاں حمد و نعت کے ادبی پہلوؤں پر شریعت کے حوالے سے اپنا نقطہء نظر جرات، بے خوفی اور استدلال سے پیش کرنا اور پھر اس بات پر مختلف نقطہ ہائے نظر کے تناظر میں ہونے والے اعتراضات و اختلافات کو حوصلے اور تحمل سے سننا اور برداشت کرنا صرف اس لیے کہ نعت پر ادبی مباحث کے در کھلے رہیں اور صدیوں سے بند اس ایوان میں تازہ ہوا کے جھونکے آتے رہیں تا کہ ہمیں نعت کی علمی، ادبی، تہذیبی، جہات کا علم ہو اور ہم اس کے آداب کا شعور حاصل کر کے نعت کی حقیقی قوت کو جان سکیں اور اسے بروئے کار لا کر ایک مثالی معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں اور نہ ہمیں اس سے پہلے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔'' (۷۹)

دورِ حاضر میں سرکاری ادارے بھی مجلّات شایع کر رہے ہیں اور ہائر ایجوکیشن کمیشن کی بھاری مالی امداد کے سہارے رینگنے والے مجلّات کی بھی کمی نہیں لیکن اس کے باوجود اُن میں شایع ہونے والے مقالات کا معیار روز بروز گرتا ہی چلا جا رہا ہے۔ تحقیق کے نام پر جو کچھ لکھا جا رہا ہے اسے ہماری ادبی تاریخ کے المیے سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا لیکن دوسری طرف 'نعت رنگ' کو نہ سرکاری سرپرستی حاصل ہے اور نہ ہی ہائر ایجوکیشن کی مالی بیساکھیاں۔ پھر بھی یہ مجلّہ بے نیازی کی شان لیے اپنے معیار کو روز بروز بڑھانے میں مصروف عمل ہے اور قابل تحسین بات یہ ہے کہ اس کا حجم بھی معاصر مجلوں سے ضخیم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتِ حال میں 'نعت رنگ' کا ادبی کردار دیگر مجلّات کے لیے ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے۔

ادبی مجلّے شایع ہوتے رہے ہیں۔ آج بھی شایع ہو رہے ہیں۔ ان مجلوں کے اداریے ملاحظہ فرمائیے۔ بیشتر اداریوں میں مدیر حضرات، مقالہ نگاروں کی بے توجہی، بے اعتنائی

لازوال خزینہ ہے۔ اس کتاب میں 'نعت رنگ' کے پچیس شماروں میں شایع ہونے والے خطوط شامل ہیں۔ اس کتاب میں کوکب نورانی کے 'نعت رنگ' میں شائع شدہ خطوط شامل نہیں۔ وہ تمام خطوط علیحدہ ایک کتابی صورت میں 'نعت اور آدابِ نعت' کے نام سے شایع ہو چکے ہیں۔ (۸۳) 'نعت نامے' کی اشاعت کے بعد سے 'نعت رنگ' کے تین شمارے ۲۶، ۲۷، اور ۲۸ شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں مذکورہ دونوں کتابوں اور ۲۶، ۲۷، اور ۲۸ ویں شمارے میں شامل خطوط کو پیش نظر رکھ کر نعت کے حوالے سے اہل علم و دانش کے جواہرات اکٹھے کیے گئے ہیں اور اب یہ جواہرات 'نعت رنگ' کے بھرے ہوئے دامن سے سمیٹ کر قارئین کی جھولیوں میں ڈالے جا رہے ہیں۔

'نعت رنگ میں شائع ہونے والے خطوط کا دورانیہ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۱۸ء تک پھیلا ہوا ہے، تقریباً ۲۳ سالوں پر محیط خطوط اپنے جلو میں علم و ادب کا گنج ہائے گراں مایہ رکھتے ہیں۔ 'نعت رنگ' میں کم و بیش دو سو مکتوب نگاروں کے ساڑھے پانچ سو کے لگ بھگ خطوط شائع ہوئے ہیں۔ یہ صرف خطوط نہیں ہیں نہ مکتوب نگاروں کے مدیر سے روابطِ محض کے عکاس بلکہ یہ مکتوب نگاروں کے حالات، خیالات، احساسات، تاثرات، افکار، نظریات، تجربات، واردات، تحقیقات، تنقیدات اور علم و ادب کا ایک خزانہ بھی ہیں اور اپنے عہد کی ادبی صورت حال کے عکاس بھی۔ یہ خطوط 'نعت رنگ' کے ارتقا کو سمجھنے میں بھی مدد دیتے ہیں اور مدیر 'نعت رنگ' کی شب و روز کاوشوں کے شاہد بھی۔ یہ نعت کی ادبی تاریخ بھی پیش کرتے ہیں اور 'نعت رنگ' کی تاریخ بھی۔

۲۳ سال کے مختصر عرصے میں نعت رنگ میں تخلیق اور تنقید و تحقیق کے بے شمار رنگ سامنے آئے ہیں۔ جس طرح اٹھارویں صدی کا نصف آخر شمالی ہند کے شعر و ادب کے مختلف رنگوں سے ایسی کہکشاں کی صورت تشکیل پا چکا تھا جسے میر و سودا کا زریں دور کہا جاتا ہے بالکل اسی طرح ان تین دہائیوں میں صنف نعت کی تخلیق اور تحقیق و تنقید کی پھوٹتی کرنوں سے نعت کی ایسی قوس قزح وجود میں آئی جسے نعت کا زریں دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مدیر نعت رنگ کے نام لکھے گئے خطوط کا دامن خاصا وسیع ہے۔ ان میں ادبی نوعیت کے خطوط بھی ہیں اور مذہبی نوعیت کے حامل خطوط بھی، لسانی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خطوط بھی ہیں اور تجزیاتی اوصاف کے حامل خطوط بھی، تحقیقات سے بھرپور خطوط بھی موجود ہیں اور رسیدی اور تعارفی نوعیت کے حامل خطوط بھی۔ ان خطوط میں شکوے شکایتیں بھی ہیں اور محبتیں اور

(۳)

مکتوب نگاری کی روایت کی ایک جہت ادبی رسایل میں دیکھی جاسکتی ہے۔تمام ادبی رسایل تونہیں لیکن کثیر تعداد میں ایسے رسایل شائع ہوتے رہے ہیں (اور آج بھی شایع ہورہے ہیں) جن میں اہلِ علم کے خطوط شایع ہوا کرتے تھے۔ان کوشمار میں لایا جائے توان رسایل کی تعداد بھی سوکاہندسہ آسانی سے پورا کرسکتی ہے۔ایسے رسائل وجرائد میں عوام اور خواص دونوں کے خطوط اشاعت کے مرحلوں سے گزرتے رہے ہیں لیکن معروف قلم کاروں کے خطوط کو ہمیشہ خصوصی توجہ حاصل رہی ہے۔کیونکہ ان کے خطوط علم وادب، تحقیق وتنقید اور معاصر رجحانات و تحریکات کے حوالے سے دلچسپی کا باعث بھی ہوا کرتے تھے اور افادیت کے حامل بھی اور ساتھ ہی ادب کی سمت نمائی کا فریضہ بھی ادا کرتے تھے۔کم وبیش تمام رسائل میں شائع ہونے والے خطوط کا دائرہ ادب کی کسی ایک جہت یا پہلو کو محیط نہیں ہوتا بلکہ ہر خط ادب کے کسی پہلو کو روشن کرتا ہوانظر آتا ہے۔اردو کا شاید ہی کوئی ایسا ادبی رسالہ موجود ہو جس میں ادب کے کسی ایک ہی پہلو پر خطوط شایع ہوئے ہوں یا کسی ایک صنف ادب سے متعلق خطوط لکھے جاتے رہے ہوں اور انھیں شایع بھی کیا جاتا رہا ہو۔

'نعت رنگ' غالباً وہ واحد ادبی مجلّہ ہے جس میں صرف ایک ادبی صنف یعنی نعت کو مرکز بنا کر خطوط لکھے جاتے ہیں۔'نعت رنگ' کے اب تک اٹھائیس شمارے شایع ہو چکے ہیں۔ان شماروں میں پانچ سو سے زائد خطوط شائع کیے جاچکے ہیں۔ان میں چند سطری خطوط بھی شامل ہیں اور کئی کئی صفحات پر مشتمل مقالات نما خطوط بھی۔ان میں سب سے طویل خط مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا ہے جو کم وبیش سو صفحات پر مشتمل ہے۔اردو کا کوئی مجلّہ ایسا نہیں جس میں اتنا طویل خط شائع ہوا ہو۔یہ فراخ حوصلگی 'نعت رنگ' کے حصے میں ہی آئی ہے۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے تمام خطوط کا موضوع صرف نعت ہے اور اسی موضوع کو پیش نظر رکھ کر مدیر نعت رنگ کو خطوط لکھے جاتے رہے۔ چنانچہ تمام خطوط کا دائرہ نعت کی تحقیق، تنقید، موضوعات، اسالیب، تاریخ، تقاضے، روایت اور مسائل کو محیط ہے۔

'نعت رنگ' میں شایع ہونے والے خطوط کو ڈاکٹر سہیل شفیق نے نہایت سلیقے اور محنت سے ترتیب دے کر 'نعت نامے' کے نام سے ایک ضخیم کتابی صورت میں شایع بھی کر دیا ہے۔(۸۲) ۹۳۶ صفحات کی یہ کتاب مذہب، تہذیب، تاریخ، علم، ادب، تحقیق اور تنقید کا ایک

لہجے کے اظہار کی بجائے متنوع پیرایہء اظہار اور مختلف اسالیب اپنا اپنا الگ، منفرد اور مخصوص رنگ دکھا رہے ہیں۔ 'نعت رنگ' کے خطوط میں متنوع اسالیب کی رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں کہیں اصول وضوابط کا تازیانہ لیے سخت گیر نقاد محوِ کلام ہے تو کہیں لطافتِ زبان کی دلکشی لیے مشفق ومہربان استاد، کہیں صداقت کی خنکی لیے خشک محقق جلوہ گر ہے تو کہیں منطق کے بوجھ تلے دبا ہوا زاہد خشک ملا، کہیں تخیل کے پروں کے سہارے محوِ پرواز تخلیق کار اور کہیں فکشن کا انداز لیے بے رحم حقیقت نگار۔ غرض یہ کہ 'نعت رنگ' میں مکتوبات اور مکتوب نگاروں کے متنوع اسالیب کا رنگا رنگ ایک جہان آباد ہے جو اپنی اپنی شان لیے 'نعت رنگ' کے شعبہء مراسلات کو رنگوں سے مزین کر رہا ہے۔

'نعت رنگ' کے خطوط کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ بیشتر خطوط تو مقصد کے جبر میں جکڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے غیر شخصی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان خطوط میں شخصی عناصر تلاشنا بے سود ہے لیکن کم تر خطوط ایسے بھی ہیں جن کے نہاں خانوں سے زندگی جھانکتی اور کروٹیں لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان خطوط سے مکتوب نگاروں کی شخصی واردات اور نفسی کیفیات کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ خطوط ان شخصیات کے تحریر کردہ ہیں جو مدیر 'نعت رنگ' سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ ان خطوط کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے گویا مکتوب نگاروں نے اپنے دل کھول کر ان خطوط کی طشتریوں میں رکھ دیے ہیں۔ خلوص کا ایک لازوال رشتہ ہے جو مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان محبت کے رشتے سے جڑا ہوا ہے۔ ان کے دلوں سے نکلنے والی آواز اگرچہ لفظوں کے قفس میں مقید ہے لیکن ہم انھیں گوشِ دل سے سن بھی سکتے ہیں اور محسوس بھی کر سکتے ہیں گویا احساسات اور کیفیات لفظوں کا روپ دھار کر 'نعت رنگ' کے صفحات پر بکھری زندگی کا پتا دے رہی ہیں۔

خطوط میں شخصی رنگ اس وقت در آتا ہے جب مکتوب نگار، مکتوب الیہ سے دل کی زبان سے گفتگو کرتا ہے۔ مکتوب نگار کا مکتوب الیہ سے ذہن کا نہیں دل کا رشتہ ہو، بے تکلفی نے دل میں جگہ بنائی ہوئی ہو، حجاب کا پردہ حائل نہ ہوا ہو۔ ایسے مواقع پر مکتوب نگار اپنی شخصیت پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو بلا جھجک اور بے خوف وخطر اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ ایسے عالم میں زندگی کو اس کے اصلی روپ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ خط جسے گفتگو کرنا یا باتیں کرنا کہتے ہیں، وہ حنیف اسعدی کے خطوط کی بنیادی خصوصیت ہے۔ ان مکاتیب میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان محبت اور خلوص کی ایسی داستان رقم ہوگئی ہے جو اپنے اندر بے پناہ اپنائیت بھی رکھتی ہے اور گہری اثریت بھی۔

حنیف اسعدی کے خطوط ایسے ہی خطوط ہیں جن میں دھڑکتے ہوئے دلوں کی

خلوص بھی، انسانی نفسیات کے پیچ و خم بھی ہیں اور نجی پریشانیوں کا بیانِ غم بھی، تجربات و احساسات کا تخلیقی اظہار بھی ہے اور ذاتی واردات و مشاہدات کا بے ساختہ بیان بھی۔ زبان و بیان کی آرائش بھی ہے اور سادگی اور سلاست کا اظہار بھی، اظہار کی بے تکلفی بھی ہے اور اندازِ بیان کی شگفتگی بھی، طنز کے گہرے وار بھی ہیں اور شوخیِ گفتار کے نمونے بھی۔ غرض یہ کہ ان خطوط میں زندگی کے گوناں گوں رنگوں کی طرح ہر رنگ موجود ہے اور ہر رنگ اپنی پوری آب و تاب سے 'نعت رنگ' کو منور کر رہا ہے۔

زندگی کے رنگوں کی طرح خطوط بھی متنوع رنگوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان تمام رنگوں میں سب سے اہم رنگ شخصی ہوتا ہے اور یہی رنگ بعض اوقات خطوط کو خوبصورت بنا کر دلچسپی سے پڑھنے کی چیز بنا دیتا ہے۔ غالب کے خطوط کی اہم خوبی اس کا شخصی عنصر ہی ہے۔ غالب کے خطوط میں ان کی شخصیت اپنے تمام و کمال رنگوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ ان خطوط میں غالبؔ کی زندگی ہنستی مسکراتی، بولتی چالتی اور چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اسی عنصر نے ان کے خطوط کو حیات دوام سے ہم کنار کر کے شہرت اور بقائے دوام کے دربار میں مسند نشین کیا ہے۔ غالبؔ ہی نہیں غالبؔ کے معاصرین اور متاخرین کے جن خطوط میں زندگی کی حرارت موجود ہے وہی خطوط اہمیت کے حامل قرار پائے ہیں۔ شبلؔی کے خطوط ہوں یا اکبرؔ کے، اقبالؔ کے خطوط ہوں یا جوشؔ کے ان تمام خطوط میں جب اور جہاں زندگی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی ہے وہیں ان ادیبوں کے خطوط خصوصی توجہ سے پڑھنے کی چیز بن گئے ہیں۔

اردو خطوط نگاری کو غالبؔ کی سب سے بڑی دین مراسلے کو مکالمے کی صورت میں منقلب کرنا تھا جس کے باعث خطوط جو ایک غیر شخصی چیز تھی، وہ شخصی بن گئی۔ غالبؔ کا یہ انداز بہت کم مکتوب نگاروں نے برتا ہے۔ اسی انداز کے نقوش 'نعت رنگ' میں کہیں گہرے اور کہیں ہلکے دیکھے جا سکتے ہیں۔ 'نعت رنگ' میں شخصی عنصر اور مکالماتی عنصر دونوں موجود ہیں۔ یہ عنصر کہیں مکالمے کی صورت میں اور کہیں قلبی واردات کے بیان میں اور کہیں شخصیت کے اظہار میں سامنے آیا ہے۔ مکالمہ کہیں 'نعت رنگ' کے مدیر سے کیا گیا ہے تو کہیں مقالہ نگار سے، کہیں نعت گو شعرا مخاطب ہیں تو کہیں عام قارئین لیکن 'نعت رنگ' کے خطوط میں غالبؔ کا سا یکساں رنگ مفقود نظر آتا ہے چونکہ یہ مختلف المزاج شخصیات کے ایسے خطوط ہیں جو مختلف مکاتبِ فکر، مختلف علاقوں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان خطوط میں یکساں شخصی عنصر کی یکسانیت اور یکساں

۔دل کی دھڑکن کبھی کم کبھی زیادہ۔ یہ کسی شاعر کی مشہور غزل کی ردیف بھی ہے
مگراب تو میرا قافیہ تنگ کیے ہوئے ہے۔بقول کسے:

گلیوں میں آزار بہت ہیں گھر میں جی گھبراتا ہے
ہنگامے سے سناٹے تک میرا حال تماشا ہے

چاروں طرف ہنگامہ برپا ہے مگر میرے اندر ایسا سناٹا ہے جس کا اندازہ تمھیں تو
تمھیں مجھے خود بھی نہیں ہے ۔تنہائی کے کرب میں مبتلا ہوں۔سحر چھین گئے
ہوئے ہیں ۔تم شاید شہر کے باہر ہو۔ایک تابش بھائی ہیں ان سے کبھی کبھی فون
پر بات ہو جاتی ہے ورنہ اس بیگانی دنیا میں کون اپنا ہے۔(۸۶)

''تمھارا دوسرا کام بھی ہو رہا ہے مگر بہت سست روی سے میں دراصل اب ڈھے
رہا ہوں۔ زیادہ تر لیٹا رہتا ہوں بیٹھتا صرف ضرورت کے وقت ہوں اور
کھڑے رہنے کی تو اب عمر بھی نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے ابھی حوصلہ نہیں ہارا۔
تھک جاتا ہوں آرام کر لیتا ہوں پھر تازہ دم ہو کر کام میں لگ جاتا ہوں۔ میرا
بس چلے تو میں اپنے جنازے میں شریک ہو کر خود کو کاندھا دوں۔ خیر یہ تو سب
سخن طرازیاں ہیں۔ نہ میں ابھی مر رہا ہوں نہ تمھیں ماتم کرنے کی اجازت
ہے۔''(۸۷)

''اللہ کرے تم بخیر ہو میں الحمدللہ باوجودیکہ زار و نزار ہوں مگر زندہ ہوں اور پیٹ
بھر زندہ ہوں۔ تین روز سے انجائنا نے ستا رکھا۔ پہلے ہی سے ٹانگیں چلنے سے
بیزار تھیں اب دوسرے آزار نے اور بھی مفلوج کر رکھا ہے۔ چند قدم چلوں تو
چند سیکنڈ کے لئے ٹھہر جانا پڑتا ہے یہ انجائنا کا شاخسانہ بھی ہے اور موصوف کی
پہچان بھی ہے مگر میں ایسا ضدّی کہ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کو سزا سمجھتا ہوں اور
دن کو میں کئی چکر پاپوش نگر کے لگاتا ہوں۔ میں ہار ماننے کو تیار نہیں جب تک پورا
کھیل (game) ختم نہیں ہو جاتا۔اب یہ کون بتائے کہ کھیل ختم ہونے میں
کتنی دیر ہے۔

یہ کس سے پوچھوں کہ اس بے ثبات دنیا میں
گزارنی تو ہے، کتنی گزارنی ہے مجھے

صدائیں سنی جا سکتی ہیں، دل پر گزرتی ہوئی واردات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ خطوط اپنائیت، محبت، خلوص اور بے تکلفی سے معمور ہیں۔ ان خطوط سے محبت اور خلوص کا ایک چشمہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے جس کا مرکز ان کا اپنا دل ہے۔ جس کے نہاں خانے میں یہ صبیح رحمانی کو اترنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں کہ وہ اس کھلی کتاب کو چشمِ دل سے پڑھ بھی لیں اور ان کی تنہائیوں میں شریک ہو کر ان کے دکھوں کا مداوا بھی کر سکیں۔ ان کے خطوط کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے قلم سے لفظ نہیں نکل رہے، محبت کی شیرینی ٹپک رہی ہے۔ یہ مراسلے نہیں مکالمے ہیں، یہ خط نہیں گفتگو ہے۔ اس میں نہ سخن کا پردہ حائل ہے نہ خیالات کی ریاکاری۔ ہر لفظ اور ہر جملے سے خلوص اور محبت کا میٹھا میٹھا رس رِستا ہوا نظر آتا ہے۔ غالبؔ نے ایک خط میں اپنے عزیز شاگرد اور دوست مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھا تھا:

> ''میں اس تنہائی میں صرف خطوط کے بھروسے پر جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔۔۔ دن ان (خطوط) کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔'' (۸۴)

غالبؔ کی اس تحریر پر مجھے حنیف اسعدی کی تحریر کا گمان ہوتا ہے۔ ڈھلتی عمر کا جو سناٹا ہمیں غالبؔ کے اس خط میں سنائی دیتا ہے، وہی سناٹا حنیف اسعدی کے خطوط میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حنیف اسعدی اسی سناٹے کو جذبات اور الفاظ کی گونج سے دبانے کی کوشش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے خطوط سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> اس وقت رات کا ایک بجنے کو ہے۔ نیند تو............
>
> نیند کیا جانے کہاں جا سوئی
> نیند آ جائے تو ہم بھی سو لیں
>
> ساری رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہے صبح کے قریب سوتا ہوں اور پھر دس، ساڑھے دس بجے اٹھتا ہوں۔ پھر اس کمی کو دوپہر میں پورا کر لیتا ہوں (۸۵)
>
> ۵ر ستمبر کو پھر دل کا دورہ پڑا۔ ہلکا تھا اس لئے بے غیرت زندگی مزید بے غیرتی کے لیے بچ گئی۔ علاج جاری ہے۔ فائدہ بھی ہے مگر آہستہ آہستہ بہتر ہو رہا ہوں۔ کمزور ہو گیا ہوں اور روز بروز کمزوری بڑھ رہی ہے۔ غذا کم ہو گئی ہے مگر معمولات زندگی میں فرق نہیں۔ چل پھر رہا ہوں۔ لکھ پڑھ رہا ہوں۔ مگر کم کم

ان خطوط میں زندگی کی تابناکی بھی موجود ہے اور ڈھلتی عمر کی مایوسیاں بھی۔ زندگی کی طرف لوٹ جانے کا احساس بھی اور متاعِ زندگی کے نام نہاد اہلِ قلم کے ہاتھوں لٹنے کا سانحہ بھی۔

''آپ نے عنایت بالائے عنایت فرمائی، میرا پتا معلوم کر کے گھر تشریف لانے کی زحمت اُٹھائی۔ اپنی نعتوں کے مجموعے اور ''نعت رنگ'' کے شمارے عطا فرمائے۔ آپ ٹھہرے دولت و دین سمیٹنے والے، آپ کا نعتیہ کلام آپ کے لیے زادِ راہِ آخرت ہے۔ میری کم علمی اور کم بصری کہ میں آپ کا ہم سفر نہیں۔ بہر حال یہ مقدس شعری سفر آپ کو مبارک! مجھے لذت نظارہ کچھ کم نہیں ہے۔'' (۹۱)

''کب تک خوابِ خرگوش میں رہو گے۔ اکتوبر میں لکھے گئے خط کا جواب آپ پر ادھار ہے۔ قرضہ بڑھتا جاتا ہے ادا کرنے کی کوئی صورت ہے؟ 'نعت رنگ' کا قرض پچھلا اور موجودہ بھی ادا طلب ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ غیر اہم کاموں میں الجھ کر آپ نے 'نعت رنگ' سے بے رُخی اختیار کیوں کر رکھی ہے۔ میری بات مانو 'نعت رنگ' تمھیں زندہ رکھے گا باقی جو کچھ ہے بے کار ہے۔ اگر میرے آنے کے بعد کوئی شمارہ نہیں چھاپا ہے تو اس سے بڑھ کر آپ کی نالائقی اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ بہر حال اگر خرافات سے فرصت ہو تو جملہ کوائف سے مطلع کر دیا پھر مجھ سے بھی بے تعلقی کا اعلان کر دو۔ میں نے اتنے صدمے برداشت کیے ہیں کہ اب میرے سامنے کوئی بات صدمہ نہیں ہے۔'' (۹۲)

''ان چکروں میں پڑ کے تم نے 'نعت رنگ' کو فراموش کر دیا گویا سانس لینا چھوڑ دیا ہے۔ جلدی سے خاص نمبر نکال لو اور اگلے نمبر کی تیاری کرو تو ایک دھما کہ خیز مضمون لکھنا شروع کروں۔ پڑھو گے تو جی خوش ہو جائے گا۔'' (۹۳)

''کوئی امید بر نہیں آتی، کوئی صورت نظر نہیں آتی آپ نے جھانسہ تو دیا کہ دسمبر میں ''نعت رنگ'' مجھے پہنچ جائے گا دسمبر کے لئے دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ اگر جھانسہ حقیقت بن جائے تو ہم قربِ قیامت کا یقین کر لیں۔ 'نعت رنگ' روانہ کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ خیال پڑتا ہے میرے دو ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت پاکستانی آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہیں انھیں استعمال میں لائیں اور نعت رنگ

تم مناسب سمجھوتو اللہ میاں سے پوچھ کر بتادو۔مری تو اُن سے اس موضوع پر گفتگو ہوتی نہیں۔ڈر لگتا ہے اُن کے جلال سے ویسے اُن کی ایک صفت۔اللہ جمیل و یحب الجمال بھی ہے۔میرا اُن کا معاملہ اسی تناظر میں ہوتا ہے۔"(۸۸)

شفقت رضوی نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

''میں ایک خاص کیفیت میں خط لکھتا ہوں۔ یہ بھی خود کلامی کا ایک انداز ہے، اسے خط نہ سمجھو۔ میں اپنے آپ سے اسی طرح کی باتیں کرتا ہوں۔تم سمجھو گے میں بوڑھا ہو کر سٹیا گیا ہوں۔بات یہ ہے کہ حساس آدمی کا اس دنیا میں یہی حشر ہوتا ہے۔"(۸۹)

حنیف اسعدی نے بھی ایک خاص کیفیت میں خط لکھے ہیں۔ان کے خطوط کے لب و لہجے کو خود کلامی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔مدیر نعت رنگ کو انھوں نے اپنا ہم زاد تصور کر لیا ہے اور اسی ہم زاد سے یہ خطوں کی زبان سے ہم کلام ہو کر اپنی تنہائی کا مداوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۹۰)

شفقت رضوی کے خطوط تکلف اور نا آشنائی سے شروع ہو کر بے تکلفی اور شناسائی پر منتج ہونے والے تعلقات کی ایک دلچسپ داستان سناتے ہیں۔ان خطوط میں شکوے شکایتیں، ڈانٹ ڈپٹ، محبتیں، نفرتیں، مروت اور خلوص سب کچھ موجود ہے۔یہ خطوط ایک ایسی داستان سناتے ہیں جو دلچسپ بھی ہے حیرت افزا بھی اور شفقت رضوی ایسا داستانوی کردار نظر آتا ہے جو عجیب و غریب خوبیوں کا مالک ہے۔علم کی ایسی پیاس رکھتا ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔علم کے جام پی پی کر ھل من مزید کی صدائیں بلند کرتا رہتا ہے۔عمر کی بیاسی بہاریں دیکھ کر بھی ان کی علمی تشنگی بجھنے نہیں پائی۔اپنے ملک سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر علم کے چشموں کا متلاشی ہے اور اس آب بقا کو نوش جان بنا کر امر ہونے کا خواہش مند بھی ہے۔ایک بے قرار روح کا مالک ہے جسے عمر کے تیزی سے گزرنے کا شدید احساس کھائے جا رہا ہے اور بہت کچھ کرنے کے باوجود نہ کرنے کا احساس بھی تڑپا رہا ہے۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اعتراضات میں نے محبی مکرم عزیز احسن پر کیے تھے وہی ان پر وارد ہوتے ہیں۔ میاں امتحان کا پرچہ حل کرنا اور صحیح جوابات لکھنا اور ہے ادیب بننا اور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مضمون نگار کو استغراق کی بیماری ہے۔ علم ہضم نہیں ہوا جیسا کا ویسا باہر نکل آتا ہے۔ جو ہماری تاک میں رہتے کہ کہیں تو پکڑا جاؤں۔ اگر واقعی انھیں میری تلاش ہے تو ان کا تذبذب ختم کریں اور انھیں بتلا دیں میں امریکا کی ریاست ٹیکساس کے شہر ڈیلاس میں ہوں اور تا حال زندہ ہی نہیں سلامت بھی ہوں۔ میرا مطلب عزیز محترم جناب احمد صغیر صدیقی سے ہے۔ اگر وہ وصول کرنے آمادہ ہوں تو میرا اسلام ضرور پہنچا دیں۔" (۹۷)

"تمھارا اصرار ہے کہ ان کتب پر میری رائے ضبط تحریر میں آنا چاہیے۔ میری رائے سے لوگ کب خوش ہوئے ہیں جواب ہوں گے تم چاہتے ہو کہ لوگوں کی ناراضگی میں اضافہ ہوتا رہے تو یہ سر حاضر ہے۔" (۹۸)

"میں نے خبر کو خیر کے سوا کچھ نہ سمجھا، میں بد کو خیر ثابت نہ کر سکا اور پھر ایسا کرنا چاہا۔ اس حیثیت اور Values کی پاس داری نے مجھے کہیں کا نا رکھا۔" (۹۹)

ان کی شخصیت کا تیسرا رخ اردو سے محبت کرنے والے انسان کا ہے جو ہزاروں میل دور بیٹھ کر اپنی زبان سے محبت بھی کرتا ہے اور پھر یہ کہ اپنے وطن اور مٹی سے دور جا کر اس کی خوشبو زیادہ عزیز بھی ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ زبان کا ہے۔ اردو سے محبت کے اظہار کا ایک انداز ملاحظہ فرمایئے:

"'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ میرے لیے دولتِ بایاپاں ثابت ہوا۔ عرصے سے.... (یہاں)..انگریزی سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔ امریکی لہجے میں انگریزی بولتے بولتے زبان اور جبڑے تھک گئے تھے۔ انگریزی کتابیں پڑھتے پڑھتے آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔ 'نعت رنگ' نے اردو زبان کے چٹکارے لینے کا مزہ دیا۔ ایک تو سلونی زبان اس پر ذکرِ حبیبِ خدا V کی نور فشانی دل کے سرور اور روح کے کیف کے سامنے ہو گئے۔ خیال ہوا اردو کو مٹانے کے لیے غیروں نے اور ان سے زیادہ اپنوں نے جو زحمتیں اٹھائیں وہ سب بے کار ثابت ہوئیں۔ اگر اردو جنوبی ایشیا میں مٹ بھی جائے تو امریکا، کینیڈا، لندن، اٹلی،

بھیجنے کا صرفہ اٹھائیں۔ اگر ممکن ہو تو فضلی سنز سے کلیات میر اور کلیات اقبال بھی خرید کر 'نعت رنگ' کے ہمراہ روانہ کردیں باقی حساب کتاب ہوتا رہے گا۔ کلیات میر تو چومنے اور آنکھوں سے لگانے کے کام آنے کا سنا ہے اس سے مردہ دل زندہ ہو جاتا ہے۔ کلیات اقبال ... عرصہ سے ہاتھ میں کھجلی ہو رہی ہے ۔ جی چاہتا ہے ان کو بھی جوش ملیح آبادی بنا دوں کیسی رہے گی۔'' (۹۴)

''اب عمر ۸۲/سال ہوگئی ہے۔ ۷/برس سے ایک گردہ پر گزارا ہے، صبح شام انسولین لیتا ہوں۔ ۲/شدید ہارٹ اٹیک سے جانبر ہو چکا ہوں۔ پیر کے انگوٹھوں میں گاؤٹ کی تکلیف ہے۔ آنکھیں پڑھنے سے جلد تھک جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے اللہ میاں کو بلاوے کا نوٹس دینا یاد ہی نہیں رہا۔ اگر تاریخ طے ہو جائے اور اطلاع پہلے ہی پہل مل جائے کراچی میں آخری سانس لوں اور یا تو والد کی قبر میں جگہ پاؤں یا بیوی کی قبر میں ان کے ساتھ آرام کروں۔ یہاں دفن ہوا تو بس اکیلا ہی رہوں گا۔'' (۹۵)

ان خطوط میں ان کی شخصیت کا دوسرا رخ ایک سخت گیر نقاد کا سامنے آتا ہے جو اپنی رائے کے اظہار میں بے باک ہے۔ جسے نہ دوستوں کے چھوٹنے کا خوف ہے نہ تعلق کے ٹوٹنے کا اندیشہ۔

''آپ کے کرم فرما ڈاکٹر تقی عابدی نے بڑی محبت اور عقیدت اور احترام کے ساتھ ایک دن میرے ساتھ گزارا۔ معلوم ہوا کہ ان کے پہلے ہی سے ہمارے چھوٹے داماد ڈاکٹر تجمل حسین سے جان پہچان ہے۔۔۔ اب اس کو کیا کہا جائے کہ لوگ ایک جملہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ بظاہر تو انہوں نے ناراضگی نہ دکھائی۔ میرا خیال ہے وہ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ میں نے ان کے یادگار مرثیہ کا مطالعہ کیا۔ وہ ڈاکٹر تجمل کو دے گئے تھے۔ ان کو میں نے لکھا ''سنا تھا کہ آدمی کے مرنے کے بعد ڈاکٹر لوگ نعش کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں اب معلوم ہوا کہ کینیڈا کے ڈاکٹر زندہ ادب کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنے لگے ہیں''۔ یہ جامع تبصرہ بھلا ناراض ہونے کا ہے بہر حال مشغلہ تو ''چھیڑ خوباں سے چلی جائے'' والا ہے۔'' (۹۶)

''نعت رنگ' میں ایک اور مضمون نظر سے گزرا۔ نام نہیں بتاؤں گا۔ جو

رہ نما گزرے ہیں ان کے پست قامت بھی نصف آخر کے قدآور سے بلند
تھے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی، علمی میدانوں میں ہُو کا عالم ہے۔'' (۱۰۲)

احمد صغیر صدیقی 'نعت رنگ' کے سنجیدہ اور باذوق قارئین میں سے تھے۔ ان کے خطوط سے شخصیت کے جو نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں وہ کچھ حالی کی شخصیت سے ملتے جلتے ہیں۔ وہ تحریر میں سنجیدگی اور سادگی کا خاص اہتمام کرتے ہیں لیکن ان کی سادگی سرسید کی سادگی کی طرح روکھی پھیکی نہیں بلکہ حالی کی طرح سادہ مگر پُر کار ہے۔ یہ رائے دینے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ حالی کی طرح وضع داری قائم رکھتے ہوئے طنز کرتے بھی ہیں تو سات پردوں میں چھپا کر۔ ان کی آراء سنجیدہ، علمی اور تجزیاتی نوعیت کی حامل ہیں۔ 'نعت رنگ' کے ناقد بھی ہیں اور رہنما بھی۔ خلوص ان کی تحریر کا بنیادی وصف ہے۔ ہر خط میں ان کی شخصیت کی سادگی زیریں لہر کی طرح ساتھ ساتھ چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔

''عزیز احسن کے تنقیدی مضامین میں نے ادبی جریدوں میں پہلے نہیں دیکھے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک سچے اور بہترین ناقد ہیں اور یہ جو ہمارے پاس ڈھیروں دانش ور ''پروفیسر'' اور ''ڈاکٹر'' قسم کے ناقد بھرے ہوئے ہیں ان سے وہ رُتبے میں کہیں افضل نظر آئے۔ کچھ ایسا ہی میں نے رشید وارثی صاحب کے مضمون کو پایا، کیا ہی عمدہ باتیں لکھی ہیں۔ اور کیا خوبی ہی سے انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف برتا۔ اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ اس قسم کی نشان دہی شعرائے کرام کو اتنی بری لگتی ہے کہ اُن کے دہانوں سے کف نکلنے لگتا ہے۔'' (۱۰۳)

''اپنے جناب سحر انصاری تو معلوم نہیں کس طرح شاید جوشِ تحسینی میں ''تو تڑاق'' والا جملہ لکھ گئے ورنہ وہ تو انتہائی دل جو آدمی ہیں اور علم کا ایک چاہ عمیق۔ دل آزاری سے ان کو دور کی بھی نسبت نہیں۔ آج تک انھوں نے اپنے تبصروں یا دیباچوں میں کسی انتہائی گئے گزرے شاعر کے بارے میں بھی کبھی یہ نہیں لکھا کہ اس کی تصنیف ایک عہد ساز تصنیف نہیں۔'' (۱۰۴)

''ان مباحث سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ نعت لکھنے سے قبل ہمیں عالمِ دین ہونے کی سند بھی حاصل کرنی چاہیے اور یہ بھی کہیں سے پتا کر لینا چاہیے

جاپان، وسطی ایشیا میں زندہ رہے گی اور اس کو مٹانے کا عزم رکھنے والے دوستوں کے سینے پر مونگ دلتی رہے گی۔(۱۰۰)

ان کی شخصیت کا چوتھا رخ ایک محبِّ وطن پاکستانی کا سامنے آتا ہے جو اپنی مٹی سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور اس عمر میں جلتا کڑھتا رہتا ہے جس عمر میں گردوپیش سے بے خبر لوگ اپنی آخرت کو سنوارنے کی فکر میں منہمک نظر آتے ہیں۔

''میری خواہش تھی کہ زندگی کا آخری حصہ کراچی یا انڈیا میں گزاروں۔ میں امریکا میں مرنا اور دفن ہونا نہیں چاہتا۔ امریکا ظاہری زندگی کے لیے بہترین جگہ ہے۔ اندرونی زندگی کے لیے زہر قاتل ہے۔ اچھا ہوتا کہ میں کراچی میں والد کی قبر میں یا بیوی کی قبر میں دفن ہوتا۔ لیکن کراچی کے حالات دیکھ کر ہی اس ملک سے نفرت ہوگئی ہے۔ جہاں صرف حرام خوروں کا جینا آسان ہے دنیا میں اتنی بے وقوف قوم کوئی اور نہ ہوگی جو جان بوجھ کر کمینے ترین افراد کو حکمران بناتی ہو۔ بزرگوں نے سچ کہا تھا کہ جیسی قوم ہو ویسے ہی لیڈر ہوتے ہیں۔ دنیا کے تمام اخبارات صدر مملکت کو بغیر اس خطاب کے یاد نہیں کرتے Formerly Known as 10% اور وہ بے غیرت ہے جو قوم کا مال خرچ کر کے دنیا بھر میں تفریح میں مبتلا ہے۔ بھیک مانگتا ہے اس کی حیثیت دیکھو ہر ملک امداد کی بھیک تو کیا قرض دینے کو بھی تیار نہیں۔ دنیا میں اس ملک کی کیا حیثیت؟ میں سناؤں۔ ایک دن میں اپنے ڈاکٹر سے ملنے ان کے آفس گیا۔ وہاں ویٹنگ روم میں بہت سارے لوگ بیٹھے تھے جیسے ہی میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دروازہ کے قریب ایک بوڑھے جوڑے کو بیٹھا دیکھا۔ مجھے دیکھ کر بوڑھے نے اپنا انگوٹھا اوپر کی طرف کرتے ہوئے کہا، ''انڈین'' میں نے کہا،'' نو پاکستانی'' اس نے انگوٹھا نیچے کی طرف کر دیا۔ یہ زندگی میں سب سے بڑی گالی تھی جو میں نے سہی صرف پاکستانی ہونے کی وجہ سے۔''(۱۰۱)

''یوں تو مسلمانانِ عالم کا شعوری اور تہذیبی رویہ رو بہ انحطاط ہے۔ اس کی پست ترین سطح پر پاکستانی معاشرہ ہے کتنی بدنصیب قوم ہے جو گزشتہ نصف صدی میں ایک رہ نما قوت پیدا نہیں کر سکی۔ بیس ویں صدی کے نصف اوّل میں جو مسلمان

اسے جگہ نہ دی جائے۔ضرورت quantity کی نہیں quality کی ہے۔''(۱۰۸)

تنقید و تحقیق نعت کے حوالے سے عزیز احسن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔یہ 'نعت رنگ' کے بنیاد گزاروں میں سے ہیں۔دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ مدیر 'نعت رنگ' نے مجلّے کی پہلی اینٹ انھی کے ہاتھوں سے رکھوائی تو بے جا نہ ہوگا۔مدیر 'نعت رنگ' سے دل اور گھر کی راہیں اتنی سمٹی ہوئی ہیں کہ انھیں خط لکھنے کی نوبت ذرا کم ہی پڑی ہے۔اسی وجہ سے 'نعت رنگ' میں ان کے بہت کم خطوط جگہ پا سکے ہیں۔بہر حال جتنے بھی خطوط موجود ہیں ان سے ان کے اور صبیح رحمانی کے مراسم پر روشنی پڑتی ہے۔ان کے تمام خطوط سے ان کی نعت اور صاحبِ نعت V سے اٹوٹ محبت مترشح ہوتی ہے۔ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے نعت۔اسی حوالے سے ان کے تعلقات استوار ہوتے ہیں اور اسی تناظر میں یہ شخصیت کو پرکھتے، جانچتے اور رائے قائم کرتے ہیں۔یعنی ان کے تعلقات کا مرکزی محور نعت ہے۔گویا صبیح رحمانی اور عزیز احسن یک جان دو قالب ہیں۔ان کی شخصیت کی گرہ کشائی کرنے والے تین اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''نعت رنگ' کتابی سلسلے کے اجرا کا تمہارا خواب ان شاء اللہ ضرور شرمندۂ تعبیر ہوگا! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تم خلوص سے اس کام میں منہمک رہو گے میں اپنا قلمی تعاون بھی جاری رکھوں گا اور بساط بھر دیگر امور میں بھی تمہاری معاونت سے روگردانی نہیں کروں گا۔اللہ تمہیں عزم و حوصلہ عطا فرمائے اور نعتیہ شاعری کے لیے جو خلوص تمہارے دل میں پیدا ہوگیا ہے اس کی شمع ہمیشہ روشن رکھے۔''(۱۰۹)

''کل رات تم سے skype پر رابطہ ہوا تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اب میری یہ کوشش ہوگی کہ قدما کی کچھ نعتیں تلاش کر کے 'نعت رنگ' میں ایک ایک کر کے شائع کرواؤں تا کہ تذکروں، مثنویوں، دواوین اور دیگر علمی تحریروں میں چھپا ہوا نعتیہ ادب کا خزانہ بھی 'نعت رنگ' میں محفوظ ہو جائے اور اس خزانے کو دیکھ کر اہلِ تحقیق کو مزید تحقیق کرنے کا حوصلہ اور ہمت ہو!''(۱۱۰)

''ص ۵۵۵ پر جگہ جگہ نبی کریم V کے نامِ اقدس کے ساتھ ''ص'' کا لفظ دیکھ کر تکلیف ہوئی۔مکمل درود شریف لکھ کر حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل

کہ ہم واقعی مسلمان ہیں کہ نہیں (یعنی ہر طرح سے راسخ العقیدہ) ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کو اس حوالے سے پھنسا دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا ہے۔"(۱۰۵)

"۔۔۔ایک جملہ لکھنا چاہتا ہوں... جملہ تھا..."ہم سب کو حکم ہے کہ کسی کام کو کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔"اب مولانا کوکب نورانی نے اس میں کیا عیب ڈھونڈا اور کیا لکھا وہ پیش کر رہا ہوں۔ مولانا لکھتے ہیں،"اس میں "کسی بھی کام" کے الفاظ محلِ نظر میں کیا۔ایسا ہی حکم ہے؟ پھر آگے لکھتے ہیں کہ بسم اللہ کا حکم صرف جائز نیک اور صحیح کام کے لیے ہے۔(یہاں میں بتادوں کہ جملہ لکھتے وقت میرے ذہن میں صرف اچھے کاموں کا ہی تصور تھا۔ مگر مولانا نے "کسی بھی کام" میں جو رخنہ رہ گیا تھا اسے دیکھ لیا) افسوس وہ رائی کا پربت بناتے ہوئے یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ دوسرے بھی نظر رکھتے ہیں۔"(۱۰۶)

"آپ کا اس بار کا شمارہ صرف ۲۷۲ صفحات کا ہے۔ یہ اچھی بات ہے بس اس سے زیادہ ضخامت مناسب نہیں بلکہ کچھ اور کم کر دیں تو اچھی بات ہے۔ میٹریل جس قدر بہتر اور معیاری ہو اتنی اچھی بات ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی سے مضامین لکھوائیں وہ بہت اچھا لکھتے ہیں مجھے ان کے ہاں بلا کی Read-ability ملتی ہے۔"(۱۰۷)

"نعت گوئی کے ضمن میں، ایک بات کہنا چاہوں گا کہ نعتیں تو بہت سے شاعر لکھ رہے ہیں مگر یہاں بھی معیار کا مسئلہ رہتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ 'نعت رنگ' میں، نعت کا معیار ذرا سخت کیا جائے بھلے کم نعتیں چھاپیں مگر وہ عمدہ ہونی چاہئیں۔ شاعری کی جو صورت حال آج کل سامنے ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشق کے سہارے یہ کام زوروں پر ہے۔ بہت سی نعتیں مشق کے سہارے کہی جا رہی ہیں یعنی ان کے اندر ادبی حسن کم کم ملتا ہے۔ 'نعت رنگ' میں اس پہلو پر بھی توجہ دیں۔ ٹھیک ہے سارے شاعر تابشؔ، مظفر وارثی، سلیم کوثرؔ، نسیم سحرؔ یا تمھاری طرح جیسے ٹیلنٹیڈ (Talented) نہیں ہو سکتے مگر اس سے تو انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ ہر ایک کے پاس ٹیلنٹ کا کچھ حصّہ ضرور ہوتا ہے اور یہ کلام میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جب تک نعت میں نظر نہ آئے 'نعت رنگ' میں

''میں کہہ یہ رہا تھا کہ صرف انھی شعرا کی نعت گوئی پر لکھ سکا ہوں جن کے مجموعوں پر مقدمے لکھے ہیں۔''

''حفیظ تائب صاحب سے میرے رشتے کو کچھ کچھ تم جانتے ہو۔ان کی آنکھوں میں شب بیداری کے شاہد بھی تم ہو۔''

''شاید تمھیں علم ہوا ہو کہ حضرت مولانا عبدالعزیز شرقی، اس سال شوال میں ہم سے رخصت ہو گئے۔''

ایک ہی خط میں اتنی بار مخاطب ایک استاد ہی کر سکتا ہے کیونکہ سالہا سال کی تدریس کے بعد مکالمہ شخصیت اور طبیعت میں رسوخ پا کر جزو لاینفک بن جاتا ہے۔(۱۱۲)

تحقیق و تدوین میں مشفق خواجہ کا نام آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے۔ان کا 'نعت رنگ' میں ایک ہی خط شائع ہوا۔بعض شخصیات کی زندگی اور فن ایک ہی سکے کے دو رخ ہوتے ہیں۔خواجہ صاحب محقق تھے اور یہی خوبی ان کے خط کا وصف ٹھہری۔ پہلے ہی خط میں انھوں نے تنقید و تحقیق نعت سے متعلق اتنی معلومات دے ڈالیں جتنی پوری پوری کتاب پڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہو پاتیں۔اس خط سے مشفق خواجہ کا مشفقانہ رویہ بھی سامنے آتا ہے۔(۱۱۳)

ڈاکٹر معین الدین عقیل کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔عظمتِ رفتہ کی شائستگی، نفاست، رکھ رکھاؤ، وضع داری اور علمیت ان کی شخصیت سے مخصوص ہے۔ان کی شخصیت کا یہی پرتو ان کی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے۔ایسے میں خطوط کو استثنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ڈاکٹر صاحب علم سے محبت ہی نہیں کرتے علم کے متلاشیوں سے بھی محبت کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ان کے خطوط میں ایک وضع دار انسان، شفیق استاد اور دور اندیش نقاد چلتا پھرتا نظر آتا ہے جو مدیر 'نعت رنگ' کی حوصلہ افزائی اور 'نعت رنگ' کی سمت نمائی کرنے میں کسی بخل کا مظاہرہ کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔(۱۱۴)

مظفر وارثی نعت کے معروف شاعر ہیں۔ان کے خطوط کیا ہیں نرے واسوخت ہیں جن کا نشانہ محبوب نہیں اہلِ دنیا ہیں۔چونکہ شاعر ہیں اس لیے خطوط میں نرگسیت کا اظہار یا تعلّی کا در آنا فطری امر ہے۔ان کے خطوط پڑھ کر ایسا گمان گزرتا ہے کہ تمام عمر مخالفین سے لڑتے ہی گزری ہوگی۔(۱۱۵)

'نعت رنگ' کی سب سے معروف شخصیت کوکب نورانی اوکاڑوی کی ہے، جو اپنے ہر

کرنی چاہیے۔ یہ حدیث پاک امام سخاوی نے ’’القول البدیع‘‘ کے ص ۴۶۰ پر نقل کی ہے، ’’جس نے کتاب میں مجھ پر درود پاک لکھا تو جب تک میرا نام مبارک اُس میں رہے گا فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے۔‘‘ (۱۱۱)

کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جنھیں کارِ خیر کے لیے بارگاہِ رب العزت سے خصوصی طور پر مانگنا پڑتا ہے۔ ’نعت رنگ‘ اور تنقید نعت کے فروغ کے لیے کی جانے والی دعاؤں میں سے دو چار کا انتخاب کیا جائے تو سرِ فہرست نام ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا ہی ہوگا۔ کشفی صاحب بنیادی طور پر ایک استاد تھے اور مزاج میں بھی یہی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تحقیقی رسوخ اور تنقیدی شعور بلا کا تھا لیکن زندگی، انھوں نے کبھی ایک سمت کا تعین کر کے نہیں گزاری۔ مزاج کی رو جس طرف بہہ نکلی انھوں نے بھی اسی طرف رخ کر لیا۔ ان کا شمار ’نعت رنگ‘ کے چند معتبر ناقدین میں ہوتا ہے۔ ان کا صرف ایک ہی خط ’نعت رنگ‘ کی زینت بنا۔ اس خط کی پہلی سطر سے آخری سطر تک ہر عبارت سے محبت اور شفقت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ خط میں کئی مرتبہ عزیزم، مخدوم، میرے عزیز اور عزیز گرامی کے القابات مخاطب سے قلبی تعلق اور مشفقانہ رویہ کے غماز ہیں۔ پورا خط ایک مکالمہ ہے جو صبیح رحمانی سے کیا گیا ہے۔ اس مکالمے کے ذریعے انھوں نے اپنی یادوں کے نقوش کو ازسرِ نو زندہ بھی کر دیا ہے اور معاصر شعرا کے تخلیقی رویوں پر خوبصورت انداز میں روشنی بھی ڈالی ہے۔ ان کا یہ خط، خط کیا ہے گویا ایک گفتگو ہے جس کے مخاطب بظاہر تو صبیح رحمانی ہیں لیکن اس کے پردے میں انھوں نے اپنے دل کے گوشوں کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ ہر شخص ان میں جھانک بھی سکتا ہے اور ان کے افکار و خیالات سے واقف بھی ہو سکتا ہے۔ خط سے چند سطریں بطور ثبوت پیش کی جاتی ہیں۔

’’عزیزم! معلوم نہیں کہ حنیف بھائی نے کبھی تمھیں بتایا یا نہیں کہ ہم اس صدی کی پانچویں دہائی کے آغاز سے ایک دوسرے کے ساتھی اور دوست ہیں۔‘‘

’’تم کو نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ میرے اور بھائی حنیف اسعدی کے درمیان کچھ معاملات ’’من وتو‘‘ ہیں۔‘‘

’’عزیزم! بات بھائی حنیف اسعدی تک محدود نہیں۔ ان سے پرانی دوستی ہے، دوستی نہیں بلکہ نیاز مندی۔‘‘

تحقیقی مقالات ان کے مطالعے کی وسعت، نکتہ رسی اور اصابت رائے کا پتا دیتے ہیں۔ مولانا کوکب نورانی کے خطوط پڑھتے ہوئے قاضی عبدالودود کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ جس طرح قاضی صاحب کسی مسئلے کے بیان میں شواہد کا ڈھیر لگا دیتے تھے بعینہ مولانا کوکب نورانی 'نعت رنگ' کے مقالہ نگاروں کی لغزش قلم کا کڑا محاسبہ کرتے ہیں اور دلائل اور براہین کا انبار لگا دیتے ہیں اور معترضین سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی اسناد اور شواہد کی زبان میں گفتگو کریں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میری تحریروں پر ناراض ہونے یا شکوہ کرنے والے اگر کوئی علمی، تحقیقی جواب پیش نہیں کرتے تو ان کی ناراضی اور شکایت بے جا اور ناروا ہے۔'' (۱۱۷)

جس طرح قاضی عبدالودود کے سخت گیر مزاج، بے لچک رویے اور سخت گیر احتساب نے لوگوں کو تحقیق اور اسلوب دونوں میں محتاط رویہ اپنانے پر مجبور کر دیا تھا بالکل اسی طرح 'نعت رنگ' میں مولانا کی موجودگی سے مصنفین کی تحریروں میں غیر تحقیقی انداز، مبالغہ، ابہام اور جذباتی عنصر کافی حد تک کم ہوگیا تھا۔

قاضی عبدالودود نے دوارکا پرشاد شعلہ کو ایک خط میں لکھا:

''میں علمی خطوط طویل لکھتا ہوں اور شوقیہ مختصر'' (۱۱۸)

مولانا بھی طویل طویل خطوط لکھتے ہیں۔ 'نعت رنگ' میں ان کا سب سے طویل خط سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اتنا ضخیم خط شاید ہی کسی مکتوب نگار نے تحریر کیا ہو۔ جس کو پڑھ کر اس پر خط کا نہیں بلکہ مقالے یا کتاب کا گمان گزرتا ہے۔ طول پسندی چونکہ خطیب یا مقرر کا وصف خاص ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے خطوط میں بھی اسی وصف نے اپنے اظہار کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔ وہ ہر بات کے جواب میں طول پسندی میں لذت محسوس کرتے ہیں اور ہر واقعے کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ ان کے سامنے سامعین نہیں بلکہ قارئین ہیں۔ ان کے خطوط میں طول کلام کی یہ خوبی اکثر اوقات عیب کا روپ دھار کر پڑھنے والوں کی طبیعتوں کو مکدر اور منغض کرنے لگتی ہے۔

مذہبی معلومات اور فقہی معاملات میں ان کا مطالعہ اتنا وسیع اور ذہن اتنا رسا (حاضر) ہے کہ 'نعت رنگ' میں ان کا کوئی حریف یا مدمقابل دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ اس حوالے سے وہ تمام مکتوب نگاروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ چونکہ ان کی پرورش ایک خاص ماحول کی پروردہ ہے اور ان کے تمام خطوط خاص مقاصد کے جبر میں جکڑے ہوئے ہیں اس لیے ان میں زندگی کی وہ

خط میں ایک عالمانہ شان کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ان کے خطوط پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ 'نعت رنگ' کے دروازے پر کرسی بچھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ 'نعت رنگ' کو موصول ہونے والی ہر تحریر کو خود وصول کرتے ہیں اور پھر اپنی اعتراض کی عینک سے تحریر کی ہر سطر، ہر عبارت اور ہر لفظ کا بغور معائنہ کرتے ہیں اور ان میں موجود قابلِ اعتراض مواد کو الگ کر کے اپنے کتاب خانے میں جا بیٹھتے ہیں اور ہر اعتراض کا کتابوں کے انبار سے جواب تلاش کر کے علمی دلائل و براہین کے اوزاروں سے آپریشن کر دیتے ہیں۔یہ الگ بات کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات آپریشن کرتے ہوئے لطیف اوزاروں کی بجائے کثیف آلات سے تحریروں کو ذبح کر ڈالتے ہیں۔

آج کے دور میں جب ہر شخص اپنی انا کے حصار میں مقید اور نرگسیت کے بوجھ تلے دبا خوش فہمیوں کے سراب میں مبتلا ہے، ایسے افراد جو مذہب کے کسی خاص طبقے سے تعلق رکھتے ہوں، ان سے علمیت کی توقع رکھنا سراب کے پیچھے دوڑنے کے مترادف ہے۔اس قحط الرجال کے موسم میں کوکب نورانی جیسی شخصیات غنیمت بھی ہیں اور ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بھی۔ان کے خطوط کا لب ولہجہ ایک طرف لیکن ان کے مطالعے کی وسعت سے کسی بھی طور انکار ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ 'نعت رنگ' کے خطوط میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے خطوط مولانا کے ہی ہوتے تھے۔ جب ان کا خط شائع نہ ہوتا تو اس کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی تھی۔ 'نعت رنگ' کے ایک شمارے میں ان کا خط شائع نہ ہوا تو حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری کو لکھنا پڑا:

> ''حضرت علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی نے ''رضا کی زباں تمھارے لیے'' کے عنوان سے مدلل، مفصل اور مکمل مضمون تحریر فرمایا ہے اور مضمون کیا لکھا ہے تحقیق کا، تدقیق کا، علم اور حکمت کا دریا بہا دیا ہے۔مولائے کریم انھیں مزید برکتیں عطا فرمائے۔اس اعتراف کے ساتھ ساتھ اس محبت بھرے اعتراض کا حق ہم محفوظ رکھتے ہیں کہ اس مرتبہ انھوں نے خط تحریر نہیں فرمایا۔ہم ان کے مکتوب کی کمی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔'' (۱۱۶)

اردو تحقیق میں قاضی عبدالودود کا نام ان کی تحقیقی نکتہ رسی اور اصابت رائے کے باوصف ایک قابل تقلید مثال بن گیا ہے۔ان کی تحقیق نے دل جوئی اور دل گیری کی بجائے سخت گیری اور بت شکنی کی جو داغ بیل ڈالی اس سے اردو تحقیق کو اعتبار نصیب ہوا۔صداقت اور بے باکی ان کی تحریر کا بنیادی وصف ہے۔غالب، محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحق اور خواجہ احمد فاروقی پر قاضی صاحب کے

تصنیف میں اسلوب کا تنوع مستحسن خیال نہیں کیا جاتا لیکن جب مختلف افراد کے ذہن و خیال کی کارفرمائیاں ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں تو اسلوب کا تنوع پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ چونکہ 'نعت رنگ' میں شامل خطوط مختلف مزاجوں، طبقوں، شعبوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے تحریر کردہ ہیں اس لیے ان خطوط میں اسلوب کی یکسانیت تلاش کرنا بے سود ہے۔ اس کے باوجود ان خطوط میں اسلوب کا تنوع بذات خود ایک خوبی بن گیا ہے۔

'نعت رنگ' میں شامل خطوط میں مقصد کے جبر میں جکڑا ہوا خشک اور روکھا پھیکا اسلوب بھی موجود ہے اور شعریت اور نغمگی میں ڈوبا ہوا لب و لہجہ بھی، سادہ، سلیس اور رواں اسلوب کی مثالیں بھی موجود ہیں اور مفرس و معرب الفاظ کے بوجھ تلے دبے ہوئے مرصع اور مقفیٰ اسلوب کی شعوری کاوشیں بھی، بے تکلف اور بے ساختہ اسلوب کے اظہار کی صورتیں بھی جلوہ گر ہوئی ہیں اور تکلف اور تصنع کا شکار اسلوب بھی اپنا الگ رنگ دکھا رہا ہے، شگفتہ اسلوب بھی ذوقِ جمال کی آب یاری میں مصروف ہے اور طنز کے تیر و نشتر بھی اپنے اہداف پر کاری ضرب لگا رہے ہیں۔ ان مکاتیب میں مکتوب نگار مکالمے بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اپنے برشِ قلم سے رنگ رنگ کے مرقعے بھی بنانے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ علمی، تحقیقی، تجزیاتی، جمالیاتی، جذباتی، فلسفیانہ، صحافتی، بیانیہ اور شاعرانہ اسالیب کے متنوع رنگ نئے نئے انداز اور نئے نئے طریقوں سے ان خطوط میں جلوہ گر ہوئے ہیں۔ کہیں گہرے اور کہیں ہلکے، کہیں تیز کہیں مدھم اور انھی رنگوں کے تال میل سے 'نعت رنگ' کی قوسِ قزح تشکیل پائی ہے۔ ذیل میں اسالیب کے ان تمام رنگوں سے کچھ رنگ کشید کر کے قارئین کے ذوق جمال اور حسن نظر کی نذر کیے جا رہے ہیں۔ ان رنگوں کو ملاحظہ کیجیے اور لطف اٹھایئے:

پہلا رنگ مکالمے کا ہے۔ اردو نثر میں غالبؔ کے خطوط اپنی انفرادیت کے باعث خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ غالبؔ نے اپنے خطوط میں اپنے عہد کے مروجہ آداب سے الگ ایسا اسلوب وضع کیا جو اُن ہی سے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی وجہ سے غالبؔ کا اسلوب اُن کے معاصرین ہی نہیں متقدمین کے بھی جملہ اسالیب میں اپنی الگ اور منفرد پہچان رکھتا ہے۔ غالب نے ایک خط میں لکھا ہے:

> ''میں نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔'' (۱۱۹)

حرارت، اسلوب کی وہ لطافت اور بیان کی وہ شگفتگی جو متذکرہ بالا شخصیات کے خطوط کا وصفِ خاص ہیں، تلاشنا بے سود ہے۔ ہر خط علمیت کا ایک انبار لیے نعرہء منصور بلند کر رہا ہے۔ اگر چہ 'نعت رنگ' کے علاوہ دیگر خطوط سے میرے چشم و دل سیراب تو نہیں ہوئے لیکن ان کے 'نعت رنگ' میں شامل خطوط سے یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہ خطوط مدیر نعت رنگ کے نام لکھے گئے ہیں اور ان کے مخاطب نعت سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم و دانش ہیں جن کے مقالات اور خطوط تسامحات کے حامل اور وجہء نقطہء اعتراض ہیں، لہٰذا انھیں اپنے فرض منصبی کے ہاتھوں مجبور ہو کر دلائل و براہین کے ساتھ ع کون ہوتا ہے حریف ۔۔۔ الخ کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ ان کے خطوط ایک ایسی صنف سے متعلق ہیں جس میں خفیف سی لغزش خواہ وہ خیال کی ہو یا زبان کی، قابل گرفت ہوتی ہے اس لیے ان کے خطوط میں صداقت کی خنکی اور لہجے کی کرختگی شعوری عمل کا نتیجہ ہے۔ بوجھل منطق اور دقیق حقائق اگر مؤثر اور دل نشیں اسلوب میں جلوہ گر ہوں تو دلوں میں گھر کر جاتے ہیں۔ یہی معاملہ مولانا کے خطوط میں سامنے آیا ہے۔ اگر ان کے خطوط میں سخن کا پردہ یا فن کا تماشا موجود ہوتا تو ان کے خطوط نعت رنگ' کا شاہکار کہلائے جاسکتے تھے۔

خطوط میں ان کے علاوہ بھی علماء ادبا، شعرا، محققین اور ناقدین کی ایسی کہکشائیں موجود ہیں جن کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں۔ ان میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، جمیل جالبی، احمد ندیم قاسمی، اسلوب احمد انصاری، انور سدید، تحسین فراقی، جگن ناتھ آزاد، حفیظ تائب، رفیع الدین اشفاق، شمس الرحمن فاروقی، شہزاد منظر، عارف نوشاہی، عبدالباری آسی، کالی داس گپتا رضا، محمد علی اثر، مختار الدین آرزو، ملک الظفر سہسرامی، نجم الاسلام، وزیر آغا، یحییٰ نشیط، اور ڈاکٹر یونس اگاسکر جیسی معروف شخصیات کے خطوط بھی شامل ہیں۔ ان خطوط میں بھی کہیں کہیں شخصیت کا کوئی گوشہ یا مزاج کی کوئی کرن اپنی جھلک دکھا ہی جاتی ہے۔ ان شخصیات کے خطوط کو بھی تجزیے کے حصار میں لایا جاسکتا تھا لیکن وقت کی کمی اور صفحات کی گنجائش اس ارادے کی تکمیل میں حائل ہی رہی۔

'نعت رنگ' میں کم و بیش دو سو اہل قلم کے خطوط شائع ہوئے ہیں۔ ان تمام خطوط کی زبان اور لب و لہجہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسلوب کا یہ اختلاف مکتوب نگاروں کے شخصی مزاج کی وجہ سے بھی پیدا ہوا ہے اور موضوع کی نوعیت کے حوالے سے بھی سامنے آیا ہے۔ اسلوب کا تنوع کسی سطح پر مستحسن اور کسی سطح پر غیر مستحسن ہوسکتا ہے۔ ایک ہی موضوع سے متعلق

تحریر کے نمونے ڈھونڈھنا بے سود ہیں لیکن اس کے باوجود ان خطوط میں آزاد، شبلی اور مہدی افادی کے اسلوب کی جلوہ گری بھی نظر آتی ہے اور حالی، نذیر احمد، سرسید کے اسلوب کی متحرک پرچھائیاں بھی نظر آتی ہیں۔ 'نعت رنگ' کے اداریوں کی اکثر عبارتیں سرسید کی طرح طویل طویل اور ایک ہی سانس میں لکھی گئی ہیں۔ صبیح رحمانی کی تحریریں پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ذہن و دل میں بہت کچھ کہنے کی فکر ہے اور اس فکر میں خیالات کا ایک چشمہ ہے جو ان کے ذہن کے نہاں خانوں سے پھوٹ کر 'نعت رنگ' کے اداریوں میں طویل طویل جملوں کی صورت بہتا چلا جاتا ہے۔ صبیح رحمانی کے اداریوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ لمبے لمبے فقرے لکھتے ہوئے بھی اظہار و بیان کے پیرایوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں لیکن جملوں یا فقروں کو بناتے ہوئے خیال کی ڈور کو ہاتھ سے ہرگز جانے نہیں دیتے۔ اس طرح ان کا اسلوب آزاد اور شبلی کے اسلوب سے گلے ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے اداریوں سے ایک پیراگراف ملاحظہ کیجیے:

> ''ایک ایسے ماحول میں جہاں مذہب سے جڑی ہوئی اصناف پر گفتگو کے دروازے صرف خوفِ فسادِ خلق سے بند ہوں وہاں حمد و نعت کے ادبی پہلوؤں پر شریعت کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر جرات، بے خوفی اور استدلال سے پیش کرنا اور پھر اس بات پر مختلف نقطہ ہائے نظر کے تناظر میں ہونے والے اعتراضات و اختلافات کو حوصلے اور تحمل سے سننا اور برداشت کرنا صرف اس لیے کہ نعت پر ادبی مباحث کے در کھلے رہیں اور صدیوں سے بند اس ایوان میں تازہ ہوا کے جھونکے آتے رہیں تاکہ ہمیں نعت کی علمی، ادبی، تہذیبی، جہات کا علم ہو اور ہم اس کے آداب کا شعور حاصل کر کے نعت کی حقیقی قوت کو جان سکیں اور اسے بروئے کار لا کر ایک مثالی معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں اور نہ ہمیں اس سے پہلے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔'' (۱۲۲)

مندرجہ بالا پیراگراف دیکھیے، مدیر ایک ہی سانس میں بہت سی باتیں کہنے کی جلدی میں اظہارِ بیان کو مختصر ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی بجائے ایک ہی جملے میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ان کا بیان طویل تر ہو گیا ہے۔

صبیح رحمانی کی تحریر کا ایک وصف استدلال بھی ہے۔ وہ اپنی بات دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ سوال اٹھاتے ہیں اور اس کا جواب قارئین سے طلب کرتے ہیں

'نعت رنگ' کے خطوط میں غالب کے انداز کی بھی کثیر جھلکیاں موجود ہیں۔ ان کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی اور کا خط نہیں پڑھ رہے بلکہ غالبؔ کا خط پڑھ رہے ہیں۔ ان میں سے دو بطور مثال پیش کی سجاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے اور معاصر غالب سے ملاقات کا لطف لیجیے:

(۱) ''تم نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا ہے کہ میں مر چکا ہوں تو یہ بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے۔ میں واقعی مر چکا ہوں مگر یہ بات خاصی فکرمندی کی ہے کہ تم زمانۂ علالت میں آئے اور نہ بعد مرگ تعزیت کے لیے آئے۔ نہ پُرسا دیا۔ نہ فاتحہ میں شریک ہوئے۔ یہ رسمیں میں نے اکیلے ہی ادا کیں۔ اب اگر کبھی جی چاہے آنے کو تو پتا وہی ہے اس لیے کہ جس گھر میں رہتا تھا وہی اب میرا مقبرہ ہے''(۱۲۰)

(۲) اشتیاق طالب نے مجھ سے پوچھا کہ سنا ہے سحر روزے رکھ رہے ہیں۔ ''ہاں'' میں نے کہا۔ ''کیا نماز بھی پڑھتے ہیں'' انہوں نے پوچھا میں نے کہا ''ارے یار کیوں روزے بھی چھڑواؤ گے''۔ تم کہاں ہو۔ کہیں بھی ہو خوش رہو۔ شاید سحر کی طرح روزوں میں مبتلا ہو چلو یہ ابتلا اب ختم پر ہے دو تہائی سے تو فارغ ہو رہے ہو ایک تہائی اور ہے وہ بھی کٹ جائیں گے۔ میں تو اس نعمت سے محروم ہوں۔ شوگر کے مریض کو روزہ ممنوع ہے۔ معلوم نہیں کس وقت شوگر کم ہو جائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ میں روزے کا صدقہ دیتا ہوں شاید اسی طرح نجات ہو جائے۔ ویسے مجھے نجات کی زیادہ فکر نہیں ہے۔ جنت تو ملنے سے رہی۔ اعمال ایسے ہیں ہی نہیں۔ دوزخ اس لیے قریب نہیں آ سکتی کہ اب ایسے بد اعمال بھی نہیں رہے۔ اس لئے برزخ پکی ہے۔ برزخ کے عادی بھی ہیں۔ اس لئے کہ زندگی میں رحمتیں بھی رہیں اور زحمتیں بھی اٹھانا پڑیں۔ چلو یہ تو میری کہانی ہوئی تمہارا افسانہ کیا ہے۔ تم تو جنتی ہو۔ اگر یہ میری خوش فہمی نہیں ہے تو پھر اسے میری دعا سمجھنا۔(۱۲۱)

'نعت رنگ' کے خطوط اور اداریے اگرچہ خاص مقصد کے تحت زیور تحریر سے آراستہ ہوئے ہیں اس لیے ان میں ادبی اظہار کی مثالیں کثیر تعداد میں تلاش کرنا یا ابوالکلام آزاد کی سی

کائنات تک غور کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل
کے حل کے لیے سیرت اطہر کو اس بے چین اور سکون کی طالب دنیا کے سامنے
پیش کر رہا ہے کہ یہی راستہ ہے جو نسل انسانی کی بقا اور فلاح کا راستہ ہے۔
مسائل کائنات سے نبرد آزما دنیا اسلام اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میں پناہ ڈھونڈ رہی ہے ایسی صورت حال میں ادبی تناظر میں نعتیہ ادب کا
مطالعہ اس صنف سخن کے ساتھ ہی نہیں بلکہ پورے ادب کے ساتھ انصاف کے
مترادف ہوگا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے نقاد اس گراں مایہ نعتیہ
سرمائے کو انتقاد کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے معنوی اور فنی پہلوؤں کو دیکھیں اور اس
میں ہیئت کے تجربوں اور تازہ کاری کے رجحان کو نظر میں رکھ کر اس کی صحیح
قدر و قیمت کا تعین کریں۔'' (۱۲۳)

'نعت رنگ' کے خطوط میں ایک طرف لمبے لمبے فقرے اور جملہ در جملہ کی مثالیں موجود
ہیں تو دوسری طرف ان خطوط میں چھوٹے چھوٹے جملے بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ان کو پڑھتے
ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ چھوٹی چھوٹی بحروں میں کہے گئے اشعار ہیں جو شاعری سے مصافحہ
کر رہے ہیں۔اس طرح ان جملوں میں سہل ممتنع کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔چند مثالیں دیکھیے :

۱۔ قلم کیسا ہے۔تحریر کیسی ہے۔مضمون کیسا ہے۔سب کچھ گڑ بڑ ہے۔سارا
عالم گڑ بڑ ہے۔اچھا چھوڑو سب پر مٹی پاؤ اور کبھی آ جاؤ،صورت دکھا جاؤ۔صورت
دیکھ جاؤ جانے بعد میں صورت دیکھنے کے قابل بھی رہے یا نہ رہے۔ (۱۲۴)

۲۔ عزیز از جاں دوست اسید الحق قادری کی بغداد میں ناگہانی شہادت سے
زندگی بے رنگ و نور ہوگئی ہے، کسی علمی کام میں بھی جی نہیں لگتا، ڈھیروں فون
آتے ہیں، بیگانی آوازیں گویا سمع خراشی کرتی ہیں، اس لیے کبھی اٹھا لیتا ہوں
،ورنہ یوں ہی رِنگ ہوا کرتی ہے- اب نہ وہ زندہ دل ہنسی رہی، نہ وہ دیوار شکن
قہقہے، نہ وہ علمی مباحثے رہے اور نہ راز و نیاز کی وہ باتیں- زندگی اتنی بدرنگ
ہو جائے گی، کبھی سوچا نہ تھا- اب تو حال یہ ہے کہ

جب ترا نام لیجیے تب چشم بھر آوے
اس طرح سے جینے کو کہاں سے جگر آوے

۔سوال کرنے کا یہ انداز دراصل قارئین کو سوچنے پر مجبور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔چونکہ ان کے مخاطب قارئین کے دل سے زیادہ ذہن ہیں اس لیے وہ اپنے ہر اداریے میں سوال چھوڑ جاتے ہیں۔ان کے اداریوں کا بنیادی مقصد نعت کے حوالے سے قارئین کی سوچ اور فکر کو بیدار کر کے سوچنے پر آمادہ کرنا ہے اس لیے ان کی تقریباً تمام تحریروں میں کسی نہ کسی انداز میں استفہام کا یہ انداز موجود ہے۔ان کی ہر تحریر سوچنے پر مجبور کرتی ہے،سوال اٹھاتی ہے،زندگی اور ادب کے ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس طرف یا تو نظر نہیں پڑ پاتی یا ہم اس طرف دیکھنا نہیں چاہتے۔وہ سوال اٹھاتے ہیں،پھر اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سوال کا ایک پہلو پھر خالی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ قارئین اس کا جواب خود تلاش کرنے کی کوشش کریں۔بعض اداریوں میں تو وہ پے در پے سوال کرتے چلے جاتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا زرخیز ذہن سوالات پیدا کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا ہے۔ان سوالوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ ان سوالوں کے پس پشت ان کا ایک مضطرب ذہن کام کر رہا ہے جو ہر لمحہ سوچ اور فکر کی نئی راہوں کی دریافت میں سرگرداں ہے۔ایک پیراگراف دیکھیے:

''' یہ صدی نعت کی صدی ہے۔' 'یہ عہد نعت کے فروغ کا عہد ہے۔' 'نعت پر جتنا کام اس دور میں ہو رہا ہے، گذشتہ ادوار میں نہیں ہوا' ان جملوں کی گونج آج کل ادبی حلقوں میں سنائی دے رہی ہے اور کسی حد تک ان میں سچائی بھی ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ کیا اس دور کو نعت کا دور کہنے والوں نے اپنے بڑے سے بڑے نعت گو کے ادبی مقام و مرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے؟ کیا دیگر اصناف سخن کی طرح نعت کے فکری اور فنی پہلوؤں پر علمی مباحث کو فروغ دینے کی طرف توجہ کی گئی ہے۔؟ کیا تاریخ ادب کے مرتبین نعت نگاری اور نعت نگاروں کے فکر و فن اور ادبی حیثیت کو اجاگر کر رہے ہیں؟ کیا آج کسی اہم سرکاری اور غیر سرکاری ادبی کانفرنس میں کسی شاعر کو بحیثیت نعت نگار مدعو کیا جا رہا ہے؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔حیرت اور دکھ تو اس بات کا ہے کہ آج نعت کو دوسرے درجہ کی صنف سخن سمجھ کر اس پر سرسری گفتگو ہو رہی ہے حالانکہ اس کا نعتیہ ادب اتنا ہی زندہ اور متحرک (ہے) جتنا کہ دوسری اصناف ادب۔آج کا نعت گو مکمل عصری آگہی رکھتا ہے اور کرب ذات سے مسائل

۳۔ حضرت سے دو روز سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ آئیں تو اُن سے تمہارے یہاں آنے کے بارے میں استفسار کروں ۔چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ۔ حالات ایسے ہیں کہ کچھ دن میں آنا جانا ناممکن ہوجائے گا اس لئے کہ دشوار تو اب بھی ہے۔ دیکھیں یہ حسرت کب پوری ہوتی ہے۔(۱۲۸)

۴۔ میں آج کل ہاتھ سے تنگ ہوں ۔دوائیں بڑھتی جاتی ہیں اور آمدنی محدود ہے بہر نوع اللہ کا کرم ہے کہ ابھی تک کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہیں کرنا پڑا۔(۱۲۹)

۵۔ میں آپ کے پرچے ''نعت رنگ'' کے عشاق میں سے ہوں اور اسی لیے غبار میر کی طرح دور بیٹھا ہوں۔(۱۳۰)

ان خطوط میں کہیں کہیں ایسی عبارتیں بھی موجود ہیں جن میں پورا پورا شعر یا شعر کا ایک مصرع عبارت کا حصہ بن کر سامنے آیا ہے اور اس خوبصورتی سے آیا ہے کہ پڑھنے والوں کو تفہیم کی نئی منزل سے بھی آشنا کرتا ہے اور ان کے دلوں کو چھو کر بھی گزر گیا ہے۔(حنیف اسعدی کی شخصیت کے بیان کے حصے میں پیش کیے گئے اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔) یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں:

۶۔ میں موٹے قلم سے خط لکھ رہا ہوں کہ اس لیے کہ اب نیم نابینا ہوں اور اپنا لکھا بھی پڑھا نہیں جاتا۔ دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہے۔ چشمہ بھی اُتر گیا ہے۔کل ایک آنکھ کا آپریشن کرانے جارہا ہوں اور انشاء اللہ کل ہی واپس آجاؤں گا۔ اب ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ چند منٹ میں کام تمام ہوجاتا ہے۔ گھر آکر تمہارا انتظار کروں گا۔ یہ ضروری نہیں کہ کل ہی تم وحشت زدہ ہو کر بھاگ لو۔ آرام سے کسی دن آجانا۔ ویسے:ع تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی
تم نے آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے یہ شکایت کر رہا ہوں ورنہ اس افراتفری کے ماحول میں کس کے پاس وقت ہے۔ ہاں مگر فون کی سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے بھی فراغت درکار ہے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ عذر مل گئے معذرت کی ضرورت نہیں۔ مٹی پاؤ۔(۱۳۱)

اشعار کی مثالیں گذشتہ صفحات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں طولِ کلام اور

تم سے دل کو بہت رسم وراہ تھی اور اب بھی ہے، مگر تم اتنی دور ہو کہ تمہارے سینے
سے لگ کر دل کا غبار بھی نہیں نکال سکتا- آج برطانیہ سے کچھ اہل علم ملاقات
کے لیے آئے تھے، انھوں نے ایک بار پھر اسید میاں کا تفصیلی ذکر چھیڑ کر دلِ غم
زدہ کو مضطرب کردیا، کیوں کہ: ع تاب کس کو ہے جو حال میرؔ سنے (۱۲۵)

ادبی تحریر کو عام تحریر سے ممتاز کرنے والا وصف شاعرانہ وسائل کا ہے۔ یہ وسائل نثر میں شعریت پیدا کر کے اسے شعر سے قریب کر دیتے ہیں۔تشبیہ ،استعارہ، محاورہ، تراکیب، صنعتیں، وغیرہ جب کسی تحریر کا جزوِ بدن بن کر سامنے آتی ہیں تو وہ تحریر شاعری سے گلے ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، مہدی افادی، قاضی عبدالغفار، منشی سجاد حسین، ابوالکلام آزاد وغیرہ کی نثر اس کی روشن مثالیں ہیں۔ 'نعت رنگ' کے خطوط میں بھی اور اداریوں میں بھی انھی شخصیات کے اسالیب کی کرنیں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔'نعت رنگ' کے مکتوب نگار اس چشمے سے سیراب ہوئے ہیں۔انھی چشموں کی لہریں مختلف مکاتیب میں کروٹیں لیتی ہوئی دیکھی جا سکتی ہیں۔انھی میں سے ایک انداز اشعار اور مصرعوں کو جزوِ تحریر بنا کر پیش کرنے کا ہے۔یہ عمل مکتوب نگاروں نے اس خوبصورتی سے انجام دیا ہے کہ ان کی نثر پر شاعری کا گمان گزرتا ہے۔مکتوب نگاروں نے بعض اشعار اور مصرعوں کو موقع ومحل کی مناسبت سے اس خوبصورتی سے جزوِ تحریر بنایا ہے جیسے ایک صناع کاری گر زیور میں نگینے جوڑ دیتا ہے۔اسلوب کی اسی فن کارانہ مہارت کو دیکھ کر ذوق جمال ہاتھ اٹھا کر داد دیتا ہوا نظر آتا ہے۔چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

۱۔ سنا ہے کہ ترقی یافتہ مما لک میں فون پر تصویر بھی آنے لگی ہے۔اگر ایسا ہے تو گویا پوری ملاقات مگر 'ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے' وہی بات ہوجائے گی مگر یہ بات ''معاملات'' کی ہے یا شعر کی زبان میں ''معاملہ بندی'' کی مگر اسکی پیروی کے لئے آدمی کا داغؔ ہونا ضروری ہے۔(۱۲۶)

۲۔ عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ تم کو ایک علیحدہ سے دلچسپ خط لکھوں گا مگر بھائی کہاں کی رباعی کہاں کی غزل۔معلوم نہیں تابشؔ صاحب کا کیا حال ہےاور ہم میں سے کون پہل کرے۔نمبر تو ان کا ہے مگر یہ حساب تو قضا وقدر کے پاس ہے اور کوئی نہیں جانتا۔خط لکھ رہا ہوں اور تم نظروں کے سامنے ہو۔ایسے اگر دھم سے جو آ جاؤ تو کیا ہو!(۱۲۷)

اور اس ضمن میں غزل کا بھرپور حوالہ بذات خود ایک تخلیقی عمل ہے۔ جستجو اور تجسس کے نئے دروازوں پر دستک دینا بھی محقق کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ مبین مرزا مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے فکر و نظر کی پگڈنڈیوں پر آئنے بکھیر کر ثقافت کے ان گنت رنگوں کو ایک تہذیبی اکائی میں جمع کرنے کا فریضہ سرانجام دیا ہے اردو زبان کا خمیر بھی خاکِ مدینہ و نجف سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کا پیش منظر ہی نہیں پس منظر بھی نورِ اسلام سے جگمگا رہا ہے۔ (۱۳۶)

۶۔ زندگی کے اس مرحلے پر جہاں میری تاریخ پیدائش ایک بھولا بسرا خواب بن چکی ہے اور تاریخ وفات ایک جیتی جاگتی حقیقت کی طرح میرے سامنے کھڑی ہے مجھے اپنی ان ادھوری چیزوں کو سمیٹنے کی فکر شدت اختیار کرتی جا رہی ہے جنہیں میں نے اپنی خواہشوں کی فہرست میں اولین جگہ دی ہوئی ہے۔ ''نعت رنگ'' اور تم سے مبارک تعلق کے حوالے سے میری زندگی میں جس طرح کی بہاریں اپنا رنگ دکھاتی رہتی ہیں اور مجھے سرخوش و سرمست کرتی رہتی ہیں اسی پر میں اپنے آپ کو اس حد تک تمھارا ممنون احسان سمجھتا ہوں کہ میں زندگی بھر تمھارا احسان اتارنے سے قاصر رہوں گا۔ البتہ اپنی بساط کے مطابق اپنی ٹوٹی پھوٹی کوششیں اپنی تسلی کے لیے ضرور کرتا رہوں گا۔ (۱۳۷)

۷۔ ''یہ اکیس ویں صدی کی پہلی دہائی ہے۔ نقد و نظر کے پیمانے بھی تبدیل ہو رہے ہیں، شہرِ ادب میں تازہ کاری کی مسلسل بارشوں سے فرسودگی اور بوسیدگی کا زنگ بھی اُتر رہا ہے۔ آج کی نعت اعلیٰ حضرتؒ کے زمانے کی نعت سے بہت مختلف ہے۔ نعت کی کائنات بھی ہر آن پھیلتی جا رہی ہے۔ اگرچہ نعت گو کا اساسی رویہ وہی رہے گا جس سے ایوانِ نعت روزِ ازل سے گونج رہا ہے۔ لیکن سوچ اور اظہار کے ارتقائی سفر کے مختلف مراحل پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا، ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، اس کا ڈکشن بھی بڑی حد تک بدل جاتا ہے۔ آج کے نقاد کو بھی اَن گنت چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اب ادبی منظر نامہ نئے رنگوں کی رنگ آمیزی سے بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ نعت وہ واحد صنفِ سخن ہے جس نے تمام اصنافِ سخن

تکرارِ مباحث سے بچنے کے لیے اس کی مثالوں سے شعوری گریز کیا گیا ہے۔

'نعت رنگ' میں چھپنے والے خطوط علمی وادبی حقائق کی گرہ کشائی کے ساتھ ساتھ اظہار و بیان کی لطافتوں سے بھی معمور ہیں۔ان خطوط میں اسلوب کے طلسمی اظہار کے پیرائے قاری کے ذہن و دل پر اس طرح سحر طاری کرتے ہیں کہ قاری خوشی سے اَن دیکھی دنیاؤں میں اتر جاتا ہے اور علویت (Sublimation) کا ایک تاثر لے کر واپس لوٹتا ہے۔ ذیل کی چند مثالیں دیکھیے:

۱۔ آپ بجا فرماتے ہیں کہ میں درماندہ رہرو کی طرح ڈیرہ غازی خان کے پس ماندہ جزیرے میں بیٹھ کر رہ گیا اور قافلۂ شوق بہت آگے نکل گیا۔(۱۳۲)

۲۔ ایک کائناتی سچائی اعتبار و اعتماد کی آخری سرحد بھی عبور کر جائے گی۔کشورِ دیدہ و دل میں چراغ جلانے کا عمل بھی پوری آب وتاب سے جاری و ساری رہے گا۔غزل اپنے بختِ ہمایوں پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔غزل درِ حضور پر کاسہ بکف خیرات کی طلب گار ہے اور رہے گی۔(۱۳۳)

۳۔ 'پروفیسر محمد اکرم رضا ہمارا سرمایۂ افتخار ہیں، آقائے مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے حوالے سے قلم اُٹھاتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے کائنات کا سارا حسن ان کے قلم کے ہم رکاب بارگاہِ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم میں دست بستہ کھڑا ہو، لفظ لفظ میں مودّت کے چراغ جل اُٹھتے ہیں۔ ہر چند یہ تصویرِ ادب بن جاتا ہے ورق ورق پر ہجومِ مہ وانجم اُمڈ پڑتا ہے'(۱۳۴)

۴۔ ان دنوں وطنِ عزیز ایسی سنگینوں سے دو چار ہے، جن کی تلخیوں میں نہ کوئی سائنسی تاویل کی کر سکتی ہے اور نہ کوئی شاعرانہ تعبیر۔ بس ایک ہی دیوار ہے جس سے دُکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے اور ایک ہی سایۂ دیوار ہے جہاں ہر آبلہ پا ستا سکتا ہے۔ جانے والے مجھ سے کہیں بہتر تھے کہ انھیں اللہ تعالیٰ چند لمحوں میں، اپنے جوارِ رحمت میں لے گئے اور مجھے بہت کچھ سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے مہلت دے دی کہ...عمل اور دعا کا وقت نزول بلا سے پہلے ہوتا ہے،اس کے بعد تو رضا کا مقام ہے۔(۱۳۵)

۵۔ اردو کی شعری تہذیب میں عشق رسول V کے موتیوں کی تلاش

للعالمین... درود و سلام ہو اس رحمتوں کے تاج والے معراج والے نبی طاہر و مطہر پر اس کی آل پر، اس کے اصحاب پر اور اس کی ازواج پر ہے۔ (۱۴۰)

۱۰۔ غیر مشروط اور غیر متزلزل کومٹ منٹ کا پہلا صلہ یہ عطا ہوتا ہے کہ تخلیقی سطح پر سوچ اور اظہار کے مقفل دروازے خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔ تخیل کے پرندوں کو تازہ ہواؤں سے دائمی وابستگی کا ادراک ملتا ہے اور لفظ و معانی کی فضائے بسیط میں اونچی پرواز کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ''نعت رنگ'' نے اپنے جس تخلیقی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس کے نقوشِ پا اتنے تابندہ اور روشن ہیں کہ بہت سے دوسرے اربابِ وفا پر بھی سفر کے مراحل آسان ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ثنائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خنک ہواؤں کے قافلے کے رواں دواں رہنے کا چرچا خوش بوئیں ہی نہیں، دھنک کے رنگ بھی کرتے رہے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا شمارہ نمبر ۲۲ پھولوں کی اپنی خوش بوؤں، دھنک کے انھی رنگوں اور آفتابِ ادب کی اسی روشنی کا عکسِ جمیل نظر آتا ہے۔ (۱۴۱)

۱۱۔ جشن عید میلاد النبی V کی آمد آمد ہے، پلکوں پر ابھی سے اَن گنت ستارے جھلملانے لگے ہیں، نعتِ مسلسل کے سرمدی رتجگوں کا شاداب موسم قریۂ جاں میں ابھی سے خیمہ زن ہے، کشتِ دیدہ و دل میں ابھی سے بادِ بہاری چل رہی ہے، شاخِ آرزو پر ابھی سے کلیاں مسکرانے لگی ہیں، صبحِ میلاد کی دل نواز ساعتوں کی پذیرائی کے لیے دل کی دھڑکنیں چشمِ محبت کی دہلیز پر ابھی سے سمٹنے لگی ہیں۔ صبا، خوش بو کے چراغ لے کر ابھی راہوں میں کھڑی ہے، تاریخ کائنات کے سب سے بڑے دن کے استقبال کے لیے عناصرِ فطرت رنگ و نور کی نئی پوشاک پہنے ابھی سے چشم براہ ہیں۔۔۔ ربیع الاوّل کے مقدس چاند کے طلوع ہونے میں ابھی چند روز باقی ہیں، خوشیوں اور مسرتوں کی دھنک سات رنگوں کا پرچم اُٹھائے آسمانِ قلب و نظر پر جلوہ گر ہے۔ اے صبحِ میلاد کی نورانی ساعتو! ہم غلاموں کا سلامِ شوق قبول کرو۔ (۱۴۲)

مذکورہ بالا پیراگراف میں ادبی اور رومانوی اسلوب کی چند مثالیں بطور شہادت پیش کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اظہار و بیان کے خوبصورت پیرائے 'نعت رنگ' کے خطوط کی زینت

میں اپنے وجود کو منوایا ہے حتیٰ کہ نثر میں بھی نعت کے خوب صورت نمونے مل جاتے ہیں''۔(۱۳۸)

۸۔ آپ نے روشنی اور خوشبو کے جس مبارک سفر کا آغاز کیا ہے اس کی تحسین کے لیے میرے لفظ غریب لگ رہے ہیں مجھے...... ہاں! دلوں سے دلوں تک سفر کرتی محبت زاد کیفیتوں کی مہک قبول کیجیے کہ آپ ان خوش بخت خاک زادوں میں شامل ہو گئے ہیں عرش کے ستارے جن کی زندگی کو تابندگی میں ڈھلتے دیکھ کر جگمگا اُٹھتے ہیں نعت در حبیب V پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔ اس محبت نواز جستجو میں سچی نسبتوں کی خوشبو رنگ بھرتی ہے۔ سچائی کی توانائی کا رنگ اور محبت کی جہانگیر قوت کی ترنگ..... یہ پھولوں کی سوداگری ہے..... خوشبو جس کے سدا سنگ رہتی ہے..... آپ کا مؤقر مجلّہ ''نعت رنگ'' صادق نسبت کے جاوید رنگ سے مملو ہے اور نسبتیں بڑی لج پال ہوتی ہیں۔ خود سے وابستہ لوگوں اور لمحوں کو مرنے نہیں دیتیں امر کر دیتی ہیں..... کامرانی اور شادمانی بخش دیتی ہیں..... اس وقت شمارہ نمبر ۱۲ زیر مطالعہ ہے اور اس کی مہکار سے میرے چار سو بہار کے جاودانی رنگ بکھرنے لگے ہیں رنگ سچی امنگ سے پھوٹ رہے ہوں تو گفتگو کرنے لگتے ہیں اور اس گفتگو سے سرمدی سرور سے بھری خوش بو آنے لگتی ہے۔ آپ کا اداریہ اس معطر کیفیت سے سرشار ہے۔(۱۳۹)

۹۔ ''نعت رنگ'' کا کتابی سلسلہ نمبر ۲ نظر نواز ہوا۔ سرورق دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل میں کیا کیا جذباتِ عقیدت بھڑکے۔ ذہن میں کیا کیا الفاظ محبت گونجے۔ روح نے کس کس طرح سرمستی میں رقص کیا۔ کالی کملی والے کے تصور میں بے ساختہ سرورق کو چوم لیا...سرورق... انوار و تجلیات کی بارش۔ اس بارش میں ذاتِ باری کی طرف سے اعلان کرتی ہوئی ٹھنڈی، بھینی خوشگوار و مشکبار ہوا... ہوا کا اعلان ... ذاتِ بے نیاز کے اندازِ تخاطب کے والہانہ پن کا ترجمان ''ورفعنالک ذکرک'' چمکتا دمکتا، ارفع و اعلیٰ، فضاؤں میں نور چھڑکتا ہوا مینار۔ خوش بوئیں لٹاتی ہوئی فصل بہار... علامتِ دلنشین... رحمۃ

میں ڈوبا نظر آتا ہے۔اس حد تک اسے ممدوح کے کلام میں تلمیحی اشاروں کے غیر محتاط رویوں کا ذرا بھی پتا نہیں چل سکتا ہے۔اس نے جوشِ عقیدت میں اپنے ممدوح کا یہ شعر بھی کوٹ کر دیا ہے۔۔۔(۱۴۴)

۳۔ مظفر وارثی کینہ پرور آدمی نکلے۔اُن سے وہ اعزاز ہضم نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُن کو بخشا تھا۔نعت جیسی صنف کے مصنف کا ایسی پست سطح پر اترنا عجیب سا لگتا ہے۔اخلاقیات کے موضوع پر بیسیوں اشعار کہنے والا شاعر اسقدر رکیک لہجہ اختیار کرے گا اس کا کبھی گمان بھی نہیں ہوا تھا۔معلوم نہیں یہ کتاب تم نے مجھے بخش دی ہے یا محض پڑھنے کے لئے دی ہے۔میں اس ''سنڈاس'' کو کہاں رکھوں۔(۱۴۵)

۴۔ ان کے خلاف ایک ۷۵ سالہ بوڑھا ریٹائرڈ پروفیسر کیا اقدام کر سکتا ہے یہاں تو ان کا اُلّو بولتا ہے جن کا علم ''حرفِ چند'' سے ماسوا اور وہ افلاطون، سقراط اور بقراط کے استاد بنے شہرت اور سونے بٹور رہے ہیں۔جاہلوں کی قدردانی ناشروں کی بے بسی ایڈیٹر کی جہالت کو دیکھتے ہوئے شرفا اپنی عزت اسی طرح بچا سکتے ہیں کہ ''کتا شاہی'' ریس سے خود کو دُور رکھیں۔(۱۴۶)

نعت رنگ کے خطوط میں جہاں شخصی عناصر مرقعوں کی صورت جلوہ گر ہوئے ہیں وہاں منظر کشی کے کہیں دھندلے اور کہیں واضح نقوش بھی سامنے آئے ہیں۔صرف ایک مثال دیکھیے۔شفقت رضوی نے اِس خوبصورتی سے دو مناظر کو صفحۂ قرطاس پر الفاظ کے رنگوں سے منتقل کیا ہے کہ ہم اپنی چشمِ تخیل سے ان مناظر کو دیکھ بھی لیتے ہیں، ان میں اتر کر شریک بھی ہوتے ہیں اور لطف اندوز بھی۔

''میں نے کبھی کسی شاعر کے شعر پر سن کر داد نہیں دی لیکن جب کبھی اور جہاں کہیں لوک گیت سنے ہیں میں یا میرا دل رقص کناں رہے۔زندگی کی بھرپور کیفیت اور سچائی کی آخری حد کو دیکھنا ہو تو لوک گیت سنو۔اس مضمون کے حوالہ سے سلیمان خطیب بہت یاد آئے۔بہت پیارا شخص اور محبت کرنے والے دل کا مالک تھا۔اس نے بتلایا تھا کہ وہ اور اس کی بیوی چوڑیاں، گہنے، کپڑے بطور سوغات لے کر گاؤں گاؤں گھومتے، جھونپڑے میں کسانوں کے مہمان بن

بنے ہیں۔جن کا بیان مزید طوالت کا باعث بن سکتا تھا لہٰذا انھی اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

طنز ایک باشعور انسان کے ایسے ردعمل کو کہتے ہیں جس میں طنز نگار اپنے موضوع کے خلاف دلی بے زاری، نفرت اور اکتاہٹ کے جذبات کا شعوری اظہار کرتا ہے۔طنز ایک ایسا احتجاج ہے جو انسانی رویوں کی کج روی کے خلاف کبھی دھیمے انداز میں اور اکثر اوقات بلند آہنگی کے ساتھ رونما ہوتا ہے۔ایسا طنز جس کے پس پشت اصلاح کا عنصر کارفرما ہو، طنز نگار اسے ظرافت کی چاشنی میں ڈبو کر اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ طنز نگار کی ترشی اور تلخی ظاہر نہیں ہونے پاتی۔طنز نگار انسانی زندگی اور معاشرے کی ناہموریوں کو اپنے طنزیہ نشتروں سے جھنجھوڑنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے لیکن جب طنز نگار کے ذہنی ردعمل میں اصلاح یا ہمدردی کا عنصر کارفرما نہ ہو تو پھر اس کے طنز میں ترشی اور جھلاہٹ در آتی ہے۔یہ تلخی اور جھلاہٹ زہرِ خند کا کام دیتی ہے۔طنز نگار اپنے طنزیہ جملوں سے اپنے موضوع کو نیم بسمل کر کے تڑپتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ایک مشاق طنز نگار اپنے طنز کو اس خوبصورتی سے اظہار کی صلاحیت عطا کرتا ہے کہ اس کے طنز میں ''صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں'' کا گمان گزرنے لگتا ہے۔

'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے خطوط مختلف مکاتبِ فکر اور نقطۂ نظر کے حامل افراد کی طرف سے تحریر کیے گئے ہیں اس لیے ان میں مختلف اور متضاد خیالات کی کارفرمائی فطری امر ہے۔اسی وجہ سے خطوط میں ترشی، تلخی اور طنز کا عنصر اظہار کی راہ پا گیا ہے۔جب خطوط میں معرکہ آرائی، جذباتی طرزِ عمل یا ناقابلِ قبول ناہمواریاں موجود ہونے کی وجہ سے مکتوب نگاروں کے مکاتیب میں کہیں کہیں طنزیہ نشتریت بھی دیکھنے میں آتی ہے۔کہیں دھیمے سروں میں اور کہیں بلند آہنگی کے ساتھ۔ذیل میں طنز کی چار مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

> ۱۔ یہ بیان بتا رہا ہے کہ مضمون نگار اپنے ممدوح سے کس حد تک متاثر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تاثر کے تلے دبے مضمون نگار سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ معروضی انداز میں تنقید کا حق ادا کر سکے گا۔(۱۴۳)
>
> ۲۔ اب ہم دوسرے تقریظی مضمون کی سمت رجوع کریں گے۔یہ مضمون جناب پروفیسر منظر ایوبی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔یہ ایک نعت طاہر سلطانی کی حمدیہ شاعری پر ان کی جانب سے نچھاور کیے ہوئے پھولوں جیسا ہے۔اس میں بھی مضمون نگار اپنے ممدوح کے ''لب ولہجہ کی پاکیزگی اور اسلوب کی طہارت''

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'نعت رنگ' سے قبل جاری ہونے والے اور اس کے معاصر نعتیہ رسائل بھی تو اسی مقصد کے علم بردار رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں 'نعت رنگ' کے اجرا کا جواز کیا تھا؟ اس سوال کا جواب ایک اور سوال میں مضمر ہے اور وہ یہ کہ تخلیق نعت تو صدیوں سے ہو رہی تھی اور آج بھی تخلیقِ نعت کا یہ عمل ماضی کی نسبت کہیں زیادہ جاری و ساری ہے لیکن نعت اتنی قدیم اور طویل روایت کی حامل ہونے کے باوجود دیگر اصناف سخن سے پیچھے کیوں رہ گئی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کی تلاش 'نعت رنگ' کے اجرا کا باعث بنی۔ چنانچہ ان وجوہات کو تلاشنا اور اس کا تدارک کرنا ہی 'نعت رنگ' کا بنیادی مقصد قرار پایا۔ مدیرِ 'نعت رنگ' کا نقطہ نظر بھی یہی تھا کہ نعت کا فروغ محض تخلیقِ نعت سے نہیں بلکہ نعت کی ترقی اور فروغ میں حائل رکاوٹوں کے اسباب و علل تلاش کرنے اور صنفِ نعت میں پوشیدہ ان امکانات کو بروئے کار لانے میں مضمر ہے جسے نعت کی ایک صدی سے زائد عرصہ پر پھیلی ہوئی تنقید تلاشنے میں ناکام رہی ہے۔ مدیرِ 'نعت رنگ' کے نزدیک یہ ذمہ داری تنقید اور تحقیق کی ہے۔ تحقیق نے وہ اسباب اور شواہد اکٹھے کرنے ہیں جو نعت کی ترقی میں حائل رہے اور تنقید نے ان تمام شواہد، اسباب اور مواد کا غیر جانبدارانہ، سائنسی اور معروضی مطالعہ کرنے اور تجزیے کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد نتائج سامنے لانا ہیں۔ لہٰذا 'نعت رنگ' میں نعت کے حوالے سے تحقیقی و تنقیدی مقالات کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ آغاز آغاز میں نعت کے حوالے سے لکھنے والوں کا ایک محدود طبقہ موجود تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا رہا اور آج صورت حال یہ ہے کہ 'نعت رنگ' کے لیے لکھنے والے محققین اور ناقدین کی بڑی اور نمائندہ آوازیں اس صف میں شامل ہو چکی ہیں۔ ان آوازوں نے نعت کو نئے نئے امکانات سے ہم کنار کیا اور نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ 'نعت رنگ' میں چھپنے والے مقالات کی وجہ سے تنقیدِ نعت اور تحقیق نعت محدود اور مخصوص دائروں سے نکل کر وسعت اختیار کر گئی۔ آج نعت کو قدیم و جدید تمام اصولوں اور نظریات کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔ ہر وہ زاویہ نظر جو ادب کی تفہیم، تعبیر اور تشریح میں موجودہ عہد میں برتا جا رہا ہے، ان تمام زاویوں سے نعت کی قدر اور مقام متعین کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

'نعت رنگ' اپنے ابتدائی ادوار میں شخصیات پر تحقیق و تنقید کے گرد گھوم رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ مقالات کا رخ شخصیات سے موضوعات کی جانب مڑ گیا۔ گویا نعت کے موضوعات کا دائرہ پھیل کر مزید وسعت اختیار کر گیا۔ اگرچہ آج بھی 'نعت رنگ' میں شخصیات کے حوالے سے مقالات و مضامین تحریر کیے جا رہے ہیں لیکن ان کی تعداد ماضی کی نسبت نہایت کم ہے۔ اب 'نعت

جاتے۔ ان کو روک کر لوک گیت سنتے، جو ہندی، مراہٹی، تیلگو، کوکنی وغیرہ زبانوں میں ہوتے مفہوم کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے لیکن اس کے رنگ اور رس میں کھو جاتے۔ بے حال ہوکر ان کے تال و سر پر رقص کرتے۔ دو چار دن فطرت کی گود میں گزار کر لوٹتے تو سوغات ان کی امانت ان کے حوالے کر دیتے۔
سلیمان صاحب کا کئی برس دستور رہا کہ گرمی کے موسم میں میرے غریب خانہ پر سال میں ایک رات ضرور گزارتے۔ چاندنی رات میں گھر کی چھت پر فرش ہوتا قالین اور گاؤ تکیہ لگے ہوئے۔ چند حضرات باذوق محفل سجاتے۔ پہلے طعام ہوتا نو بجے کے بعد محفل سجتی۔ حیدرآباد کے شاعر کلام پیش کرنے کے لیے بے تاب رہتے۔ میں منع کرتا اور سوائے سلیمان خطیب کے کسی کو سننا پسند نہیں کرتا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں زندگی [کا] جو رس ان کی شاعری میں تھا وہ اور کہیں نہیں ملے گا۔ ان کے تقابل میں نظیر [اکبر] آبادی آتے ہیں لیکن خطیب کی مٹھاس ان کے پاس بھی نہیں ہے۔ اردو کے تمام اساتذہ نے جو تشبیہات اور تمثیلے استعمال کیے ہیں ان کے مقابلہ میں خطیب کے تشبیہات اور قہقہے تو سب حقیر دکھائی دیں۔ محبوب کی یاد کے لیے کہتا ہے ''جیسے کچی دیوار میں کنکر دھنسے'' ہے اردو شاعری میں اس کا جواب؟ ان کی نظم پگڈنڈی بھی غضب کی چیز ہے کیا کیا نادر تشبیہات ہیں۔ میں ان کے بارے میں لکھنے کے لیے سوچتا رہا۔ میری نالائقی کہ میں لکھ نہ سکا۔ (۱۴۷)

(۴)

آخر میں 'نعت رنگ' کے حوالے سے چند سوالوں پر غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ 'نعت رنگ' کا حاصل کیا ہے؟ اس سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی سعی کی جاتی ہے کہ 'نعت رنگ' اپنی ابتدا ہی سے جو اہداف لے کر چلا تھا کیا وہ اہداف پورے ہو چکے ہیں؟ اور اگر پورے ہو چکے ہیں تو اب اس مجلّے کا جواز کیا ہے؟ اور اگر وہ اہداف پورے نہیں ہو سکے تو ان کے اسباب کیا ہیں؟ ان سوالات کے جواب ذیل میں تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

'نعت رنگ' روزِ اول سے ایک ہی مقصد لے کر چلا تھا اور وہ تھا نعت کا فروغ۔ یہاں

راجا رشید محمود؛ پاکستان کے نعت گو شعرا از سید محمد قاسم تذکرہ شعرائے جماعتیہ از صادق محمد قصوری؛ محمد کے غیر مسلم مداح اور ثنا خواں از عنصر صابری؛ عصر حاضر کے نعت گو، اول و دوم از گوہر ملسیانی؛ تذکرہ نعت گویان اردو از سید یونس شاہ وغیرہ

نعت کی ادبی تاریخوں میں آنحضرت کے دور کی نعتیہ شاعری از بخت آور؛ عہد نبوی کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر شاہ محمود تبریزی؛ اردو میں نعت گوئی از ڈاکٹر ریاض مجید؛ اردو میں نعتیہ شاعری از ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق؛ اردو شاعری میں نعت گوئی از ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی؛ اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر طلحہ رضوی برق؛ اردو شاعری میں نعت (ابتدا سے محسن تک) از ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری؛ اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری؛ اردو نعت تاریخ و ارتقا از فضل فتح پوری، افضال حسین نقوی وغیرہ

علاقائی تاریخوں میں پاکستان میں نعت از راجا رشید محمود؛ اردو نعت پاکستان میں از ڈاکٹر شہزاد احمد؛ پاکستان میں اردو نعت از عزیز احسن؛ چکوال میں نعت گوئی از عابد منہاس؛ نعت حضور اور سرگودھا کے شعرا از شاکر کنڈان؛ کراچی کے نعت گو شعرا از شاکر کنڈان؛ سندھ کے نعت گو شعرا از شاکر کنڈان؛ راولپنڈی کے نعت گو شعرا از شاکر کنڈان؛ اسلام آباد کے نعت گو شعرا از شاکر کنڈان؛ چکوال میں نعت گوئی از عابد منہاس؛ پاکستان کے نعت گو شعرا از سید محمد قاسم؛ ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعت کا تقابلی مطالعہ از قریشیہ بانو؛ وغیرہ۔

نعت کے موضوعات، رجحانات، اسالیب اور ہیئتوں پر بھی کئی کام سامنے آئے۔ ان میں اردو نعت کے موضوعات کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ از شمیم اختر خاتون؛ اردو نعت میں غیر اسلامی عناصر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ از محمد کا کاخیل؛ اردو نعت کا موضوعاتی وتنقیدی مطالعہ، اردو نعت گوئی میں قرآن وحدیث کی تلمیحات، اردو نعت اور جدید اسالیب از ڈاکٹر عزیز احسن؛ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ از ڈاکٹر افضال احمد انور؛ اردو نعت کا صنفی وہیئتی مطالعہ از ڈاکٹر شکیلہ خاتون؛ نعتیہ شاعری اور ہیئتی تجربے از صبا علیم نویدی؛ نعت اور جدید تنقیدی رجحانات از کاشف عرفان؛ اردو نعت کے جدید رجحانات از آنسہ شوکت چغتائی؛ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ اردو نعت کے حوالے سے سندی مقالات بھی تحریر کیے گئے۔ ان میں اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ از رشید وارثی؛ اردو کا نعتیہ ادب از ڈاکٹر شمیم احمد گوہر؛ اردو حمد ونعت پر فارسی شعری روایات کا اثر از ڈاکٹر عاصی کرنالی؛ اردو نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر عزیز احسن؛ اردو نعت کا تحقیقی و

رنگ‘ کی تمام تر توجہ نعت کے موضوعات پر مرتکز ہو چکی ہے۔ آغاز آغاز میں ’نعت رنگ‘ کو موصول ہونے والے مضامین کی نوعیت سطحی ہوتی تھی لیکن اب بیشتر مضامین ومقالات میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہو چکی ہے۔ ان مقالات میں تحقیق وتنقید کا وژن خاصا وسیع ہو چکا ہے۔ پہلے ’نعت رنگ‘ کے مضامین اور مقالات میں تعارفی اور تقریظی عنصر بھی جھلکتا نظر آتا تھا لیکن اب تحریروں میں تنقیدی اور تحقیقی عنصر ہی مقالات کو محیط نظر آتا ہے۔ پہلے تنقیدِ نعت میں خوف اور حد سے بڑھا ہوا محتاط رویہ دیکھنے میں آتا تھا لیکن اب بے خوفی ، بے باکی اور غیر جانبداری کے اثرات غالب حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ پہلے فنی حوالوں سے نعت کو دیکھا جا رہا تھا اب معیار ادبی اور فلسفیانہ ہو گیا ہے۔ پہلے اختلافی موضوعات پر زیادہ لکھا جا رہا تھا اور اب امکانی موضوعات پر غور وفکر کیا جا رہا ہے۔ غرض یہ کہ اب نعت کے اختلافی موضوعات ، جہتوں، ممنوعات، محسنات، معائب ،محاسن اور نظری اور عملی حوالوں سے لکھا جا رہا ہے۔

معاصر عہد میں نعت کی تحقیق اور تنقید مقالات سے قدم آگے بڑھا کر مربوط اور مبسوط کتابوں کو محیط ہو چکی ہے۔ اب نعت کے موضوعات پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ نعت نگاروں پر کتابیں مرتب ہو رہی ہیں۔ تذکرے لکھے جا رہے ہیں۔ تاریخوں کا ڈول ڈالا جا رہا ہے۔ نعت کی تحقیق وتنقید کا دائرہ غیر سندی تحقیق سے قدم بڑھا کر سندی تحقیق وتنقید تک پھیل گیا ہے۔ اب مختلف جامعات میں نعت سے متعلق ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی سطح کے بیسیوں مقالات لکھے جا چکے ہیں اور ہنوز جاری ہیں۔ غرض یہ کہ نعت کو تحقیق وتنقید نے نعت کے موضوع کو پورے طور پر اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ ذیل میں تنقید وتحقیق نعت کی چند جہتوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

تذکروں میں مدحت نامہ مرتبہ صبیح رحمانی؛ وفیات نعت گویان پاکستان مرتبہ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ؛ کراچی کا دبستان نعت مرتبہ منظر عارفی؛ مناقب امام حسین اور شعرائے کراچی مرتبہ، منظر عارفی؛ تذکرہ نعت گو شاعرات مرتبہ ابو سلمان شاہ جہان پوری؛ نعت کے شعرائے متقدمین مرتبہ شمیم احمد گوہر؛ تذکرہ شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں مرتبہ ڈاکٹر شمس بدایونی؛ بارگاہِ رسالت کے نعت گو مرتبہ ڈاکٹر شہزاد احمد؛ تذکرہ نعت گویانِ راولپنڈی مرتبہ قمر رعینی؛ نعت گویانِ بریلی مرتبہ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب؛ شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری مرتبہ محمد سلیم چودھری؛ کاروانِ نعت کے حدی خواں مرتبہ پروفیسر محمد اکرم رضا؛ تذکرہ نعت گویانِ اردو مرتبہ پروفیسر سید یونس شاہ گیلانی، اول ودوم؛ غیر مسلموں کی نعت گوئی مرتبہ راجا رشید محمود؛ خواتین کی نعت گوئی مرتبہ

اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقع نگاروں کی زندگیوں کے نقوش کو'نعت رنگ' کی زینت بنا کر انھیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔شعرا کے خصوصی گوشے بنوائے، خاص نمبر شائع کیے۔اسی طرح 'نعت رنگ' میں مشاہیر علم وادب سے انٹرویو کا سلسلہ بھی شروع کیا تاکہ معروف قلم کاروں کے خیالات، افکار اور تاثرات نعتیہ ادب کے حوالے سے سامنے آئیں۔غرض یہ کہ نعت کو ہر طرح ہر جہت اور ہر پہلو سے ثروت مند بنانے کی کوششیں کی گئیں۔

صبیح رحمانی نے نعت کی ادبی شناخت کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے نعتوں کے منظوم تراجم کا سلسلہ شروع کیا۔اردو کی بہترین نظموں کا انگریزی ترجمہ کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا تاکہ نعت کی ادبی شناخت کا دائرہ وسیع تر ہو سکے۔اسی طرح نعت کو مخصوص ہیئتی جکڑ بندیوں سے آزاد کروانے کے لیے اردو نعتوں میں ہیئتی تنوع کے فروغ کی کوششیں کیں تاکہ جدید اصناف میں مدحت گری کے خدوخال کو بہتر طور پر اجاگر کیا جا سکے۔اس سلسلے میں انھوں نے 'نعت رنگ' کے تیسرے اداریے میں نعتیہ سانیٹ، واکا، ہائیکو، دوہے، نعتیہ کافیوں اور نعتیہ گیت کو تخلیقی سطح پر برتنے کا مشورہ دیا۔(۱۴۸)

مذکورہ بالا مباحث کے نتیجے میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ 'نعت رنگ' نے اپنے ہم عصر نعتیہ رسائل ہی میں نہیں ماضی کے نعتیہ رسائل میں بھی اپنی الگ اور منفرد شناخت قائم کر لی ہے۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے تحقیقی اور تنقیدی مقالات میں جو گہرائی اور گیرائی نظر آتی ہے وہ اس کے معاصر اور ماقبل نعتیہ رسائل میں دیکھنے میں نہیں آتی ۔'نعت رنگ' سے قبل نعت کا فروغ انفرادی معاملہ نظر آتا تھا لیکن اس مجلّے کی کاوشوں نے اسے عوامی معاملہ بنا کر اپنے گرد اہل علم اور اہل قلم مصنفین کا کثیر حلقہ جمع کر لیا ہے۔ یہ حلقہ ہندوستان اور پاکستان میں ہی موجود نہیں بلکہ اطراف عالم میں پھیلا ہوا ہے۔اس حلقے کے تنقیدی وتحقیقی فکروخیال نے اس مجلّے کو محدود فضا سے نکال کر فضائے بسیط سے ہم کنار کر دیا۔جدید ادبی منظرنامے سے کشید کردہ نظریات سے تنقید نعت کو اس طرح فیض یاب کیا ہے کہ اب تنقید نعت کسی معذرت خواہانہ رویے کی حامل نہیں رہی ہے۔ اب نعت دیگر مروجہ اصناف سخن کے مقابل اپنے فنی اور فکری حوالوں سے تخلیقی شاعری کا ایک معتبر حوالہ بن کر سامنے آگئی ہے اور دیگر مروجہ اصناف سخن کے مقابل اعتماد کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہے۔ اور جہاں تک نعت کی تحقیق وتنقید کا تعلق ہے۔نعت پر لکھنے والوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا ہو گیا ہے۔ اردو کی ادبی تحقیق وتنقید کی بڑی آوازیں اب تنقید وتحقیق نعت کے فروغ میں اپنا اپنا حصہ ڈال رہی

تنقیدی جائزہ از ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، وغیرہ۔

شخصیات کی نعت گوئی کے حوالے سے سندی اور غیر سندی تحقیقی وتنقیدی اور مرتبہ کتب کی اشاعت عمل میں آئی۔ خاص طور پر اردو شاعری کی بڑی آوازوں کو بطور نعت گو متعارف کروایا گیا۔ خاص طور پر غالب، محسن کاکوروی، اقبال اور احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری پر کتب سامنے آئیں۔ مرزا غالب کی نعتیہ شاعری از رفیع الدین اشفاق؛ غالب اور ثنائے خواجہ مرتبہ صبیح رحمانی؛ محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری از عبدالنعیم عزیزی؛ کلام محسن کاکوروی۔ ادبی وفکری جہات مرتبہ صبیح رحمانی؛ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی از عبدالنعیم عزیزی، مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری از سراج احمد قادری؛ احمد رضا کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر سراج احمد بستوی؛ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور ان کی نعت گوئی از ڈاکٹر سید جمیل الدین راٹھوی؛ حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت از ڈاکٹر محمد امام الدین؛ امام احمد رضا خان۔ حیات اور کارنامے از ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری؛ اردو نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خان کی انفرادیت واہمیت از ڈاکٹر تنظیم الفردوس؛ امام احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول کا عنصر از ڈاکٹر محمد آدم یوسف شیخ؛ کلام رضا۔ فکری وفنی زاویے مرتبہ صبیح رحمانی؛ اقبال کی نعت۔ فکری واسلوبیاتی مطالعہ مرتبہ صبیح رحمانی وغیرہ

نعتیہ شاعری کی کم اہم آوازوں میں ادیب رائے پوری۔ تخلیقی، تحقیقی خدمات کا جائزہ از ڈاکٹر شہزاد احمد؛ عزیز الدین خاکی۔ تخلیقی، تحقیقی خدمات کا جائزہ از ڈاکٹر شہزاد احمد؛ سید ریاض حسین زیدی کی نعتیہ شاعری از نوید عاجز؛ سید ناصر چشتی کی نعتیہ شاعری از طارق عزیز بھنڈارا؛ حافظ مظہر الدین مظہر کی نعت گوئی از عتیق محمد عبداللہ وغیرہ پر کتب اہمیت کی حامل ہیں۔

'نعت رنگ' میں مختلف شخصیات کے گوشے بنائے گئے تاکہ ان شعرا کو ایک طرف خراج تحسین پیش کیا جاسکے اور دوسری طرف ان کا شاعرانہ مرتبہ بھی متعین کرنے میں مدد مل سکے۔ ان گوشوں کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ اس وقت ترتیب دیے گئے جس وقت ان شعرا کے دواوین سامنے نہیں آئے تھے۔ ان شعرا میں ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی، آفتاب کریمی، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر اسلم فرخی، افتخار عارف، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، خورشید رضوی، سحر انصاری، سلیم کوثر، شبنم رومانی، شوکت عابد، شیدا حیدری، صبا اکبر آبادی، غالب، والی آسی، یعقوب لطیف، انور شعور، جلیل عالی، سید ضیاء الدین نعیم اہمیت کے حامل ہیں۔

نعت نگاروں اور نعت کاروں کے خاکوں کو بھی نعت رنگ کی زینت بنایا تاکہ پیغمبر

کہ بعض مقامات پر ایک ہی عنوان کے تحت دو بالکل مختلف یا جزوی مختلف آراء یا نقطہء نظر سامنے آ گئے ہوں۔ اس کا مقصد قارئین کو ذہنی پریشانی میں مبتلا کرنا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد قارئین کے لیے ایک ایسی سہولت فراہم کرنا ہے جس کے ذریعے مختلف الخیال، مختلف المزاج یا مختلف مکاتبِ فکر کے حامل افراد کے نقط ہائے نظر ایک ہی کتاب میں سامنے آ سکیں تا کہ قارئین ان کا آزادانہ مطالعہ کرنے کے بعد نتائج کا استخراج بھی خود ہی کر سکیں۔ تحقیق و تنقید کی دنیا میں اس طرح کی سہولت بہت کم دستیاب ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام مختلف الخیال اہل قلم کی آراء کا کسی ایک کتاب میں فراہم ہونا اگر نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب اس مشکل کا حل پیش کرے گی۔

ایک ہی کتاب میں کسی موضوع سے متعلق مختلف خیالات، نظریات، افکار کا جمع ہونا امرِ محال تو نہیں لیکن اس بات کا قوی امکان ہے کہ مرتب اپنی پسند و ناپسند، یا ذاتی نقطہء نظر کے زیرِ اثر کچھ خیالات کو کتاب میں شامل کرنے سے گریز کرے یا حقائق کو توڑ مروڑ کر یا جزوی صداقت کے ساتھ پیش کرے۔ ایسی صورت میں مخالف نقطہء نظر سے مکمل طور پر استفادہ ممکن نہیں رہتا۔ راقم الحروف نے اس کتاب کو ترتیب دیتے ہوئے کسی ایک نقطہء نظر کے پلڑے میں اپنی پسند و ناپسند کا وزن ڈال کر اس کو اہمیت دینے یا فوقیت دلانے کی کسی بھی کوشش سے گریز کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ تا کہ تمام آرا بغیر کسی قطع برید کے من و عن سامنے آ جائیں۔ قارئین ان کا مطالعہ کریں، ان سے استفادہ کریں اور ان سے نتیجہ اخذ کریں۔

پہلے باب کا عنوان 'نعت: تعریف، تقاضے اور روایت' ہے۔ اس باب میں نعت کے نظری مباحث کو یکجا کیا گیا ہے۔ نعت کیا ہے؟ بطور صنف سخن اس کی حیثیت کیا ہے؟ نعت کی اہمیت کیا ہے؟ نعت کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ اور کیا ہونی چاہییں؟ نعت گو کے لیے کن کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے؟ اور وہ کون سی شرائط ہیں جن کو بروئے کار لا کر ایک معیاری نعت تخلیق کی جا سکتی ہے؟ نعت کا دیگر اصناف سے تعلق کیا ہے؟ تخلیقِ نعت اور تنقیدِ نعت کے مضمرات اور مسائل کیا ہیں؟ اس باب میں نعت کی روایت پر بھی خیالات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ نعت سے متعلق اہل علم اور اہلِ قلم کے خیالات، افکار، نظریات، تاثرات، نقطہ ہائے نظر اور تحقیقات کو اس باب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

دوسرا باب 'نعتیہ ادب: تحقیق و تنقید' ہے۔ اس باب میں نعت سے متعلق ناقدین اور

ہیں۔ جس کے باعث نعت اور تنقید نعت جو دو دہائیوں قبل تنہائی کا شکار نظر آتی تھی اب اردو ادب کی انجمن میں آ بیٹھی ہے۔ 'نعت رنگ' نے مکتوب نگاری کو فروغ دے کر مکتوبی تنقید کو آگے بڑھایا ہے۔ 'نعت رنگ' میں چھپنے والے خطوط مکتوبی تنقید کا ایک وقیع سرمایہ ہیں۔ یہ مکتوبات مستقبل میں تنقیدِ نعت کو راستہ بھی دکھائیں گے اور تحقیقِ نعت کے نئے امکانات کو تلاشنے میں بھی مددگار رہوں گے۔ 'نعت رنگ' کو اعتبار و افتخار عطا کرنے میں جہاں اہل علم و اہل قلم قارئین کا ہاتھ رہا ہے وہاں سب سے اہم کردار مدیر نعت رنگ کا ہے جن کی مجتہدانہ کوششوں نے تنقید نعت میں روشن خیالی، رواداری، اور غیر جانبداری کو فروغ دے کر 'نعت رنگ' کو ماضی کی تاریک راہوں سے نکالا اور پھر اسے مستقبل کی روشن راہ گزر پر محوِ سفر کر دیا۔ جس کے باعث 'نعت رنگ' جو ماضی میں ایک جوئے کم آب تھی اب بحرِ بے کراں بننے جا رہی ہے۔

(۵)

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ تمام ابواب کم و بیش دو سو شخصیات کے خطوط سے کشید کردہ ان علمی نکات پر مشتمل ہیں جو مدیر نعت رنگ کو تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ تمام خطوط مطبوعہ ہیں اور موضوعی نوعیت کے حامل ہیں، جن کا محور صنف نعت اور متعلقات نعت ہے چنانچہ ان خطوط سے نعت سے متعلق کم و بیش تمام نکات قطرہ قطرہ علیحدہ کر کے مختلف موضوعات کے تحت بنائے گئے ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پھر اس باب سے متعلق ضمنی نکات کو عنوانات قائم کر کے اہل علم و دانش کے فکر و ذوق کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ اس طرح 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے تمام خطوط میں موجود تقریباً تمام ہی نکات سامنے آ گئے ہیں۔ اس طریق کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ کسی ایک ہی موضوع کے تحت مختلف اہل دانش نے جو کچھ سوچا، سمجھا، اخذ کیا یا تحریر کیا، اس سے ایک ہی کتاب میں استفادہ ممکن ہو گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب سے تمام نقطہ ہائے نظر سے استفادہ کے لیے مختلف تصانیف کو حاصل کرنے اور پھر اس کا مطالعہ کرنے کی کھکھیڑ سے نجات ملے گی۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ 'نعت رنگ' میں چھپنے والے خطوط کی اہمیت بھی سامنے آئے گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کم سے کم وقت میں نعت کے مختلف پہلوؤں پر اہل قلم کی آراء سے استفادے کا موقع ملے گا۔

'نعت رنگ' میں چھپنے والے خطوط چونکہ مختلف افراد کے ذہن و فکر کے زائدہ ہیں اور یہ تمام افراد کسی مخصوص دبستان تنقید یا مکتبِ فکر سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے ان کے خیالات میں یکسانیت تلاش کرنا یا ان میں منضبط انداز ڈھونڈھنا بے سود ہوگا۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے

کرتا تھا۔قدیم زمانے میں شاعری کے لیے استاد کی ضرورت اس قدر اہمیت کی حامل تھی کہ بے استادہ ہونا بذات خود عیب تصور کیا جاتا تھا۔اسی سبب سے غالب جیسے جینئس کو اپنا ایک فرضی استاد گھڑنا پڑا (۱۴۹)، تاکہ وہ سخن کے بازار میں اپنے مال کی قدر و قیمت کو بے توقیر ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔موجودہ دور میں دوسری روایات کی طرح یہ روایت بھی دم توڑ گئی ہے اور المیہ یہ ہوا ہے کہ شعری اوزان و بحور سے ناواقفیت، مطالعے، مشاہدے کی سطحیت، آسانیاں تلاش کرنے اور شارٹ کٹ مارنے کے مرض میں مبتلا تخلیق کاروں کے ہاں فنی پختگی عنقا ہو کر گئی ہے۔آج کل شعر کہا تو جا رہا ہے لیکن وہ شاعری کی میزان پر پورا تو درکنار ادھورا بھی اترتا نظر نہیں آ رہا اور استادی شاگردی کی روایت کے ختم ہونے سے شاعری کی اصلاح کی جو صورت حال قدیم دور میں میسر تھی آج یہ سہولت بھی مفقود ہو گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ شاعری اور بالخصوص نعتیہ شاعری، فکری اور فنی معائب کے ساتھ سفر طے کر رہی ہے۔

تنقیدِ نعت میں غیر معمولی حزم و احتیاط اور بے جا تقدس کے حامل رویوں نے نعتیہ شاعری کو بے حد نقصان پہنچایا۔طرفہ تماشا یہ ہوا ہے کہ نعتیہ رسائل و جرائد نے اپنا کردار ادا کرنا تو ایک طرف رہا، اصلاحِ سخن کے تمام دروازے ہی بند کر دیے ہیں۔ایسی صورت حال میں نعت کا تخلیق کار جائے تو کہاں جائے؟ دوماہی 'گلبن' احمد آباد کے نعت نمبر کے اداریے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ''ایک بات کی اور وضاحت کرتے چلیں کہ بعض شاعروں نے بڑی طویل نعتیں ارسال کی تھیں، ان میں سے چند اشعار حذف اس لیے کرنے پڑے کہ ایک صفحہ سے زیادہ دینے کی گنجائش نہ تھی۔اسی طرح بعض نعتوں کے کچھ اشعار کمزور یا نامناسب تھے، انھیں بھی نکال دیا گیا ہے۔متعلقہ حضرات نوٹ فرما لیں۔(۱۵۰)

مذکورہ بالا بیان پڑھنے کے بعد سر پیٹنے کا دل کرتا ہے۔ذرا سوچیے! ایسے موسموں میں تخلیق نعت کس طرح بار آور ہو سکتی ہے؟ اگر فاضل مدیر حواشی میں ان اشعار کی اصلاح کر دیتے یا نقص پر روشنی ڈال دیتے تو تخلیق کار کا ہی بھلا نہ ہوتا، قارئین کا بھی فائدہ ہو جاتا۔ایسے اشعار کو یک قلم رد کر دینے اور رسالہ باہر کرنے سے اصلاح کے تمام دروازے ہی بند ہو گئے۔کم و بیش یہی صورت حال نعتیہ صحافت کے دیگر رسائل و جرائد کی رہی ہے۔'نعت رنگ' وہ واحد مجلّہ ہے جس نے

محققین کی تحقیقی و تنقیدی تحریروں کو پیش کیا گیا ہے۔ نعت سے متعلق اہل قلم کی تحقیقات میں موجود فروگزاشتیں، تسامحات، غلط انتسابات، غلط فہمیاں، غلط حقائق، ٹھوکریں اور جزوی سچائیوں کا بیان بھی ہے اور ان کی اصلاحات، تصحیحات، تردیدات اور حقائق کا بیان بھی۔ تجزیے بھی ہیں اور تنقید بھی۔

تیسرا باب 'نعت گوئی: اصلاحِ سخن کی چند نمایاں صورتیں' ہے۔ اس باب میں نعت کی اصلاح کے حوالے سے ناقدین کی شعری اصلاحوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ 'نعت رنگ' میں چھپنے والی نعتوں کو اہل قلم نے جس انداز میں دیکھا، سمجھا اور برتا ان تمام کا بیان اس باب میں موجود ہے۔ یہ باب اس کتاب کا حاصل بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ باب تنقیدِ نعت کی عملی صورتیں پیش کرتا ہے۔ اس باب سے ایک طرف نعت کی فکری پرکھ کے انداز سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف نعت کے متنوع فنی اور لسانی مسائل پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ اس باب میں بعض مثالیں تکرار کے ساتھ درج ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکتوب نگار نے کسی شعر کی پرکھ کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں دو دو تین تین معائب کی نشان دہی کر دی ہے اس لیے ایسی مثالیں دو تین عنوانات کے تحت درج ہو گئیں ہیں۔ مزید یہ کہ ممکن ہے بعض مثالیں ایک ہی عنوان کے تحت مکرر درج ہو گئی ہوں۔ اس کا سبب وقت کی کمی ہے۔ مختلف مقامات پر جارحانہ، تاثراتی اور یک طرفہ انداز بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ تنقید کا یہ انداز اگرچہ غیر مستحسن گردانا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ انداز تنقیدِ نعت کی کسی ایک جہت یا پہلو کو سامنے لاتا ہے اس لیے اس کی اہمیت سے بھی کسی طور انکار ممکن نہیں۔

اگرچہ شاعری کے عروضی اور فنی مطالعے سے متعلق تو متعدد کتب تصنیف اور ترتیب دی گئی ہیں لیکن کم و بیش دو صدیوں پر محیط اردو شعری تنقید کی روایت میں ایک بھی کتاب ایسی موجود نہیں جس میں نعت کا فکری، فنی اور لسانی مطالعہ کیا گیا ہو۔ اس باب کو اس نوعیت کی واحد مثال اور سب سے پہلی کوشش کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس باب کی ترتیب سے ایک طرف تنقیدِ نعت کی ممکنہ جہتیں اور اسالیب سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف تخلیقِ نعت اور تنقیدِ نعت کو بھی رہنمائی فراہم ہوتی ہے۔

قدیم دور سے ہی استادی شاگردی کی روایت موجود رہی ہے۔ شاعر اپنی تخلیق کو جلا دینے اور شعری تربیت حاصل کرنے کے لیے استاد شاعر کی راہنمائی حاصل کیا کرتا تھا اور اہل طریقت کی طرح ایک طویل ریاض اور مجاہدے کے بعد معیاری شعر تخلیق کرنے پر قدرت حاصل

اہمیت دی، وہ یہ ہیں: بے معنی، بے وزن، غیر مانوس، غیر فصیح، ابتذال، اتصال، اثقال، ضعف تالیف، مخالف لغت، دولخت، اخلال، فکِ اضافت، تعقیدِ لفظی، تعقید معنوی، تنافر، حشو، شکست ناروا، ایطائے جلی، ایطائے خفی، بندش کی سستی اور شتر گربہ، وغیرہ

چوتھا باب 'کتابیات' کا ہے۔ اس باب میں 'نعت رنگ' کے خطوط میں نعتیہ کتب پر تعارفی، تقریظی، تنقیدی یا تحقیقی اظہار بیان کے نمونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ کسی ایک ہی کتاب پر اگر دو یا دو سے زیادہ ناقدین نے اظہار خیال کیا ہے تو ان تمام خیالات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ ہر کتاب کے لیے علیحدہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ نعتیہ کتب سے متعلق ایسے بیانات جو ایک آدھ سطری ہیں انھیں اس باب کا حصہ نہیں بنایا گیا۔

پانچواں باب 'شخصیات' کا ہے۔ اس باب میں شعرا و ادبا کے حوالے سے مکتوب نگاروں کے بیانات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس میں کسی شاعر یا ادیب کے اپنے بیانات بھی ہیں اور دوسروں کے بیانات بھی۔ اس سے نعت گو شخصیات کے حالاتِ زندگی، کوائف، تصورات، افکار، عقائد اور ادبی نقطہء نظر سامنے آتا ہے۔ اس باب میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی کے حوالے سے 'نعت رنگ' کے خطوط میں شامل تمام خیالات، تحقیقات اور تنقیدات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے تا کہ ان کا ادبی مقام و مرتبہ سامنے لانے اور متعین کرنے میں مدد مل سکے۔

چھٹا باب 'متفرقات' کا ہے۔ اس باب میں نعت کے حوالے سے ایسے خیالات، بیانات اور مضامین پیش کیے گئے ہیں جو اس کتاب کے ابواب کے دائرہ اختیار میں تو نہیں آتے، لیکن نعت کے مزاج، جہت، پہلو، یا کسی اور سمت کو روشن کرتے تھے انھیں اس باب میں جمع کر دیا گیا ہے۔

ساتواں باب 'نعت رنگ: ایک مطالعہ' ہے۔ اس باب میں 'نعت رنگ' سے متعلق مختلف مکتوب نگاروں کے بیانات، اقوال، آراء، نقطہ ہائے نظر اور خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ ان بیانات سے اہل علم کے 'نعت رنگ' سے متعلق خیالات کی عکاسی بھی ہوتی ہے اور 'نعت رنگ' کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ آخر میں مدیر نعت رنگ سے متعلق ارباب علم و ادب کی آراء پیش کی گئی ہیں۔

تنقیدِ نعت کی فضا ہی ہموار نہیں کی بلکہ ایسا پلیٹ فارم بھی مہیا کیا جس سے تخلیق نعت آسانی اور سہولت کے ساتھ اپنا راستہ طے کر رہی ہے اور فکری، فنی، لسانی اور ادبی پرکھ کے ایسے ایسے گنجہائے گراں مایہ سامنے آئے ہیں جن سے نعتیہ صحافت کا دامن یکسر خالی رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ تنقیدِ نعت کے بے لاگ تبصروں، تجزیوں اور تحقیقات سے 'نعت رنگ' کا ماحول خاصا گرم رہا اور اس کا کسی حد تک نقصان بھی ہوا چنانچہ صبیح رحمانی کو لکھنا پڑا کہ تنقید نعت کے حوالے سے انھوں نے جو کڑے فیصلے کیے اس کی وجہ سے انھوں نے اور شفقت رضوی نے 'نعت رنگ' کے بہت سے خیر خواہ کھو دیے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر 'نعت رنگ' دل جوئیوں کے موسموں میں ہی سانسیں لے رہا ہوتا تو تنقیدِ نعت اس مقام پر نہ پہنچ پاتی جس مقام پر آج پہنچ پائی ہے۔

اس باب میں 'نعت رنگ' کے مکتوب نگاروں کی تنقیدِ نعت کے عملی نمونوں کو شعری تنقید کے مختلف معیارات کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ قاری یکسوئی کے ساتھ ان نمونوں کا مطالعہ کر سکتا ہے اور دوسرا یہ کہ ادب کے نو آموز قارئین نعت کی عروضی، لسانی اور فنی جہتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد تنقید نعت کی تفہیم کے مواقع بھی میسر آسکیں گے۔

قدیم دور میں شعر کی پرکھ کے معیار، فکری سے زیادہ فنی رہے ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ فنی ہی رہے ہیں تو کچھ غلط بھی نہ ہوگا اور جہاں تک نعت کا تعلق ہے، اس کے معیارات تو تشکیل ہی نہ پا سکے۔ نہ فکری نہ فنی، نہ لسانی نہ ادبی۔ اگر نعتیہ اشعار کو پرکھا بھی گیا ہے تو دیگر اصناف کے شعری معیارات کی بنیاد پر ہی پرکھا گیا، بطور موضوع تنقیدِ نعت کے معیارات کبھی تشکیل پائے ہی نہیں۔ ان اسباب اور وجوہات پر پچھلے صفحات میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں شاعری کے فنی معائب میں سے معروف معائب کی نشان دہی کی جا رہی ہے تا کہ قارئین فنی معائب سے روشناس ہو سکیں اور اصلاحِ سخن کے باب سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ قدیم عہد میں شاعری پر اس وقت گرفت کی جاتی تھی جب کوئی مصرع بے وزن یا دولخت ہو جاتا، اس میں زبان و بیان کی کوئی غلطی راہ پا گئی ہو، روز مرہ ٹکسال باہر ہو گیا ہو یا خلاف محاورہ زبان کا استعمال کیا گیا ہو، تلفظ کی غلطی واقع ہو گئی ہو یا لفظ غلط معنوں میں استعمال ہو گیا ہو، غیر معیاری زبان استعمال کی گئی ہو یا کوئی خیال غلط بندھ گیا ہو یا شعر کا مفہوم غتربود ہو گیا ہو یا شعر میں بیان و بدیع کی کوئی غلطی داخل ہو گئی ہو غرض یہ کہ شعر میں کسی بھی قسم کا عیب داخل ہونے پر شاعر کا قافیہ تنگ کر دیا جاتا تھا۔ ان میں سے کچھ عیوب ایسے ہیں جن کی عملی مثالیں اس باب میں پیش کی گئی ہیں۔ قدما نے جن عیوب کو خاص

ص،۲۶/۶۲۲)، (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۷/ ۴۹۸)، (ڈاکٹر تحسین فراقی، ص ۲۸/ ۶۴۵) کے طور پر درج کیے گئے ہیں۔ حوالے میں موجود ۲۵، ۲۶، ۲۷، اور ۲۸ نمبر شمارہ نمبر اور ۸۷/، ۶۲۲/، ۴۹۸/، ۶۴۵ نمبر صفحات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جب کہ کوکب نورانی کے خطوط سے حاصل کردہ اقتباسات کے حوالے (کوکب نورانی، ص ۳/ ۵۵) کے طور پر دیے گئے ہیں۔ کتاب کی تیاری آخری مراحل میں تھی کہ اردو کے معروف نقاد شمس الرحمٰن فاروقی کے دو خط موصول ہوئے۔ خطوط میں موجود علمی نکات کی اہمیت کے پیش نظر انھیں بھی اس کتاب میں غیر مطبوعہ کے عنوان سے شاملِ کتاب کرلیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ابرار عبدالسلام
صدر شعبہ اُردو
گورنمنٹ کالج سول لائنز، ملتان
Cell No. 0333-6102985
E-mail:drabrarabdulsalam@gmail.com

حواشی و حوالہ جات

۱۔ 'نعت رنگ' شمارہ ۲۱ ص ۹

۲۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب کا بیان ہے: "کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان نقطوں کا استعمال، نعت اور نعت کے مباحث میں میرے دائرہ، خیال و قلم سے خارج ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جن الفاظ و خیالات کی نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقید مروجہ سے بلند و بالا ہو جاتے ہیں۔" ((۱) نعت نامے بنام صبیح رحمانی، ص ۱۵/۷ (۲) ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت ص ۱۷) ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے بظاہر بڑی عجیب محسوس ہوتی ہے لیکن اس موضوع کی نزاکت اور معاشرتی صورت حال کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پی۔ٹی۔وی کے ایک ادبی پروگرام میں جس میں اردو کے معروف ادیب بھی شریک تھے، صبیح رحمانی نے تنقیدِ نعت کی اصطلاح استعمال کی تو پروڈیوسر کو پروگرام روکنا پڑا اور سراسیمگی کے عالم میں کہنا پڑا کہ یہ پروگرام نعت کا ہے اس میں تنقید کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ (دیکھیے: ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت ص ۱۸)

(۶)

ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب ہمیشہ اپنی گراں قدر آرا اور قیمتی علمی و ادبی تحائف سے میری حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ان کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود انتہائی قلیل وقت میں اس کتاب کے نامکمل مسودے کا مطالعہ کیا اور اس کا جامع پیش لفظ تحریر کیا۔تنقید نعت اور تحقیق نعت کے حوالے سے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔راقم الحروف نے اس کتاب کا مقدمہ لکھتے ہوئے ان کی کتابوں سے بھی رہنمائی حاصل کی ہے۔میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اپنی گراں قدر رائے تحریر فرمائی۔ڈاکٹر سہیل شفیق کی شخصیت ایک ایسے سیاح کی ہے جو تحقیق کے وسیع و عریض صحرا میں محو سیاحت رہتے ہیں۔ان کے علمی کام مجھے ہمیشہ تحریک دیتے رہتے ہیں۔اس کتاب کی تیاری میں بھی ان کی مرتبہ کتاب 'نعت نامے بنام صبیح رحمانی' سے بھرپور مدد ملی ہے۔اگر ان کا کام سامنے نہ ہوتا تو مجھے اس کتاب پر کام کرتے ہوئے دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ڈاکٹر زبیر خالد کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔عروض پر ان کی گہری نظر اور اثابت رائے کا میں ہی نہیں معاصرین بھی قائل ہیں۔اس کتاب کے تیسرے باب 'نعت گوئی: اصلاح سخن کی چند نمایاں صورتیں' کے خاکے کی تشکیل اور ذیلی عنوانات کی تقسیم ان کی تجاویز، مشوروں اور رہنمائی کی ہی مرہون منت ہے۔میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ڈاکٹر اقبال کامران کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے مقدمے کو بغور پڑھا اور مفید مشوروں سے نوازا۔زبیر بھائی ہمیشہ میرے علمی اور تحقیقی کاموں میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔اس بار بھی انھوں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک فون کال پر 'نعت رنگ' کے آٹھ شمارے بھجوا کر میری 'نعت رنگ' کی فائل کو مکمل کر دیا۔خدائے بزرگ و برتر ان کی اور میرے دیگر دوستوں کی عمر، صحت اور رزق میں برکت عطا فرمائے۔

'نعت رنگ' کے انتخاب کردہ ہر اقتباس کے بعد ماخذ کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

'نعت رنگ' کے چوبیس شماروں میں شامل خطوط کا انتخاب ڈاکٹر سہیل شفیق کی مرتبہ 'نعت نامے بنام صبیح رحمانی' سے کیا گیا ہے اور اس میں شامل ہر اقتباس کے حوالے کا اندراج (احمد صغیر صدیقی، ص ۱۴۵) اور 'نعت رنگ' کے پچیس، چھبیس، ستائیس اور اٹھائیسویں شمارے میں شامل خطوط کے حوالے (ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری ص، ۲۵/۷۷۸)، (ریاض حسین چودھری

کے رجحان کو نظر میں رکھ کر اس کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کریں۔ ادب پر لکھنے والے حضرات اور ہمارے قاری اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے، اس تحریک میں شامل ہو کر ادب کی اس اہم روایت کو آگے بڑھانے میں مدد کریں۔'' (فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۳۸)

۹۔ صبیح رحمانی 'نعت رنگ' کے اداریے میں رقم طراز ہیں: ''شاعر کے اسلوب، لفظی کوتاہیوں یا خیالات پر تنقیدی رائے ضرور دیجیے لیکن سنجیدگی، متانت اور استدلال کے ساتھ۔ غلطی تو انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ بس اس بنیادی سچائی کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں کی کوتاہیوں کی نشان دہی کی جائے تاکہ جس کی غلطی یا کوتاہی ہو وہ آپ کا شکریہ ادا کرے۔ یہ بات ہماری ادبی تاریخ کا حصہ ہے لیکن اگر نقاد کا انداز جارحانہ ہے یا اس کی تحریر میں تضحیک کا رنگ ہے تو دل بھی خراب ہوں گے اور تنقید بھی مجروح ہوگی۔'' (فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۴۲)

۱۰۔ صابر داؤد کا بیان ہے: 'نعت رنگ' میں نعت کے ادبی پہلوؤں پر جس تواتر سے ادبی مباحث شائع ہوئے ہیں اس نے ہمارے قارئین میں اس صنف کے متعلق جاننے اور پڑھنے کی خواہش بیدار کر دی ہے اور یہی نہیں بلکہ اس حوالے سے ہمارے لکھنے پڑھنے والوں میں ایک مکالمے کی فضا پیدا ہوگئی ہے۔ 'نعت رنگ' نے نعتیہ ادب کو جس طرح اُردو دنیا میں موضوعِ گفتگو بنایا ہے اس کا اعتراف تو بڑے پیمانے پر ہو چکا ہے لیکن جس مکالمے کی طرف ہم نے نشان دہی کی ہے وہ 'نعت رنگ' کے گوشۂ خطوط میں سامنے آیا ہے۔ اُردو کے اہم لکھنے والے ان علمی و ادبی مباحث میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔

(نعت اور آدابِ نعت، ص ۶)

۱۱۔ غالب کے خطوط جلد اول مرتبہ خلیق انجم ص ۱۵۳۔ میر مہدی مجروح نے غالب کو خط کے مختصر ہونے کی شکایت لکھی تو غالب نے جواب میں لکھا ''یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔'' مرزا حاتم علی بیگ مہر نے ایک خط میں انھی روشوں سے کام لیا تو غالب ناراض ہوئے انھیں لکھتے ہیں: ''اگر تم مناسب جانو، تو ایک بات میری مانو، رقعات عالمگیری یا انشائے خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو۔ جو عبارت اس میں سے پسند آیا کرے، وہ خط میں لکھ دیا کرو۔ خط مفت میں تمام ہو جایا کرے گا اور تمھارے خط کے آنے کا نام ہو جایا کرے گا۔'' (ایضاً ص ۱۵۴) غالب نے اس انداز کو بھاٹوں کی زبان کہا ہے۔ مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں۔ ''وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔'' (ایضاً ص ۲۳۶) غالب نے خطوط کی بنیاد مطلب نویسی پر رکھی۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنا یا عبارت آرائی کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔ قاضی عبدالجمیل جنون کو خط میں لکھتے ہیں۔ ''میں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں۔'' (ایضاً ص ۱۵۱)

۱۲۔ دیکھیے: (۱) اودھ اخبار کی ادبی قدر و قیمت، پروفیسر حنیف نقوی، مشمولہ نول کشور اور ان کا عہد، مرتبین، قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی و ڈاکٹر وہاج الدین علوی، شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، اول، مئی ۲۰۰۴ء ص

۳۔ مدیر نعت رنگ کا بیان ہے: ''جہاں تک نعتیہ ادب کی بات ہے تو اس کی صورت حال اس لحاظ سے اور بھی ابتر ہے اسے کسی بھی عہد میں باقاعدہ تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نتیجتاً ارباب نقد و نظر نے اسے 'شعر عقیدت' کا نام دے کر عام ادبی فضا سے دور کر دیا ہے اور یہ تکلیف دہ صورتِ حال کسی حد تک اب بھی برقرار ہے۔'' فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۴۳۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن)، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، مارچ ۲۰۱۳ء ص ۳۲۲، ۳۲۶

۴۔ نعت میں احترام رسالت کے تقاضے، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، بحوالہ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن) نعت ریسرچ سینٹر کراچی، مارچ ۲۰۱۳ء۔

۵۔ عزیز احسن لکھتے ہیں: نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت کو اجاگر کرنے میں سب سے اہم اور نمایاں کردار کتابی سلسلے 'نعت رنگ' کا رہا ہے۔ لیکن بعض دوسرے رسائل میں بھی جزوی طور پر کچھ تنقیدی نکات پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ نعت رنگ میں تنقیدی نوعیت کی تحریریں اس کثرت اور تواتر سے شائع ہوئیں کہ اہلِ علم نے نعتیہ ادب میں 'تنقید' کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ (اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن) نعت ریسرچ سینٹر کراچی، مارچ ۲۰۱۳ء ص ۴۵۳)

۶۔ اس حوالے سے مدیر 'نعت رنگ' ایک اداریے میں رقم طراز ہیں: ''میں نے جب یہ سفر شروع کیا تو دو چار ساتھی ہی ساتھ تھے مگر الحمدللہ اب یہ قافلہ خاصا وسیع ہے جس میں لکھنے والے اور پڑھنے والے بھی شامل ہیں۔ پاکستان کے علاوہ بھارت، عرب امارات، سعودی عرب، یورپ کے ممالک اور امریکا میں بھی وابستگان اردو 'نعت رنگ' کا انتظار کرتے ہیں۔'' (فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۴۰)

۷۔ اس حوالے سے صابر سنبھلی کا بیان ملاحظہ فرمایئے: ''نعت رنگ' کے بارے میں پہلے کچھ سن چکا تھا۔ یہ پہلا شمارہ ہے جس کا دیدار ہوا۔ اس عنایت کے لیے آپ کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔ اگر چہ مضامین اور مکاتیب میں اختلافات کو بہت جگہ ملی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہتر تھا، بلکہ جیسا کہ پہلے سن چکا تھا ''نعت رنگ'' میں شروع سے ہی اہل قلم حضرات [کے] اختلافات نمایاں نظر آتے ہیں۔ جبکہ دیگر ادبی جریدوں میں اختلافات اتنے زیادہ نہیں ہوتے۔ (نعت نامے بنام صبیح رحمانی ص ۵۵۴)

۸۔ صبیح رحمانی 'نعت رنگ' کے ایک اداریے میں لکھتے ہیں: ''تحسین، تعبیر اور تفہیم شعر خالصتاً ذوقی معاملہ ہے، اس لیے شعری پسندیدگی کے زاویے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن شریعت کے معیارات کی پاسداری ہر حال میں ضروری ہے۔ زبان بھی کچھ قواعد کی پابند ہوتی ہے۔۔۔ اس ضمن میں اتفاق یا اختلاف دونوں قسم کی آراء ہمارے لیے قابل احترام ہوں گی۔'' (صفن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۳۵)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے نقاد ہمارے اس گراں مایہ نعتیہ سرمائے کو انتقاد کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے معنوی اور فنی پہلوؤں کو دیکھیں اور اس میں ہیئت کے تجربوں اور تازہ کاری

اگست ۱۹۶۳ء، ص ۶۵۔۶۲؛ ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ۲۷۔۲۶؛ نومبر ۱۹۶۳ء، ص ۵۷۔۵۳؛ دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۷۰۔
۲۰۔ یہ چند سالوں کے شماروں میں شائع ہونے والے استفسارات کی مثالیں ہیں۔ 'نگار' کے تمام شماروں میں موجود خطوط کا مطالعہ مفید اہمیت کا حامل ہوگا۔

۲۱۔ دیکھیے: مکتوباتِ مشاہیر، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۹ء)

۲۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ۸/مئی ۱۹۶۹ء؛ یکم اگست ۱۹۶۷ء، ص ۹؛ ۸/اگست ۱۹۶۹ء، ص ۱۰؛ یکم نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۹؛ ۱۵/نومبر، ۱۹۷۰ء؛ ص ۵؛ ۲۲/دسمبر ۱۹۷۰ء، ص ۵؛ یکم ستمبر ۱۹۷۰ء، ص ۲۲، ۲۲/ستمبر ۱۹۷۰ء ص ۶؛ یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص؛ ۸/اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۷؛ ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۹۔۷؛ ۲۲/اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۹۔ ۷؛ ۱۵/نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۷۔۵؛ ۱۵/مارچ ۱۹۷۱ء، ص ۹۔۷؛ ۲۲/نومبر ۱۹۷۱ء، ص ۶؛ ۲۲/مارچ ۱۹۷۱ء، ص ۷؛ ۸/اپریل ۱۹۷۱ء، ص ۷؛ ۱۵/جولائی ۱۹۷۱ء، ص ۷؛ ۸/مئی ۱۹۷۱ء، ص ۷؛ یکم فروری ۱۹۷۱ء، ص ۶۔۵؛ ۸/فروری ۱۹۷۲ء، ص ۷،

۲۳۔ اس حوالے سے شان الحق حقی صاحب کا بیان ہے: ۔۔۔'تاکہ اپنے کام کی بابت اہل الرائے سے استصواب بھی کیا جاسکے۔' اشاریہ اردونامہ، مرتبہ مصباح العثمان، اردو ڈکشنری بورڈ کراچی، ۱۹۹۷ء ص ۸)

۲۴۔ دیکھیے: اشاریہ اردونامہ، مرتبہ مصباح العثمان، اردو ڈکشنری بورڈ کراچی، ۱۹۹۷ء

۲۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: پاکستان میں نعتیہ صحافت۔ ایک جائزہ از شہزاد احمد، مشمولہ نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء ص ۲۱۴۔۱۰۳

۲۶۔ 'نعت رنگ' ابتدائیہ، شمارہ نمبر ۷ انومبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۴۱۔۱۴۰

۲۔ اس حوالے سے مدیر نعت رنگ کا بیان ہے: ''نعت رنگ' کے اجرا کے وقت ہم نے جن خواہشات کا اظہار کیا تھا وہ کافی حد تک پوری ہورہی ہیں، تنقیدی جمود خاصی حد تک ٹوٹ چکا ہے اور نعتیہ ادب پر بے لاگ تبصروں اور تنقیدی مباحث کی ایک ایسی فضا بن چکی ہے جس نے اہلِ علم کو نعت کے ادبی پہلوؤں کی جانب نہ صرف متوجہ کردیا ہے بلکہ وہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے اور لکھنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ 'نعت رنگ' میں لکھنے والے ناموں میں اہلِ علم کا مسلسل اضافہ اور موضوعات کا تنوع ہمارے اس دعوے کی دلیل کے طور پر سامنے ہیں۔'' (فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۵۶)

صبیح رحمانی ایک اور اداریے میں لکھتے ہیں:

''میں نعت پر کام کرنے والوں کو بھی جغرافیائی حدوں میں بانٹ کر یا علاقائی سطح پر تقسیم کرکے نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس قماش کی کسی تقسیم کو درست سمجھتا ہوں۔ میرے لیے نعت کا کوئی خدمت گزار چاہے وہ کسی خطے اور کسی ملک کا رہنے والا ہو۔ چاہے اس نے نعت کے موضوع پر ستر صفحات کی کتاب لکھی ہو یا ہزار صفحات کا مقالہ لکھا ہو، چاہے اس کے چوبیس مجموعے شائع ہوئے ہوں یا اس نے چند نعتیں کہی ہوں یکساں احترام کے لائق سمجھتا ہوں۔ کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ کس کا عریضہ یا کس کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

۸۵۔۸۶ (۲) دہلی اردو اخبار ۱۸۴۱ء مرتبہ پروفیسر ارتضیٰ کریم، شعبہء اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۲۰۱۰ء
ص ۱۵۸، ۱۷۷، ۱۸۴، ۲۳۶، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۵، ۳۰۰، ۳۴۴)

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: تہذیب الاخلاق ۲ محرم سنہ ۱۲۸۹، جلد سوم نمبر ۳، تہذیب الاخلاق، یکم ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ جلد سوم نمبر ۷، تہذیب الاخلاق، ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ، جلد سوم نمبر ۸، تہذیب الاخلاق، یکم رجب ۱۲۸۹ھ جلد سوم نمبر ۱۳، تہذیب الاخلاق، ۲۹ شعبان ۱۲۸۹ھ، جلد سوم نمبر ۱۵، تہذیب الاخلاق، یکم ذی قعدہ ۱۲۸۹ھ، جلد سوم نمبر ۱۹)

۱۴۔ دیکھیے: ۴ جنوری ۱۸۹۵ء و ۱۱ جنوری ۱۸۹۵ء کے پرچے بحوالہ مکتوبات اردو کا ادبی وتاریخی ارتقا، خواجہ احمد فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، ۲۰۰۳ء ص ۵۳۰)

۱۵۔ دیکھیے: نورالآفاق، جلد ۱ نمبر ۷ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۸۷۳ء، و نمبر ۹ جلد وجلد ۲ نمبر ۵ بحوالہ مکتوبات اردو کا ادبی و تاریخی ارتقا، خواجہ احمد فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، ۲۰۳ء ص ۵۳۰)

۱۶۔ دیکھیے: اردو صحافت انیسویں صدی میں، ڈاکٹر طاہر مسعود، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، اول ۲۰۰۲ء۔ ص ۶۰۳، ۶۷۴، ۷۱۰)

۱۷۔ دیکھیے: مباحثہ گلزار نسیم یعنی معرکہ چکبست وشرر مؤلفہ میرزا محمد شفیع شیرازی ثم لکھنوی، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، باردوم ۱۹۴۲ء)

اودھ پنچ مطبوعہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء تا ۶ نومبر ۱۹۰۵ء، بحوالہ مکتوبات اردو کا ادبی وتاریخی ارتقا، خواجہ احمد فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، ۲۰۳ء ص ۵۳۴)

۱۸۔ دیکھیے: معارف، جولائی ۱۹۵۳ء، اگست، ۱۹۵۳ء، ستمبر ۱۹۵۳ء، اکتوبر ۱۹۵۳ء نومبر ۱۹۵۳ء، دسمبر ۱۹۵۳ء، ستمبر ۱۹۵۴ء وغیرہ۔ اسی طرح 'معارف' کی کئی اقساط میں سید سلیمان ندوی کے نام مشاہیر علما وادبا مثلاً حبیب الرحمٰن شروانی، ابوالکلام آزاد، اور علامہ اقبال کے خطوط بھی شائع ہوئے۔ مزید خطوط کے لیے دیکھیے: معارف نومبر ۱۹۷۹ء، ستمبر ۱۹۷۹ء، جنوری ۱۹۸۰ء)

۱۹۔ دیکھیے: وفیات معارف مرتبہ ڈاکٹر سہیل شفیق، قرطاس، کراچی، ۲۰۱۳ء

۲۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نگار، لکھنؤ، مئی ۱۹۴۳ء، ص ۳۲۔۳۰؛ ستمبر ۱۹۴۶ء ص ۵۳۔۴۹؛ مارچ ۱۹۴۷ء ص ۴۷۔۴۵؛ اپریل ۱۹۵۰ء، ص ۶۲۔۶۰؛ مئی ۱۹۵۰ء، ص ۵۶۔۴۹؛ جون ۱۹۵۰ء، ص ۵۶۔۴۸؛ نومبر ۱۹۵۰ء، ص ۵۳۔۵۲؛ مارچ ۱۹۵۱ء ص ۴۹۔۴۴؛ اپریل ۱۹۵۱ء، ص ۳۷۔۳۵؛ مئی ۱۹۵۱ء، ۳۷۔۳۶؛ جون ۱۹۵۱ء، ص ۴۰؛ اگست ۱۹۵۱ء، ص ۳۷۔۲۸؛ ستمبر ۱۹۵۱ء، ص ۴۱۔۳۸؛ اکتوبر ۱۹۵۱ء، ص ۳۵۔۳۱؛ نومبر ۱۹۵۱ء، ص ۴۳۔۴۱؛ دسمبر ۱۹۵۱ء، ص ۴۳۔۴۱؛ مارچ ۱۹۵۲ء؛ اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص ۵۰۔۴۸؛ مارچ ۱۹۵۴ء، ص ۴۸۔۴۷؛ دسمبر ۱۹۵۶ء، ص ۵۳۔۵۰؛ اگست ۱۹۵۹ء، ص ۴۷۔۴۳؛ نومبر ۱۹۵۹ء، ص ۴۱۔۳۵؛ اپریل ۱۹۶۰ء، ص ۴۰۔۳۹؛ نومبر ۱۹۶۰ء، ص ۴۰۔۳۵؛ اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص ۴۴۔۴۴؛

کی۔ امونیا گیس اس وقت تک وجود میں نہیں آ سکتی جب تک اس کے اندر لوہے (آئرن) کو عمل انگیز (Catalyst) کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ امونیا گیس (NH_3) بنانے کے لیے نائٹروجن (N_2) اور ہائیڈروجن (H_2) کا ملاپ کروایا جاتا ہے جس میں آئرن، عمل انگیز (Catalyst) کے طور پر حصہ لیتا ہے۔ اس عمل میں آئرن (Fe) عملی طور پر تو ذرا بھی استعمال میں نہیں آتا لیکن امونیا بننے میں اس کی موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح صبیح رحمانی کی شخصیت بھی 'نعت رنگ' کے مباحث میں پلاٹینم کا کردار ادا کرتی رہی۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے عمل انگیزی کی مثال سلفیورس ایسڈ کی دی ہے۔ ان کا بیان ہے: آکسیجن اور سلفر ڈائی آکسائیڈ کا ملاپ پلاٹینم کی موجودگی ہی میں کارآمد ہو کر سلفیورس ایسڈ کی تخلیق کا باعث بنتا ہے یعنی پلاٹینم کی موجودگی بظاہر بے حرکت، غیر جانبدار اور غیر مبدل رہتی ہے لیکن اصل محرک پلاٹینم ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر دونوں گیسوں کا ملاپ کسی مثبت عمل کو پیدا نہیں کر سکتا (دیکھیے: ارسطو سے ایلیٹ تک، ڈاکٹر جمیل جالبی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع ہفتم، ۲۰۱۳ء، ص ۴۹۴)

۳۷۔ ارشد جمال نقشبندی مرتب 'نعت اور آدابِ نعت' لکھتے ہیں: ''رطب و یابس اور غیر محتاط رویوں'' کے الفاظ ہی دوسروں کو بھڑکا سکتے تھے اور صبیح رحمانی دوسروں کے اعتراض کا ہدف ہو سکتے تھے،۔۔۔ بحیثیت مدیر انھوں نے کسی طرح جانب دارانہ رویہ نہیں اپنایا بلکہ 'نعت رنگ' میں مختلف مکاتبِ فکر سے وابستہ اہلِ قلم کی نگارشات شائع ہوئیں اور تحریروں کو من و عن شامل کیا گیا، یوں کسی کو ان کی نیت پر کوئی شک نہیں ہُوا ۔۔۔ 'نعت رنگ' کی علمی و ادبی وقعت تسلیم کی جانے لگی، نعت کے موضوع سے 'نعت رنگ' کا ذکر کچھ ایسا وابستہ ہو گیا کہ اب فروغِ نعت یا نعت کے ارتقاء کا کوئی جائزہ 'نعت رنگ' کے ذکر کے بغیر نامکمل ہوگا، یا یوں کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اس ضمن میں 'نعت رنگ' کا ذکر لازمی ہو گیا۔ نعت رنگ اب ایک کتابی سلسلہ ہی نہیں رہا بلکہ نعت کے حوالے سے ایک ادبی تحریک بن گیا ہے۔ (ص ۱۳)

۳۸۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب کا بیان بھی اسی خیال کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اس حوالے سے سعید بدر کا بیان ملاحظہ فرمایئے: ''نعت رنگ کے زیرِ نظر شمارے میں ایک بات خاص طور پر محسوس ہوئی کہ اس کے ۵۶۰ صفحات میں سے ۵۳۴ سے ۵۴۶ تک صرف ۱۲ صفحات میں ۱۰ نعتیں شامل ہیں، باقی سب کچھ تنقید ہی تنقید ہے گویا مختلف احباب اور قابلِ قدر اصحاب نے ''نعت'' پر محض تنقید فرمانے کا ہی فریضہ ادا کیا ہے خوبیوں کے ساتھ زیادہ تر خامیوں اور کمزوریوں کو اجاگر کیا ہے۔ تنقید نگار کا مزاج ہمیشہ خامیوں کی تلاش کرنا ہی ہوتا ہے وہ اگر ''حسن و قبح'' کی تلاش کے اس دلچسپ شغل میں نعت نگار کی تعریف یا تحسین کے چند جملے لکھتا ہے تو وہ درحقیقت ''بزور وزن بیت'' کے عامل ہوتے ہیں یا پھر ان چند جملوں سے اس کا مقصد خود خود کو ''غیر جانبدار'' ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسے تنقید نگار ابھی موجود ہیں جنھوں نے غالب و اقبال اور ظفر علی خاں پر بھی نشتر زنی سے گریز نہیں کیا۔ یہ کہنے سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ان ''بزرگوں'' سے غلطیاں نہیں ہوئیں یا ان کے اشعار میں کہیں سقم موجود نہیں یا پھر وہ ''معصوم عن

بارگاہ میں کتنا مقبول ہے؟ میں سب کی خدمات اور کام کو نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں بلکہ اس کے اعتراف اور وسیع تر پھیلاؤ میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتا، 'نعت رنگ' کے شمارے اس بات کے گواہ ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۳۸)

۲۸۔ دیکھیے: فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ڈاکٹر افضال احمد انور ص ۱۳۵

۲۹۔ اس حوالے سے مدیر 'نعت رنگ' ایک اداریے میں رقم طراز ہیں: 'نعت رنگ کے خدمت گزاروں، لکھنے والوں اور قارئین نے اب تک جو کچھ بھی پیش کیا ہے، نیک نیتی سے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ 'نعت رنگ' کے منتظر رہتے ہیں اور اس کی قبولیت کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔'' ص ۶۵۔۶۶

۳۰۔ 'نعت رنگ' کے معاصر نعتیہ رسائل میں بھی تعارفی، تقریظی اور کسی حد تک تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں لیکن ان تمام رسائل میں نہ تو 'نعت رنگ' میں شامل مقالات کی طرح کثیر تعداد میں مقالات شائع ہوتے رہے اور نہ ان کا معیار 'نعت رنگ' کے معیار کی سطح کا رہا۔ اگر چہ 'نعت رنگ' کو یہ مقام حاصل کرنے کے لیے کافی تگ و دو کرنا پڑی لیکن 'نعت رنگ' کے معاصر اور ما قبل نعتیہ رسائل کے ایک درجن سے زائد رسائل کی اشاعت کے بعد بھی وہ معیار نظر نہیں آتا جو 'نعت رنگ' کے حصے میں آیا۔ اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 'نعت رنگ' کے لیے لکھنے والے مقالہ نگاروں میں سے کئی وہ مقالہ نگار بھی ہیں جو 'نعت رنگ' سے پہلے دوسرے نعتیہ رسائل میں لکھ رہے تھے کیا 'نعت رنگ' میں شامل ہو کر ان کے مقالات کے معیار میں فرق آیا؟ اس کا جواب اثبات میں دیا جاسکتا ہے۔ مدیر نعت رنگ نے آغاز ہی سے مقالات کے تنقیدی اور تحقیقی معیار پر زور دیا اور زیادہ تر انھیں مقالات کو 'نعت رنگ' کا حصہ بنایا جاتا رہا جو تنقید اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی احاطہ تحریر میں آئے۔ ویسے بھی مقالہ نگار کو مدیر اور رسائل اور جرائد کی پالیسیوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو میں نعتیہ صحافت۔ ایک جائزہ از ڈاکٹر شہزاد احمد، رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۶ء۔

۳۱۔ فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۱۵۲۔۱۵۱

۳۲۔ فن اداریہ اور نعت رنگ ص ۷۷

۳۳۔ 'نعت رنگ' کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں چند صفحات ہی تخلیق نعت کے حصے میں آئے تھے باقی تین سو سے زائد صفحات تحقیق اور تنقید کی نظری و عملی مثالوں (مقالات و مضامین) کے لیے مختص کیے گئے تھے، جو اس بات کا اعلان تھا کہ 'نعت رنگ' تخلیق نعت سے زیادہ تحقیق و تنقید نعت کو اہمیت دے گا کیونکہ اسی کے ذریعے معیاری تخلیق نعت کے لیے سازگار ماحول تشکیل پائے گا۔

۳۴۔ فن اداریہ و نعت رنگ ص ۹۶

۳۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سرسید احمد خان ایک سیاسی مطالعہ، عتیق صدیقی ص ۱۵۶۔۱۴۸

۳۶۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک سائنسدان ہابر نے ہائیڈروجن اور نائٹروجن کو ملا کر امونیا گیس ایجاد

ہو جاتا ہے، ویسے بھی میں سمجھتا ہوں کہ نعت کو اپنوں اور غیروں کے درمیان وصل کا وسیلہ ہونا چاہئے۔ فصل کا نہیں۔ بالکل اُسی طرح، جس طرح ماضی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی خاطر 'احرار' کی سٹیج پر ہر مکتب فکر، اختلافات کے باوجود یک زبان اور یک سو ہو گیا تھا۔'' (نعت نامے ص ۱۹۳)

۴۰۔ اس حوالے سے ڈاکٹر یحییٰ نشیط کا مؤقف ملاحظہ فرمایئے: ''نعت کے تقدس اور تقدیسی ادب کے تقاضوں کا لحاظ اور نعت کے فنی لوازمات کا خیال رکھتے ہوئے نعتیہ شعر و ادب کو میزانِ نقد پر تولنا، شستہ و شائستہ تنقید کی عمدہ مثال ہے۔ نقدِ نعت کی بدترین مثال اسے مغربی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش ہے۔ نعت نہ صرف یہ کہ مشرقی ادب کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ خالصتاً ادب اسلامی کی ایک صنف کی حیثیت سے اپنا وجود منوا لیتی ہے۔ اس لیے اس پر نقد و جرح کے لیے فکر نقد کا اسلامی ہونا ضروری ہے ورنہ تنقید نعت کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔'' (رشید وارثی اور نعتیہ نعت از ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، مشمولہ 'اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ مصنفہ رشید وارثی، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۰ء ص ۷)

۴۱۔ اقبال شناسی، ڈاکٹر منظور احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۱۳ء ص ۲۵۔

۴۲۔ دیکھیے: حوالہ نمبر ۳۵

۴۳۔ ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت ص ۱۶۔

۴۴۔ 'ہمیں فنِ شاعری اور صنائع بدائع کے بارے میں مشرقی علوم اور مغربی زاویہ نگاہ کو بھی برتنے کی ضرورت ہے۔ صنائع بدائع کا خلاقانہ استعمال نعت میں کہاں کہاں کیا گیا ہے اس کی نشان دہی کا فرض ابھی ہمارے ناقدین پر قرض ہے۔ محض یہ کہہ دینے سے کیا خوب تشبیہ ہے۔ بات نہیں بنتی۔ (فن ادار یہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۱۵۶)

۴۵۔ نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی، مہر منیر اکیڈمی، کراچی، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۴۷۔۴۷۵

۴۶۔ سرسید 'تہذیب الاخلاق' میں لکھتے ہیں: ''پرانے دل بعضے تو ہم کو برا کہتے کہتے ٹھنڈے ہو گئے اور بعضے مہربان اور نئے دل اب جوش پر ہیں اور ہم برا کہنے پر تیز۔۔۔ ہم کو ملحد اور زندیق اور لامذہب نیچرلسٹ اور دہریہ کہتے ہیں۔'' 'تہذیب الاخلاق' کے ایک اور شمارے میں لکھتے ہیں: ''ہم کو ملحد، زندیق اور لامذہب کہنا کچھ تعجب نہیں۔۔۔ مگر طرفہ یہ ہے کہ ہم کو کرستان بھی کہتے ہیں۔ ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم عیسائی ہو گئے اور ایک گرجا میں بپتسمہ یعنی اصطباغ لیا۔۔۔ اس شخص کو یہ بھی غیرت نہ ہوئی کہ میں ایک مسلمان شخص کی نسبت کس دل اور غیرت سے ایسی جھوٹی خبر چھاپ دوں۔'' (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سرسید احمد خان ایک سیاسی مطالعہ، عتیق صدیقی، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، لاہور، جولائی ۲۰۱۴ء ص ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۳۸، ۱۳۵۔)

۴۷۔ دیکھیے: حاشیہ نمبر ۵

الخطاء'' تھے یا ہیں۔ایسا ہرگز نہیں لیکنفارسی اور اردو زبانوں میں ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ 'خطائے بزرگاں گرفتن خطا است' یعنی بڑوں اور بزرگوں کی غلطیوں یا کمزوریوں کو الم نشرح کرنا بھی خطا کے زمرے میں آتا ہے لیکن مغربی افکار سے مسحور و مرعوب ہو کر ہم لوگ اپنے اجداد اور اسلاف کے تابناک اور خوبصورت چہروں پر بھی دھبے لگانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔محترم المقام صبیح رحمانی! آپ نے جب نعت پر 'تنقید' کا سلسلہ شروع کیا تھا تو راقم نے اس وقت بھی اُن سے اسی ''خدشے'' کا اظہار کیا تھا لیکن آپ اپنی دُھن کے پکے ہیں۔آپ نے اس کام کو آغاز کر کے ہی دم لیا گیا۔''تنقید نگار'' حضرات کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ نعت نگاروں پر ہر پہلو اور ہر گوشے سے حملے کریں اور بالخصوص اگر کوئی نعت نگار پسند نہ ہو تو اس کی شامت ہی آجاتی ہے۔چاہیے تو یہ کہ یہ حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ اس صنف کو فروغ حاصل ہو۔(نعت رنگ شمارہ ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۹۱۳۔۹۱۲) اقتباس ذرا طویل ہے لیکن صورت حال کو سمجھنے کے لیے مفید ہے اس لیے اس خط کا کثیر حصہ نقل کرنا پڑا ہے۔ اس اقتباس کا لب ولہجہ ملاحظہ فرمائیے۔اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے تو ہزاروں سالوں کا ارتقا اور علوم وفنون کی ترقی سب وقت کا ضیاع محسوس ہوتی ہے۔موصوف تنقید کو تنقیص کے معنوں میں لے رہے ہیں۔انھیں معلوم ہی نہیں کہ تنقید کو اسلام نے کبھی ناپسند نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو نہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشاورت کو پسند کرتے اور نہ مسجد نبوی میں خطبے کے دوران کسی کو یہ سوال کی جرات ہوتی کہ مال غنیمت سے ہر ایک کو ایک ایک چادر حصے میں آئی ہے اور ایک ہی چادر تمھارے حصے میں آئی۔پھر یہ لباس جو ایک چادر سے نہیں بن سکتا آپ نے کیسے زیب تن کیا ہوا ہے اور خلیفہ وقت نے اس سوال کا برا بھی نہیں مانا تھا اور اسی وقت اس چادر کا حساب بھی دینے میں کسی قسم کی عار محسوس کی تھی۔

۳۹۔ اس حوالے سے پروفیسر محمد اقبال کا بیان ملاحظہ فرمائیے: ''میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس نوع کی بحثوں کو کچھ عرصے کے لیے اٹھا رکھنا چاہیے۔کیونکہ آج ہر مسلک ایک ''مستقل دین'' بن چکا ہے۔امتِ مسلمہ پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ساری دنیا ہماری حالت پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا۔وطن عزیز کے حالات اس نوع کی بحث وتمحیص کے قطعاً متحمل نہیں ہیں''

لہو پوشاک بندوں کو ملی ہے
مساجد خوں میں تر کردی گئی ہیں
جواں لاشے اٹھائے جا رہے ہیں
کہ عمریں مختصر کردی گئی ہیں

(نعت نامے ص ۱۹۲) اسی خط میں آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: ''مدیر ''نعت رنگ''۔۔۔کا یہ ادارتی فرض ہے کہ وہ موجودہ حالات میں نزاعی امور کا دروازہ نہ کھولیں اور انہیں اشاعت سے قبل حذف کر دیں کہ نہ ''نعت رنگ'' کا یہ مسلک ہے نہ مشن۔یوں بات دور تک نکل جاتی ہے اور اسے سنبھالنا اور سمیٹنا مشکل

ص ۲۰۳-۲۰۲)

۵۶۔ نعت رنگ ۲۶، ص ۱۳۔ مدیر نعت رنگ ایک اور اداریے میں تحریر کرتے ہیں: اُردو تنقید کے معتبر ناموں کا اس کارواں میں شامل ہونا یقیناً ''نعت رنگ'' کے سفر کو اعتبار عطا کر رہا ہے۔ نعتیہ ادب میں تازہ مکالمے اور نئے بیانیے کی روشنی طلوع ہو رہی ہے۔ یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری محسوس ہو رہا ہے۔ کوئی لکھنے والا ہو یا پڑھنے والا، ہر شخص کا ہر دوسرے شخص سے مکمل اتفاق ضروری نہیں ہے۔ مکمل یا جزوی اختلاف کسی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف کوئی بری چیز بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے، ادب، فکر اور تنقید کے لیے تو یہ بڑی بابرکت شے ہے۔ اس لیے کہ اس سے خیال کے نئے در وا ہوتے اور فکر و نظر کے نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ تاہم یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اختلاف کو فکری و نظری سطح پر رہنا چاہیے۔ اسے ذاتی یا شخصی ہرگز نہیں بننا چاہیے اور نہ ہی اسے مخالفت کی سطح پر آنا چاہیے۔ نیا ہو یا پرانا، چھوٹا ہو یا بڑا، ہر لکھنے والے کی اپنی ایک حیثیت اور اہمیت ہے۔ البتہ پرانے اور بڑے لکھنے والوں کے لیے ہمارے رویے میں زیادہ سنجیدگی، متانت اور لحاظ نظر آنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم اپنے بڑوں کی عزت و وقار کا خیال رکھتے ہوئے نظر آئیں گے تو یہ دراصل بعد والوں کی تربیت کا ذریعہ بھی ہوگا۔ ''نعت رنگ'' نے اختلافات کو ہمیشہ خوش آمدید کہا ہے۔ اس شمارے میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ تاہم آئندہ بے احتیاطی یا بے ادبی کو محسوس کرتے ہوئے ادارہ کسی بھی مضمون کی اشاعت سے انکار کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

۵۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: خوش معرکہ زیبا، سعادت خان ناصر، مرتبہ مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب لاہور، اول اپریل ۱۹۷۰ء، دوم مارچ ۱۹۷۲ء۔

۵۸۔ آبِ حیات، محمد حسین آزاد، مرتبہ ابرار عبدالسلام، شعبۂ اردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، مارچ ۲۰۰۶ء، حاشیہ ص ۱۷۵

۵۹۔ ایضاً ص ۱۷۶

۶۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (i) نقوش ادبی معرکے نمبر حصہ اول و دوم، شمارہ ۱۲۷-۱۲۶، ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۸۱ء (ii) الزبیر ادبی معرکے، سہ ماہی الزبیر، مدیر مسعود حسن شہاب، اردو اکیڈمی، بہاولپور، ۱۹۷۴ء (iii) اردو کے ابتدائی ادبی معرکے، ڈاکٹر محمد یعقوب عامر، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، مارچ ۱۹۹۲ء (iv) اردو کے ادبی معرکے حصہ دوم، ڈاکٹر محمد یعقوب عامر، بستان ادب لاہور، ۱۹۹۱ء)

۶۱۔ آب حیات، محمد حسین آزاد، مرتبہ ابرار عبدالسلام، ص ۲۱۲

۶۲۔ کوکب نورانی نے طویل طویل خطوط تحریر کیے۔ ان میں سب سے طویل خط سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے تمام خطوط شائع ہو چکے ہیں۔ دیکھیے: نعت اور آداب نعت، کوکب نورانی، مرتبہ ارشد جمال، ناشر مصنف، دسمبر ۲۰۰۴ء

۶۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، ص ۱۵۸-۱۵۴

۴۸۔ قارئین کو مکاتیب کی اہمیت سے آگاہ کرنے کی خاطر ایک مرتبہ مدیر 'نعت رنگ' نے مقالہ نگار سے مجلّے کے لیے موصول شدہ مقالے کو بھی خط کی شکل دینے کی درخواست کرنا پڑی۔)

۴۹۔ ''جہاں تک نعتیہ ادب کی بات ہے تو اس کی صورت حال اس لحاظ سے اور بھی ابتر ہے اسے کسی بھی عہد میں با قاعدہ تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نتیجتاً اربابِ نقد و نظر نے اسے 'شعرِ عقیدت' کا نام دے کر عام ادبی فضا سے دور کر دیا ہے اور یہ تکلیف دہ صورتِ حال کسی حد تک اب بھی برقرار ہے۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والی تنقیدی گفتگو سے اہل فکر و نظر نے اس اہم صنفِ سخن اور اس کے فکری و فنی پہلوؤں کی طرف سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا ہے اور یہی ہماری کامیابی کی پہلی منزل ہے۔ 'نعت رنگ' کے جو ادبی اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ اب وہ دن دور نہیں جب نعت اپنے پورے تقدس اور پوری ادبی شان کے ساتھ دیگر اصنافِ سخن کے ہجوم میں نمایاں نظر آئے گی۔'' فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۴۳

۵۰۔ ایضاً، ص ۴۴

۵۱۔ نعت رنگ ۲۶، ص ۱۱۔

۵۲۔ اس حوالے سے مدیر 'نعت رنگ' کا بیان ہے: ''نعت کے مسائل اور بہت سے پہلو خطوط کا موضوع بن سکتے ہیں اور ہماری تمنا ہے کہ آپ کے خطوط 'نعت رنگ' کی توصیف تک محدود نہ رہیں بلکہ بزمِ فکر و نظر بن جائیں۔ کئی احباب نے اپنے خطوط میں ان مضامین کی اشاعت پر تعجب کا اظہار کیا ہے جن کے مندرجات سے انھیں اتفاق نہیں۔ ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ مقالہ نگاروں سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں علاوہ ازیں اگر علم و ادب اور فنون کی دنیا میں یہ اختلافات نہ ہوتے تو فکر و نظر کے بہت سے گوشے اپنے امکانات کے ساتھ ہمارے سامنے نہ آپاتے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ فکری اختلاف شخصی مخالفت نہ بننے پائے اور اختلاف کرتے ہوئے لہجے کی متانت اور اسلوب کی شرافت برقرار رہے۔'' (فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ص ۸۴)

۵۳۔ دیکھیے: نعت رنگ، شمارہ نمبر ۲۷، ص ۱۱۔

۵۴۔ دیکھیے: نعت رنگ ۲۶، ص ۱۴۔۱۳۔

۵۵۔ 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے ایک مکتوب نگار کا بیان ملاحظہ فرمائیے: ''ایک دوست کے احساس دلانے پر ''نعت رنگ'' کے حالیہ شمارے (۱۶) میں شائع ہونے والے مکاتیب کا بغور جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ نعت کی آڑ میں بریلوی دیوبندی عصبیت پر تول رہی ہے اور نہیں معلوم کیوں ادارہ ان نظریاتی اور مسلکی تلخیوں کو اعتدال کا حسن نہیں دے رہا یا نہیں دے سکا یا نہیں دینا چاہتا۔ میں فرقہ پرستی کی اس آگ کو نہ غذا دینا چاہتا ہوں نہ ہوا کہ بحالاتِ موجود اُمت مسلمہ ان مناقشات کی متحمل نہیں ہے۔ فکر و نظر اور دست و بازو کے تصادم کی کون سی کسر باقی رہ گئی ہے جسے ''نعت رنگ'' پورا کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج ساری دنیا ہماری زبوں حالی پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا۔'' (نعت نامے

۷۸۔ ایضاً، ص،۳۰۱
۷۹۔ فن ادار یہ اور نعت رنگ، ص ۵۷
۸۰۔ ماہنامہ نعت، لاہور، مدیر راجا رشید محمود، جنوری ۱۹۸۸ء ص ۳
۸۱۔ مدیر نعت رنگ لکھتے ہیں: ''الحمد للہ کہ اب 'نعت رنگ' کے لکھنے والوں کا حلقہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ ہمیں اچھے مواد کی تلاش میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دستیاب مواد کو فوراً قارئین 'نعت رنگ' تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ (ابتدائیہ شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۲ء۔۔۔ص ۱۲۵)
۸۲۔ دیکھیے: نعت نامے بنام صبیح رحمانی مرتبہ ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء۔
۸۳۔ دیکھیے: نعت اور آداب نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی، مرتبہ صاحب زادہ ارشد جمال نقش بندی، ناشر مصنف، دسمبر ۲۰۰۴ء۔
۸۴۔ غالب کے خطوط مرتبہ خلیق انجم، جلد اول، انجمن ترقی اردو کراچی، ۲۰۰۸ء، بار سوم، ص ۲۵۶۔
۸۵۔ نعت نامے بنام صبیح رحمانی ص ۲۹۲
۸۶۔ ایضاً، ص ۳۰۹۔۳۰۸
۸۷۔ ایضاً، ص،۳۰۶
۸۸۔ ایضاً، ص،،۳۰۳
۸۹۔ ایضاً، ص ۵۰۷
۹۰۔ ایضاً، ص ۳۱۳۔۲۹۰
۹۱۔ ایضاً، ص ۴۷۶
۹۲۔ ایضاً، ص ۴۸۵۔۴۸۴
۹۳۔ ایضاً، ص ۴۸۵
۹۴۔ ایضاً، ص، ۴۸۹۔۴۸۸
۹۵۔ ایضاً ۴۸۲
۹۶۔ ایضاً، ص، ۴۸۹
۹۷۔ ایضاً، ص ۵۰۶
۹۸۔ ایضاً، ص ۴۹۳
۹۹۔ ایضاً، ص، ۵۰۷
۱۰۰۔ ایضاً، ص، ۴۹۰
۱۰۱۔ ایضاً، ص ۵۰۷۔۵۰۶
۱۰۲۔ ایضاً، ص ۴۹۳

۶۴۔ دیکھیے: نعت رنگ، شمارہ نمبر۴ ص ۵۴۔۱۷

۶۵۔ نعت رنگ، شمارہ نمبر۴، ص ۴۶

۶۶۔ نعت اور آداب نعت، ص ۴۹

۶۷۔ ایضاً

۶۸۔ نعت رنگ، شمارہ نمبر۴، ص ۴۸

۶۹۔ نعت اور آداب نعت ص ۵۰۔۴۹

۷۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ، ص ۵۱۔۴۹

۷۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱) نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ، ص ۵۳۔۵۲۔ (۲) نعت اور آداب نعت ص ۵۷۔۵۹

۷۲۔ دیکھیے: نعت اور آداب نعت

۷۳۔ اس حوالے سے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے کہ غالب نے اپنی شاعری میں توارد یا سرقے کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ اگر ان کی شاعری میں کسی متقدم شاعر کا خیال پیش ہو گیا ہے تو ان (غالب) کے لیے باعث ننگ نہیں بلکہ متقدم شاعر کی خوش نصیبی ہے اور میرے اشعار پر توارد کا گمان نہ کرو بلکہ یہ یقین جانو کہ چور (متقدم شاعر) اس کا (غالب کا) کا مال خزانہء ازل سے چرا کر لے گیا۔ یعنی اگر متقدمین کے بعض مضامین غالب کی شاعری میں پائے جائیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ درحقیقت یہ مضامین ازل میں غالب ہی کے حصے میں آئے تھے جسے متقدمین وہیں سے چرا کر لے گئے۔ اب اگر غالب نے مضامین کو اپنے نام سے پیش کیا تو کیا گناہ کیا کیوں کہ وہ تو اصل میں غالب کا ہی مال تھے۔ درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

ہزار معنی سرخوش، خاص نطق من است　　کز اہل ذوق دل وگوی از عسل بردہ است
زرفتگان بہ یکی گر توارد رو داد　　مدان کہ خوبی آرایش غزل بردہ است
مراست ننگ ولی فخر اوست کان بہ سخن　　بہ سعی فکر رسا جا بدان محل بردہ است
مبر گمان توارد یقین شناس کہ وزد　　متاع من زنہان خانہء ازل بردہ است

(تفصیل کے لیے دیکھیے: چہ دلاور است مرتبین سلمان چشتی، ریحان چشتی، خالد جامعی، شعبہء تصنیف و تالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء، ص چھ تا نو)

۷۴۔ دیکھیے: سارق بنارسی۔۔۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی، از مولانا احسن مارہروی، مشمولہ 'جریدہ' چہ دلاور است' ۲۰۰۷ء، ص ۴۶۰۔۴۵۶۔

۷۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: بتی تنقید، خلیق انجم، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۹۶۔۱۸۶۔

۷۶۔ نعت نامے بنام صبیح رحمانی ص ۴۷۹۔۴۷۸

۷۷۔ ایضاً، ص ۴۸۱

۱۳۱۔ ایضاً،ص ۳۰۹

۱۳۲۔ ایضاً،ص۲۶۲

۱۳۳۔ ایضاً،ص۶۲۳/۲۶

۱۳۴۔ ایضاً،ص۳۸۲

۱۳۵۔ ایضاً،ص۲۰۵۔۲۰۴

۱۳۶۔ ایضاً

۱۳۷۔ نعت نامے،ص۵۲۶

۱۳۸۔ ایضاً،ص۳۸۳

۱۳۹۔ ایضاً،ص۲۲ے

۱۴۰۔ ایضاً،ص۸۷۸

۱۴۱۔ ایضاً،ص۳۸۵

۱۴۲۔ فن ادار یہ نویسی اور نعت رنگ،ص۵۰۔۴۹

۱۴۳۔ نعت نامے بنام صبیح رحمانی،ص۸۵

۱۴۴۔ ایضاً،ص۸۷

۱۴۵۔ ایضاً،ص۳۰۱

۱۴۶۔ ایضاً،ص۴۷۹۔۴۷۸

۱۴۷۔ ایضاً، ص۵۰۵

۱۴۸۔ دیکھیے: فن ادار یہ نویسی اور نعت رنگ،ص۱۰۴۔

۱۴۹۔ دیکھیے: (i) غالب کا ایک فرضی استاد، عبدالصمد، قاضی عبدالودود، علی گڑھ میگزین، غالب نمبر ۱۹۴۹ء (ii) غالب بحیثیت محقق، قاضی عبدالودود، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء (iii) عبدالصمد۔ استاد غالب، مالک رام مشمولہ فسانہء غالب، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، اول جنوری ۱۹۷۷ء۔

۱۵۰۔ اداریہ از سید ظفر ہاشمی مدیر دو ماہی گلبن، احمد آباد، جنوری تا اپریل ۱۹۹۹ء، ص ۷۔

۱۰۳۔ ایضاً،ص ۴۶

۱۰۴۔ ایضاً،ص ۴۸۔۴۷

۱۰۵۔ ایضاً،ص ۶۶۔۶۵

۱۰۶۔ ایضاً،ص ۷۰

۱۰۷۔ ایضاً،ص ۵۰

۱۰۸۔ ایضاً،ص ۶۴

۱۰۹۔ ایضاً،ص ۴۸۴

۱۱۰۔ ایضاً،ص ۶۸۶

۱۱۱۔ ایضاً،ص،۶۹۵

۱۱۲۔ ایضاً، ص،۳۹، ۳۷، ۳۵

۱۱۳۔ ایضاً، ص،۸۰۳۔۸۰۲

۱۱۴۔ ایضاً، ص، ۸۲۷۔۸۲۳

۱۱۵۔ ایضاً،ص،۸۲۲۔۸۱۵

۱۱۶۔ ایضاً،ص،۶۹۶

۱۱۷۔ نعت اور آداب نعت ص ۲۹۴

۱۱۸۔ مکاتیب قاضی عبدالودود مرتبہ محضر رضا، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶ء ص ۱۹۔

۱۱۹۔ غالب کے خطوط مرتبہ خلیق انجم، جلد اول ص ۱۵۸۔۱۵۷

۱۲۰۔ نعت نامے،ص،۲۹۰

۱۲۱۔ نعت نامے،ص،۳۱۳۔۳۱۲

۱۲۲۔ فن ادار یہ نویسی اور نعت رنگ،ص ۵۷

۱۲۳۔ نعت رنگ، ابتدائیہ۔ شمارہ نمبر ۲ دسمبر ۱۹۹۵۔ ص ۹۷

۱۲۴۔ نعت نامے بنام صبیح رحمانی،ص ۳۰۷

۱۲۵۔ ایضاً،ص ۳۳۱

۱۲۶۔ ایضاً،ص ۳۰۵

۱۲۷۔ ایضاً،ص ۳۰۷

۱۲۸۔ ایضاً،ص ۳۰۳

۱۲۹۔ ایضاً

۱۳۰۔ ایضاً،ص ۶۲۴

وفنی نقطۂ نظر سے نعت کو کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تا حال یہ فیصلہ نہیں ہو سکا ہے کہ نعت ایک باقاعدہ صنف سخن ہے یا نہیں۔ نقد و نظر کے حوالے سے بھی خوش اعتقادی آڑے آئی ہے اور جو کچھ نعت میں کہا جاتا رہا ہے، اس پر نہ صرف صاد کیا گیا ہے بلکہ تنقیدی زاویہ نگاہ سے نعت کو پڑھنا یا سننا سوء ادب تصور ہوا ہے۔ اس صورت حال نے تاریخی، علمی، فکری اور اعتقادی اعتبار سے (خصوصاً قرآن و حدیث کی ارشادات کے تعلق سے) ایک لمحۂ فکریہ کی جو صورت پیدا کر دی ہے، اس کا ''نعت رنگ'' نے بخوبی ادراک کیا ہے۔ یہ اسی کا کارنامہ ہے کہ آج نعت کے ضمن میں علمی، ادبی، انتقادی، تاریخی اور مذہبی جانچ اور پرکھ کے دروازے وا ہو چکے ہیں اور سرگزشتۂ خمار رسوم و قیود نعت گو شعرا کے در فکر و خیال پر دلیل و برہان دستک دینے لگے ہیں۔ اس قلمی جہاد میں ''نعت رنگ'' کے جن قلمکاروں نے اہم کردار ادا کیا ہے، ان میں ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر کشفی اردو ادب کی تدریس، تنقید، تحقیق اور تخلیق ہر لحاظ سے ممتاز و ممیز مقام کے مالک ہیں۔ نقد و نظر ک حوالے سے تو ان کی عظمت مسلّم ہے۔ آج کل وہ نعتیہ ادب میں جو اضافے کر رہے ہیں، وہ علمی، ادبی اور تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ (قیصر نجفی ص، ۷۴۵۔۷۴۴)

نعت کہنے سے پہلے آدابِ نعت سے واقفیت ضرور حاصل کرے کیوں کہ یہ صرف شعر کہنے والی بات نہیں، یہ تو محبوبِ ربِّ جلیل کی بارگاہ میں باریابی پانے کی جستجو کا مرحلہ ہے۔ محبتِ رسول کے میزان پر ایمان تولنے کا معاملہ ہے۔ ایمان و عقیدت کے قبلہ و کعبہ کی طرف جان و دل کرنے کا سلسلہ ہے۔ قطرے کو گہر کرنے، ذرّے کو رشکِ آفتاب کرنے کا وَلوَلہ ہے اور کیوں نہ ہو، نعت گوئی میرے معبودِ کریم کی سنّت ہے، یہ وہ وصف و سعادت ہے جو مشتِ خاک کو قربِ ایزدی عطا کرتی ہے۔ روایت ہے کہ سجدے میں بندہ اپنے ربّ کریم کے بہت قریب ہوتا ہے، اسے بہت پیارا لگتا ہے، شاید یہ وجہ بھی ہو کہ سجدے میں بندے کا جسم ربّ کریم کے محبوبِ کریم کے مبارک نام ''محمد'' V کی مکتوبی ساخت کا نقشِ جمیل بن جاتا ہے۔ (کوکب نورانی ص، ۱۱۱/۳۰)

نعت کا موضوع کبھی پرانا نہیں ہوتا، آفتاب کی کرنوں پر بھی کبھی بڑھاپا نہیں طاری ہوا، تارے کبھی پرانے نہیں ہوئے، حضورِ اقدس V کے احسانات کو یاد کرنے کی خو کو رجعت پسندی سمجھنے والوں کی عقلیں محرومِ بینائی ہو سکتی ہیں، ان پر عجز و پیری کا دور آ سکتا ہے مگر وہ ذات سرکارِ رسالت پناہ کی ذاتِ اقدس کو انسانی آبادی نے یہ کہہ کر پکارا ہے اور اسی طرح تا قیامت فریاد کرتی

نعت: تعریف، تقاضے اور روایت

نعت:

نعت ہمارے ادب کی ایک مستقل صنفِ سخن ہے۔ قریباً ہر شاعر نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور کمال کیا ہے، صرف کلمہ گویاں ہی نہیں، دیگر مذاہب کے شعرا نے بھی بہ قول شخصے، کچھ یوں اپنی عاقبت کا سامان کرلیا ہے۔ نعت بڑی نازک صنف ہے۔ شاعری کی تمام اصناف میں شاید سب سے زیادہ نازک۔ (شکیل عادل زادہ ص، ۵۰۹)

محمد V شناسی کی طرح خدا شناسی کا ادّعا بھی نوعِ بشر کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے۔ بجز محمد کون ہے، جو خدا کو اس طرح جاننے کا دعویٰ کر سکے، جس طرح جاننے کا حق ہے۔ بقول راقم:

آشنائے مصطفےٰ ہے ذات رب
اور قیصر مصطفےٰ رب آشنا

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حمد گوئی یا نعت نگاری کے حوالے سے کوئی بھی سعادت زور بازو کا حاصل نہیں ہے، بلکہ خدائے بخشندہ کی بخشش ہے، جو بحمد للہ! ''نعت رنگ'' اس کے مرتب اور ادارتی عملے کو بہر صورت نصیب ہے۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ نعت ہمیشہ حضور V سے محبت اور وابستگی کے والہانہ اظہار کا ایک ذریعہ متصور ہوتی ہے۔ کئی عاشقان باصفا تو ایسے بھی ہیں، جو اپنے آپ کو فروتر ظاہر کرنے کے لیے ثنائے رسول V کو ایک جسارت بلکہ سوء ادب خیال کرتے ہیں:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

بایں ہمہ عقیدے کی حد تک نعت شعرا اور غیر شعرا کا ہمیشہ مرکزِ نگاہ رہی ہے، البتہ فکری

ایک آدھ کتاب تاریخ نعت کے حوالے سے منظر عام پر آئی ہے جس سے سیری نہیں ہوتی۔ آپ کا کام ٹھوس ہے اور آپ نے نعت کو ادبیات کی اعلیٰ اصناف میں شامل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ (تابش دہلوی ص، ۲۴۲)

اردو میں جب سے شعر و ادب لکھا جارہا ہے اس وقت سے حمد و نعت بھی کہی جارہی ہے لیکن برکت و تبرک کے لیے..... اس جذبے سے بلند ہو کر جن شعرائے کرام نے نعت کو ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے اپنایا۔ ان میں حضرات محسن کاکوروی، امیر مینائی، احمد رضا خان بریلوی کے نام خصوصیت سے لیے جاسکتے ہیں۔ اب رہی بات علامہ اقبال کی..... انھوں نے واقعی حمد اور نعت کو ایک نیا رخ دیا ہے اور کشفی صاحب کے مطالبہ پر پوری اترتی ہے...... یعنی اقبال کے یہاں قرآن و حدیث کا مطالعہ اور کائنات کا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑوں سے نسبت ہی بڑا بناتی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری اسی وجہ سے بلند تر ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے اکتسابِ نور کرتے ہیں۔ اب رہی مولانا الطاف حسین حالؔی کی نظم ''مدّ و جزرِ اسلام'' تو اس کے ادبی محاسن اپنی جگہ لیکن برادرِ محترم جمال پانی پتی صاحب نے نہایت پتے کی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں: ''انھوں نے (مولانا حالؔی نے) اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم V کی بے مثل بشریت اور عبدیت کاملہ کو ہم جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق تو رہا درکنار، خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔'' (سلطان جمیل نسیم ص، ۴۳۲۔۴۳۱)

جناب سید حسین احمد نے اصنافِ سخن کی تعریف و تقسیم کرنے والوں کے حوالے سے (شاید) یہ لکھا ہے، مجھ سا کم علم و کم فہم یہ جاننا چاہتا ہے کہ ''صنفِ سخن'' کی تعریف کی بنیاد کیا ہے؟ 'نعت کو'' مضامین سخن'' اور ادب تو خود انہوں نے بھی تسلیم کیا ہے یعنی نعت بلا شبہ سخن تو ہے صرف ''صنف'' کا سابقہ اس کے ساتھ لگانے کے لئے فنی طور پر جو اعتراض انہیں مانع ہے وہ فارم اور اجزائے ترکیبی کے تعین و تقرر کا ہے۔ اس بارے میں مروجہ فنی اور تیکنیکی قواعد و ضوابط سے واقف نہ ہونے کے باوجود یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اُردو معاشرے میں اصنافِ سخن کی تعریف و تقسیم وغیرہ سے پہلے بھی نعت تھی بلکہ اُردو نہیں تھی اور نعت تھی، شاعری میں غزل، نظم، رباعی، مرثیہ وغیرہ کی تقسیم سے پہلے نعت تھی اور اسے نعت ہی کہا اور شمار کیا گیا۔ نعتیہ غزل یا نعتیہ رباعی کے نام تو بہت بعد کے دَور میں لکھے پکارے گئے ہیں۔ اس پہلے سے موجود نعت کو کیا کہا جائے گا؟ اُردو دان طبقے کا اپنے معاشرے میں حمد و نعت کی اصطلاحی تقسیم طے کرلینے کا یہ مطلب نہیں کہ عربی دان طبقے اور

رہے گی: (عبداللہ عباس ندوی ص، ۶۶۷)

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری بہر مو ہزاراں سیہ کار داری
تو سر تا بہ پا رحمتی یا محمدؐ نظر جانب ہر گنہ گار داری

نعت، صنف سخن کی حیثیت سے:

جناب انور خلیل نے کہا ہے:

میرے خیال میں نعت کو علاحدہ صنف سخن کہنا صائب نہیں... ہیئت کے لحاظ سے اصناف سخن شمار ہوتی ہیں جب کہ نعت کسی بھی صنفِ سخن میں کی جاسکتی ہے۔اسی لیے میں نعتیہ ادب کی اصطلاح کو صنفِ سخن پر ترجیح دیتا ہوں۔

عارف منصور ص ۴۰۸ پر لکھتے ہیں:

اصنافِ سخن کی دو بڑی اقسام ہیں۔ایک ہیئت کے حوالے سے جیسے نظم، مسدس، ہائیکو وغیرہ اور دوسرے موضوعات کے حوالے سے جیسے حمد، نعت نوحہ مرثیہ۔

عارف منصور کی اس توضیح سے ص ۵۲۲ پر لکھے گئے جناب کوکب نورانی کے اس اعتراض کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے۔جناب کوکب نورانی لکھتے ہیں:

لوگوں نے کتنی غلطی پھیلا رکھی ہے کہ حمد کے معنی ہیں خدا کی تعریف اور نعت کے معنی ہیں رسول کی تعریف۔(احمد صغیر صدیقی ص، ۷۹)

بایں ہمہ عقیدے کی حد تک نعت شعرا اور غیر شعرا کا ہمیشہ مرکزِ نگاہ رہی ہے، البتہ فکری وفنی نقطۂ نظر سے نعت کو کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا ہے۔جس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تا حال یہ فیصلہ نہیں ہوسکا ہے کہ نعت ایک باقاعدہ صنف سخن ہے یا نہیں۔(قیصر نجفی ص، ۴۵۷)

تعجب ہے کہ ارباب نقد ونظر نے صنف نعت کو اپنی تحریروں میں وہ مقام اور درجہ نہیں دیا جو دوسری اصناف سخن کو دیا ہے آخر کیوں؟ غالباً اس کی وجہ مذہب سے کم تعلقی اور رسول V کی تعریف وتوصیف کے حوالے سے اس کو (نعوذ باللہ) یک رخہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا، صنف نعت پر جستہ جستہ کام ہوا جو نہ ہونے کے برابر ہے، نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں اور

مرثیے کا کوئی فارم مقرر نہیں تھا اور نہ ہی اجزائے ترکیبی متعین تھے۔ سودا نے فارم اور میر ضمیر نے اجزائے ترکیبی مقرر کر کے مرثیے کو ایک باقاعدہ صنفِ سخن بنا دیا۔ ہمارے خیال میں ہیئت کے اختصاص اور فنی صورت گری کے باوصف مرثیہ ایک طویل عرصے تک ایک صنف سخن کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا اور مرثیہ گو شاعر کو ''بگڑا ہوا شاعر'' کہا جاتا رہا۔ تا آں کہ علامہ شبلی نعمانی نے ''موازنہ انیس و دبیر'' لکھ کر مرثیے کی فنی اہمیت کو اجاگر کیا۔ یہ شبلی ہی تھے، جنھوں نے مرثیے کے سر پر ایک باقاعدہ صنف سخن کا تاج رکھا۔ مقام حیرت ہے کہ نعت بھی صدیوں سے ویسے حالات سے دوچار ہے، جیسے حالات مرثیے کو اپنے ارتقائی سفر میں درپیش تھے، مگر افسوس کہ اب تک نعت کو نہ تو کوئی سودا ملا ہے، نہ میر ضمیر اور نہ ہی کوئی شبلی نعمانی یہ ایک لمحہ فکریہ ہے، جس پر اہل فکر و نظر اور صاحبان علم و دانش کو توجہ دینا چاہیے۔ (قیصر نجفی ص، ۴۶،۷)

اُردو میں نعتیہ ادب: تخلیقی اظہار کی چند صورتیں:

نعتیہ ادب کے سلسلے میں کسی دقیق مطالعہ کا میں دعوئ نہیں کرتا لیکن جو کچھ پڑھا اور دوسروں کی رائے سے متاثر ہوئے بغیر جو رائے قائم کی ہے ممکن ہے درست نہ ہو۔ لیکن یہ میری رائے ہے اور اسی طور قبول کرنا میرے حق کو تسلیم کرنا ہے۔ میرا مطالعہ یہ نظریہ قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اردو میں نعت گوئی چار نوع کی ہے۔

۱۔ وہ نعت جو جذبۂ صادق اور خلوص بے پایاں کے ساتھ لکھی گئی ہو اس کی پہچان یہ ہے کہ قاری اور نعت خواں پر پڑھنے کے دوران ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

۲۔ کمالِ فن کے اظہار کے لیے لکھی گئی نعت، اس کا اثر دل پر کم ہوتا ہے۔ البتہ دماغ غور و فکر پر مائل ہوتا ہے۔ اس کی داد دی جاتی ہے اس سے کیف طاری نہیں ہوتا۔

۳۔ روایت کی پاسداری میں کہی جانے والی نعت۔

۴۔ بس یوں ہی کہی ہوئی نعت! جب سب کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں کے جذبے سے وجود میں آنے والی نعت۔

ذرا سی توجہ سے ہر نعت کو ان میں سے کسی قسم میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں (۱) اور (۲) کے امتزاج سے جو نعت وجود میں آتی ہے وہ ہر اعتبار سے کامیاب ہوتی ہے۔

(شفقت رضوی ص، ۷۷،۴)

عرب معاشرے میں بھی یہی استعمال بلفظہ منوایا جائے - لفظ ''ثناء'' کی مثال سامنے ہے، اُردو دان طبقہ اس کی معنوی حد بندی پر کوئی اصرار نہیں کرتا - متعدد لفظوں کی ایک فہرست یہ فقیر ہی فراہم کرسکتا ہے جن کے اصل لغوی اور ہمارے ہاں اصطلاحی معنوں کا استعمال مختلف ہے، اس کے باوجود ان الفاظ کے وسیع استعمال پر اختلاف نہیں کیا جاتا - شعر کہنے والے کو صرف شاعر کہا جاتا ہے خواہ وہ کسی ایک مروجہ صنف ہی میں کلام کہے، ہر صنف کے حوالے سے اس کا نام نہیں پُکارا جاتا، یعنی نظم کہنے والے کو صرف ناظم نہیں کہا جاتا بلکہ نظم کا لفظ بھی لغت میں وسعت رکھتا ہے اور کئی معنی دیتا ہے اور کیا باقی اصنافِ سخن میں ''نظم'' نہیں؟ کیا بے نظمی اور بدنظمی پائی جاتی ہے ان میں؟ ''غزل'' کے لفظ کے لئے ذرا لغت کھولئے اور دیکھئے کیا کیا معانی درج ہیں - غزل نگار کو غازل کیوں نہیں پکارا جاتا؟ کیا غزل ''سیاسی'' نہیں ہوتی؟ کیا مضامین اور موضوعات کا سابقہ دیگر مروجہ اصنافِ سخن کے ساتھ نہیں پکارا جاتا؟ جب معاشرے میں ''نعت'' کے اصطلاحی طور پر ایک معنی و مفہوم پر اتفاق کیا جاسکتا ہے تو اس کے ''صنفِ سخن'' مانے جانے میں کیا حقیقی عذر مانع ہے؟ میری یہ عرض اگر شاعری کے متفقہ اصول و قواعد کے مطابق فضول ہے تو معذرت خواہ ہوں - (کوکب نورانی ص ۳،۱۹۳/۱۹۲)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب کا مضمون ''نعت، بحیثیت صنف سخن'' اہم مضمون ہے۔ ہمارے بعض ناقدین صرف مخصوص موضوع اور کوئی مخصوص ہیئت نہ ہونے کی بنا پر نعت کو ''صنف سخن'' تسلیم نہیں کرتے جبکہ یہی ناقدین ''مرثیے'' کو صنف سخن کا درجہ دیتے ہیں جبکہ یہ بھی موضوعی صنف ہے اور جو لوگ ''مسدس'' کو اسکی ''ہیئت'' قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اس کی مسدسی ہیئت تو انیسؔ و دبیرؔ کی وجہ سے مقبول ہوگئی ورنہ ان سے قبل اور آج بھی مسدس کو مرثئے کی حتمی ہیئت تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ جس طرح رباعی کی ہیئت تسلیم شدہ ہے، آج بھی دیگر شعری ہیئتوں میں مرثیے کہے جارہے ہیں اس لیے جس طرح مرثیے کو موضوع کے اعتبار سے صنف سخن کا درجہ دیا گیا ہے اسی طرح نعت کو بھی ''صنف سخن'' تسلیم کر لینا چاہئے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۷/۴۹۸)

مرثیہ اور نعت: مماثلت کی چند جہتیں:

سیّد حسین احمد کا مضمون ''کیا نعت ایک صنفِ سخن ہے'' ایک مختصر سی تحریر ہے، جسے نعت اور مرثیے کا ایک تقابلی جائزہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ درست ہے کہ عہد سودا سے قبل

محبت کا وہ معیار قائم کیا جو روحِ زمانہ کے ساتھ سفر کر رہا ہے، ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی نے یادوں کے دریچوں سے پردے اٹھا کر وہ کہکشاں دکھائی ہے جو شہرِ نبی V کی فضاؤں کو چھو رہی ہے۔ (سلیم یزدانی ص، ۴۴۲۔۴۴۱)

نعت گوئی کی خصوصیات:

نعت، نہایت مقدس و محترم صنف سخن ہے لہٰذا اس کی تقدیس و طہارت کا تقاضا ہے کہ مضامین و افکار بھی ایسی ہی صفات کے حامل ہوں، ان کے اظہار کا ذریعہ زبان ہے تو اس کا بھی صحیح اور پاکیزہ و شستہ ہونا لازمی ہے۔ اس لیے الفاظ کا انتخاب انتہائی غور و فکر اور احتیاط کا طالب ہے۔ اگر ایک بھی نامناسب لفظ در آیا تو وہ ساری شعری فضا کو مکدر کر دیتا ہے۔ زبان کے ساتھ فنِ شاعری اور عروض کا علم بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ یہی شاعری کی اساس ہیں۔ مضمون کتنا ہی اعلیٰ ہو، زبان کتنی ہی عمدہ ہو، بیان لاکھ خوب صورت سہی لیکن اگر شعر میں فنی عیب یا عروض کی خامی موجود ہو تو وہ ایک زنگ آلود آئینے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۳)

نعت گوئی کے لیے ان خصوصیات کے علاوہ حقیقت و صداقت کیساتھ سنت و شریعت، سیرتِ پاک، قرآن و حدیث کا قابل قدر علم اور اس کی پاسداری بھی لازم ہے۔ ہمارے اکثر شعرا کا تو یہ حال ہے کہ وہ مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف میں کہے گئے اشعار کو بھی نعت کہتے ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ دیوبندی، بریلوی، سلفی، نجدی جیسے تنازعات بھی نعت میں شامل ہو گئے ہیں جب کہ ان کے لیے اردو میں ایک بہترین صنفِ سخن ''ہجو'' موجود ہے، شعرا ہجو یہ نظمیں نہ کہتے ہوئے اس قبیل کے اشعار نعت میں کہتے ہیں جو مجھے تو مناسب نہیں معلوم ہوتے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۴)

نعت گو / نعت گوئی کے لیے شرائط:

''ثنائے رسول V'' کے ضمن میں میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ شہر غزل، نعت گو کی تربیت گاہ ہے۔ رموزِ شعر سے آشنائی ضروری ہے۔ نعت گو کو شعر کی باریکیوں، نزاکتوں اور لطافتوں سے آگاہ ہونا چاہیے جمالیاتی قدروں کی پاسداری کا اہل ہو تو اسے اقلیم نعت میں داخلے کی اجازت ملنی چاہیے، آنسوؤں سے وضو کرنے کا سلیقہ جانتا ہو تو قلم اٹھائے۔ بارگاہ رسالت مآب V میں ہدیہ نعت پیش کیا جائے تو نعت فنی حوالے سے بھی اعتبار و اعتماد کے معیارات پر

تخلیق نعت کی خصوصیات:

بات در حقیقت یہ ہے کہ ہر شعر کہنے والا نعت نہیں کہہ سکتا ہے۔ اس کے لیے شعری سلیقہ، رسول اللہ V سے عشق، رسالت کے تقدس سے آگہی، مقامِ رسالت کا شعور اور لفظوں کو موتیوں کی طرح شعری مالا کا روپ دینا آنا ضروری ہے کہ کوئی لفظ مقامِ رسالت کے منافی نہ ہو اور کوئی شعر تقدس رسالت کے خلاف نہ ہو اور یہ سب اُس وقت آتا ہے جب وہ ایک تہذیبی روایت، ماحول فضائے ربانی سے گزر رہا ہو جس کی برتر مثال حضور V کے دور کی مدنی زندگی ہے کہ حضور V کا ہر صحابی حضور V کے عشق سے سرشار نظر آتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ بنی نجار کی لڑکیوں کے ان استقبالیہ اشعار سے بھی ہوتا ہے کہ اُن کے لیے رسول اللہ V کی ذات کیا تھی اور وہ اُس ہستی میں کس کل کا منظر دیکھ رہی تھیں یا اُن کو دکھایا جا رہا تھا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعیٰ للّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ماحول تھا کہ بنی نجار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں بلند پایہ روایت کی بنا ڈال رہی تھیں۔ حضور V کے مدینہ شریف میں ظہور فرمانے سے پہلے ہی اہلِ ایمان کے گھروں میں سرشاری کی کیفیت تھی۔ حضور V سے محبت کا ذکر بلند تھا اور یہ نعتیہ اشعار اُس ذکر و شوق کا نتیجہ تھے۔ یہ لفظ ہمیشہ کے لیے زندگی پا گئے، امر ہو گئے۔ اب میں اُس فضا، اُس تقدس، اُس ماحول کی طرف آتا ہوں جو ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی یادوں میں محفوظ ہے اور جس کا سفر آج بھی جاری ہے، لیکن وقت نے اسے نئی جہتیں دے دی ہیں۔ اور اب یہ گھروں کے آنگنوں، راہ داریوں اور حویلیوں سے نکل کر عوامی سطح پر ایمان افروز محافل کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اب یہ ایک ایسی Poetic sensibility (شعری حسیت) ہے جو تقدس کی زر مالاؤں کا روپ دھار چکی ہے، نعتیہ شاعری نے عربی ادب میں عشقِ نبی V سے اظہار کی ایک Dynamic (متحرک) اور پُر اثر شکل اختیار کر لی جب کہ Devotional (جاں نثاران) شاعری کی اصناف میں کوئی دوسری شکل رائج نہ ہو سکی اس میں ایک تو یہ کہ نبی پاک V سے محبت کرنے اور اُس کے اظہار کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ فعل سمجھا گیا۔ دوسرے یہ کہ صحابۂ کرامؓ نے آپ V سے

معلوم کریں...... خاص طور سے نئے شاعروں کو یہ چاہیے کہ وہ مطالعہ اور مشاہدے کے ساتھ ساتھ جو آئمہ فن آج موجود ہیں ان سے بھی رہنمائی حاصل کریں۔اس لیے کہ شاعری میں مشکل ترین صنف نعت ہے ...... ذرا سے ڈگمگائے اور گئے۔(سلطان جمیل نسیم ص،۴۳۲)

نعت لکھنا بقول عرفی تلوار کی دھار پر چلنے کا عمل ہے۔تہذیب و ادب کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ شعری جمالیات کا التزام آسان کام نہیں ہے۔نعت نگاری کے لیے محض سرکارِ دو عالمؐ کی محبت و عقیدت ہی کافی نہیں ہے۔اس کے لیے اُس ذات عظیم کی حتی الامکان تفہیم بھی چاہیے ۔یوں تو حقیقت محمدی کو خالق کائنات کے سوا کون جانتا ہے۔مگر ایک امتی ہونے کی حیثیت سے ہمارے ذہنوں میں ختمی مرتبتؐ کا کیا تصور ہے، یہ بات نعت نگاری میں بہت اساسی اہمیت رکھتی ہے۔رسول کریمؐ کے مقام بشریت اور مقام نبوت کے متوازن تصور ہی سے ایک مودب اور اثر انگیز نعت تخلیق کی جاسکتی ہے۔یہاں غزل کے عام محبوب اور محبّ والی کیفیت زیبا نہیں ہے۔نعت آقا اور غلام کے رشتے پر استوار ہوتی ہے۔یہاں برابری گستاخی ہے۔یہ حفظ مراتب کی دنیا ہے یہاں تعظیم کی کڑی شرطیں ہیں۔اور انہی پابندیوں اور شرائط میں رہتے ہوئے ایک نعت نگار کو اپنے جمال فن اور تخلیقی شعور کے رنگ دکھانے پڑتے ہیں۔آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے نعت پر تنقید کا باقاعدہ آغاز کیا اور قدیم اور جدید نعتوں کے مضامین اور اسالیب پر معروف اہل قلم سے انتقادی مقالات لکھوائے ۔جس کی وجہ سے ادب کے عام قاری کو نعت کا ایک نیا شعور ملا۔(فراست رضوی ص،۲۵/۹۰۲)

قرآن کا ترجمہ کرنے کے لئے صرف عربی داں ہونا کافی نہیں ،اسی طرح نعت کہنے کے لئے صرف شاعر ہونا کافی نہیں ورنہ خود ظہیر صاحب وہ اوصاف کیوں لکھ رہے ہیں جن کے بعد ان کے نزدیک مشکل نہیں ہو سکتی؟ نعت نگاری میں ان اوصاف کے باوجود بھی کوئی لغزش بعید از امکان نہیں۔(کوکب نورانی ص،۳/۱۵۶)

اس بارے میں عرض ہے کہ نعت نگار ہو یا سیرت نگار، انہیں ''شرک'' کی صحیح تعریف اور اس کی بنیادی باتوں سے آگہی ہونی چاہیے اور یہ آگہی حقائق اور ادلّہ شرعیہ کے مطابق ہو۔ علمائے حق اہلِ سنّت و جماعت نے عقائد و نظریات پر جو کتابیں یادگار بنائی ہیں ان کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔(کوکب نورانی ص،۳/۲۴۸)

ان باتوں کے حوالے سے یہ کہوں گا کہ نعت گوئی کے لیے نعت گو کا سیرتِ رسولِ

پورا اُترتی ہو۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہاں تو ذراسی بھی لغزش یا شوخی سوئے ادب میں شمار ہوگی اس لیے احتیاط اور ادب پہلی شرط ہے لیکن مجھے ڈاکٹر صاحب کے ان خیالات سے اختلاف کرنے کی اجازت دیجیے کہ

''زبان کے ساتھ فن شاعری اور عروض کا علم بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ یہی شاعری کی اساس ہے''۔

یقیناً زبان کے ساتھ فن شاعری اور عروض کا علم بھی شاعر کے لیے ضروری ہے لیکن یہ شاعری کی اساس نہیں۔ شاعری تو دل کے آبگینوں کے رقص میں آنے کا نام ہے، شاعری کی اساس تخیل ہے، شاعرانہ اپروچ ہے۔ اظہار کا کھرا پن ہے۔ ندرتِ فکر اور سوچ کی بلند پروازی ہے۔ جذبے کی سچائی اور اثر پزیری کے اوصاف زندہ شعر کی بولتی علامتیں ہیں، شاعری جمالیاتی شعور کے ابلاغ کا نام ہے، گزارش ہے کہ پہلے شاعری وجود میں آئی۔ فن شاعری کے ضابطے اور اصول اساتذہ کی شاعری سے اخذ کیے گئے کون کافر علم عروض کی اہمیت سے انکار کرسکتا ہے لیکن ہر شاعر کے لیے علم عروض کا ''ماہر'' ہونا بھی تو ضروری نہیں۔ اگر مذکورہ کلیے کو حرف آخر سمجھ لیا جائے تو علم عروض کے ماہرین ہی کو شعر لکھنے کا حق حاصل ہوگا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک اچھا عروضی ایک اچھا شاعر نہیں ہوسکتا وہ ہروقت جمع تفریق کے چکر ہی میں رہتا ہے۔ شاعری تو ایک خداداد صلاحیت کا نام ہے، شعوری کوششوں سے محض ان صلاحیتوں میں نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے، شاعر پیدا ہوتے ہیں۔ عروض کی کتابیں پڑھ کر شاعر نہیں بنا جاسکتا، علم عروض شاعری کی اساس نہیں بلکہ شاعری علم عروض کی بنیاد ہے، کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ آج لاشعوری طور پر زبان و بیان کا نیا ضابطہ تحریر مرتب ہورہا ہے۔ (ریاض حسین چودھری ص ۳۹۲)

ہمارے بزرگ جو کچھ لکھ گئے ہیں ہم اس سے ہدایت بھی حاصل کرسکتے ہیں اور عبرت بھی بشرطیکہ دیدۂ بینا رکھتے ہوں...... آپ شاید میرے اس مشورے پر ہنس دیں لیکن میں اپنے نوجوان اور جدید شعرا کو یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ جس طرح دنیا کا کوئی بھی فن...... گانے بجانے سے لے کر...... کرکٹ، فٹبال اور شاعری تک بغیر سیکھے نہیں آتا...... اس لیے وہ جس شعبے سے بھی متعلق ہوں اس کے بارے میں پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی ہر اہم بات ضرور سیکھیں اور

نعت میں محتاط رویوں کی ضرورت کو ہمیشہ محسوس کیا گیا، لیکن دورِ موجود میں یہ ضرورت کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے کہ پہلے عام طور پر وہ لوگ نعت کہتے تھے جن کا فطری رجحان اس موضوع کی طرف ہوتا تھا اور وہ دینی تعلیم رکھتے تھے لیکن پاکستان میں ہر شاعر نعت کہنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور نعت کے موضوعات میں بہت وسعت آ رہی ہے۔ اس لیے نعت میں احتیاط کے تقاضوں کو سامنے لانے کی ضرورت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ غالبًا یہی محسوس کرتے ہوئے رشید وارثی اور عزیز احسن نے اس کام کے لیے بڑے بھرپور انداز میں قلم اُٹھایا ہے۔ دونوں حضرات قرآن پاک اور حدیث مبارکہ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور اُن کا ادبیات کا مطالعہ بھی وافر ہے، پھر انھوں نے پہلے ہونے والے احتساب سے بہتر انداز اختیار کیا ہے... رشید وارثی نے ذم کے پہلو رکھنے والے اشعار کی نشان دہی کی، لیکن شعرا کرام کے نام نہیں دیے۔ یہ روش اس اعتبار سے بہتر ہے کہ مقصود نعت نگاروں کی تحقیر نہیں، بلکہ ذم کے پہلوؤں کو سامنے لانا ہے، تا کہ نعت، معیاری بن سکے۔ عزیز احسن نے البتہ پورے اعتماد اور جرأت سے شعرائے کرام کے نام لے کر بے احتیاطیوں کی نشان دہی کی ہے، لیکن انھوں نے اپنا زاویہ نظر یہ بتایا ہے:

محبتیں بھی رہیں دل کو ٹھیس بھی نہ لگے
کسی کے سامنے اس طرح آئنہ رکھیے

اشتہارات سے پتا چلا ہے کہ یہ دونوں حضرات اور ادیب رائے پوری ان موضوعات پر کتابیں تیار کر لیتے ہیں۔ اللہ انھیں مزید فکری بالیدگی اور توازن سے نوازے۔ (حفیظ تائب ص ۲۸۱)

افسوس یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سے لوگوں نے نعت کو فیشن کے طور پر یا رواج عام کی پابندی کی مجبوری کی بنا پر اختیار کر لیا ہے۔ دوسری مشکل یہ کہ اکثر شعرائے کرام کو زبان پر پوری طرح قدرت نہیں، لہٰذا ان سے عجب عجب طرح کی بے تمیزیاں اور بھونڈے پن سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ ایک عام طریقہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ یا پیغمبرِ اسلام سے یوں مخاطب ہوتے ہیں گویا نعوذ باللہ ان کو کچھ دے رہے ہوں، یعنی اظہارِ محبت اس طرح ہوتا ہے کہ اپنی محبت کا ذکر زیادہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ V کو گویا اپنی ثنا اور توصیف کا مستفید قرار دیے جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کی زیرِ نظر کتاب میں کچھ مختصر تحریریں ایسی ہیں جن میں نعت گوئی کے آداب سے بحث کی گئی ہے، لیکن تشنگی محسوس ہوتی ہے کیوں کہ بنیادی باتیں پوری طرح زیرِ بحث نہیں آئیں۔ دیگر مضامین میں جناب حسن محمود جعفری کا مضمون بہت خوب ہے لیکن مغربی حوالوں کی کثرت کے باوجود

کریم V سے پوری طرح واقف ہونا، بلاشبہ بہت اچھی اور اہم شرط ہے لیکن "پوری طرح واقفیت" تو کیا، بنیادی ضروری واقفیت میں بھی "کچھ" ہی شمار ہوں گے۔

نظم و نثر میں نعت کہنے والوں کو ضرور چاہیے کہ وہ سیرتِ رسولِ کریم V پر لکھی گئی مستند کتابوں کا توجہ سے مطالعہ ضرور کریں اور خود اپنی فہم کی تائید و تصدیق بھی جب تک حقائق و براہین سے نہ پائیں، اسے بیان نہ کریں۔ (کوکب نورانی ص،۳/۲۴۷)

میری عرض صرف اتنی ہے کہ کوئی شعر کہے یا تک بندی کرے مگر نعت شریف صرف وہی کہے جو نعت شریف کہنے کو غایت درجہ سعادت جانے اور خود کو بخوبی یہ باور کرالے کہ اس کی ہر قابلیت و صلاحیت کی نہایت کے باوجود اس سے ذاتِ ممدوح (V) کی مدح و ثنا کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور ذاتِ ممدوح (V) کی محبت و تعظیم کے ہر ہر تقاضے کا ہر مرحلے اور ہر لمحے پاس و لحاظ رہے۔ (کوکب نورانی ص،۳/۳۳۱)

نعتیہ ادب اور احتیاط کے تقاضے:

حافظ (افضل فقیر) صاحب کو اللہ نے جو غیر معمولی بصیرت اور بیان کا جو حیران کن سلیقہ عطا کیا تھا وہ اس دیباچے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ انھوں نے شعر و شاعر کے ضمن میں جن چار مقدمات کا ذکر کرنے کے بعد کمال وسعت نظر کے ساتھ ان کی جو توضیح کی ہے اس سے خود میرے بعض اشکالات رفع ہوئے۔ البتہ مضمون کے آخر میں عرفی شیرازی کے نعتیہ قصیدے کے جو دو شعر انھوں نے درج فرمائے ان میں سے پہلے میں عرفی وہ احتیاط ملحوظ نہ رکھ سکا جس کی اس جیسے عالی دماغ شاعر سے توقع تھی۔ عرفی بعض اور مقامات پر بھی ایسا پیرایۂ بیان اختیار کرتا ہے مثلاً اس کے ایک اور نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے:

عیسیٰ مگسِ تکلم تو حلوائے دکانِ آفرینش

اب آپ غور فرمائیے کہ کیا اس شعر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخفیف کا پہلو صاف نمایاں نہیں؟ بہر حال کہنا یہ ہے کہ متقدمین خواہ وہ فارسی ادب سے متعلق ہوں خواہ اردو سے، ان امور پر وہ توجہ نہیں دے سکے جس کا تقاضا نعت گوئی کرتی ہے۔ اس تمام تر کے باوجود اردو اور فارسی کا کلاسیکی نعتیہ ادب اس کا مستحق ہے کہ اس کے قابل لحاظ حصے کو ادب عالیہ میں شمار کیا جائے۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی ص،۲۴۵)

آسانی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غزلیہ حمد و نعت کا سُننا سنانا کسی خاص طبقہ تک محدود ہو کر رہ جائے یا پھر اس کے قبولِ عام ہونے کیلئے لمبا عرصہ درکار ہو۔

(۲) اکثر ایسی نعتیں بھی سننے میں آتی ہیں جن کی طرز فلمی گانوں پر بنائی جاتی ہیں اور کئی بڑے بڑے نعت خواں بھی اس روش پر چل نکلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کے ایسا کسی مجبوری سے ہوتا ہو یا کچھ سامعین اسے پسند بھی کرتے ہوں لیکن مجھے ذاتی طور پر اس سے نعت کا تقدس مجروح ہوتا دکھائی دیتا ہے اور میرے نزدیک اس رجحان کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ تھوڑی سی کوشش اور ریاضت سے کوئی منفرد طرز موزوں کرنا چنداں مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہوں گا کے اگر کوئی لکھاری جان بوجھ کر کسی فلمی گانے کی تضمین لکھنے کی کوشش کرے تو میرے نزدیک یہ بھی نامناسب ہے۔

(۳) میرے خیال میں روائتی صنفِ حمد و نعت کے لیے موسیقی کے استعمال سے بھی چنداں گریز کرنا چاہیے۔ ادب اور روحانیت کا تقاضہ ہے کہ خاموشی سے الفاظ میں ڈوب کر کلام کو سنا اور سمجھا جائے جیسے کے صدیوں سے ہوتا آیا ہے۔ مجھے احساس ہے کی ہمارے ہاں اس بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں اسی لیے میں نے روایتی صنف کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ موسیقی کا اس طرح کا استعمال روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے اور میرے خیال میں یہ جدت طرازی بھی پیشہ ورانہ سوچ کی آئینہ دار ہے۔

(۴) اگلی بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ محافل میں نوٹوں کو عامیانہ انداز میں اُچھال اُچھال کر نچھاور کرنا یا مغرب کی تقلید میں ہاتھ کھڑے کر کے دائیں بائیں لہرانا حمد و نعت کے شانِ شایاں ہرگز نہیں لگتا۔ میرے لیے ایسے مظاہرے ایک غیر ضروری آزمائش سے کم نہیں ہوتے۔ دم سادھ لیتا ہوں اور سر جھک جاتا ہے۔ ساری توجہ ملیا میٹ ہو جاتی ہے۔ ثنا خواں حضرات کی خدمت بے شک دل کھول کے کریں لیکن دکھاوے کا شائبہ نہ ہو۔ اس سے عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا خدشہ بھی رہتا ہے. دوسری طرف لطف و سرُور کی کیفیت میں روح کے ساتھ جسم کا وجد ایک قدرتی امر ہے البتہ وقار کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

(۵) یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہمارے ہاں سامعین کی ایک بڑی تعداد اشعار میں استعمال شدہ بیش تر الفاظ، تراکیب یا تشبیہات کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ گویا عرفِ عام میں یہ

کوئی بنیادی نتیجہ پوری طرح واضح ہو کر نہیں ملا۔ (شمس الرحمٰن فاروقی ص،۵۱۲۔۵۱۱)

نعت گوئی کے بارے میں میرا خیال ہے کہ اگر یہ صدق جذبے سے کی جائے تو اس میں بڑا اثر ہوتا ہے، لیکن اگر اسے فیشن اور تقلید کے طور پر اختیار کیا گیا تو اس میں وہ تاثر اور والہانہ پن پیدا نہیں ہوتا جس کے بغیر نعت، نعت نہیں ہوتی۔ پاکستان میں ان دنوں نعت گوئی نے ایک فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے جسے ٹیلی وژن، ریڈیو اور نعتیہ مشاعروں نے مزید فروغ دیا ہے۔ دل کی گہرائیوں اور رسول اکرم V سے گہری محبت اور عقیدت کے تحت نعت کہنا اور محض قادرالکلامی کے زور پر شعر موزوں کرنا ایک بات نہیں ہے۔ اس لیے نعت گو تو بے شمار ہیں لیکن بہزاد لکھنوی جیسے نعت گو معدودے۔ بہر حال آپ کی کوشش قابلِ تعریف ہے۔ شکریہ (شہزاد منظر ص،۵۵۲)

جناب رضوی صاحب کے تحقیقی مضمون کے علاوہ نعت سے متعلق کچھ تنقیدی مضامین بھی زیرِ نظر تالیف میں شامل ہیں۔ ان مضامین میں جناب عاصی کرنالی، جناب رشید وارثی اور جناب عزیز احسن کے مضامین خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ ان مضامین میں ایسی تراکیب، استعارے اور مضامین کی نشان دہی کی گئی ہے جو ہماری نعتیہ شاعری میں اکثر استعمال ہوتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو ان مروجہ مضامین میں شان رسالت میں گستاخی کے پہلو نکلتے ہیں جن سے اجتناب برتنا چاہیے۔ نعتیہ شاعری دراصل پل صراط پر چلنے سے بھی مشکل کام ہے کیوں کہ یہاں معمولی سی بے احتیاطی بھی دین و دنیا میں خسارہ کا سبب بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے میدان نعت گوئی کو ایک ایسی ''ادب گاہ'' سے تعبیر کیا ہے جو عرش سے بھی ''نازک تر'' ہے اور جہاں ''جنید و بایزید'' جیسے صاحبان بصیرت بزرگوں کے بھی ہوش گم ہو جاتے ہیں مذکورہ تینوں مقالے نعت گو شعرا کے لیے ہدایت و رہنمائی کے نکات سے پوری طرح آراستہ ہیں جن کا مطالعہ عام قارئین کے علاوہ بہت سے نعت گو شعراء کے لیے بھی خاطر خواہ افادیت کا حامل ثابت ہوگا۔ (حکیم محمد سعید ص،۴۳۰)

(۱) ''نعت رنگ'' کے مضامین سے یہ خوش آئند حقیقت بڑی واضح طور پر میرے سامنے آئی ہے کہ حمد و نعت غزل کی زمین سے گزرتے ہوئے اپنی ادبی حیثیت کا لوہا منوا رہی ہیں۔ اس بیش بہا تبدیلی کے پیشِ نظر آپ اتفاق کریں گے کہ نعت خواں حضرات کو بھی اپنے لب و لہجے کو زیادہ سے زیادہ غزل سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے جو اب تک کم کم نظر آتا ہے۔ عوامی سطح پر بھی سامعین کی توجہ اور تربیت کا اہتمام کرنا ہوگا تاکہ ماحول بنانے میں

(۸) نہ جانے کیوں اس خیال کے شعر نعت میں مجھے اچھے نہیں لگتے۔ جن میں آنحضور کی ذات گرامی کو فاسق و فاجروں کے طرف دار، عاصیوں کے دل کی راحت وغیرہ کہا جاتا ہے بہر حال اپنی اپنی سوچ ہے بے شک کہنے والا جن معنوں میں یہ کہتا ہے وہ میں جانتا ہوں مگر سطح پر یہ باتیں مجھے پسند آتیں۔ (احمد صغیر صدیقی ص،۵۷)

(۹) نعت میں اس قسم کا خیال پیش کرنا جس سے روضۂ رسول V کے مقابلے میں کعبے کا احترام مجروح ہو یا سرزمین مدینہ کے مقابلے میں ''مکہ'' کا احترام کم ہو جائے مناسب نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دو جگہ کے اشعار ضرور دیکھیے۔ صفحہ نمبر 79 پر منظور حسین منظور کا شعر: (امیر الاسلام صدیقی ص،۲۲۹)

یہ ارض مقدس ہے زیارت گہہ عالم
کعبہ سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے

(۱۰) اس ضمن میں ایک بات عرض کرنا چاہوں گا کہ بہت سی نعتوں میں شعرا مدحِ رسولؐ سے زیادہ ''گنبدِ خضرا'' یا ''طیبہ'' وغیرہ کی شان میں ''نعت'' کہتے نظر آتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بات بنتی ہے۔ کوثر علی صاحب کی نعت کا قافیہ ردیف ہی ''بہارِ طیبہ''، ''کنارِ طیبہ'' ہے۔ اس میں تمام تر مدح طیبہ کی ہے۔ الفاظ اور بیان کے لحاظ سے یہ نعت بہت عمدہ ہے مگر سارا زور طیبہ پر ہے۔

جیسے معراج کی شب راہ فلک روشن تھی
یوں چمکتی ہے ہر اک راہ گزار طیبہ

ایک شعر جناب ولی اللہ ولی کا دیکھیں:

ہائے گستاخ خاکہ ہے ان کا لیے
جن کی صورت پر نازاں ہیں لوح و قلم

پتا نہیں کیا کہا ہے انھوں نے... (احمد صغیر صدیقی ص،۸۱۔۸۰)

نعت گوئی اور تربیت کے تقاضے:

مولانا الطاف حسین حالی نے شاعروں، خصوصاً غزل گو شاعروں کے لیے جو پند نامہ لکھا ہے یعنی مقدمۂ شعر و شاعری... اس میں غزل اور مضامین غزل کے بارے میں جو اندازِ نقد اختیار کیا گیا ہے اس معیار پر خود مولانا حالی کی غزل پوری نہیں اُترتی۔ مقدمۂ شعر و شاعری کی

اُن کے سر سے گزر جاتی ہیں. اگر چہ اس کے باوجود اُن کا شوق و وجدان دیدنی ہوتا ہے۔
غزلیہ نعت و حمد میں تو مشکل گوئم کا غالب ہونا ویسے بھی قرینِ قیاس ہے ایسے میں اگر ثنا خواں مشینی انداز میں بولتے چلے جانے کی بجائے اندازِ بیاں میں لچک پیدا کرے، تلفظ پر زور دے اور کہیں کہیں رُک کر ضروری وضاحتیں کرنے کا فن اپنائے تو مجھے یقین ہے کہ نہ صرف سننے والوں کی دلچسپی بڑھے گی بلکہ نعت خواں کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ ہوگا۔ صرف ایک دو مرتبہ اتنا کہہ دینا ہی کافی نہیں کہ ''میرے ساتھ مل کر پڑھیں'' بلکہ چاہیے یہ کہ دیگر پہلوؤں سے بھی سامعین کو ساتھ لے کر چلا جائے تا کہ اس کارِ خیر کے جملہ مقاصد کے حصول کا بہتر موجب ہو۔

(۶) جب سے ٹی وی نے ثنا خوانی کی بڑھ چڑھ کر سرپرستی شروع کی ہے جہاں اس صنف کو کئی اعتبار سے تقویت ملی ہے وہیں تجارتی مفاد کے در آنے سے معیار میں اکھاڑ پچھاڑ کا سماں بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔ اکثر غیر ضروری شو، شا اور نت نئی اختراعوں کے استعمال سے کافی حد تک مقصود سامع کے دل کو نہیں بلکہ جیب کو ٹٹولنا لگتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا اپنا لوہا منوانے کے در پے ہے۔ معیار سے زیادہ مقدار پر زور ہے۔ انوار کی بجائے سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی بارش ہو رہی ہے۔ اکثر سُر پر اتنا زور دیا جاتا ہے یا یہ ایسی بے ربط ہوتی ہے کہ شعریت سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اس روش کی اصلاح کی ضرورت ہے کیونکہ مجھے تو نعت و حمد کے حوالے سے یہ حرف و صوت کی خدمت نہیں لگتی۔ (خضر حیات ص، ۳۲۷۔۳۲۵)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ جو القاب مستعمل ہیں مثلاً ''مولائے کل''، ''آقائے دو جہاں''، ''سرکارِ دو عالم'' وغیرہ میں ان پر اکثر غور کرتا ہوں یہ تمام القاب مجھے ربِ رحمان و رحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں مثلاً آقا و مولا تک تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مولائے کل'' کہا جائے تو پھر اللہ تعالٰی کے لیے کیا کہیں گے؟ ہمارے سامنے ''رحمت للعالمین''، ''رسول مقبول''، ''نبی کریم''، ''حبیب خدا'' وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں بہر حال میری خواہش ہے کہ اس طرف بھی کوئی صاحب علم مضمون نگار توجہ دے تو کیا ہی اچھی بات ہوگی اگر علامہ اقبال اور مولانا حضرات کچھ کہتے ہیں تو اسے سند بنا کر سب کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ بذریعۂ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جائے۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۴۵)

نعتیہ شاعری پس منظر اور روایت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے کچھ معجزات ان کی حیات میں ظہور میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں، ان کی وفات کے بعد جو درود وسلام، **لا تعدو لا تحصی**، ان کی ذات گرامی پر بھیجے گئے وہ اپنی جگہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ یہ میرے نزدیک سب سے بڑا اور سچا معجزہ ہے، جس کا جواب محال ہے۔ نعتوں کا سلسلہ الگ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور برگزیدہ شخصیت کے لیے، اتنے منظومات، سلام، گیت، بھجن یا مدحتیں لکھی گئی ہوں گی۔ حضرت عیسیٰ کی شان میں بہت سے odes, hymns, songs لکھے گئے ہیں، جیسے سپنسر کا Ode to the Nativity of Christ (برمیلادِ مسیح) (۴۶۹) مگر ان کی تعداد اس کا عشرِ عشیر بھی نہ ہوگی۔ حیرت بالائے حیرت یہ کہ خود غیر مسلموں نے اس میدان میں دل کھول کر طبع آزمائی کی اور بہت کچھ دادِ سخن آرائی دی، جس کا اعتراف واجب ہے۔ یہ سلسلہ قرونِ اولیٰ سے جاری ہے، اس کا آغاز جناب رسالت مآب V کے حین حیات میں ہو گیا تھا، اور برابر فروغ پذیر رہا۔ حتیٰ کہ بیسیوں صدی میں گزشتہ سب زمانوں سے بڑھ گیا۔ ہمارے ہاں تحریک پاکستان سے بھی اس کو تقویت ملی، جس میں ایک نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل اور دین کی عظمت مدنظر تھی، جو جناب رسالت مآب کی ذات مکرم سے عبارت ہے، بقول اقبال:

"بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست"

اس صدی کے آغاز میں بعض خلاف مذہب تحریکات کے ردِ عمل کے طور پر بھی دنیا بھر کے مذہبی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہوئی، جس میں سوویت یونین کے خلاف کچھ شعوری تحریک کا بھی دخل تھا۔ جس کی روحانیت سے عاری نظامِ فکر اور محض مادی تصورِ حیات نے دنیا بھر میں بہت سے انسانوں کے ایمان کو متزلزل کر دیا تھا۔ پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں ایک طرف روس کے خلاف سرد جنگ زوروں پر تھی اور یہ اس مہم کا آخری مرحلہ تھا جو ستر بہتر برس خصوصاً امریکہ کی طرف سے بہ شدت و بہ ہر حیلہ جاری رہی۔ دوسری طرف جنرل صاحب نے اسلامی نظام رائج کرنے کا سبز باغ دکھایا، جس سے مومنین کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا ہوئی اور اس سے اہلِ تخلیق بھی متاثر ہوئے۔ چناں چہ انیس سو اسی (۱۹۸۰ء) کی دہائی میں سب سے زیادہ نعتیں لکھی گئیں اور جو نعتیہ مجموعے جب سے اب تک شائع ہوئے ان کی تعداد تمام ہند اسلامی

اہمیت اور قدر و قیمت اپنی جگہ لیکن جذبات و خیالات کا بہاؤ اور تخلیقی جذبہ... تنقید کو خاطر میں نہیں لاتا۔ لیکن اس کے باوجود تنقید ہی تربیت کا باعث ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب نے نعت کے موضوعات پر ایک بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے تو میں بالکل ہی متفق ہوں کہ دوسروں سے الگ اپنی راہ تراشنے کے شوق میں، جدت کے گرداب میں بہت سے شاعر پھنس جاتے ہیں۔ یوں وہ زبان سے غفلت برتتے ہیں اور نئے موضوعات تک رسائی حاصل کرنے کی جگہ اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔

یہ صرف نعت گو شاعروں کا حال نہیں ہے بلکہ آج کل جو بھی قلم سنبھال کے ادب کے میدان میں اُترتا ہے وہ ان ہی مذکورہ سامانِ حرب سے لیس ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی جائے تو جواب ملتا ہے، بات سمجھ آ رہی ہے نا... گویا اصل مقصد بات سمجھ آنا ہی رہ گیا ہے۔

پھر ایسے شاعروں کو جو اپنی راہ تراشنے کے شوق میں جدت کے گرداب میں پھنس جاتے ہوں..... زبان سے غفلت برتتے ہوں اور اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہوں، ہمارے کشفی صاحب کا مشورہ یہ ہے کہ وہ مطالعۂ حدیث اور مشاہدۂ کائنات کے ذریعہ ہی رسول اکرم V کی حقیقی عظمت کی بارگاہ میں بار پا سکتے ہیں..... بھائی! ہمارا شاعر تو رسالے کا بھی وہی صفحہ پڑھتا ہے جس پر اس کا کلام بلاغت نظام شائع ہوا ہو...... اور جو شاعر ''پڑھے لکھے'' ہونے کے دعویدار ہیں وہ مشاہدۂ کائنات اور مطالعۂ قرآن و حدیث کے بجائے دیگر فلسفیوں کی کتاب پڑھتے ہیں۔ نعت صرف ضرورتاً کہتے ہیں یعنی ریڈیو، ٹی وی کے مشاعروں کے لیے۔ (سلطان جمیل نسیم ص، ۴۳۱)

نعت گوئی: چند تجاویز:

سلیم شہزاد نے اپنے مضمون میں آزاد نظم میں نعت کی جلوہ گری پر بات کی ہے اور اچھا لکھا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صابر سنبھلی کے مضمون میں دی گئی باتوں کی عملی تعبیر ملتی ہے۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ نعت میں ہیئت کے تجربے زیادہ ہونے چاہییں۔ اسے غزل کے انداز تک محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ نعت صرف غزل کے انداز ہی میں نہیں متعدد دوسری ہیئتوں میں کہی جا رہی ہے۔ جناب سلیم شہزاد کا یہ مضمون بہت محنت اور عمدگی سے لکھا ہوا ہے۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۷۹۔۷۸)

کرتی ہے۔ عربی کے چار بڑے عربی شعرا جنھوں نے عربی شاعری کو شعری محاسن سے مالا مال کیا، وہ کعب بن مالک انصاریؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ تھے۔ یہ چاروں حضرت محمد V کے صحابی تھے۔ ان میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ کو حضور V نے خاص طور سے یہود و مشرکین کے شعرا کی مخالفانہ شاعری کے جواب میں شعر کہنے کی اجازت دی تھی، انھوں نے نعت گوئی کے فن کو بلندیوں تک پہنچایا اور پھر یہ ایک مستقل صنف شاعری کے طور پر عربی ادب کی شناخت بن گئی۔ آج عربی کا شعری ادب نعتیہ شاعری سے مالا مال ہے۔ (سلیم یزدانی ص، ۴۴۱۔۴۴۰)

اُردو زبان اور نعت:

گو اردو زبان اور اس میں نعت گوئی کی تاریخ اتنی قدیم نہیں لیکن چوں کہ اردو زبان شروع ہی سے مومنہ ہے لہٰذا اردو زبان کا دامن نعت سے بھرا ہوا ہے لیکن نعت پر نقد و تبصرہ کے حوالے سے اتنا کام نہیں ہوا جتنی اردو نعت کی وسعت ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی جامعات میں شاید کان پور یونی ورسٹی (بھارت) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اردو نعت پر پہلا تحقیقی مقالہ سیّد رفیع الدین اشفاق کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد اور ڈاکٹر ریاض مجید پاک و ہند کی دو ایسی شخصیات ہیں، جنھوں نے رفیع الدین اشفاق صاحب کے بعد نعت پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد شخصیات اور رسائل و جرائد نے نعت پر بہت کچھ لکھا اور مختلف رسائل و جرائد کے نعت پر خاص نمبر شائع کیے۔ میں طوالت سے بچنے کی خاطر شخصیات اور رسائل کے نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن پاکستان میں ڈاکٹر ریاض مجید کا مقالہ اور 'نقوش'، 'نعت کائنات'، 'الرشید نعت نمبر' اور 'اوج نعت' (مرتبہ آفتاب نقوی) وہ کام ہے جو نعت کے حوالے سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

پاک و ہند میں نعت کی تعریف، تاریخ، مختلف زبانوں میں نعت کی ہیئت و کمیت نعت کے لوازمات، مضامین و مواد، ادب اور تقاضے، ماخذ و مصادر الغرض گوناگوں گوشوں اور پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور میرا خیال تھا کہ اس کام کے بعد اردو نعت پر کوئی کیا لکھ سکے گا؟ لیکن ''نعت رنگ'' کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ اردو نعت کے حوالے سے ابھی بہت کچھ کہنا اور لکھنا باقی ہے۔ اسی بہت کچھ، کہنے اور لکھنے میں ''نعت رنگ'' وہ کردار ادا کر رہا ہے کہ بہت جلد اسے خود ایک حوالے کا

تاریخ کے نعتیہ مجموعوں سے بڑھ گئی۔

حب رسول مسلمان کا جزو ایمان ہے، اور اس کا اظہار بصورت نعت ایک فطری اور اندرونی تقاضا ہے۔ چناں چہ کوئی بیرونی تحریک یا تقریب بھی تخلیقی ذہن کو اس طرف بآسانی مائل کر سکتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اب وہ جوش و جذبہ جسے بڑی طاقتیں اپنے مفید مطلب سمجھتی تھیں اور اسے ہوا دینے پر مائل تھیں، انھیں کھٹکنے لگا ہے۔ اب وہ اسے تقویت دینے کی جگہ اسے دبانے پر مائل ہیں۔ مگر بقول مولانا ظفر علی خاں:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مذکورہ تاریخی پس منظر سے قطع نظر، ثنائے رسول بھی صلوٰۃ و سلام کی طرح، ہمارا محبوب مشغلہ، بلکہ فریضہ اور ایک مبارک ادبی روایت ہے۔ یہ ہمیشہ سے جاری تھا اور جاری رہے گا۔ ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے نے اس مقدس روایت کو منظم institutionalized صورت میں جاری رکھا ہے، اور بڑے دل پذیر، رنگارنگ، روح پرور، ایمان افروز مجموعے شائع کیے ہیں۔ میں آپ کے ذوق اور لگن کا معترف و مداح ہوں۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء۔

(شان الحق حقی ص، ۴۷۱-۴۷۰)

جس عرق ریزی سے آپ نے اس شمارے کو ترتیب دیا ہے اُس کا اظہار اس میں شامل نثر و نظم کے شہ پاروں سے ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی تہذیب ہو اُس میں اعلیٰ ترین مقام اُس کے مذہبی شہ پاروں کو ہوتا ہے۔ یونان کے دیومالائی ادب کو اور دیوی دیوتاؤں کے شان میں کہے گئے گیتوں اور زمزموں کو جو مقام یونانی ادب میں حاصل ہے، وہ بعد میں معرضِ وجود میں آنے والے ادب کو نہیں ہے، یہی صورتِ حال بھارت کے کلاسیکل ادب کی ہے۔ سنسکرت میں جو ادبِ عالیہ نظر آتا ہے، اُس میں اظہار، وجدان کی سرحدوں کو چھوتا نظر آتا ہے، اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایسا ادب تخلیق کیف و مستی کی فضا میں ہوتا ہے۔ اور یہ خاص و عام سب کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔

'رگ وید' میں بھارت میں آئے ہوئے آریوں کی عظیم شاعری اور مناجاتیں اُس دور کی بے مثال شاعری تصور کی جاتی ہے، اس لیے یہ وجدانی ذوق شوق کی مظہر ہیں۔ یہی حال کتاب متیٰ، مرقس کی انجیل اور اُس سے پہلے تورات، زبور اور کتبِ انبیا کی حمدیہ شاعری کا ہے جو تخلیقی اعتبار سے بلند پایہ کلام ہے۔

نعتیہ شاعری کی روایت عربی ادب سے فارسی ادب اور پھر اردو کے دامن کو گل رنگ

اجمعین کا بھی ذکر کیا ہے، یقیناً وہ جانتے ہوں گے کہ ان شعرائے دربارِ رسالت مآب V نے نعت سے دفاع رسول V کا کام لیا تھا اور کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دیا تھا۔ ڈاکٹر شعیب نگرامی کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ نعت آج بھی دفاع رسول V کے منصب جلیلہ پر رونق افروز ہے۔ طائف کے اوباش لڑکوں کے قہقہے آج بھی فضاؤں میں زہر گھول رہے ہیں، آج بھی سفاک لمحے ابوجہل اور ابولہب کی چیرہ دستیوں کی یاد دلا رہے ہیں۔ حق و باطل کا معرکہ آج بھی جاری ہے، حق، باطل کے ساتھ سمجھوتے کا روادار نہ کل تھا اور نہ آج ہے۔

آج دشمنانِ اسلام اور منکرین رسول کا دائرہ مزید وسیع ہو چکا ہے۔ گستاخانہ خاکوں سے لے کر نعوذ باللہ قرآن پاک کو جلانے تک کے روح فرسا واقعات اِسی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں بعض اوقات ذہن مسلک کے گرد وغبار میں اس قدر الجھ جاتا ہے کہ نہ زبان قابو میں رہتی ہے اور نہ قلم ہی گرفت میں آتا ہے۔ زبان ہذیان بکنے لگتی ہے اور قلم گالیاں تخلیق کرنے لگتا ہے انتہاء پسندی دہشت گردی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کسی تحریر یا کسی شعر کا من مانا مفہوم اخذ کر کے بہتان تراشی کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے۔ کفر و شرک کا الزام لگانے کے بعد خود ہی فتویٰ صادر فرمانا قلم فروشوں کی پرانی عادت ہے۔ موصوف نے ایک ہی سانس میں نعتیہ شاعری کے ۸۰ فیصد حصّہ کو شرکیہ شاعری قرار دے ڈالا ہے اور تو اور انھوں نے اقبال کو بھی نہیں بخشا۔

ع نگاہِ عشق و مستی میں رہی اوّل وہی آخر

کیا تاجدارِ کائنات V، نبی آخر الزماں V، حضور رحمت عالم V رسولِ اوّل و آخر نہیں؟ وہ صاحبِ علم جو رباعی اور دو اشعار کے مابین فنی فرق سے بھی آگاہ نہیں، اس کے لکھے کو اعتبار اور اعتماد کی سند دی جا سکتی ہے؟ اربابِ نقد و نظر اس زہر فشانی کا تریاق دریافت کریں ورنہ یہ زہر سارے جسم میں سرایت کر جائے گا۔

گزارش یہ ہے کہ توحید تو ہمیشہ خالص ہی ہوتی ہے۔ اس میں ملاوٹ کا تصور بھی بندے کو کفر و شرک کے الاؤ کا ایندھن بنا دیتا ہے۔ اللہ ایک ہے اور وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ کوئی ثانی نہیں، کوئی ہمسر نہیں وہ یکتا اور تنہا ہے۔ لائقِ بندگی صرف اور صرف خدا کی ذات ہے سجدہ صرف اُسی کو روا ہے ہم اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ پتھر میں کیڑے کو رزق دیتا ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات کا روزی رساں ہے، وہی بیماروں کو شفا دیتا

مقام حاصل ہو جائے گا۔ ''نعت رنگ'' کی تہذیب و تدوین جس عقیدت، محبت، خلوص اور علمی پیاس و لگن کے ساتھ ہو رہی ہے وہ قابل قدر و تعریف ہے اور مستقبل میں اردو نعت پر تحقیق و تدقیق کرنے والوں کے لیے حوالہ ناگزیر ہے۔ (ڈاکٹر قبلہ ایاز ص، ۲۳۷)

کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ حصول پاکستان کی جنگ اسی اردو زبان میں لڑی گئی تھی۔ اردو زبان قصرِ اخوت کا بنیادی پتھر ہے۔ تراجم قرآن، تفاسیر سیرت النبی کی کتب، میلاد نامے تمام تر اسلامی ادب حتیٰ کہ ممتاز علما و مشائخ کی تقاریر اردو زبان کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

معیار اور مقدار کے حوالے سے بھی حمد و نعت کے لیے اردو زبان ہی کو اظہار کا وسیلہ بنایا گیا ہے۔ اردو زبان و ادب سے محبت کرنے والوں کے لیے یہ امر باعثِ صد افتخار ہے کہ آج بھی زیادہ تر نعت غزل کی ہیئت میں کہی جا رہی ہے۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی نعت کائنات میں غزل کی ہیئت بھی مقبول ترین ہیئت ہوگی۔ (اگرچہ نئی نئی اصنافِ سخن میں بھی مدحت نگاری کا عملِ دلپذیر جاری رہے گا) (ریاض حسین چودھری ص، ۲۶/۶۲۲)

عصری صورت حال اور نعت کی ضرورت اور اہمیت:

ڈاکٹر شعیب نگرامی کا ''مقالہ'' الا ماشاء اللہ تنقید نگاری کی ایک خوب صورت مثال ہے جس پر بے ساختہ انھیں داد دینے کو جی چاہتا ہے افسوس وہ اپنے مخصوص مسلکی فریم سے باہر ہی نہیں نکل سکے۔ مفروضوں پر مبنی بہتان تراشیوں کے پہاڑ تحقیق (تخلیق؟) کر لینا کہاں کی دانش وری ہے۔ موضوع نعت ہے لیکن مدرسوں کے نصاب تعلیم میں قرآن و حدیث کو تبرکاً شامل کرنے کی پھبتی بھی کسی جا رہی ہے۔ گویا مقصود تنقیدِ نعت نہیں اپنے مخصوص مسلک کی تنگناؤں کی رونمائی ہے ارشاد فرماتے ہیں:

> عربی کی نعت کو توحیدِ خالص کی ڈگر سے ہٹا کر شرک کے غار میں دھکیلنے کے گناہ گار ساتویں صدی کے اندلسی الاصل شاعر ابن ہانی اور اسکندریہ کے نعت گو شاعر محمد بن سعید البوصری تھے۔ جن کے بارے میں ایک دوسرے استاد محمد البخار کہا کرتے تھے کہ مذکورہ دونوں شعرا نے شرکیہ نعت گوئی کا شجرِ خبیثہ لگایا تھا جو آج بھی پھل پھول رہا ہے۔

موصوف نے حسان بن ثابت، زہیر بن کعب اور عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم

بد قسمتی ہے کچھ لوگ حضور V کی دکھی امت کو مزید خانوں میں تقسیم کرنے کی گھناؤنی سازش میں مصروف ہیں۔ مکینِ گنبد خضرا سے غلامی کا رشتہ از سرِ نو استوار کرنے کے بجائے یہ غلامیٔ رسول کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔ اس وقت امت مسلمہ کو جدید علوم میں مہارت حاصل کر کے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو اغیار کے ہاتھوں سے چھیننا ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ علم و حکمت کی ہر روشنی تاجدارِ کائنات، حضور رحمت عالم V کے قدموں کی خیرات ہے، نعت درود و سلام کے پیکر شعری کا نام ہے۔ آقا V کی سیرتِ مقدسہ سے اکتساب شعور کرنے کی سعی ہے۔ نعت کے خلاف ہر سازش پیغمبر اسلام V کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔ پیغمبر اسلام V کے خلاف سازش دین اسلام کو للکارنا ہے۔ اس کی توقع دشمنانِ اسلام سے تو کی جاسکتی ہے کسی کلمہ گو سے نہیں۔ لمحۂ فکریہ ہے کہ یہ لوگ دشمنانِ اسلام کے ہاتھ مضبوط کر کے کون سا مذہبی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، چلیے بات مختصر کرتے ہیں۔ کیا آپ اپنی محافل اور مجالسوں میں (بقول آپ کے) یہ ۲۰ فی صد غیر شرکیہ شاعری پڑھتے ہیں، یقیناً نہیں پڑھتے، تو پھر یہ تنقید برائے تنقید ہی ہوئی نا؟ (ریاض حسین چودھری ص، ۳۸۹۔۳۸۷)

واقعہ یہ ہے کہ اردو نعت عصری آگہی، ملّی شعور اور اجتماعی درد کا مرقع ہے۔ خصوصاً عصر حاضر میں ملت اسلامیہ پر مصائب و آزمائش کا طوفان ٹوٹ پڑا ہے، اس کی بھرپور عکاسی نعتیہ شاعری میں بھی ہوتی ہے۔ (شاہ رشاد عثمانی ص، ۳۴۶)

جدید اُردو نعت:

یہ اکیس ویں صدی کی پہلی دہائی ہے۔ نقد و نظر کے پیمانے بھی تبدیل ہو رہے ہیں، شہرِ ادب میں تازہ کاری کی مسلسل بارشوں سے فرسودگی اور بوسیدگی کا زنگ بھی اُتر رہا ہے۔ آج کی نعت اعلیٰ حضرت کے زمانے کی نعت سے بہت مختلف ہے۔ نعت کی کائنات بھی ہر آن پھیلتی جارہی ہے۔ اگرچہ نعت گو کا اساسی رویہ وہی رہے گا جس سے ایوانِ نعت روزِ ازل سے گونج رہا ہے۔ لیکن سوچ اور اظہار کے ارتقائی سفر کے مختلف مراحل پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، اس کا ڈکشن بھی بڑی حد تک بدل جاتا ہے۔ آج کے نقاد کو بھی اَن گنت چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اب ادبی منظر نامہ نئے رنوں کی رنگ آمیزی سے بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ نعت وہ واحد صنفِ سخن ہے جس نے تمام اصنافِ سخن

ہے۔وہی زمین کے سینے سے خوشۂ گندم اگا تا ہے۔ ہماری ایک ایک سانس اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہی طاقت کا سرچشمہ ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، وہی کائنات رنگ وبو کا مالک ومختار ہے۔آقائے محتشم V اُس کے بندے اور رسول ہیں، وہ بندے اور رسول جن کے سرِ اقدس پر قادرِ مطلق نے ختم نبوت کا تاج سجایا۔انھیں کل جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔تاجدارِ مدینہ اللہ کے وہ بندے اور رسول ہیں جن کی قدم بوسی کے لیے یہ جہان رنگ وبو تخلیق کیا گیا۔جس رسول اوّل وآخر پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور ربِ کائنات ایمان والوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی رسولِ رحمت پر خوب خوب درود وسلام بھیجا کرو، حضور V اللہ کے وہ بندے اور رسول ہیں جن پر ہدایت آسمانی کی آخری دستاویز نازل کی گئی۔قرآن عظیم میں جن کے محاصر ومحاسن کی دھنک سجائی گئی ہے، جنھیں مہمانِ عرش ہونے کا اعزاز بخشا گیا ہے جن کے وسیلے سے ہمیں ایمان نصیب ہوا۔جنھیں زمین کے سارے خزانوں کی کُنجیاں عطا کی گئیں، قیامت کا دن شافعِ محشر V کی عظمتوں اور رفعتوں کے ظہور کا دن ہے۔ربّ کائنات آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول اپنی امتوں سمیت حضور V کے خیمۂ عافیت کی تلاش میں نکلیں گے، سورج سوا نیزے پر آگ برسا رہا ہوگا۔نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ساقیٔ کوثر حوضِ کوثر پر پیاسوں کو پانی پلا رہے ہوں گے، سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔سب سے پہلے آپ جنت الفردوس میں داخل ہوں گے، رہی علم غیب اور تصرفاتِ رسول کی بات تو گزارش ہے کہ اللہ رب العزت کا علم لامحدود ہے اور یہ علم اس کا ذاتی علم ہے۔اللہ خالق ہے اور حضور V اس کی مخلوق ہیں، حضور V کا علم ذاتی نہیں عطائی ہے، اللہ رب العزت کا عطا کردہ ہے۔حضور V کو اُن کے ربِ عظیم نے کتنا علم اور کیا کیا عطا کیا ہے، مَیں اور آپ اس کا تعین کرنے والے کون ہوتے ہیں، کیا قاسم آقا حضور V کی کنیت نہیں؟ ہر عہد میں ہر نعت گو کا یہی عقیدہ رہا ہے سوویت روس کے بکھرنے کے بعد یہود، ہنود اور نصاریٰ نے اپنی توپوں کا رخ اُمتِ مسلمہ کی طرف کر دیا تھا۔اسلامیان عالم کو ہر محاذ پر پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، نعتیہ شاعری پر شرکیہ شاعری کا لیبل لگا کر آپ اپنے کن آقاؤں کو خوش کر رہے ہیں، کیا آپ ان عالمی قزاقوں کے ہاتھ مضبوط نہیں کر رہے؟

فکری مغالطوں کی چلیں لاکھ آندھیاں
پرچم اُڑے گا اور بھی اونچا حضور کا

''بگڑا شاعر مرثیہ گو'' کا مفروضہ قائم کرلیا گیا تھا اسی طرح نعت اور نعت خوانی کو بھی محفلِ میلاد کی ضرورت سمجھا جانے لگا تھا۔ (سلطان جمیل نسیم ص،۴۳۲)

نثری نظم اور نعت:

پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور کا مقالہ ''نثری نظم اور نعت'' دلچسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی جن قدیم اور جدید نثر پاروں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نثری نظم کے عنوان سے نہیں لکھے گئے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں کہ غیر ارادی طور پر نثری نظمیں اور نثری نعتیں تخلیق ہوتی رہیں۔ آج اپنے آبا کے اپنے انہی نقوش قلم کو بنیاد بنا کر نثری نظم ایک باقاعدہ صنفِ سخن کے طور پر سامنے آرہی ہے تو اس پر منفی ردِ عمل کیوں؟ یوں لگتا ہے جیسے عبارت آرائی کو نثری نظم کا نام دیا جارہا ہے۔ لوگ عبارت آرائی کو منفی معنوں میں لیتے ہیں۔ کسی اہلِ قلم کو تضحیک کا نشانہ بنانا ہو تو اس پر عبارت آرائی کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ میں اس بات کا زبردست حامی ہوں کہ قاری کو تخلیق کار کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے کا جمہوری حق ملنا چاہیے، البتہ تنقید برائے تنقیص کا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ عبارت آرائی بھی تخلیقی عمل کا حصہ ہے۔ یہ کسی نثر پارے کی اضافی خوبی ہے جسے بجا طور پر اب نثری نظم کا نام دیا جارہا ہے۔ نثر پر شاعری کا گمان ہونا ہی نثری نظم یا نثری نعت کا دستاویزی جواز ہے، ہمارے بعض مقررین کی تقاریر کے بعض حصوں کو بھی نثری نعت میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ عطاءاللہ شاہ بخاری، صاحبزادہ فیض الحسن، شورش کاشمیری، پیر کرم شاہ الازہری اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی بعض مکمل تقاریر یا ان کے متعدد حصے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ نثری نظم اور نثری نعت کو ایک نئے تجربے کے طور پر اپنے قدم جمانے کا موقع تو دیں۔ اگر اس نئی صنفِ سخن میں تخلیقی توانائی ہوگی تو یہ زندہ رہے گی۔ ورنہ وقت سب سے بڑا اور ظالم نقاد ہے، نئی نئی اصنافِ سخن متعارف ہورہی ہیں۔ یہ سب تخلیقی عمل کی ارتقائی صورتیں ہیں۔ تخلیقی عمل بغیر کسی رکاوٹ کے جاری وساری رہتا ہے۔ جمود کا لفظ موت کے مترادفات میں شامل ہے، تخیل کا پرندہ پرِ پرواز مانگتا ہے۔ اظہار کی تنگناؤں میں اُڑنا اس کی جبلت کے خلاف ہے۔ یہ مسلسل پرواز کا تمنائی ہے۔ سانیٹ اور ہائیکو اب اجنبی اصنافِ سخن نہیں، تلاثی، کوثریہ... اور اب ''اکائی'' نئی اصنافِ سخن کے طور پر متعارف ہورہی ہیں۔ ''اکائی'' (حمد و نعت) کے تعارفی کلمات میں میں نے لکھا ہے:

''ہمارے ہاں، یک مصرعی نظموں کی روایت پہلے سے موجود ہے میں نے

میں اپنے وجود کو منوایا ہے حتیٰ کہ نثر میں بھی نعت کے خوب صورت نمونے مل جاتے ہیں، ہدایتِ آسمانی کی آخری دستاویز قرآن حکیم اس کی روشن تر مثال ہے۔ جدید اردو نعت میں موضوعات کے تنوع کو بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔ آپ کا فکر انگیز اداریہ اس حوالے سے نئی سمتوں کی نشان دہی کر رہا ہے اور مستقبل کے نعت گو اور نقاد کی درست رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ جمود کو توڑنا اور افقِ شعر پر نئے آفاق کی تسخیر بذاتِ خود ایک اجتہادی اور جہادی عمل ہے اور ''نعت رنگ'' اس اجتہادی اور جہادی عمل میں پہلے دن سے شریک ہے، نعت کائنات ہے اور ہم اس کائناتِ نعت میں سانس لے رہے ہیں۔ نقد ونظر کے نئے حوالوں کے ظہور اور نئے پیمانوں کی تشکیل کے بغیر اب آگے بڑھنا تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ انتخابی تنقید کا نظریہ بڑا توانا اور جان دار ہے۔ عملی سطح پر یقیناً اس کی پزیرائی ہوگی۔ انتخابی تنقید کا نظریہ ایک دبستانِ تنقید کے طور پر جلد ہی اپنے تخلیقی اور تنقیدی وجود کو منوالے گا۔ آپ کے اس نقطۂ نظر میں کافی وزن ہے کہ تنقید کے تمام دبستانوں سے اکتسابِ شعور کیا جائے، ابتدائی خاکہ آپ نے دے دیا ہے اب اس ابتدائی خاکے میں رنگ آمیزی کا فریضہ بھی اربابِ علم وفن کو دینا چاہیے، پاک وہند کے ممتاز نقاد حضرات کا آپ کو تعاون اور اعتماد حاصل ہے۔ ڈاکٹر سیّد محمد یحییٰ نشیط، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، پروفیسر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر ریاض مجید، حسن محمود جعفری، پروفیسر محمد اکرم رضا، پروفیسر افضال احمد انور، عزیز احسن، ڈاکٹر غفور شاہ قاسم اور دیگر اربابِ فکر ونظر کے دروازوں پر دستک دیجیے کہ وہ شہرِ قلم کے دروازے وا کریں۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی زندہ ہوتے تو آپ کو خوب خوب شاباش دیتے۔ (ریاض حسین چودھری ص، ۳۸۴)

پاکستان میں نعت گوئی:

پاکستان میں ۱۹۸۰ء کے بعد نعت گوئی کا چلن عام ہوا۔ ریڈیو اور ٹی وی پر نعتیہ مشاعروں کی کثرت دیکھ کر بڑے بڑوں کو، راتوں رات مشہور ہوجانے کا راستہ نظر آیا۔ پھر اردو کے ادبی رسائل نے بھی شعرائے قدیم کے دواوین کی طرح اپنے وقیع رسائل کی ابتداء حمد اور نعت سے کرنے کی بنیاد رکھی۔ یوں رفتہ رفتہ نعت ادب کا حصہ بنتی چلی گئی۔ گزشتہ بیس سال میں جتنے نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں بیس برس پہلے شاید اتنی نعتیں بھی شائع نہیں ہوئی ہوں گی۔ نعت گوئی کے سلسلے میں ٹھوس علمی اور ادبی کام کی طرف صاحبانِ علم کو متوجہ کرنا...... پھر ان کے کام کو سامنے لانا۔ یہ بڑا دقت طلب کام تھا...... جو آپ بڑی عمدگی سے انجام دے رہے ہیں۔ ایک زمانہ میں

ہندوستانی اور پاکستانی نعت گو شعرا میں فرق:

دوسری بات جو خاص طور پر آپ سے اور اپنی برادری یعنی شعرائے کرام سے عرض کروں گا کہ جب قرآن پاک میں حضور اکرم V کے ساتھ ان کے جانثار صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے، پروردگار عالم نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ میں ان سے راضی ہوں اور یہ مجھ سے راضی ہوئے۔ اسی مضمون کو میں نے اپنے دو شعروں میں عرض کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

یہاں کیا مدحِ اصحابِ حبیبِ کبریا ہوگی — صحابہ کی حقیقت روزِ محشر آئینہ ہوگی
خدا سے وہ ہوئے راضی خدا ان سے ہوا راضی — صحابہ کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی

ہندوستانی اور پاکستانی شعرا میں یہی فرق ہے کہ ہم لوگ اپنی نعتوں میں صحابہ کرام کا بھی ذکر کرتے ہیں اور خصوصیت سے لکھنؤ کے سنی شعرا تو نعت پاک میں ترتیب کا بھی خاص اہتمام کرتے ہیں جو آپ کے وہاں نہیں ملتا۔ میں نے آپ کے بھیجے ہوئے نمبر اور آپ کا خود مجموعہ کئی بار پڑھا لیکن کہیں بھی اصحابِ رسول V کا تذکرہ نہیں ہے۔ کیا آپ حضرات صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کو نہیں مانتے جس کے واسطے سے اسلام ہم تک پہنچا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنینؓ کا تو ذکر ملتا ہے اور حضرت خدیجہؓ کا۔ لیکن حضور کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی جن کے حجرۂ پاک میں آج بھی حضور آرام فرما رہے ہیں اور حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ۔ پروردگار ہم سب کو نعت پاک کے ساتھ فضائل صحابہ بھی نظم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (ساجد صدیقی لکھنوی ص ۴۰۱)

سندھی ادب اور نعت:

مدحت رسول V کی سعادت تقریباً ہر زبان کو حاصل ہے۔ لیکن سندھی زبان نے آپ V کی ثنا اور تعریف کو ایک منفرد مقام دیا ہے مگر جغرافیائی قیود اور میڈیائی ذرائع کم ہونے کے باعث منظر عام پر نہیں آسکا۔ انشاء اللہ میں اس سلسلے میں تحقیقی مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سندھی ادب میں نعتیہ شاعری پر تنقیدی پہلو کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے یا نا کافی ہے۔ البتہ اصناف کے لحاظ سے جس قدر صنفوں کو نعت کا سنگھار بنایا گیا ہے، اردو ادب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ مثلاً سہ حرفی، صنف واسع الشفتین، صنعت عکس وترد، صنعت تحت النقاد، صنعت فوق النقاط، صنعت حروف متصل، صنعت عمودی عکس اور بغیر الف کے وغیرہ اس سلسلے میں ''نعت رنگ''

اس میں ہیئت کی معمولی سی تبدیلی کی ہے اور اس نئی صنفِ سخن کو ''اکائی'' کا نام دیا ہے۔ اکائی میں شامل تمام یک مصرعی نظمیں ایک ہی بحر میں ہوں گی، ان ہم وزن مصرعوں کی تعداد پر پابندی نہیں ہوگی۔ اسے شاعر کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا۔ قافیے اور ردیف کا اہتمام بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اس پابندی سے نئے تخلیقی آفاق کی تسخیر کے امکانات محدود ہو سکتے ہیں۔ ''اکائی'' کی وسعت پزیری شاید اس کی متحمل نہ ہو سکے، یوں اس کی انفرادیت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اکائی میں شامل ہر مصرعی نظم کا آغاز ایک ہی یا ایک سے زیادہ الفاظ سے ہوگا۔ اور یہ لفظ یا الفاظ ہر یک مصرعی نظم میں دہرائے جائیں گے۔ اس تکرار سے ایک دل نواز آہنگ پیدا ہوگا۔ اس کا انداز عموماً خطابیہ ہوگا ہر یک مصرعی نظم الگ خیال کی حامل ہوگی، لیکن بہت سی یک مصرعی نظموں کو جب ایک مربوط نظم کی شکل دی جائے گی تو یقیناً اس کا ایک مجموعی تاثر بھی مرتب ہوگا۔ اکائی کا مرکزی خیال حمد و نعت کے مضامین سے ابلاغ پائے گا۔ میری دلی خواہش ہے کہ اس نئی صنفِ سخن کو صرف اور صرف حمد و نعت کے لیے مختص رکھا جائے، زیادہ سے زیادہ اس کا دامن منقبت اور سلام تک پھیلایا جا سکتا ہے۔ یہ اس کے مزاج کا تقاضا بھی ہے۔ اکائی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اسے محافل میں ترنم سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ''اکائی'' کی تازگی ہوائے خوش گوار کا ایک جھونکا ثابت ہوگی۔ اس نئی صنفِ سخن کی پزیرائی کے بارے میں پُر امید ہوں''۔ (ریاض حسین چودھری ص، ۳۹۵-۳۹۴)

پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور (فیصل آباد) نے اپنے مضمون ''نثری نظم ..... اور نعت'' میں نثری نظم کی حتی المقدور وکالت کی ہے۔ لیکن وہ اپنے مقدمے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ نثری نظم کی حمایت میں انکے پیش کردہ دلائل اگر تسلیم کر لئے جائیں تو مسجع و مقفیٰ نثر، انشائیہ، خاکہ نگاری سبھی طرز و اصناف معدوم ہو جائیں گی۔ حتیٰ کہ ابن صفی کے ناولوں تک کو نثری نظم کے شاہکاروں میں شامل کرنا پڑے گا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۱)

دے، جس طرح شاعر کو نعت کہنے کے لئے عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ عقائد اور حقائق سے آگہی ہونا ضروری ہے اسی طرح نعت شریف پر تحقیق و تنقید میں کچھ لکھنے سے پہلے بہت جان کاری کی ضرورت ہے اور لکھتے ہوئے احتیاط اس سے زیادہ ضروری ہے۔ اس تمام تر احتیاط کے باوجود یہ حوصلہ بھی رہنا چاہیے کہ فی الواقع غلطی پر صرف اس کا اعتراف ہی نہ کیا جائے بلکہ اس تصحیح و اصلاح کو مفید اور قابلِ قدر سمجھا جائے۔ (کوکب نورانی ص، ۳۰/۱۲۴)

محترم احمد صغیر صدیقی نے ڈاکٹر شعیب نگرامی کے مقالے پر میرے ردِ عمل کا بُرا منایا ہے اور غصے کے عالم میں میرے اس شعر کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

بعد مرنے کے چلے جائیں گے سب سے چھپ کر
ایک گھر ہم نے مدینے میں بنا رکھا ہے

فرماتے ہیں: ''اس شعر سے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے مدینے میں جو گھر بنایا گیا ہے وہ کوئی چرچ ہے اس میں شاعر چھپ کر جانے کی بات کر رہا ہے عجیب سا شعر ہے ایسے شعر بظاہر اچھے لگتے ہیں لیکن جب ان میں اترا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ شعر کیسا ہے اور یہ کام ہما شما کا نہیں۔''
(ریاض حسین چودھری ص، ۲۶/۶۲۴)

بات صرف اتنی ہے کہ شاعر نے تصور میں شہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جو گھر بنا رکھا ہے، مرنے کے بعد وہ اس گھر منتقل ہونے کا آرزو مند ہے۔ تنقید ضرور کیجئے لیکن یہ بتا دیجئے کہ بات شہرِ حضور کی ہو رہی ہے یہ چرچ کہاں سے آ گیا۔ (ریاض حسین چودھری ص، ۲۶/۶۲۵)

نعت رنگ کے اس شمارے میں ص ۵۹ پر ڈاکٹر صاحب نے نہایت شدت سے یہ جسارت بھی کی، ان کے الفاظ ہیں:

''ہمارے نعت گو شعراء نے اس تصور کو بڑی حد تک قبول کیا ہے، اور اسی کے مطابق عقائدِ اسلامیہ کو بالائے طاق رکھ کر نعتِ نبی V کو جزو ایمان سمجھ لیا ہے، افسوس کہ علماء و فضلاء بھی اس بدعتِ قبیحہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

اس کے جواب میں عرض ہے کہ نعت جزوِ ایمان نہیں بلکہ جانِ ایمان ہے اور عقائدِ اسلامیہ کو بالائے طاق رکھنے والا مومن نہیں رہتا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی صفحے پر تین اشعار لکھے ہیں ،انہوں نے ان اشعار کے بارے میں علماء و فضلاء کے بیان اور فتاوی ملاحظہ نہیں فرمائے، کیا یہ سب اشعار کسی صحیح العقیدہ و قابل شخص کے ہیں؟ جب علمائے حق کی طرف سے ایسے اشعار کی سخت مذمت

کے مؤقر مضمون نگاروں کو دعوت فکر و تحقیق ہے۔(حبیب الرحمن سیال ص،۲۷۳)

فروغِ نعت کے نئے امکانات:

ارض پاک میں فروغ نعت کے لیے کی جانے والی مساعی اپنا رنگ لا چکی ہے اور اس کے لیے چھٹی ساتویں دہائی میں چھیڑی گئی مبارک تحریک کامیابی کی منزل سے کافی حد تک قریب ہے۔آج نعت کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو ہی میں موجود ہے اور تقسیم ملک کے بعد اس میں اضافہ کرنے کا سہرا ارض پاک ہی کے سر ہے۔نعت نگاران پاک، انگریزی، جاپانی، پنجابی وغیرہ شاعری کے اصناف اور ہیئتوں میں جو تجربات کر رہے ہیں وہ بھی خوش آئند ہے۔بھارت میں بھی ہائیکو اور سانیٹ وغیرہ میں نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔مگر پاک کی بہ نسبت کم تیزی اور کم جوش سے، بکلؔ اور نظمی مارہروی جیسے شعراء ہندی بحور و اوزان اور اصناف میں نعت کہنے کا تجربہ کر رہے ہیں اور کافی حد تک کامیاب ہیں۔

نظمی صاحب نے تو سنسکرت زبان میں کئی نعتیں کہی ہیں۔سیّد آل رسول حسنین نظمی مارہروی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مرکز عقیدت اور مرشد خانہ خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ ہیں۔مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ایم اے اور مرکزی حکومت کے محکمۂ سنسر میں بمبئی میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں۔عالم بھی ہیں۔اردو، فارسی زبان وادب کے باوصف عربی اور انگریزی میں بھی مہارت حاصل ہے ہندی اور سنسکرت سے بھی خاصی واقفیت ہے۔(عبدالنعیم عزیزی ص،۶۸۱)

تنقید نعت اور احتیاط کے تقاضے:

نعتیہ شاعری پر تنقید ضرور کی جائے مگر علم وفہم میں توازن ضروری ہے اور واضح رہے کہ نبی پاک V کی ذات وصفات، محامد و محاسن اور ان کے جمال و کمال کے بیان میں قلم و زبان کو حد درجہ احتیاط لازم ہے بلکہ فکر و خیال کو بھی-کوشش کی جائے کہ جو بات ہو وہ محض خامہ فرسائی کے شوق کی تکمیل نہ ہو-اللہ کریم ہمیں علمِ نافع اور ادب کی توفیق عطا فرمائے-عزیز احسن صاحب اس بارے میں تفصیل جاننا چاہیں تو میرے والدِ گرامی علیہ الرحمہ کی تصنیفِ لطیف ''ذکرِ جمیل'' ملاحظہ فرمالیں-(کوکب نورانی ص،۱۷/۳)

نعت شریف ایسا موضوع نہیں کہ ہر کوئی محض خامہ فرسائی کے شوق میں کوئی مضمون لکھ

اسلامی ادب اور نعت:

میری دانست میں یہ ہے کہ شاعری تو ادب میں لامحالہ شامل ہے بلکہ نمایاں ہے لیکن دِینی موضوعات کے حوالے سے نظم ونثر کو زبان کے تحت نہیں رکھا گیا بلکہ اسے عام لوگوں کی تنقید سے بچانے کے لئے یا ایک ہی صف میں کھڑا کرنے کی بجائے الگ شمار کیا گیا- واضح رہے کہ اس بارے میں، مَیں کوئی تحقیق بیان نہیں کر رہا ہوں-

ادب میں شعبے ہیں، جیسے فکاہی ادب الگ شمار ہوتا ہے- ادب العالیہ درجہ بندی میں ہے- کلاسیکی ادب الگ شمار ہُوا، اسی طرح اسلامی ادب بھی الگ شمار کیا گیا- یہ ضرور ہُوا کہ مرثیے اور قصیدے کو شعری اصناف ہی کے طور پر ادب بلکہ تعلیمی نصاب تک میں شامل رکھا گیا البتہ نعت کو اسلامی ادب میں رکھا گیا ہے-

شاعری کو ادب سے خارج نہیں کیا جا سکتا تو منظوم نعت کیسے ادب سے الگ کی جا سکتی ہے؟ آپ اسے اسلامی ادب کی بجائے محض ادب کی الگ صنف شمار کروانے کی بات کر رہے ہیں تو پھر اُردو ادب اور اسلامی ادب کی تفریق و تقسیم ختم کرنے کی بات کیجئے؟ مجھے رشید وارثی صاحب کے الفاظ نہایت موزوں لگے کہ ''اُردو کے اسلامی ادب''......اور ہر زبان کے اسلامی ادب میں نعت شریف کا مقام کوئی ہلکا یا کم نہیں کر سکتا اور اس کے مضامین پر ہر کس و ناکس کو کلام کی جرأت نہیں ہو سکتی- نعت شریف کی عزت و توقیر ''ادب'' سے نہیں، البتہ''ادب''ضرور نعت شریف کی برکت سے مزید سرفراز ہوگا- (کوکب نورانی ص،۳،۱۲۹/۱۲۸)

نعت نبوی اور سراپا نگاری:

جناب عاصی کرنالی نے لکھا ہے کہ نعت گوئی میں سراپا نگاری کا عنصر نسبتہً کم ہوتا جا رہا ہے اور سیرت نگاری کے اجزاو عوامل میں اضافہ ہو رہا ہے۔اس بارے میں یہ فقیر کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ جناب سید محمد ابوالخیر کشفی کی تحریر میں اللہ کریم جلَّ شانہٗ کا ذکر کرتے ہوئے تعظیمی کلمات نہ کہنے کا بیان گزر چکا ہے۔ مجھے وہ حدیث شریف بھی یاد آرہی ہے کہ ایک صحابی نے دعا سے قبل اللہ کریم جلَّ شانہٗ کی تعریف نہیں کی تو میرے نبی کریم V نے اسے آداب دعا تلقین فرمائے کہ پہلے اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ کی تعریف کرو پھر اپنی حاجت بیان کرو۔ یوں ہمیں آداب بندگی ملحوظ رکھنے کی واضح ہدایت دی گئی ہے۔ ہم قرآن کریم کو پڑھیں تو ہمارے معبود کریم جلَّ

کی گئی ،اس کے بعد، ڈاکٹر یحییٰ کا صرف انہی اشعار کو پیش کرتے ہوئے یوں غیر تحقیقی انداز میں تمام علماء وفضلاء اور اہلِ علم پر زبانِ اعتراض دراز کرنا ہرگز درست نہیں۔ (کوکب نورانی ص،۳/۵۵)

نعت کے عظیم الشان سرمائے کو نظرانداز کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ 'شانِ محشر' اور 'مرتبہ شفاعت' کو واوین میں لکھ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جارہا ہے؟ مدینہ منورہ کے ذکرِ جمیل کو نعت سے خارج کرنے کی منصوبہ بندی کیا رنگ لائے گی؟ کل گنبدِ خضرا، موجب اقدس، روضہ رسول، درحبیب، وادیٔ بطحا، اور خلدِ طیبہ کی معطر گلیوں کے ذکر کو بھی شجرِ ممنوعہ قرار دیا جائے گا۔ تمام علامتوں، استعاروں اور تلمیحات پر بھی پابندی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ معجزات کے ذکر کو بھی نعت کے دائرے سے خارج کرنے پر اصرار کیا جائے گا ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دکھی امت پہلے ہی ان گنت خانوں میں تقسیم ہو کر اپنی اجتماعی قوت سے محروم ہو چکی ہے۔ اسے ایک پلیٹ فارم پر لانے کی سعی کیجیے۔ بکھری ہوئی ملتِ اسلامیہ کو اتحاد کا درس دیجیے۔ (ریاض حسین چودھری ص،۲۶/۶۲۴)

نعت نبوی اور ترجمے کے مسائل:

حضرت مولانا جامیؒ کی مشہور ومعروف نعت "وصل اللہ علیٰ نور کزو شد نورہا پیدا" کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا تھا۔ آپ کو بھجوانے میں تامل کیا کہ بعض مسائل ان کی یادگار نعت کے ترجمے میں بڑی بڑی رکاوٹوں کی شکل بن گئے تھے مثلاً پہلے ہی شعر (مطلع) کے دوسرے مصرعے میں جب وہ زمیں کو ساکن کہتے ہیں تو اکیسویں صدی میں بیٹھا ہوا آدمی کیسے ترجمہ میں زمیں کو ساکن باندھ دے پھر ایسا نہ کرے تو نہ ترجمہ ہوا نہ ترجمانی۔

یونہی چوتھے شعر کے دوسرے مصرعہ میں مولانا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خال کو خال ہندی سے تشبیہ دیتے ہیں تو میں ہندی خال کو مشبہ بہٖ کا درجہ دیتے ہوئے لرز گیا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زلف مبارک کا مشبہ بہٖ (یا مستعار منہ) شب تاریک کو نہیں بنا سکا۔ تیسرا الجھن کا مقام یہ بنا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لقب مُزّمّل قرآن پاک میں بیان ہوا مگر وزن کی ضرورت کے تحت حضرت مولانا نے اسے مُزمَل ہی باندھ دیا تھا میں نے اسے بھی قرآنی تشدید مکرر کے ساتھ باندھا۔ (احسان اکبر ص،۲۶/۶۵۷)

فان فضل رسول اللّٰہ لیس لہ حدٌ فیعرب عنہ ناطق بفم

پروفیسر صاحب نے ۱۸۲ پر لکھا ہے کہ: ”خیال رہے کہ نعت ذرا سی بے احتیاطی (بزعم خویش عقیدت) سے حمد بن جاتی ہے...... “ عرض کرنا چاہوں گا کہ حمد کا لفظ رسولِ پاک V کے لئے ممنوع تو نہیں ہے ان کا تو اسمِ گرامی ہی ”محمد“ (V) ہے جس کا مادّہ ہی حمد ہے۔ وہ شاید مروّج اصطلاح میں مراد لیتے ہوئے فرما رہے ہیں البتہ انھوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ”حقیقت یہ ہے کہ حضور (V) کو ان کے مرتبے سے گرا دینا، اپنے ایمان کو ختم کر لینا ہے اور مرتبے سے بڑھا دینا شرک ہے، (مرتبے سے بڑھا دینا، یعنی خدا کا شریک یا اس کے مثل یا ہمسر قرار دینا)۔ (کوکب نورانی ص ۵۰،۳)

صفحہ ۵۹ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ”ثنائے محمدی V کو ’حمد‘ کی شکل میں پیش کرنے کا فن کس قدر مذموم اور ناروا ہے لیکن اُردو کی نعتیہ شاعری کی بڑی مقدار میں یہی اصنامی تصور چھایا ہُوا ہے۔“ ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ ثنائے نبی (V) کو حمد کی شکل میں نہیں تو کیا ”ذم“ کی شکل میں پیش کیا جانا چاہیے؟ اور ”اصنامی تصور“ کے الفاظ تو دریدہ ذہنی شمار ہوں گے، وہ بتائیں کہ بڑی مقدار میں کیا وہ ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ بلا شبہ نعت، حمدِ رسول V ہے اور نعت و مدح کہنا آسان نہیں لیکن ”بڑی مقدار“ کے الفاظ، ڈاکٹر صاحب کا مبالغہ ہی نہیں مغالطہ بھی ہیں ۔اگر توصیفِ رسول V کو ”اصنامی تصور“ کہا گیا ہے تو یہ شقاوت اور گستاخی ہے جس پر توبہ واجب ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب ص ۲۲ پر لکھتے ہیں: ”یہ شاعرانہ تخیل کا اعجاز ہے...... “ لفظ اعجاز کا استعمال انہوں نے شاعرانہ تخیل کے ساتھ کیا ہے، وہ شاعر کو کیا درجہ دیتے ہیں، ان کی تحریر اسے واضح کرتی ہے۔ شاعری اور ایک شاعر کے کرشمہ و کمال کے لئے تو تعریف و توصیف کی حد نہ ہو لیکن وصفِ رسالت V اور توصیفِ رسول V کے بیان میں نامناسب لفظ استعمال کئے جائیں!!! وہ ہستی جس کی شان کی حد ہی نہیں، جس کی مدح میں پورا قرآن ہے، خالقِ کائنات خود جس کی تعریف فرماتا ہے، جس کی جان، جس کی خاکِ پا، جس کے زمانے کی قسمیں یاد فرماتا ہے، جس کی تعظیم و توقیر کا حکم دیتا ہے، اس ہستی کے بیان میں کون انسان دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اس کی شان بیان کر سکا ہے؟ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس کلامی یفی بنعت کمالہ ......“ اور مرزا غالب بھی لکھ گئے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است (V)

شانہٗ نے اپنے حبیب کریم V کا ذکر جس انداز سے فرمایا ہے وہ ہمیں تعلیم کرتا ہے کہ ہم ذکر رسول V بھی ان کی بہت تعریف وتوصیف کے ساتھ کریں اوران کے اسم مبارک ہی سے واضح ہے کہ ان کی مبارک ومکرم ہستی کی تخلیق ہی تعریف وتوصیف کے لیے ہوئی ہے۔ لایمکن الثناء کما کان حقه کہنے سے پہلے ان کے حسن و جمال اور محامد ومحاسن کا بیان حتی المقدور، حتی الامکان ،حتی الوسع بہت عمدگی سے کرنا ضروری ہے۔ میرے آقا کریم V کے حسن و جمال کا تذکرہ بھی دنیائے کفروشرک کوگراں گزرتا ہے اور غیر مسلم نہیں چاہتے کہ کوئی بھی بات ایسی کی جائے جو میرے رسول کریم V کی تعظیم وتوقیر اوران سے محبت وعقیدت میں اضافہ کا سبب اور ذریعہ بنے۔ خالق کائنات میرے ربّ کریم جلّ شانہٗ نے اپنے حبیب کریم V میں ہر حُسن ، ہر جمال ، ہر کمال بھی اس کمال پر رکھا کہ چودہ صدیاں ، لکھنے والوں ، کہنے والوں نے بساط بھر لکھا اور کہا مگر کوئی بھی پوری طرح بیان نہ کرسکا نہ ہی کرسکتا ہے۔قرآن کریم ہی میں دیکھیے کہ متاع دنیا کو ''قلیل'' اور رسول کریم V کے خُلق کو ''عظیم'' فرمایا گیا ہے۔ جب شمار نہ ہونے والا قلیل ہے تو ''عظیم'' کی شان مخلوق میں پوری طرح کون جان سکتا ہے! یہ بھی عرض کروں کہ دنیا کی چند عشقیہ داستانیں جومشہور ہیں، ان داستانوں کی شہرت محبوبان مجازی کے حُسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں مجنوں وفرہاد، راں جھا ومہیں وال وغیرہ کے جوشِ عشق ہی کی بات ہوتی ہے، یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ غزل کے پیرائے میں محبوبان مجازی کے لیے حسن و جمال کی بابت بھی جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مبالغہ ولفاظی بلکہ زیادہ تر خلافِ واقعہ ہی ہوتا ہے۔ (کوکب نورانی ص ۳۰،۳۱۷)

نعت نبوی اور شعری مبالغہ:

میرے نزدیک ہمارا ایمانی تشخص بہت اہم اور عظیم ہے- غیر مسلم ، میرے محبوبِ کریم V کی مدح میں کیسا اور کتنا ہی رطب اللسان کیوں نہ ہو، وہ کسی مومن کے برابر نہیں ہوسکتا، بڑا یا بہت بڑا ہونا تو دُور کی بات ہے ۔۔۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کی دوتحریریں اس شمارے میں ہیں-فرماتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور V کے بارے میں مبالغے سے کام لیا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے-'' (ص ۱۷۹) پروفیسر صاحب نے اپنے جملے کو واضح نہیں کیا، انہیں یہ فرمانا چاہیے کہ ایسا مبالغہ جو غلط ہو (یعنی شرعی حدود سے باہر ہو) ورنہ شانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی کوئی حد ہی نہیں-امام بوصیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

درست نہیں کیونکہ خیر الامم سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے یعنی اُمت مسلمہ۔ میرے خیال میں یہ بات درست نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس طرح خیر البشر درست ہے اسی طرح خیر الامم بھی درست ہے اور اُمم جمع ہے اُمت کی۔ اُمت کے معنی ہیں۔ گروہ جماعت وغیرہ اس سے صرف اُمت مسلمہ مراد لینا درست نہیں۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۸۹۱/۲۵)

(۲) حزیں صدیقی صاحب تو اس دنیا میں نہیں ہیں مگر انھوں نے اپنے متعدد شعروں میں ''کبریا'' کا لفظ ''خدا تعالیٰ'' کے لیے استعمال کیا ہے جو درست نہیں یہ لفظ ''بڑائی'' کے معنی میں ہے معنی صفت ہے۔ اسم نہیں۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۸۹۴/۲۵)

(۳) صفحہ نمبر ۷۶۵ پر احسان اکبر صاحب نے ''مزّمّل'' کے درست تلفظ (ز اور م پر تشدید کے ساتھ) کی بات کی ہے۔ ایک نجی گفتگو میں حضرت راغب مراد آبادی مرحوم نے راقم الحروف سے کہا تھا کہ لوگ اکثر ''مزمل'' اور ''حرمین'' کا تلفظ غلط کرتے ہیں، مزمل میں حرف ز اور میم نمبر ۲ پر تشدید ہے اور حرمین جمع ہے حرم کی اس لیے ح اور ر دونوں پر زبر ہے یعنی درست تلفظ ہے حَ رَ مَ ی ن ۔ اس بات کی تصدیق درود تاج سے بھی ہوتی ہے۔ صفحہ نمبر ۶۶۱، سطر نمبر ۴ میں ''السلامُ علیک ایہا النبی V!'' میں ہائے ہوز کی جگہ حائے حطی درست نہیں۔

(تنویر پھول ص، ۵۲۵/۲۷)

(۴) صفحہ نمبر ۱۳۲ پر تحریر ہے ''کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے''۔ یہ حقیقت ہے کہ اُردو میں ایسا ہی ہے، اسی سے لفظ ''کبریائی'' بھی بنا ہے جس طرح رحمٰن سے رحمانی اور رحیم و کریم سے رحیمی و کریمی۔ علامہ اقبال کے اس شعر میں بھی یہی صورت ہے:

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں تو اقبالؔ اُس کو بتلاتا، مقامِ کبریا کیا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہر زبان کا الگ الگ انداز ہے۔ ایک زبان کا لفظ جب دوسری زبان میں آجائے تو ضروری نہیں کہ معانی و اعراب و قواعد ہو بہو ایک ہی ہوں، مثال کے طور پر عربی میں ''رقیب'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے لیکن فارسی اور اُردو میں یہ لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے سب ہی جانتے ہیں۔ عربی لفظ ''صَدَ قہ'' اُردو میں حرف دال کے سکون کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، ''کلمہ'' عربی میں مونث ہے جبکہ اُردو میں مذکر، علیٰ ہذا القیاس لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس میں کھلی چھوٹ ہو۔ صفحہ نمبر ۲۶۶ پر عزیز لدھیانوی کے اس شعر میں لفظ ''عرب'' کے درمیانی حرف کو

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

توفرمودی رہِ بطحا گرفتیم وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

مزید ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں: (کوکب نورانی، ص ۳/ ۵۸ - ۵۷)

معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوت ِ قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی (V)

ہم غور کریں کہ نعت شریف میں محبوب وممدوح تو وہ ذات بابرکات ہے جو صادق ومصدوق ہے اور ہر حُسن، ہر جمال اور ہر کمال کی بے مثال وباکمال جامع ہے، سچ کہوں کہ حُسن وجمال اور کمال وہی ہے جو ذاتِ مصطفیٰ کریم V میں ہے، ان کے حُسن وجمال کے بیان میں کسی مبالغے کا گمان تو تب ہو کہ کوئی کما حقہ انھیں اور ان کی حقیقت کو جانتا ہو یا جان سکتا ہو۔ نعت شریف کے محبوب کریم V کو دیکھیے، ان کا ہر سچا چاہنے والا ان کے بے مثال حسن وجمال، فضل وکمال اور عظمت وشان کا والہ وشیدا ہے، ان پر فدا ہے اور یہ محبت بھی کیا پیاری اور انوکھی ہے کہ یہاں چاہنے والوں میں رقابت نہیں بلکہ مثالی قرابت ہے، جو کوئی میرے محبوب کریم رسول پاک V کی جس قدر زیادہ محبت وتعظیم رکھتا ہے، ان کے چاہنے والوں میں بھی وہ زیادہ محبوب ومحترم ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم سے یہ بھی مخفی نہیں کہ بغیر تخصیص کے مدح ممکن ہی نہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وصف بغیر موصوف کے نہیں اور کون نہیں جانتا کہ حقیقی تعریف اللّٰہ کریم جلّ شانہٗ ہی کے لیے ہے۔ میرے محبوب کریم رسول پاک V کی تعریف وتوصیف در حقیقت اللّٰہ کریم جلّ شانہٗ ہی کی تعریف ہے اور میرے مقدس ومطہر رسول کریم V کی ذات وصفات میرے رب تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی ذات وصفات پر دلیل وبرہان ہیں۔ ہر سچے مومن کو اللّٰہ کریم جل شانہٗ کے اجمل واحسن حبیب کریم V کا ہر صحیح وسچا تذکرہ، خواہ وہ ان کے مبارک اور بے مثال حسن وجمال کا ہو یا ان کی باکمال مقدس سیرت کا ہو، محبوب ومطلوب اور مرغوب ہے اور دنیا وآخرت میں یہی تذکرہ اور انہی کا چرچا رہے گا۔ (کوکب نورانی ص،۳/ ۳۱۸)

نعت اور عربی الفاظ: صحت تلفظ اور درست استعمال کے مسائل:

(۱) جناب تنویر پھول نے حمد ونعت میں الفاظ کے مناسب استعمال پر مقالہ لکھا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے شعرا ''خیر الامم'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے لکھتے ہیں جو

جیسا بڑا شاعر بھی لفظ ''ارم'' کو اسی مفہوم میں استعمال کرتا ہے: ''خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں''۔ عربی میں تو لفظ ''بہشت'' بھی نہیں ہے، کیا اسے بھی استعمال کرنا قابل اعتراض ہوگا؟ عربی میں ''رقیب'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے لیکن ہماری غزلوں میں اس کے دوسرے معنی ہیں۔

اردو میں لفظ ''مولیٰ'' سے مراد ''آقا'' ہے لیکن عربی میں اس سے مراد ''آزاد کیا ہُوا غلام'' بھی ہے۔ دیکھنا یہ پڑتا ہے کہ کوئی لفظ کس مفہوم میں استعمال کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں کچھ لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ گوشت اور دالوں کے آمیزے کو ''حلیم'' کہنا گناہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اسے ''حلیم'' نہیں بلکہ ''دلیم'' کہا جائے۔ یہ سب لایعنی باتیں ہیں اور زبان کو محدود کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اگر ''حلیم'' پر اعتراض ہے تو ''رقیب'' اور ''حکیم'' کا کیا ہوگا؟ ''رقیب رُوسیاہ'' اور ''حکیم صاحب''، ''حکیم جی'' ان سب کو زبان سے خارج کرنا پڑے گا۔ (تنویر پھول ص، ۲۵/۹۲۱-۹۲۰)

مجھے راجہ رشید محمود صاحب کی اس بات سے قطعی اتفاق ہے کہ ''اگر کوئی شخص اصل عربی تلفظ کو استعمال کرے تو اس پر اعتراض کرنا... کہاں تک جائز ہے کسی لفظ کے بولنے یا لکھنے میں مقامی طور پر یا کسی دوسرے ملک میں کوئی تبدیلی در آئے تو اس لفظ کو درست استعمال کرنے والا تو غلط نہیں ہوسکتا اور اصل لفظ 'لغو' قرار نہیں پاتا۔'' (''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۶، ۱۴۱-۱۴۲)

اگر کوئی لفظ، تلفظ یا معنی کے اعتبار سے غلط استعمال کیا جارہا ہے تو اس کے درست استعمال کو غلط اور ناروا قرار دے کر کسی صالح فکر کا تو ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ آج عام طور پر ''قرآن''، ''غلطی''، ''عربی'' وغیرہ الفاظ کا غلط تلفظ عوام میں رائج ہے۔ عربی الفاظ کی نزاکتوں سے ناواقف شعرائے کرام بھی اس قسم کے الفاظ شعر میں غلط موزوں کر دیتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی نعتوں میں بھی اس قسم کا عیب راہ پا جاتا ہے۔ چناں چہ اربابِ بصیرت اس کی فنی گرفت فرما کر اصلاح کی ذمہ داری ادا فرماتے ہیں۔ قرآن، مزمل، مدثر وغیرہ الفاظ کو اشعار میں غلط تلفظ کے ساتھ موزوں کرنے پر شعرائے کرام کی فنی گرفت کی مثالیں ''نعت رنگ'' کے صفحات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ الفاظ کا غلط تلفظ یا غلط املا رائج الوقت ہے تو کیا اس کے خلاف الفاظ کا صحیح استعمال اور درست تلفظ نہیں کیا جائے گا؟ کیا جائے گا اور ضرور کیا جائے گا:

ع　ہے یہی رسم تو یہ رسم مٹا دی جائے　(ملک الظفر سہسرامی، ص ۸۴۲)

مفتوح کی جگہ ساکن باندھنا غلط ہے:

حق کی مدد سے بالیقیں حامی شہِ عرب و عجم

''امی شہ ارض وسما'' والا مصرع درست ہے لیکن مذکورہ بالا مصرع درست نہیں۔

(تنویر پھول ص ،۲۶/۶۶۰)

(۵) جناب منظر عارفی (کراچی) نے نعت گوئی میں لفظ ''ارم'' کے استعمال کی مذمت کی ہے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ ''شداد'' کے بنائے ہوئے باغ کا نام تھا اور بقول اُن کے ''ارم'' جنت کا نام بھی نہیں ہے بعض لوگ اس لفظ کو مجازاً جنت کے لیے استعمال کرتے ہیں راقم کے خیال میں اگر زبان سے الفاظ کو ترک کرنے کے لیے یہ روش اور رویہ اختیار کیا گیا تو پھر اردو زبان میں بلکہ پنجابی میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا'' کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں جو فارسی میں ''نمبردار'' یا 'چوہدری' کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کٹر توحید پرست لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عشق پر بھی اعتراض کرتے ہیں حکیم الامت نے محبت کے لیے عشق کے لفظ کو خوب استعمال کیا ہے اور اسے خاص معنیٰ عطا کر دیے ہیں جس سے عشق الٰہی اور عشق رسول تراکیب عام استعمال ہو رہی ہیں۔ اس روش کے تحت ہمیں بہت سارے الفاظ ترک کرنا ہوں گے جو فارسی یا ہندی زبان سے اردو میں در آتے ہیں یہ تو وہی رویہ ہوگا جو فارسی کے مشہور شاعر فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں اختیار کیا تھا اور اس نے بزعم خویش عربی الفاظ کا استعمال نہ کر کے خالص فارسی الفاظ استعمال کر کے ''عجم'' زندہ کرنے کی کوشش کی یہ رویہ آج بھی جاری ہے اس نے کہا:

عجم زندہ کردم بایں فارسی

بہرحال یہ منظر عارفی کا نکتہ نظر ہے۔ (سعید بدر ص ،۲۵/۹۱۵) صفحہ نمبر ۲۲۵ پر لفظ ''ارم'' کے استعمال پر بحث کی گئی ہے جو معلوماتی ہے اور صفحہ نمبر ۲۱۷ پر ایک دوسرے مقالہ نگار نے تحریر کیا ہے ''قرآن وحدیث اور دیگر مذہبی کتابوں میں جن آٹھ جنتوں کا ذکر ہے 'ارم' ان میں شامل نہیں ہے، اس حقیقت سے جاہل وکم علم شعرا بے خبر ہو سکتے ہیں''۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر زبان کا الگ الگ انداز ہے۔ اردو زبان میں لفظ ''ارم'' کا حوالہ کسی مخصوص جنت یا جنت کے کسی حصے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مجازاً جنت یا بہشت مراد ہے، فیروز اللغات، نسیم اللغات اور جواہر اللغات سب اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ لفظ ''عشق'' کی طرح اسے استعمال نہ کرنا چاہیں وہ نہ کریں لیکن استعمال کرنے والوں کو ''جاہل وکم علم شعرا'' کہنا مناسب نہیں۔ غالبؔ

نعتیہ ادب: تحقیق وتنقید

(۱) تحقیق

حقائق کی بازیافت:

(۱) میں مولانا احمد رضا خاں کی نعت پر کچھ لکھنا چاہوں گا۔ میرا اندازہ ہے یہ اعلیٰ حضرت کی نعت نہیں کہ مجھے اس میں کئی سقم ایسے نظر آئے جو کسی طور نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔ آج کل شعرا کے ملتے جلتے نام خاصی گڑبڑ پیدا کر رہے ہیں۔

مولانا صاحب کی نعت کا مطلع ہے:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰؐ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

معلوم نہیں ''کیف'' کا لفظ انھوں نے کس نسبت سے لکھا۔ ''پر جبریل'' تو اس میں فٹ نہیں ہوسکتا تھا۔ سوچ کے پر لکھ دیتے تب بھی بات نہیں بنتی۔ اسی طرح دوسرے شعر میں انھوں نے لکھا ہے۔

(روح قدس سے پوچھیے) اس میں ''قدس'' کو انھوں نے جس تلفظ کے ساتھ باندھا ہے وہ غور طلب ہے۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرعے میں ''کھو جانے'' کے معنی میں ''گمیں'' لکھا ہے۔ جو واقعی ایک دلچسپ ترکیب ہے۔ پانچواں شعر سنئے:

دل کو دے خود و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شق ماہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں

میں کچھ نہیں لکھوں گا۔ اسی نعت کے چھٹے شعر کا آخری مصرع سنیں:

ع اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

نعتیہ ادب کے فروغ کی کاوشیں:

حقیقت یہ ہے کہ مدتِ دراز تک ''نعت'' کو ہمارے ہاں دوسرے درجے کی صنفِ سخن سمجھا جاتا رہا ہے۔ نعت کہنے والوں کا ایک الگ ہی گروہ تھا جس کو دانش ورانِ ادب قابلِ توجہ نہیں سمجھتے تھے۔ خدا بھلا کرے اقبال صفی پوری کا کہ انھوں نے کل پاکستان نعت مشاعرے کی روایت قائم کی اور ملک کے تمام بڑے اور اہم شاعروں کو باقاعدہ نعت کہنے کی طرف راغب کیا۔ نعتیہ شاعروں سے میرا شغف انھیں مشاعروں کے سبب پیدا ہوا۔ اس کا اظہار ضروری تھا کہ یہ بات ریکارڈ پر آجائے۔ حق دار کو اس کا حق ملنا ہی چاہیے۔ دوسرا سنجیدہ کام تم نے شروع کیا ہے بلکہ دوسرا نہیں، یہ پہلا سنجیدہ کام ہے جو اس جہت میں کیا گیا ہے۔ ''نعت'' کے سیاق و سباق پر گفتگو، نعت کے سفر کی نشان دہی، اس کی صنفی اہمیت پر تنقیدی مضامین اور نعت گو شعرا کی بے احتیاطیوں پر گرفت۔ یہ سب کچھ ''نعت رنگ'' میں یک جا ہے اور یہ کام یہاں ختم نہیں ہوگیا، تم نے اس کو جاری رکھنے کے جس عزم کا اظہار کیا ہے وہ نئی نسل کی تمام کج رویوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کردے گا۔ میری دلی دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ (شبنم رومانی، ص ۴۷۱-۴۷۲)

نعت اور خود پسندی:

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا طویل مراسلہ حرف حرف پڑھنے کے قابل ہے۔ ان کی یہ بات بھی گرہ میں باندھ لینے کی ہے کہ ہم میں سے اکثر خود پسندی اور خودرائی کے شکار ہیں اور دورخا پن بھی ہم میں کچھ کم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ علمی مباحث کے علاوہ خود حمد و نعت کی شاعری پر بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ ان کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ لفظ ''حمد'' اور ''محامد'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی آتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ صنف سخن کے طور پر جب ''حمد'' کا لفظ لایا جائے گا تو اس کے معنی اللہ کی تعریف ہی ٹھہریں گے۔ مولانا نے اپنے معترضین کا جواب خوب لکھا ہے، خاص کر احمد صغیر صدیقی اور ظہیر غازی پوری صاحبان کے لیے ان کے مراسلے میں بہت سی اچھی باتیں ہیں۔

مجموعی طور پر آپ کا یہ شمارہ بہت خوب ہے۔ بعض شاعر اور شاعروں کے بارے میں بعض مضامین البتہ اس بلند معیار کے نہیں ہیں جس کی آپ سے توقع ہمیشہ رہتی ہے۔ (شمس الرحمٰن فاروقی ص، ۵۱۳)

شروع ہوتا ہے۔ ان اشعار کی ترتیب اُلٹ دی ہے۔ یہ اشعار بالِ جبریل میں ہیں۔

صفحہ نمبر 24 پر قرآن حکیم کی ایک آیت ''یاایھاالذین... و انتم لاتشعرون'' کا ترجمہ نامکمل ہے۔ خاص طور سے یہ حصہ کہ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو'' چھوڑ دیا ہے۔ یہی حصہ تو اہم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول V کے سامنے اونچی آواز سے بولنے والوں سے سخت اظہارِ ناراضی کیا ہے۔

صفحہ نمبر 26 پر ایک اور آیت کا حوالہ ہے جس کا ترجمہ ہے ''اے ایمان والو! تم 'راعنا' نہ کہو اور 'اُنظرنا' کہو اور بغور سنو کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف ''راعنا'' کے دو متضاد معانی لکھے ہیں۔ ایک (ہماری طرف توجہ فرمایئے) اور دوسرے (شریر) فرماتے ہیں عبرانی زبان میں ''راعنا'' کے معنی شریر کے ہیں۔ عبرانی زبان کی لغت دستیاب نہیں۔

عربی میں ''راعنا'' کے معنی ہیں (ہمارے ساتھ رعایت کیجیے)۔ ''راع'' کے معنی ''رعایت'' اور ''نا'' کے معنی (ہمارے ساتھ)۔ یہود تضحیک کا پہلو پیدا کرنے کے لیے ''راعینا'' کہہ کر ادا کرتے تھے گویا وہ یہ کہتے تھے کہ ''اے ہمارے چرواہے'' اور اس کی غرض رسولِ اکرم V کی توہین تھی، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ''راعنا'' کی جگہ ''اُنظرنا'' کہیں اور یہ پابندی مسلمانوں پر بھی عائد کر دی گئی۔

منتخب اشعار میں اتنی اغلاط ہیں کہ ان کی نشاندہی اس خط میں ممکن نہیں لہٰذا میں ان اغلاط کی تصحیح شدہ فہرست کی فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں۔ گزارش ہے کہ اس تصحیح کے ساتھ اشعار کو پڑھیے اور دیکھیے کہ وہ اب بحر اور اوزان میں ہیں یا نہیں۔

ایک بڑی غلطی صفحہ نمبر 51 پر سیّد محمد مرتضیٰ یزدانی میرٹھی کے اشعار کے تیسرے مصرعے میں ہے۔ مصرع یوں لکھا ہے:

ع سلاطیں کا شرف ہے اُس کے آگے طرفو کہنا

''طرفو'' کوئی لفظ نہیں۔ اصل لفظ ہے ''طرقوا''، ''ط'' پر زبر، ''ر'' پر زبر اور تشدید، ق پر پیش اور ''الف'' غیر ملفوظ ہے یعنی وہ بولی نہیں جائے گی۔ عرب کے قاعدے کے مطابق نقیب، سلاطین کے آگے ''طرقوا''، ''طرِّقوا'' کہتے ہیں یعنی 'ایک طرف ہو جاؤ' یہ اصل میں سلاطین کے استقبال کا اہتمام تھا۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم V کا نقیب بننا سلاطین کا شرف ہے۔

اس میں ''میٹر'' پر جو گزری ہے وہ ضرور دیکھیے۔اس کا ساتواں شعر بھی شعری حسن کے لحاظ سے ''دادطلب'' ہے:

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

اس میں ''ان'' کا ذکر کہاں ہے؟ (''ہائے ہائے گل'') خیر جو کچھ ہے کچھ پسندیدہ نہیں۔اسی قبیل کی نعت رفیع بدایونی کی بھی ہے۔جس میں شاعری خودکشی کرتی نظر آرہی ہے:
(ہے اگر ظرف تو اس خاک سے بھی جوہر کھینچ)

اس میں ''ظرف'' کا استعمال خوب ہے۔
(لمس غروب کبھی چاہیے تو مہر خاور کھینچ) ''مہر خاور'' پر توجہ دیں۔
(نفس تو ہجر میں ان کی تڑپ تڑپ کر کھینچے) ہجر میں ان کی (ان کے نہیں)۔

اشفاق انجم اور تنویر پھول صاحب بھی انہی نعتوں کو اگر کچھ بہتر کر کے چھپواتے تو یہ دنیا اور آخرت دونوں میں مفید بات ہوتی ...... غالب کی زمینوں میں جتنی نعتیں شائع ہوئی ہیں بہت کم زور لگیں۔(احمد صغیر صدیقی،ص ۵۸)

(۲) پروفیسر اکرم رضا صاحب کا ۹ےرصفحات پر پھیلا ہوا مضمون انتہائی پُرمغز اور چشم کشا ہے۔اس مضمون کے غائر مطالعہ کے بعد جہاں طبیعت خوش ہوئی، وہیں منتخب اشعار میں بے شمار اسقام اور اغلاط دیکھ کر طبیعت منغض ہوگئی۔اب یہ نامعلوم صاحب قلم کا سہو ہے یا کاتب کے قلم کا۔

مصنف سے تو اس کا امکان کم ہے
یقیناً یہ کاتب کا سہوِ قلم ہے

کہیں مصرعے وزن سے خارج، بحر سے خارج، کہیں کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں اور کہیں الفاظ کی صحت کا خیال کیے بغیر اٹکل پچو غلط الفاظ لکھ دیے ہیں۔جس کی وجہ غالباً موزونی طبع، ذوقِ شعری اور فنِ عروض سے ناواقفیت ہے۔آج کل کی کتابوں میں یہ بات زیادہ دیکھنے میں آتی ہے۔کاش چھپنے سے قبل کسی موزوں طبع سے کم از کم اشعار کی درستی کروالی جائے۔خاص طور سے نعتیہ اشعار کی۔صفحہ نمبر 22 پر اقبال کی مدحیہ اشعار کے الفاظ آگے پیچھے ہوگئے ہیں۔مصرع اس طرح ہے:

ع وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

پہلا شعر ''وہ دانائے سبل'' سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا شعر ''نگاہِ عشق ومستی'' سے

مکتبۂ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کی دوسری جلد اخبار اہل فقہ (امرت سر) کی فائلوں سے تیار کی جارہی ہے۔ یہ اخبار مولانا غلام احمد اخگر امرت سری نے ۱۹۰۶ء میں جاری کیا اور تقریباً ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔ مولانا غلام احمد اخگر نے نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا تھا جس کا نام ''گلستان رحمت'' تھا۔ فقیر قادری کو اگرچہ اس کا کوئی شمارہ نہ مل سکا تاہم اخبار اہل فقہ کے متعدد شماروں میں اس کے اشتہار ضرور نظر سے گزرتے رہے چنانچہ انہی اشتہارات کی بنیاد پر فقیر نے رسائل حسن کے مقدمہ میں درج ذیل تحریر لکھ دی:

''مولانا غلام احمد اخگر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پہلا نعتیہ رسالہ بنام ''گلستان رحمت'' جاری کیا۔''

مولانا اخگر لکھتے ہیں:

''یہ نعتیہ رسالہ جو ہندوستان بھر میں اکیلا ہے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۵ ہجری المبارک (۴ نومبر ۱۹۰۷ء) کو پہلا پرچہ نکلا - عاشقان رسول کریم کے نور ایمانی کو جلا دینے والا اور قلب محزون کو تسکین بخشنے والا ہے- کون مسلمان ہے جو رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام کی نعت پڑھنے سننے کا عاشق نہ ہو-'' (اہل فقہ، ۶ دسمبر ۱۹۰۷)

اس کے ہر شمارے کے لیے کوئی خاص مصرع طرح رکھا جاتا اور تمام شعرا حضرات اسی پر نعتیہ کلام تحریر فرماتے۔ شہنشاہ سخن، استاذ زمن مولانا حسن رضا خان حسن فاضل بریلوی سے ایک ملاقات میں مولانا اخگر نے جب اس رسالے کے اجرا کا ارادہ ظاہر کیا تو مولانا حسن رضا نے اس کی تحسین فرمائی اور تاریخی قطعہ بھی تحریر فرمایا جو کہ حسب ذیل ہے:

اخگر نے کیا نعت میں گلدستہ وہ جاری — بلبل کی طرح غنچہ و گل جس پہ ہوں شیدا
اللہ یہ گلزار پھلے پھولے جہاں میں — ہر پھول سے ہو رنگ ترقی کا ہویدا
نکلے گی تاریخ حسنؔ شاخ قلم سے — انداز گلستاں کے ہیں گلدستہ سے پیدا

(کلیات حسن: ۴۸۷-۳۸۷ مطبوعہ اکبر بک سیلرز، لاہور) ۱۳۲۵ھ

کچھ روز قبل تحقیقی کام کی غرض سے پنجاب پبلک لائبریری (لاہور) جانا ہوا۔ جناب امداد صابری صاحب کی کتاب ''تاریخ صحافت اردو'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے فقیر کی نظر ایک رسالہ پر ٹھہر گئی جو کہ نعتیہ ادب کے فروغ میں ۱۸۹۵ء میں جاری ہوا تھا۔ چونکہ اس دریافت سے

آخر میں یہ کہنا ہے کہ نعت میں اس قسم کا خیال پیش کرنا جس سے روضۂ رسول V کے مقابلے میں کعبے کا احترام مجروح ہو یا سرزمین مدینہ کے مقابلے میں ''مکہ'' کا احترام کم ہو جائے مناسب نہیں ہے۔اس سلسلے میں دو جگہ کے اشعار ضرور دیکھیے۔صفحہ نمبر 79 پر منظور حسین منظور کا شعر: (امیر الاسلام صدیقی، ص۲۲۹۔۲۲۸)

یہ ارض مقدس ہے زیارت گہہ عالم
کعبہ سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے

(۳) ''خطوط'' میں علامہ کوکب نورانی صاحب کا مفصل خط واقعی لائق مطالعہ اور معلومات افزا ہے۔البتہ ایک مقام ص۵۵۲ پر میں رُک گیا، جہاں انھوں نے فیروز شاہ (میانوالی) کے مبالغے اور مغالطے کا تذکرہ یوں فرمایا ہے،''وہ لکھتے ہیں، سرکارِ دو جہاں کا فرمان ہے، فضیلت اس گواہی کی ہے جو دشمن بھی دے۔'' اس پر علامہ کوکب نورانی فرماتے ہیں:

''فی الواقع اگر یہ فرمان رسول کریم V ہی کا ہے تو اصل عربی مجھے یوں یاد ہے۔**الفضل ماشهدت به الأعداء....الخ**''

میرے نزدیک صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ ''فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں۔''

بجا فرمایا ترجمہ تو یہی درست ہے، البتہ یہ فرمان رسول کریم V نہیں ہے بلکہ مشہور عربی مصرع ہے جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔امام ثعالبی علیہ الرحمہ نے ''التمثیل والمحاضرہ'' ص۲۲ میں اسے معروف عرب شاعر السری الموصلی الرفاء کے حوالے سے نقل کیا ہے: النویری نے ''**نهاية الارب فی فنون الادب**'' میں اس طرح لکھا ہے:

(محمد شہزاد مجددی، ص۵۳۴)

و فضائل شهد العدو بفضلها الفضل ماشهدت به الاعداء

ابن ہشام انصاری کی شرح ''قصیدہ بانت سعاد'' ص۶ پر یہ شعر اس طرح لکھا ہے:

و مليحة شهدت لها ضراتها والفضل ما شهدتْ به الاعداء

نعتیہ گل دستے:

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ فقیر نے ردِ قادیانیت کے حوالہ سے ایک نیا رخ یعنی ''سُنی صحافت'' کو متعارف کروایا اور بحمد اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی ایک ضخیم جلد فروری ۲۰۱۵ء میں

جادۂ طیبہ گر اے شیخ بنے جائے نماز　　نہر کوثر سے ابھی بہر وضو آتی ہے

جناب قمر الدین صاحب قمر دہلوی شاگرد وحید الدین بیخود دہلوی:

عشق احمد میں یہاں حشر کا بھی خوف نہیں　　کیا ڈرانے کو شب غم مجھے تُو آتی ہے
مر مٹا خاک ہوا عشق محمد میں قمر　　سُونگھ لو خاک سے بھی عشق کی بُو آتی ہے

جناب حاجی تجمل حسین صاحب تجمل جلال پوری مقیم بمبئی:

تیری کیا بات ہے اے شفقت سلطان عرب　　کام مظلوم کے ہر حال میں تُو آتی ہے
صف مستان نبی کا جو گذر ہوتا ہے　　توڑ کر ساغر و مینا و سبو آتی ہے
گنبد روضۂ انور کو نظر زائر کی　　کبھی چوم آتی ہے جا کر کبھی چھو آتی ہے
نزع کا وقت ہے محبوب خدا آتے ہیں　　اے اجل کس نے بلایا ہے جو تُو آتی ہے
مرے اشعار نہ کیوں کر ہوں تجمل مقبول　　عشق احمد کی ہر اک لفظ سے بُو آتی ہے

اللہ کرے کہ کوئی صاحب اس موضوع پر تحقیقی بنیادوں پر کام کرتے ہوئے نعتیہ ادب کے فروغ میں سُنّی صحافت کے کردار کی تاریخ مرتب فرمادیں۔ (محمد ثاقب رضا قادری، ص ۲۵/۹۳۱-۹۲۸)

محمد ثاقب رضا قادری صاحب کا خط پسند آیا کہ انھوں نے اپنی فروگذاشت (وہ بھی عدم معلومات کی بنا پر) کا اقرار کرلیا کہ ''فقیر نے رسائل حسن کے مقدمے میں درج ذیل تحریر لکھ دی:

''مولانا غلام احمد اخگر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پہلا نعتیہ رسالہ بنام ''گلستانِ رحمت'' جاری کیا جس کا پہلا پرچہ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ (۴ نومبر ۱۹۰۷ء) کو نکلا۔''

جناب امداد صابری صاحب کی کتاب ''تاریخ صحافت اردو'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے فقیر کی نظر ایک رسالہ پر ٹھہر گئی جو کہ نعتیہ ادب کے فروغ ۱۸۹۰ء میں جاری ہوا تھا چوں کہ اس دریافت سے فقیر کی گذشتہ تحریر یعنی ''گلستانِ رحمت'' کو پہلا نعتیہ رسالہ قرار دینے کی تردید ہوتی ہے۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

''مداح النبی'' یہ نعتیہ کلام کا ماہنامہ گلدستہ جھجر ضلع رہتک سے ۱۸۹۰ء کو شائع ہوا۔''

محمد ثاقب رضا قادری صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ:

''مداح النبی'' سے قبل بھی ایک نعتیہ گلدستہ ''منشور شفاعت'' بمبئی سے فقیر محمد فدا چشتی کی ادارت میں ۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۹ھ میں جاری ہوا تھا

فقیر کی گذشتہ تحریر یعنی ''گلستان رحمت'' کو پہلا نعتیہ رسالہ قرار دینے کی تردید ہوتی ہے۔اب آپ کی خدمت میں ان دونوں رسائل کا تعارف پیش کر رہا ہوں، کیونکہ نعتیہ ادب کے حوالہ سے آپ کا تحقیقی کام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے چنانچہ عرض یہ ہے کہ اس موضوع پر تحقیقی بنیادوں پر کام کیا جائے تاکہ سُنی صحافت کا ایک اور رُخ یعنی نعتیہ صحافت سے عوام و خواص متعارف ہوں۔آپ کی سہولت کے لیے امداد صابری کی کتاب ''تاریخ صحافت اردو'' جلد سوم سے اس رسالہ کا تعارف نقل کر رہا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

''گلدستہ مداح النبی''۔یہ نعتیہ کلام کا ماہ نامہ گلدستہ جھجر ضلع رہتک سے ۱۸۹۵ءکو شائع ہوا۔ پہلے سولہ (۱۶) صفحات پر، بعد میں بیس (۲۰) صفحات پر نکلنے لگا تھا۔مہتمم مولوی غلام احمد خاں بریاںؔ تھے۔سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔نمونہ کا پرچہ ڈیڑھ آنہ میں ملتا تھا۔مسلم پریس جھجر میں طباعت ہوتی تھی۔اس گلدستہ میں نعتیہ کلام کے ساتھ اپریل ۱۸۹۷ء کے بعد سے ایک ناول بالاقساط چھپنے لگا تھا، اس وقت سے بیس صفحات ہو گئے تھے اور اس کی ابتدا مولانا بریاںؔ نے اپنے ناول ''الحسنات'' سے کی تھی۔مولانا نے کتب تصوف بھی تالیف فرمائی تھیں۔''

(تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، ص ۶۵۵)

اپریل ۱۸۹۷ کے شمارہ سے منتخب نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اس لیے سیر چمن کرتا ہوں گاہے گاہے ۔۔۔ نکہت گل سے مجھے شاہ کی بُو آتی ہے
خاک ہم کیوں نہ رہِ عشق نبی میں چھانیں ۔۔۔ جب وفا کی ہمیں ہر ذرّے سے بُو آتی ہے
مست ہو جائیں نہ کیوں سُونگھ کے خوشبو گل کی ۔۔۔ یاد جب ختم رسل کی ہمیں خُو آتی ہے

جناب محمد عبدالحیٔ اخترؔ صاحب (طالب علم از امرت سر)

کیا صبا گلشن یثرب سے تُو آتی ہے ۔۔۔ تجھ سے اللہ کے محبوب کی بُو آتی ہے
وصف گیسوئے محمد کا اثر نطق میں ہے ۔۔۔ مشک سے بڑھ کے مرے شعر میں بُو آتی ہے

جناب سید مظہر حسین صاحب کے کلام سے کچھ اشعار:

میں مدینہ کو گیا اور نہ کعبہ پہنچا ۔۔۔ وجہ کیا ہے ابھی اے موت کہ تُو آتی ہے
میں تو حضرت کا فدائی ہوں بتا دے اے حور ۔۔۔ کیا سبب ہے کہ مرے سامنے تُو آتی ہے

جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب ذبیح دہلوی:

جتنی بڑھتی ہے ترے لطف و کرم کی امید ۔۔۔ اتنی عصیاں میں مرے نشو و نما آتی ہے

آفتاب'' والی بات ہے۔ ان کے علم وفن، عقائد ونظریات اور بارگاہ خدا و مصطفیٰ V میں مقبولیت کا ایک زمانہ شاہد ومعترف ہے۔ آپ کی ولادت مصر کے علاقہ ''دلاص'' میں ۶۰۸ھ/ بمطابق ۱۲۱۲ء میں ہوئی۔ حفظِ قرآن اور مروّجہ علومِ دینیہ کی تحصیل وتعلیم کے بعد آپ نے عربی ادب وشعر میں اپنے کمال فن کا لوہا منوایا اور حکام وقت کے درباروں تک رسائی حاصل کی، لیکن مدح حبیب V ان کی آخری منزل ٹھہری جس کی معراج ان کا ''قصیدہ بردہ'' شریف ہے۔ امام بوصیری علیہ الرحمۃ زہد وتصوف کی راہوں کے مسافر تھے اور سلسلہ شاذلیہ کے بانی حضرت سیّدنا ابوالحسن شاذلی کے خلیفۂ اعظم حضرت شیخ ابوالعباس المرصی علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے۔ انھوں نے اپنے مشائخ کی مدح میں منقبت کے شعر بھی کہے ہیں۔

اُمت کے جلیل القدر ائمہ حدیث وتفسیر اور مشائخ طریقت نے ان کے مدحیہ قصائد کو حرزِ جاں بنایا اور اس کے شروحات وحواشی لکھ کر اپنے لیے سامانِ سعادت فراہم کیا۔ اگر کسی مزید تفصیل میں جائے بغیر صرف ان شروح وحواشی کی فہرست اور شارحین کے اسماہی درج کردیے جائیں تو ہر صاحب ایمان جان جائے گا کہ حضرت بوصیری علیہ الرحمۃ توحید کی جملہ اقسام سے کتنا واقف تھے اور عشقِ رسالت مآب V کے کس مرتبہ پر فائز تھے۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے ''حسن المحاضرہ'' میں ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ علامہ بوصیری تفسیر وحدیث کے متبحر عالم تھے۔ جب کہ ان کے تلامذہ میں امام ابوحیان، امام ابوالفتح ابن سیّد الناس اور محقق عصر امام عز ابن جماعۃ رحمھم اللہ جیسے اکابر علما بھی شامل ہیں۔ اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (۵/۵۳) میں لکھا ہے۔

اس شہرۂ آفاق قصیدے کا اُردو انگریزی، لاطینی، ایمانی، فارسی، ترکی اور بربری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور ایک سو کے قریب عربی، فارسی، ترکی اور بربری زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں۔ عبداللہ (۵۴۱) یعقوب انصاری، ابن ہشام النحوی، خالد بن عبداللہ الازہری اور شہاب الدین القسطلانی (شارح بخاری) کی شروح خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

یاد رہے کہ اس قصیدۂ میمونہ مبارکہ کی شروحات وحواشی کی فہرست نقل کرتے ہوئے کسی بھی محقق، ادیب اور فہرست نگار نے تمام وتکمیل اور ان کے احصا کا دعویٰ نہیں کیا۔ چناں چہ ڈاکٹر خالق داد ملک شیخ جمال بن نصیر الجنابی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقدیم میں قصیدہ بُردہ کی ۳۶ر شرح قصیدہ شروح کی فہرست کا اندراج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کے علاوہ ایک اور نعتیہ گلدستہ بمبئی ہی سے بلقیس جہاں بیگم (مالک اور فاطمہ بیگم کی ادارت میں ''چراغِ کعبہ'' کے نام سے ۱۸۸۵ء مطابق ۱۳۰۳ھ میں جاری ہوا تھا۔''

(دیکھیے: ''بمبئی میں اردو'' میمونہ دلوی، ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۳۲۵-۳۲۷)

(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۵۲-۶۵۱)

رحمت للعالمین نمبرز:

شہر کراچی کے ڈاکٹر شہزاد احمد مایہ ناز محقق اور ممتاز دانش ور ہیں انہوں نے ''پاکستان میں نعتیہ صحافت........ایک جائزہ'' کے عنوان کے تحت طویل اور مبسوط مضمون تحریر کیا ہے اور پاکستان وہند میں شائع ہونے والے ''نعت نمبروں'' کا مختلف حوالوں سے جائزہ پیش کیا ہے۔ان کی یہ تحقیق قابل قدر اور قابل صد ستائش ہے لیکن معذرت کے ساتھ عرض کناں ہو کہ غالباً کمپوزر کی غلطی سے ''گاہے بگاہے'' کا لفظ چھپ گیا ہے جو اہل علم وادب کے نزدیک غلط ہے یہ لفظ فارسی زبان سے متعلق لفظ ہے جو دراصل ''گاہ بہ گاہ'' ہے (جسے گاہ بگاہ بھی لکھا جاتا ہے) یا پھر اسے ''گاہے گاہے'' لکھتے یا بولتے ہیں بصد معذرت عرض ہے کہ اس گرانقدر مضمون میں روزنامہ امروز کے ۱۹۸۶ء کے ''رحمت اللعالمین'' نمبر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو نعت ہی کے حوالے سے راقم نے شائع کیا تھا آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی اخبارات کے ہفت روزہ ایڈیشن جنھیں 'سنڈے ایڈیشن' کہا جاتا تھا صرف بیس یا چوبیس صفحات پر مشتمل ہوا کرتے تھے لیکن راقم نے یہ 'نمبر' ۴۸ صفحات پر شائع کیا تھا اس سے قبل 1985 کے ہفت روزہ میں بھی ۲۴ صفحات میں بیشتر صفحات نعتیہ ادب پر مشتمل تھے یاد رہے کہ جنرل ضیاء الحق کا دور تھا اور چھٹی اتوار کے بجائے جمعہ کو ہوا کرتی تھی اس لیے اسے سنڈے ایڈیشن کے بجائے جمعہ ایڈیشن ہی کہتے تھے۔

مزید براں راقم کو یاد ہے کہ ممتاز صحافی شورش کاشمیری نے بھی اپنی زندگی میں 'ہفت روزہ چٹان' کا رحمت للعالمین'' نمبر شائع کیا تھا جسے بہت پسند کیا گیا اسی شمارے سے متاثر ہو کر راقم نے ''رحمت للعالمین'' ایڈیشن شائع کیا۔ (سعید بدر، ص ۲۵/۹۱۶-۹۱۵)

قصیدہ بردہ:

رہی بات امام شرف الدین محمد بن سعید البوصیری علیہ الرحمۃ کی تو ''آفتاب آمد دلیل

شارق الانوار المعنیۃ فی شرح الکواکب الدرّیۃ

۱۸۔ القاضی زکریا بن محمد الانصاری المتوفی سنۃ ۹۲۶ھ وسماہ ’’الذبدۃ الرائقۃ فی شرح قصیدہ البردۃ الفائقۃ‘‘

۱۹۔ عبید اللہ محمد بن یعقوب المولی الفناری المتوفی سنۃ ۹۳۶ھ۔

۲۰۔ محی الدین محمد بن مصطفےٰ المعروف بشیخ زادہ المتوفی سنۃ ۹۵۱ھ

۲۱۔ بدرالدین محمد بن الغز ی المتوفی سنۃ ۹۸۴ھ وسماہ ’’زبدۃ‘‘

۲۲۔ خیر الدین خضر بن عمر العطوفی المتوفی سنۃ ۹۸۴ھ

۲۳۔ حسام الدین حسن بن محمد العباسی

۲۴۔ احمد بن مصطفےٰ الشہید بلالی

۲۵۔ یحییٰ بن منصور بن یحییٰ الحسنی وسماۃ نتائج الافکار

۲۶۔ الامام فخر الدین احمد بن محمد بن ابی بکر الشیر ازی وسماہ ’’نزھۃ الطالبین وتحفۃ الراغبین‘‘

۲۷۔ الفاضل الحسن بن محمد بن الحسن الحنفی النخعی

۲۸۔ یحییٰ بن زکریا المفتی وسماہ ’’صدق المورۃ‘‘

۲۹۔ ابوالعباس احمد الازوی المعروف بالقصار

۳۰۔ حسن بن حسین التالشی

۳۱۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن حسن القدسی البرمونی

۳۲۔ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری المتوفی سنۃ ۱۰۱۴ھ

۳۳۔ عبدالواحد بن احمد الانصاری المتوفی سنۃ ۱۰۴۰ھ وسماہ ’’شفاء القلب الجریح‘‘

۳۴۔ محمد بن منلا ابی بکر بن محمد بن منلا سلیمان الکردی الحنفی ائمہ شرح فی سنۃ ۱۰۴۸ھ وسماۃ الدرۃ فی شرح الکواکب الدریۃ المغیۃ

۳۵۔ ابراہیم بن محمد الباجوری المتوفی سنۃ ۱۲۷۶ھ

۳۶۔ القاضی عمر بن احمد الخربوتی وسماہ ’’عصیدۃ الشھدۃ‘‘

پروفیسر علی محسن صدیقی لکھتے ہیں:

ابن ادریس مراکشی نے جن کا انتقال ۶۲۰ھ میں ہوا ’’خواص البردۃ فی برء الذرء‘‘ کے نام سے قصیدہ بردہ کی شرح لکھی۔ انھوں نے مندرجہ بالا

اس قصیدہ بردہ کو عالم اسلام کے اطراف واکناف میں بزرگوں نے حفظ کیا اور دینی حلقوں میں اس کی قرأت کو معمول بنایا، جب کہ ناشرین نے مشرق وغرب میں اسے شائع کیا اور آٹھویں صدی ہجری سے آج تک شارحین نے مسلسل اس کی شرحیں لکھیں، جن میں سے چند کی فہرست اور شارحین کے اسماہم یہاں بطورِ نمونہ نقل کرتے ہیں نہ کہ بطورِ اتمام فہرست ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ابوشامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل المقدسی الشافعی (۶۹۵ھ)

۲۔ علی بن جابر موسیٰ الیمنی الشافعی المتوفی سنۃ (۷۲۵ھ)

۳۔ جمال الدین عبداللہ بن یوسف المعروف بابنِ ھشام النحوی (۷۶۱ھ)

۴۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن الزمدوی الشہر یابن الصائغ (۷۷۶ھ)

۵۔ مسعود بن عمر المعروف بسعد الایجہ تفتازانی (۷۹۸ھ)

۶۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن مرزوق التلمسانی (۷۹۱ھ)

شرح کا عنوان: ''الاستیعاب لما فیھا سحر البیان والاعراب'' ان کی ایک اور شرح کا عنوان ''اظہار صدق اعودۃ فی شرح قصیدۃ البردۃ'' ہے۔

۷۔ جلال بن قوام بن الحکم، تکمیل شرح کی تاریخ ۷۹۲ھ ہے۔

۸۔ بدرالدین محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی ۷۹۴ھ

۹۔ محمد البسطامی الستاھرودی المعروف بمصنفک المتوفی سنۃ ۸۷۵ھ

۱۰۔ شرف الدین علی البذوی المتوفی سنۃ ۸۲۸ھ

۱۱۔ کمال الدین حسین الخوارزمی المتوفی سنۃ ۸۴۰ھ

۱۲۔ جلال الدین محمد بن احمد الحلی الشافعی المتوفی ۸۴۶ھ وسماہ الانوار المضیہ فی مدح خیر البریۃ''

۱۳۔ جلال الدین احمد بن محمد بن محمد الخجندی المتوفی سنۃ ۸۰۳ھ وسماہ ''طیب الحبیب ھدیۃ الی کل حُبّ لبیب''

۱۴۔ زین الدین ابوالعز طاھر بن حسن المعروف بابن حبیب الحلبی۔ المتوفی سنۃ ۸۰۸ھ

۱۵۔ القاضی شہاب الدین الدولۃ آبادی المتوفی سنۃ ۸۴۹ھ

۱۶۔ زین الدین خالد بن عبداللہ الازھری المتوفی سنۃ ۹۰۵ھ وسماہ ''الزبدۃ فی شرح قصیدہ البردۃ''

۱۷۔ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی سنۃ ۹۲۳ھ وسماہ۔

سے ملی، جہاں اس کی ادبیت کو تسلیم کیا گیا وہاں تعویذ، گنڈے میں اس کے اشعار استعمال کر کے اس کی فضیلت کو بھی منوالیا گیا ہے......"

جناب ڈاکٹر یحیٰی نشیط کے یہ جملے یہی واضح کرتے ہیں کہ وہ اپنے قلب وذہن میں کوئی گرہ رکھتے ہیں ورنہ اس مبارک قصیدہ شریفہ کی فضیلت کا بیان اس طرح نہ کرتے -قریب ترین حوالے کے لئے وہ جناب اشرف علی تھانوی کی نشر الطیب ہی ملاحظہ فرمالیں کہ اس قصیدہ بُردہ کی فضیلت کی وجہ کیا ہے اور اس کی فضیلت کس قدر ہے؟ وہ عطر الوردہ سے بھی شاید واقف نہیں، قصیدہ بُردہ سیکڑوں برس سے اکابر اولیاء وعلماء کا وظیفہ ہے کیوں کہ یہ بارگاہِ رسالت V میں نہایت مقبول ہے اور تعویذ گنڈے کی تحقیر وتضحیک کیوں کر روا ہوسکتی ہے، کلامِ الٰہی اور پاک ومبارک دعائیں والفاظ ہی تعویذات میں درج کیے جاتے ہیں، (کوکب نورانی ص،۸۱/۳)

'قصیدۂ ذوقافیتین :

'نعت رنگ' کے اس شمارے میں ایک دو قابلِ اعتراض باتیں بھی آ گئی ہیں، اس کو مجبوراً آخر میں عرض کر رہا ہوں کہ: خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

(۱) اس شمارے کی ابتدا 'قصیدۂ ذوقافیتین' کے منظوم ترجمے سے کی گئی ہے اور ادارہ نے تعارف میں لکھا ہے کہ 'مشہور محقق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے مقالے میں اسے امام شرف الدین بوصیری سے منسوب کیا ہے، جو بجا طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیوں کر بجا طور پر درست معلوم ہوگیا، جو بالکل خلافِ واقعہ ہے بوصیری کا پورا دیوان 'مجموعۃ النبہانیہ' میں موجود ہے اس میں کہیں اس قصیدے کا نام ونشان نہیں ملتا۔ راقم نے اس قصیدے کو کتب خانہ حرم (قدیم) کے ایک مجموعۂ نعت مرتبہ جار اللہ السمہو دی سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد حسین مخلوف نے اس کو کسی نامعلوم شاعر کا کلام قرار دیا ہے۔

(۲) ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے شوقی کے دو قصیدوں کا ذکر کیا ہے، شوقی کے تین قصیدے ہیں جن کا موضوع نعت ہے اور تینوں قصاید شوقیات کی پہلی جلد میں بار ہا طبع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، بات کو طول دینا نہیں چاہتا اور نہ شوقی کے کلام پر تبصرہ اس وقت مقصود ہے، البتہ ایک شعر کا ترجمہ حیرت ناک حد تک قابلِ نظر ہے!! وہ شعر ہے:

ابا الزھراء قد جاوزت قدری بمدحک بید ان لی انتسابا

فہرست میں ابوالعباس احمد التلمسانی (۶۷۷ھ) کا اضافہ بھی کیا ہے اور کچھ فارسی، ترکی اور اُردو شروح وتراجم کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (مقدمات تاریخی ص۱۸۳) یوں پروفیسر صاحب نے یہ فہرست ۴۱ کے عدد تک پہنچائی ہے جو بہرحال نامکمل ہے۔

''المدائح النبویہ فی الادب العربی'' میں ڈاکٹر زکی مبارک نے مزید کچھ اسماء کا اضافہ کیا ہے:

علاء الدین البسطامی المتوفی سنۃ ۸۷۵ھ

یوسف بن أبي اللّطف القدسی المتوفی بعد الالف للھجرۃ

یوسف البسطامی من علماء القرن التاسع

ملا محمد من علماء القرن الحادی عشر

محمد بن مصطفیٰ المدرنی من علماء القرن الثانی عشر

محمد عثمان المیرغنی من علماء القرن الثالث عشر

اس کے علاوہ دارالکتب مصر میں اور بھی شروح موجود ہیں جن کے مؤلفین کے اسماء نامعلوم ہیں:

۱۔ الرقم علی البردۃ

۲۔ الجوھرۃ الفردۃ فی شرح البردۃ

۳۔ راحۃ الارواح

۴۔ الذبدۃ الرئقۃ فی شرح البردۃ الفائقہ

۵۔ قصیدۃ الشھدہ فی شرح البردۃ

۶۔ وردۃ الملیح فی شرح بردۃ المدیح (بحوالہ المدائح النبویہ (ص ۱۷۱۔۲۰۷) زکی مبارک)۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قصیدۂ بردہ کی بکثرت شروح علما وائمہ ملت نے تبرکاً وتمناً ہی (۵۴۴) لکھی ہیں اور سبھی نے گویا ان شروح وحواشی اور سیکڑوں تضمینات ومستبیعات وتخمیسات کے ذریعے امام بوصیری علیہ الرحمۃ کی تائید وتصوکرتے ہوئے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔توفیق ہوئی تو شروحات قصیدہ بردہ شریف کے حوالے سے مستقل مضمون لکھ کر پیش کروں گا۔ (محمد شہزاد مجددی،ص ۵۴۵۔۵۴۱)

ڈاکٹر صاحب اسی صفحے پر مزید لکھتے ہیں: ''اس قصیدے کو شہرت ''قصیدۂ بُردہ'' کے نام

وہ ہرنیاں جو 'بان' کے درختوں اور ٹیلوں کے درمیان ہیں انھوں نے حرمت والے مہینوں میں میرا خون بہانا جائز کرلیا (غزل کے شعر سے تشبیب ہے)(عبداللہ عباس ندوی، ص ۶۶۹۔۶۶۷)

منسوبات اور ان کی حقیقت/ اشعار کا انتساب اور ان کی حقیقت:

(۱) ''نعت رنگ'' ۸ میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے جو مقالہ ''شعر کے بارے میں نبی اکرم V کی رائے'' عنوان سے قلم بند کیا ہے، وہ کافی ژرف نگاہی سے لکھا گیا ہے۔ یہ مقالہ قرآن کریم اور احادیث نبی کریم V پر ان کی ژرف نگاہی کا غماز ہے۔ لیکن اس مقالہ میں ایک بات کھٹکتی ہے موصوف نے اپنے اسی مقالہ میں حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل شعر کا انتساب سبعہ معلقہ کے مشہور و معروف شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کی جانب کردیا ہے۔ موصوف نے ثانوی حوالہ میں العقد الفرید کا نام لکھا ہے:

وان احسن بیت انت قائله　　بیت تقال اذا انشدته صدقا

واضح ہو کہ درحقیقت مولانا الطاف حسین حالی نے اس شعر کو تسامحاً زہیر ابن ابی سلمٰی کا اپنی معرکہ آرا تحقیق مقدمہ شعر و شاعری کے صفحہ ۹۴ پر لکھ دیا ہے۔ راقم نے ۱۹۷۷ء میں ''اردو شاعری میں نعت'' کے تحقیقی سفر کے دوران اس شعر کو زہیر ابن ابی سلمٰی کے دیوان میں نہیں پایا اور تلاش بسیار کے بعد اس کو یہ شعر علامہ ابن رشیق کی کتاب العمدہ کے صفحہ ۳۷ پر ملا اور تب اس کو اس حقیقت کا علم ہوا کہ اس شعر کے تخلیق کار شاعر رسول V حضرت حسان بن ثابتؓ ہیں۔ راقم نے اس واقفیت کا اظہار اپنی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' مطبوعہ ۱۹۸۸ء کے صفحہ ۱۱۴ پر کردیا ہے۔ (محمد اسماعیل آزاد، ص ۱۰۴)

(۲) ص ۳۱۷ پر ''التفاتِ سیّد سادات V'' کے عنوان سے پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی تحریر ہے۔ فرماتے ہیں، مندرجہ بالا عنوان، حافظ لدھیانوی مرحوم کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

التفاتِ سیّد سادات کب محدود ہے　　وسعت دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

جہاں تک مجھے یاد ہے یہ شعر حضرت حفیظ تائب مرحوم کا ہے۔ (محمد شہزاد مجددی، ص ۵۳۳)

(۳) رشید وارثی صاحب کا مضمون بھی بحیثیت مجموعی فکر افروز ہے اور نعت گوئی کے

شاعر حضورِ اکرم V کو عہدِ رسالت کے اسلوب میں کنیت کے ذریعے خطاب کرتا ہے، کنیت کے ذریعے خطاب کرنا ایک بڑا اعزاز تھا جیسے کوئی آج کل کی زبان میں کسی کو حضرت والا یا حضرت اقدس لکھے، شاعر کہتا ہے:

اے پدرِ زہرا (یعنی اے سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار) آپ کی مدح کرکے میں اپنی حیثیت سے تجاوز کر گیا، (یعنی ہماری حیثیت اتنی نہیں تھی کہ ہم آپ کی مدح کرسکیں۔ ''بیدان لی انتسابا'' ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے ایک نسبت حاصل ہے''۔ ''بید'' کا ترجمہ۔لیکن، ہاں، مگر۔حسبِ موقع کیا جاسکتا ہے۔

کون سی نسبت؟ یہ الفاظ میں نہیں کہا گیا بلکہ بین السطور سے مضمون عیاں ہے کہ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ مجھے غلامی کی نسبت حاصل ہے اور یہی جرأت مدح کا سبب ہے۔اس شعر کا ترجمہ موصوف نے کیا ہے ''اے ابو ہریرہؓ آپ V کی ثناخوانی کی وجہ سے میں اپنے مقام سے بلند ہوگیا، جب کہ اس سے قبل میرا ایک انتساب تھا، اس ترجمہ سے نہ تو مفہوم واضح ہوتا ہے اور نہ معنی کا سراغ ملتا ہے اور نہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ یہاں بیچ میں کہاں سے آگئے اور کہاں سے یہ معنی نکالے گئے کہ عقل کام نہیں کرتی، بلاشبہ حسنِ ظن اپنی جگہ پر اچھی چیز ہے مگر حسنِ ظن کو اس درجہ مایوس کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔

دوسری بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ''نہج البردۃ'' کا ذکر کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔حضرت بوصیری کے قصیدہ بردہ کی زمین میں اور اسی قافیہ پر یہ قصیدہ شوقی نے لکھا ہے ''نہج البردۃ'' کا مطلب ہوا قصیدہ بردہ کے طرز پر یا قصیدہ بردہ کی زمین پر قافیہ پر ایک قصیدہ جیسے آپ نے دیکھا ہوگا کہ شاعروں میں ایک مصرع طرح پر لوگ غزلیں کہتے ہیں، قافیہ اور عروض کی پابندی ہوتی ہے اس طرح شوقی نے حضرت بوصیری کے قصیدہ پر قصیدہ لکھا ہے، بوصیری کے قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

امن تذکر جیران بذی سلم　　مزجت دمعا جری من مقلۃ بدم

تیری آنکھوں سے یہ خون آلود آنسو کیوں رواں ہیں، کیا ذوسلم کے پڑوسی یاد آرہے ہیں؟

شوقی کا پورا قصیدہ اسی وزن اور قافیہ پر ہے ان کا مطلع ہے:

ریم علی القاع بین البان والعلم　　احل سفک دمی فی الاشھر الحرم

شاید اسی شہرت نے کشفی صاحب جیسے محقق کو بھی تحقیق کی زحمت اٹھانے سے باز رکھا ورنہ اس سلسلہ میں اہلِ علم و ادب کی معمولی توجہ رخِ حقیقت سے نقاب کشائی کے لیے کافی ہوتی۔ محققینِ عصر کے نشترِ تحقیق نے واضح کر دیا ہے اور خود قصیدہ کا زیر و بم کھلے بندوں اعلان کر رہا ہے کہ مذکورہ قصیدہ حضرت سیّد سجادؓ کا نتیجۂ فکر اور ساختۂ عشق نہیں ہے۔ کشفی صاحب کی تشفی کے لیے صرف اتنا عرض کر دیں کہ صدرِ اسلام میں مقطعوں کا کوئی وجود نہ تھا اور اہلِ عرب کے قصاید عموماً مقاطع و تخلصات سے خالی ہوا کرتے تھے مگر یہاں دیکھیے مقطع میں تخلص کس شان سے جڑا ہوا ہے۔ نیز یہ کہ مطلع کے مصرع دوم میں روضۃ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ جس سے قصیدہ کی عجمیت پر بھرپور روشنی پڑ رہی ہے کیوں کہ عربی میں روضۃ کا استعمال باغ وغیرہ کے معنی میں ہوا ہے۔ میری نظر سے عربی کی کسی کتاب یا عربی کی کسی لغت میں 'روضۃ' روضۂ نبوی کے معنی میں کہیں نہیں گزرا ہے۔ خدا بھلا کرے استاذ الاساتذہ محققِ دوراں علامہ محمد احمد مصباحی کا جنھوں نے اس سلسلے میں تحقیق تمام فرما کر یہ فیصلہ دو ٹوک سنا دیا ہے کہ: ممانسب الیٰ زین العابدین علی بن الحسین المتوفی سنته ۹۵ ھ، والظاهر انه شاعر عجمی علیٰ اسلوب شعر العجم (المدیح النبوی، جدید، ص ۱۰۲ مطبوعہ مجلسِ برکات مبارک پور) یعنی گو یہ قصیدہ امام زین العابدینؓ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ عجمی اسالیبِ شعری کا حامل یہ کسی عجمی النسل شاعر کا کلام ہے۔ (محمد افروز قادری چریا کوٹی، ص ۱۵۳ـ۱۵۲)

(۲) خواجہ معین الدین چشتی کی شاعری:

کچھ دن قبل ایک کتاب ''لمعاتِ خواجہ'' دیکھنے کا اتفاق ہوا جو معین الدین احمد اور شمس بریلوی کی مشترکہ تالیف ہے۔ ان حضرات نے بہت قوی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ فارسی دیوان خواجہ معین الدین چشتیؒ ہی کا ہے معین الدین ہروی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کتاب کافی ضخیم ہے اور ان کے دلائل کے وزن کا اندازہ اس کو پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کی نظر سے وہ کتاب شاید نہیں گزری۔ وجہ ظاہر ہے کہ اتنی کتابیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ کسی فردِ واحد سے یہ توقع کرنا کہ ہر کتاب کا اس نے مطالبہ کیا ہوگا غیر فطری ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اس کتاب پر نظر ڈال لیں تو ان کی رائے بھی میری طرح تبدیل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب سے میں معذرت خواہ ہوں۔ کسی قسم کی گستاخی میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔

باب میں ایک عمدہ منشور کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ ص ۵۲ پر انھوں نے جس شعر کا انتساب حافظ شیرازی سے کیا ہے وہ سعدی شیرازی کا ہے۔ شعر یہ ہے:

دفتر تمام گشت و بپایا رسید عمر
ماہمچناں دراوّل وصفِ تو ماندہ ایم (ڈاکٹر تحسین فراقی، ص ۲۴۵)

(۴) ص ۳۶۵ پر مذاکرہ کی روداد میں مشہور قطعہ 'یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر' کو انور شاہ کاشمیری سے منسوب کیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔ یہ قطعہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ، ص ۶۴۶)

تخلیقات، تصانیف کا انتساب اور اُن کی حقیقت

(۱) قصیدہ: الصبح بدا من طلعة: کا خالق کون؟

'نعت رنگ' کے سترھویں شمارہ میں ص ۸ پر مشہور و مقبول قصیدہ: الصبح بدا من طلعة۔ الخ کو امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا گیا ہے حالاں کہ حقیقت کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہمارے یہاں رائج الوقت درس نظامی کے ادب عربی کی معروف ترین کتاب 'المدیح النبوی' جدید کے ص ۶۴ اور نسخۂ قدیمہ کے ص ۷۱ پر اس قصیدہ کا انتساب قاضی محمد الحنفی المعصومی کی طرف ہے۔ اور مرتب کتاب مولانا یٰسین اختر مصباحی، ایڈیٹر: ماہ نامہ 'کنزالایمان' دہلی نے اس قصیدہ کو محمد جار اللہ سمہودی کی کتاب "المجموعة الکبری فی القصائد الفخری" سے اخذ و نقل کیا ہے۔

اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ 'دیوانِ بوصیری' میں بھی اس کا کہیں کچھ پتا نہیں... جو لوگ امام بوصیری کے سلاست آمیز اور فصاحت خیز قصاید کے مقام و مرتبہ اور شانِ طمطراقیت سے واقف ہیں وہ تو بدستور اجالوں کے راہی رہیں گے البتہ بیش تر حضرات کے اس مغالطہ کے دام ہم رنگ زمیں کے اسیر ہو جانے کا خطرہ تھا اس لیے یہ چند معروضی سطریں انھیں حضرات کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کا مضمون بھی مجموعی طور پر معلوماتی اور عمدہ ہے۔ مگر کشفی صاحب نے ص ۱۸ پر قصیدۂ مشہورہ: ان نلت یاریح الصبا یوما الی ارض الحرم کا انتساب حضرت زین العابدینؓ کی طرف کیا ہے اور یہی زبانِ زدِ خاص و عام اور مشہور انام بھی ہے

''نعت قدسی کے مصنف اصلی کا سراغ اور تعین کے وقت اس اہم نکتے کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ غزل مذکور کا سبک ہندوستانی شاعر کا ہے۔ لہٰذا جب تک ایسی کوئی مستند دستاویز بطور ثبوت نہیں حاصل ہو جاتی، یہ دعویٰ کہ نعت متذکرہ (مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی) قدسیؔ مشہدی ہی کی تصنیف ہے، از روئے تحقیق صحیح نہیں ہوگا۔'' (ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۷۸ء) مگر رائے عامہ ان کے ادعا کے خلاف ہی رہی۔

بھائی! اس طرح تو شیخ سعدیؔ شیرازی کا پند نامہ بہ عنوان کریما بھی سعدیؔ کے متداول نسخے یا کلیاتِ مستند مطبوعۂ ایران میں شامل نہیں، تو کیا کریمائے سعدی بھی کسی اور کی قرار دے دی جائے گی۔ اس فقیر نے 'کریمائے سعدی' کے عنوان سے اپنے مضمون مطبوعہ ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۷۸ء میں اسے سعدیؔ کی ہی تصنیف ہونے کے مضبوط قرائن سے بحث کی ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ عربی و فارسی، پٹنہ (بھارت) کے ایک کل ہند امیر خسروؔ سیمینار منعقدہ ۶ نومبر ۱۹۸۳ء میں اسی خاکسار نے اپنے مقالے بہ عنوان 'خسرو کی مشہور غزل' میں اس غزل (شب جائے کہ من بودم) کو روشن حقایق اور قوی قرائن کی روشنی میں خسرو ہی کی غزل ثابت کیا۔ مقالہ چھپا اور اکیس سال گزر چکے اب تک کسی سے اس کا جواب بن نہ پڑا۔ صدیاں گزر گئیں ان غزلوں پر صوفیہ و مشائخ کو وجد و حال کرتے۔ تحقیق کی دنیا میں کچی یا پکی روشنائی ہی واحد معیار نہیں ورنہ صحیح بخاری شریف کی تدوین پر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کی سند نہ دی جاتی۔ (طلحہ رضوی برق، ص ۵۶۴۔۵۶۳)

تحقیقی تسامحات:

۱۔ شمارۂ ہفتم میں پیارے لال شاکر میرٹھی کا ذکر ہندو شعرا کے تحت (ص ۲۲) آیا ہے میرا خیال ہے وہ پکے عیسائی تھے، ہندو نہ تھے۔ تحقیق کر لیں۔ (۸۷۲)

۲۔ یوں ہی شاہ صاحب نے اپنے ایک دوسرے مضمون کے ص ۱۹۳ پر ''الفضل ما شهدت به الاعداء'' کو حدیث رسول بتانے کی ناپاک جسارت کی ہے حالاں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ حدیث نہیں بلکہ عربی کے ایک مشہور شعر کا مصرع دوم ہے جواب بطور مقولہ بھی مستعمل ہے۔ شعر یوں ہے:

و مليحته شهدت لها ضراته　　و الفضل ما شهدت به الاعداء

(الردّ الوافر: ۲۷)

یہ حقیقت ہے کہ حافظ محمود شیرانی صاحب اس برصغیر ہندو پاک میں پہلے ادیب ہیں جنھوں نے کلامِ معین پر اس قدر تصریح کے ساتھ لکھا ہے ورنہ عموماً خواجہ غریب نواز کے سوانح نگار حضرات نے شیرانی صاحب کے مقالہ کا حاصل یہ ایک جملہ لکھنے ہی پر اکتفا کیا ہے کہ ''یہ دیوان خواجہ معین الدین سنجری چشتیؒ کا نہیں بلکہ معین الدین ہروی صاحب معارج النبوۃ کا ہے۔''

حضرت شمس بریلوی اور معین الدین صاحب رقم طراز ہیں کہ ''ان سوانح نگاروں نے اس امر کی ذرا بھی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ وہ اس کی صحت کو نقد و تبصرہ کی روشنی میں دیکھتے اور غور کرتے کہ اس قول میں کہاں تک صداقت ہے اور یہ معیار درایت پر پورا اترتے ہیں یا نہیں۔ انھوں نے اپنی جگہ یہ سمجھ لیا کہ چونکہ حافظ محمود شیرانی صاحب نے یہ لکھ دیا ہے اور فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ کلام خواجہ غریب نوازؒ کا کلام نہیں ہے اس لیے یہی درست ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہم کو صاحب آبِ کوثر جناب ڈاکٹر شیخ اکرام صاحب اور یوسف سلیم چشتی صاحب پر تعجب ہے کہ ان دونوں حضرات نے بایں دیدہ وری تحقیق کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ ''لمعات خواجہ'' کے مؤلفین شمس بریلوی اور معین الدین احمد نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''ہم نے اپنی اس تصنیف میں اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ یعنی ایک تحقیقی مقالہ کی شکل میں داخلی اور خارجی ہر ہر پہلو سے اس کلام کو کسوٹی پر کسا ہے اور الحمدللہ کہ دلائل نے اس نتیجہ پر پہنچا دیا کہ یہ کلام معرفت نظام صرف خواجہ غریب نواز ہی کا کلام ہے۔ یہ صفحات ناقدانہ بحث کے ہر پہلو کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ تحقیق کی جہاں تک رسائی ہوسکی ہے ہم وہاں تک پہنچے ہیں اور الحمدللہ کہ تائید الٰہی کی رہنمائی کی بدولت ایسے اسباب تک رسائی ہوگئی جن کی موجودگی میں خواجہ غریب نوازؒ کے کلام سے انکار ممکن نہیں۔'' (ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیف، ص ۹۵۔۹۴)

(۳) امیر خسرو، قدسی اور سعدی سے منسوبات غزلیات اور تصنیف کی حقیقت:

حضرت کشفی کے مضمون میں جامی کی مذکورہ نعت 'خاکسارم یارسول اللہ' خسروؔ کی غزل 'شب جائے کہ من بودم' اور قدسی کی مشہور نعت 'مرحبا سیّد مکی مدنی العربی' سے متعلق اہلِ نظر محققین خوب خوب بحثیں کر چکے ہیں، مگر کوئی بھی ان نعتوں کو ان مشہور شاعروں کے علاوہ کسی دوسرے کی ثابت نہ کر سکا۔ قدسیؔ مشہدی کی نعت کو مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے پروفیسر سمیع الدین احمد نے بہت دُور کی کوڑیاں لا کے کسی قدسیؔ ہندی (غیر معروف) سے منسوب کر دی اور لکھ دیا:

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ۔

۷۔ صفحہ نمبر ۲۳۴ پر نمرود کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اُس نے بلند ترین مینار یا محل بنوایا تاکہ وہ ابراہیم (علیہ السلام) کے معبود کو تلاش کرے لیکن قرآن پاک میں یہ بات نمرود نہیں بلکہ فرعون اور ہامان کے حوالے سے ہے (سورۃ المومن آیات ۳۶ و ۳۷، نیز سورۃ القصص آیت نمبر ۳۸)۔ (تنویر پھول، ص ۹۲۱/۲۵)

۸۔ محترم مبین مرزا صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ''تیری معراج'' والا شعر پنڈت نور بہار لکھنوی کا نہیں ''کرشن بہاری نور لکھنوی'' کا ہے اور نور صاحب ایسے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جن میں آج تک کوئی پنڈت نہیں ہوا اور نہ آگے اس کا کوئی امکان ہی ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۲۸/۲۶)

محسن کاکوروی اور محسن کاکوروی حسان الہند: تحقیقی مطالعہ:

پروفیسر موصوف نے حسان الہند کے لقب سے ملقب محسن کاکوروی کا تذکرہ اپنی معرکہ آرا کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء میں کیا ہے۔ اس میں حسان الہند کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ صفحہ ۵۶ سے صفحہ ۶۸ تک لیا گیا ہے۔ اس جائزے کے بعد پیراگراف میں منجملہ دیگر باتوں کے یہ فرمایا گیا ہے کہ (حسان الہند) محسن کاکوروی نے مروّجہ شاعری کی ہر صنف میں نعت کے فن کو برتا ہے۔ (ہر ''صنف'' پر غور فرمائیں خصوصاً بمقابلہ نعتیہ قصیدہ نگاری) نیز یہ کہ انھوں نے ''نعت گوئی کو سنجیدگی سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا اور اس بلند سطح تک لے گئے جس سے آگے بڑھنا دوسروں کے لیے آسان نہ رہا۔ محسن نے دوسرے شعرا کی طرح نعت گوئی کو جزوی اور رسمی طور پر نہیں اپنایا بلکہ اسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ اپنے فکر وفن کی جولاں گاہ بنایا ہے۔ پروفیسر موصوف نے محسن کاکوروی (حسان الہند) سے متعلق اپنے اس معروضہ کے افتتاحی جملے میں ان (محسن کاکوروی) کو متوفی ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۲ھ لکھا ہے۔

پروفیسر موصوف کے مندرجہ بالا فرمودات سے صاف عیاں ہے کہ دونوں محسن کاکوروی (محسن کاکوروی خلیفہ مولانا عبدالسلام ہسوی اور محسن کاکوروی حسان الہند) ایک نہیں ہیں بلکہ دو الگ الگ ہستیاں ہیں، جن میں سے ایک یک صنفی ہیں اور دوسرے یعنی حسان الہند نعت کے لیے ہمہ صنفی اور ''اردو کے پہلے شاعر... جنھوں نے نعت گوئی کو سنجیدگی سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا'' سعدی نے درست فرمایا ہے:

بلاتحقیق اتنے دھڑلے سے کسی بات کا انتساب آقائے عرش پناہ کی طرف کردینا شاہ صاحب جیسے اہلِ ادب کو زیب نہیں دیتا۔شاید موصوف کی نظر سے یہ حدیث پاک نہیں گزری۔ورنہ اس جرأت وجسارت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار (محمد افروز قادری چریاکوٹی،ص۱۵۴)

۳۔ ''ظہورِ رحمت'' (شادؔ عظیم آبادی) مسدس کی ہیئت میں ہے نہ کہ مثنوی کی۔مثنوی میں تو ہر شعر کا اپنا الگ قافیہ ہوتا ہے۔اگلے مضمون میں کنیز فاطمہ زہرا کے کلام کو بجا طور پر مسدس کہا گیا ہے۔(شاہ حسین نہری،ص۲۷۵)

۴۔ ص۳۱۷ پر پروفیسر محمد اقبال جاوید نے اپنے مضمون کا آغاز کرتے ہوئے حضرت حفیظ تائب مرحوم کا مشہور شعر حافظ لدھیانوی مرحوم کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔

(محمد شہزاد مجددی،ص۵۳۵)

۵۔ حضرت علامہ کوکب نورانی کے مفصل مکتوب میں ص۵۵۲ پر ایک عربی محاورے کے حوالے سے (جسے صاحب مضمون نے سرکارِ دوجہاں V کا فرمان لکھا ہے) بایں الفاظ تصحیح فرمائی گئی ہے۔فی الواقع اگر یہ فرمان رسول کریم V ہی ہے تو اصل عربی مجھے یوں یاد ہے:

الفضل ماشھدت بہ الاعداء۔

ہماری دانست میں یہ عربی کا مشہور مقولہ حدیث نبوی نہیں ہے،عرب شعرا کے کلام میں یہ مقولہ بہ کثرت منظوم شکل میں ملتا ہے۔

امام الثعالبی نے ''التمثیل والمحاضرۃ'' (ص۲۷) میں السّری الموصلی الرفّاء کے حوالے سے اسے درج کیا ہے۔

علامہ شہاب الدین تنویدی نے ایک شعر یوں لکھا ہے:

و فضائل شھد العدو بفضلھا — والفضل ما شھدت بہ الاعداء

(نہایۃ الادب فی فنون الادب،ص۱۷۱۳/۸)

اسی طرح کا ایک خوب صورت شعر اور دیکھیے:

و ملیحۃ شھدت لھا ضرتھا — والفضل ماشھدت بہ الاعداء

(شرح قصیدہ بانت سعاد ص۶) (محمد شہزاد مجددی،ص۵۳۶)

۶۔ ص۵۶۱ پر ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے حضرت کعبؓ کی ولدیت کو ان کا نام بنا دیا ہے۔لکھنا چاہیے

آپ V کی ذات اقدس کے لیے ایک خوب صورت ناگ کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے اور آپ V کے عشق مبارک کی تاثیر کو ڈسنے سے تعبیر کیا گیا ہے...الخ!

گزارش ہے کہ وارثی صاحب کو اس شعر کا محل و مجمل سمجھنے میں سخت مغالطہ ہوا ہے۔اس شعر کا متکلم نہ تو شاعر ہے اور نہ اس کے ضمیر ''اس'' کا مرجع آپ کی V ذات اقدس۔ یہ تو ''فارقلیط'' کے ابتدائی حصّے میں ایک پیت کی ماری، برجوگ مُیا ریلیٰ کی پکار ہے۔ جو رفیقہ، قتیلہ اور فاطمہ بنت مر کے ساتھ ان ''بتان سیہ چشم و شمشاد قد'' میں شامل ہے جو حضور والا کے جواں میر، جوان رعنا والد حضرت عبداللہ سے شادی کی خواہاں تھیں۔غم فراق کی شدت میں ناامید، اس امیدوار حسینہ کی زبان سے یہ کرب و کیف کے الفاظ نکلتے ہیں۔

''سلیم'' کے معنی یہاں...''لدیغ'' سانپ کا کاٹ کھایا ہوا، ڈسا ہوا اور وہ شدید زخمی جو ہلاکت کے قریب ہو'' کے ہیں۔اس کے معروف معنی....''صحیح و سالم، تندرست، چنگا، درست، کامل، صاف دل اور حلیم'' وغیرہ کے ہیں۔ مارگزیدہ اور جاں بہ لب کے لیے یہ تفاؤلاً، نیک شگون کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

دوسرے شعر کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں: ''شعر میں آپ کی طبع مبارک میں شرم وحیا کے عنصر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ لیکن اس بے احتیاطی کے ساتھ کہ شرم وحیا کے ضمن میں آپ V کو پردے میں بیٹھی ہوئی کنواری لڑکی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو آپ V کے ادب و تعظیم اور جلالت شان کے پیش نظر بڑی روح فرسا جسارت ہے۔ واضح رہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ قول کتب احادیث میں آتا ہے کہ آپ V میں کسی پردہ نشین عورت سے زیادہ حیا تھی۔اس قول پر شارحین نے نکتہ چینی فرمائی ہے جیسے ''مدارج النبوت'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تشبیہ کو آپ کے ادب و تعظیم کے حوالے سے پسندیدہ نہیں سمجھا...''

محدث دہلوی کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری اور نہ ہی ان شارحین کی نکتہ چینی جن کا انھوں نے نام نہیں لیا۔

ہے اپنی اپنی نظر، اپنا اپنا ذوق نظر جدا جدا ہے مذاق جمال ہر انساں

لیکن:

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ ہم مست

گر نبیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ان محسن کاکوروی کا سن وفات جن کا تذکرہ "نیاز اور فتح پور" میں ہے ۱۳۳۹ھ ہے۔ اردو ادب کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ حسان الہند کا مزار عید گاہ مین پوری میں ہے، جب کہ محسن کاکوروی ثم فتح پوری کا مزار محلہ پنی میں ہے۔ واضح ہو کہ پروفیسر فرمان فتح پوری کا مولد فتح پور کا ایک گاؤں ہیبت پور ہے اور انھوں نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ فتح پور ہی میں، پہلے ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے اور بعد میں ایک لائق و فائق استاد کی حیثیت سے، مسلم کالج میں گزارا جو محسن کاکوروی فتح پوری کے مزار سے بہت قریب ہے۔ دونوں کے درمیان کا فاصلہ با آسانی پانچ منٹ میں (پیدل) طے کیا جا سکتا ہے۔

گوہر مسعود صاحب نے خود غلط طور پر سمجھ لیا کہ پروفیسر فرمان فتح پوری صاحب نے اپنا متذکرہ بالا جملہ حسان الہند محسن کاکوروی کی بابت لکھا ہے اور اپنے اس مفروضہ کو مسلمہ مان کر اس کی تغلیط میں اپنا سارا زورِ قلم صرف کر ڈالا۔ انھوں نے اس سلسلے کی عصری شہادتوں سے صرفِ نظر کر کے محسن کاکوروی ثم فتح پوری کا نام محمد محسن کی بجائے محسن علی شاہ ایک کتبے کی بنیاد پر لکھ ڈالا، جس میں نہ کاتب کا نام کندہ ہے اور نہ اس کے نصب کنندہ کا۔ واضح ہو کہ راقم نے اس کتبہ کو اور اس سے ملحق محسن کاکوروی فتح پوری صاحب کے خلیفہ عبدالشکور صاحب کے کتبہ کا بغور مطالبہ کیا ہے۔ ان میں سے کسی میں نہ کتبہ کی تاریخ درج ہے اور نہ کتبہ کو نصب کیے جانے کی تاریخ مندرج ہے، جس کی بنا پر یہ کتبات ساقط المیعاد ہو جاتے ہیں۔ (محمد اسماعیل آزاد، ص ۱۱۰-۱۰۹)

نعت گو شعرا کے اشعار: تفہیم و تعبیر کی غلط فہمیاں:

(ا) شمارہ (۱۰) میں جناب رشید وارثی صاحب نے اپنے طویل اور فاضلانہ مضمون "اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں" میں صفحہ ۲۱ اور ۲۲ پر اس خاکسار کے دو شعر بھی سوئے ادب کے ضمن میں نقل کیے ہیں:

یہ قلب سلیم اس کا پڑھتا ہے کلمہ جس البیلے افعی نے اس کو ڈسا ہے
طبیعت میں وہ قدرتی شرم جیسے کہ پردہ نشیں کوئی نا کتخدا ہے

پہلے شعر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: "شعر میں بیان کیا گیا ہے کہ شاعر کا قلب سلیم اس انوکھے یا خوب صورت ناگ کا کلمہ پڑھتا ہے جس نے اسے ڈسا ہے۔ یہاں معاذ اللہ

انکار انھیں مبارک! (عبدالعزیز خالد،ص ۶۴۲۔۶۳۹)

(۲) رشید وارثی صاحب نے شاعر کا تخلص حذف کر کے اپنے اندرونی خوف کا مظاہرہ کیا ہے۔ باوجود خوف کے رقم طراز ہیں:

> ''اس شعر میں ذات حق تعالیٰ جل جلالہ کے طرزِ بیان کو ''کم سے کم'' کہنے سے قادرِ مطلق کی صفت کلام، وحی متلو اور غیر متلو (قرآن و حدیث) کی تنقیص ہوتی ہے... ذرا سوچیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ گمان رکھا جائے کہ (نعوذ باللہ) اس کا طرزِ بیان حضور اکرم V کی ''مدحت خاص'' کے لیے کم سے کم حیثیت رکھتا ہے تو پھر آپ کی کامل مدحت سرائی کے لیے ذات قادر مطلق کو بھی مجبور ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے محبوب V کی کماحقہ، مدحت بیان کرنے پر قادر نہیں... لہٰذا اس قسم کی مدح سرائی سے اجتناب کرنا بلکہ تائب ہونا نعت گوئی کیا ایمان کا بھی تقاضا ہے۔''

دراصل اس شعر میں جو لطیف نکتہ ہے۔ رشید وارثی صاحب اسے سمجھ ہی نہیں سکے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ شعر کس کا ہے لیکن اتنا نفیس شعر کہنے پر میں تو داد دیتا رہا۔ میری دانست میں اس شعر کی تشریح یوں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ارفع و اعلیٰ ہے تو اسی طرح اس کا کلام بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس نے اپنے محبوب کے ذکر کو رفعت بخشی اور فرمایا۔ **ان اللّٰہ و ملائکتہ یصلون علی النبی. یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما**۔ اللہ تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے نبی کریم V پر درود بھیجتے ہیں اس درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی مجبوری ظاہر نہیں ہوتی بلکہ یہ مقصود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ان پر درود بھیج رہا ہے۔ حضور V کے مقام کو جس طرح اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے اُسے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ جس طرح وہ اپنے محبوب V کی تعریف کرتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس لیے شاعر کہتا ہے کہ سرکارِ دو عالم V کی شان بہت اونچی ہے اور اے شاعر (تخلص) تم صدقِ دل سے چاہے کتنی ہی آپ کی تعریف و توصیف کرو ان کی تعریف و توصیف کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ حضور V کے شایانِ شان تو اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان ہے۔ ان کی مدحت خاص کا تو تقاضا بھی یہی ہے کہ کم سے کم وہی طرزِ بیان اختیار کیا جائے جو طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کا ہے۔ چوں کہ تمھارا طرزِ بیان وہ نہیں ہو سکتا جو کہ اللہ تعالیٰ کا ہے لہٰذا تم ان کی مدحت خاص کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

جنابِ خدریؓ کی روایت کے الفاظ ہیں:

کان النبی، رسول V اشد حیا من العذرا فی خدرھا!

میرے سامنے اس روایت کے قابلِ استناد و استشہاد ہونے کے لیے درج ذیل ماٰخذ تھے اور ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحیا (۷۷) حدیث ۱۴۳

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرۃ حیاءہ (۱۹۸) حدیث ۱۳۳۲

۳۔ سنن ابن ماجہ، کتاب زھد، باب الحیا (۱۷) حدیث ۴۱۸۰

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۳

۵۔ الشفا از قاضی عیاض اندلسی، فصل الحیا

۶۔ ریاض الصالحین، کتاب الادب، باب الحیا (۸۴)
از، ابوزکریا نووی دمشقی، نمبر ۴/ ۶۸۴۔ آخر میں لکھا ہے: متفق علیہ

۷۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار از امام یوسف اسماعیل نبہانی باب حیا و چشم پوشی میں الشفاء کے حوالے سے

۸۔ شمائل رسول از امام یبتجانی، شرم و حیا اور مزاج میں یہ روایت درج ہے

۹۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ، میں

۱۰۔ شمائل کبریٰ از مولانا نشتر جالندھری و مولانا غلام رسول مہر
باب شرم و حیا میں ان الفاظ کے ساتھ (بقول بخاریؒ صحابہؓ سے مروی ہے)

۱۱۔ رحمۃ للعالمین از، قاضی سلیمان منصور پوری، جلد ۳،
شرم و حیا کے ذیل میں صحیح بخاری کے حوالے سے

۱۲۔ سیرۃ النبی از سیّد سلیمان ندوی، جلد ۶،
باب فضائل اخلاق میں شرم و حیا کے تحت بخاری کے حوالے سے

۱۳۔ سیرۃ نبوی پر ایک، باب حیا میں یہ روایت درج ہے محققانہ نظر، از۔ خلیفہ محمد سعید

۱۴۔ نقوش (لاہور) رسول نمبر جلد ۴، حیا کے باب میں بخاری اور شفا کے حوالے سے

اگر وارثی صاحب اور وہ محترم حضرات جن پر تکیہ کرتے ہوئے انھوں نے اس روشن روایت پر ایراد اور اس کا استرداد کیا ہے مذکورہ وقیع حوالوں کو مستند و معتبر نہیں مانتے تو ان کی جرأت

ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔" (ص۴۴)

یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ غالبؔ اور دیگر عربی، فارسی اور اردو کے قصیدہ گویوں نے اپنے اپنے ممدوحین (بادشاہ و امراء) کے تعلق سے جو کچھ کہا ہے کیا وہ واقعی ان کے مصداق ہیں؟ دور کہاں جایئے غالبؔ اور ذوقؔ نے "بہادر شاہ ظفر" کی شان میں جو کچھ کہا ہے کیا ظفر اس کے مصداق تھے؟ غالبؔ نے جتنے بھی قصیدے لکھے (سوائے حضرت علیؓ کے) تمام کا مقصد صرف حصولِ زر تھا اور کچھ بھی نہیں۔ غالبؔ کی نظر میں اپنی مطلب برآری کے سوا کسی چیز کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انھوں نے گدھے کو گھوڑا کہنے میں بھی عار محسوس نہیں کیا ملکہ وکٹوریہ کی شان میں لکھے گئے قصیدے پر جب انھیں کوئی "دکشنا" نہیں ملی تو وہی قصیدہ معمولی ردّ و بدل سے نواب واجد علی کے نام منسوب کر کے لکھنؤ بھیج دیا اور مبلغ دو سو روپے پائے!!

اس لیے ناچیز "زباں پہ بارِ خدایا" والے شعر کو نعت کا شعر تسلیم نہیں کرتا، قارئین سے بھی التماس ہے کہ شاعر اپنے شعر کو جس عنوان سے پیش کرتا ہے اسے اسی کے تحت دیکھنا چاہیے۔ ساحرؔ لدھیانوی کا مشہور نغمہ ہے "لاگا چنری میں داگ چھپاؤں کیسے" کو سن کر اگر کوئی ساحرؔ کو صوفی جان کر حضرت امیر خسروؒ کی صف میں لا بٹھائے تو اسے کیا کہیں گے!؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۲۹)

الفاظ اور اصطلاحات کا علمی پس منظر

لفظ انھی کا استعمال:

"غلط العوام فصیح" کی تاویل کے سہارے اردو کی اعلیٰ لسانی قدروں کو مجروح ہونے سے بچایا جائے۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر۔ راجا رشید محمود صاحب کے ایک شعر میں لفظ "انہی" کے استعمال پر ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر کا حکم تحریف عائد کرنا درست نہیں کہا جا سکتا۔ "انہیں" جمع غائب کی ضمیر ہے اور "انہی" غائب کی ضمیر کلمۂ حصر کے ساتھ مرکب ہے۔ "تمہی" کی طرح اصل میں "ان ہی" ہے۔ لہٰذا اس کے درست استعمال پر ناک بھوں چڑھانا درست نہیں۔ اب تو ماہرینِ لسانیات نے بھی اس کے اسی استعمال کی سفارش کی ہے۔ (ملک الظفر سہسرامی، ص ۸۴۳)

لفظ استلام کی تحقیق:

لفظ "استلام" کے تعلق سے بھی ڈاکٹر گوہر صاحب کی گرفت بے موقع ہے۔ موصوف

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک وگلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

(نقوی احمد پوری، ص ۸۸۰۔۸۷۹)

(۳) ایک شعر کے بارے میں البتہ بصد ادب عرض کرتی ہوں کہ یہاں میں نے "شان" کے لفظ کو واحد ہی کے طور پر برتا ہے۔ شعر ہے:

اپنے کپڑوں میں پیوند خود ٹانکتے اپنی پاپوش بھی بارہا گانٹھتے
ماند تھی سامنے جس کے "شانِ کئی" زندگی کوئی دیکھے وہ کیسے کٹی

آپ نے اس ترکیب کو خلافِ روزمرہ اور خلافِ محاورہ کہا ہے۔ میں نے "شانِ کئی" کہہ کر عالی مرتبت ایرانی شہنشاہوں کی شان بیان کی ہے۔ علامہ اقبال کا مصرع ہے:

مانگنے والے کو ہم شانِ کئی دیتے ہیں (شکوہ جوابِ شکوہ)

اور مندرجہ ذیل شعر میں موجود شخصی تداخل کی نشان دہی فرماتے ہوئے جہاں اسے سراہا ہے وہاں اسے ہندوئی ثقافت کا مظہر بھی گردانا ہے۔

آپ کے قدموں میں جھک کر پیش میں کرتی سلام
آپ کی لے کے دعائیں کس قدر ہوتی نہال

یہاں بھی بصد ادب واحترام عرض کروں گی کہ قدموں میں جھکنے سے میری مراد حد درجہ ادب واحترام سے سلام پیش کرنا ہے۔ ہم والدین یا بزرگوں سے کہتے ہیں، آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں۔ یہ ان کی ذات سے وابستہ بے پایاں عزت وتکریم کا اظہار ہے۔ ہندو تو قدم چھوتے ہیں ہم ایک قدم اور آگے بڑھ کر قدم چومنے کی بات کرتے ہیں۔ قدموں میں جھک کر سلام کرتے ہیں۔ ہندوانہ رسم ورواج کی جھلک ہے، میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔ والدین کی قدم بوسی والی بات کے بارے میں اظہارِ خیال کریں تو شکر گزار ہوں گی۔

(طلعت سلیم، ص ۵۸۰۔۵۷۹)

(۴) مرزا صاحب نے غالب کے دو اشعار "ورق تمام ہوا۔۔۔ بوسے مری زباں کیلئے" کو نعتیہ اشعار کے طور پر درج کیا ہے جب کہ یہ نواب تجمل حسین خاں کی شان میں لکھے گئے قصیدے کے اشعار ہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"ابوالخیر کشفی نے بالکل ٹھیک کہا ہے ان شعروں کی بابت کہ بے چارے تجمل حسین خاں ان کا مصداق کب ہو سکتے تھے۔ اسی لئے ہمارا اجتماعی ذوقِ شعری

چوں کہ احمد صغیر صاحب لکھ چکے ہیں کہ وہ کسی مولانا کی بات نہیں مانیں گے تو اب یہ پتا نہیں کہ انھوں نے ۱۴ رویں اور ۱۵ رویں صدی ہجری کے مولانا صاحبان کے لیے لکھا ہے یا عہد صحابہ سے لے کر بعد کے ادوار کے تمامی مولانا صاحبان بشمول آئمہ مجتہدین، فقہا و علما وغیرہ۔ لہٰذا راقم کسی بھی مولانا کا قول نہیں پیش کرے گا حالاں کہ دین ہم تک انھیں حضرات سے پہنچا ہے۔ تقلید ہمارے لیے لازم ہے لیکن راقم اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں عرض کرے گا۔

راقم احمد صغیر صاحب کے شک و شبہ کو رفع کرنے کے سلسلے میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہے وہ کسی صاحب علم مضمون نگار کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بے بضاعت انسان ایک مسلمان اور نبی ذی شان کے ایک اُمتی ہونے کی حیثیت سے ان کی عظمت کے دفاع اور اختیار و مرتبہ کے اظہار میں۔ بات کوئی بھی کہے اگر وہ دلیل سے ثابت کردے تو اسے ماننا چاہیے۔ پس یہی حسن ظن رکھتے ہوئے راقم عرض کر رہا ہے:

جس انسان کے قبضہ و اختیار میں کوئی شے یا ملک ہوتی ہے اسے اس شے یا ملک کا مالک کہا جاتا ہے۔ جیسے مالک مکان، مالک جائداد وغیرہ! جو شخص کسی کا ملازم یا غلام ہوتا ہے اس شخص کو مالک کہتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کو مالک کہتی ہے۔ بادشاہ یا ملک کے والی و فرماں روا کو ملک، ملک الملوک، مالک الملک وغیرہ کہا جاتا ہے۔

فقہائے کرام میں ایک فقیہہ امام علاء الدین ابوالعلی لیثی ناصحی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ''شاہانِ شہ ملک الملوک'' تھا۔ ان سے استفتاع کرنے والے بھی انھیں ''شاہانِ شہ ملک الملوک'' لکھتے تھے اور وہ خود بھی اپنے نام سے پہلے یہ لقب لکھتے تھے۔

صحابہ کرام میں قریب ایک سو دس حضرات کے نام مالک تھے، حضرت امام مالک کا نام بھی مالک تھا اور داروغۂ جہنم کا نام بھی مالک ہے۔ یہ تمام حضرات صرف مالک کہہ کر بھی پکارے جاتے رہے ہوں گے اور آج بھی مالک کہہ کر پکارے جاتے ہیں۔ تو کیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ لے لیا جاتا ہے یا لے لیا جانا چاہیے؟

دنیا کی ہر شے، زمین کا چپہ چپہ، ذرّہ ذرّہ اللہ کی ملک ہے لیکن انسان کو زمین، جائداد اور ملک کا مالک کہا جاتا ہے۔ اسی طرح افسران کو حاتم، اقربا اور رشتہ داروں کو عزیز، عزت و وجاہت والوں کو عزیز و عظیم، مہربان انسانوں کو رحیم و کریم، نرم دل والوں کو حلیم، علم والوں کو عالم اور طبیب وغیرہ کو حکیم، فوٹو گرافر اور آرٹسٹ وغیرہ کو مصور، ہر سننے دیکھنے والے کو سامع، سمیع و بصیر وغیرہ!

نے اسے بابِ استفعال پر محمول کر کے استلام کی بات کی ہے۔ جب کہ راجہ صاحب کے شعر میں لفظ ہی دوسرا ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے:

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا

''استلم'' کے تعلق سے ''المنجد'' میں ہے ''(استلم) الحجر: مسحه بالکف (من السلمة ای الحجر) قبله. و ربما استعمل فی غیرالحجر فتقول ''استلمت یده'' اذا مسحتها او قبلتها (المنجد. الاب لو ئیس معلوف الیسوعی. الطبع الخامس بیروت)

اس لفظ کے تحت ''المنجد'' عربی اردو کی صراحت یہ ہے۔ ''استلتم الحجر'' پتھر کو ہاتھ سے چھونا یا منھ سے چومنا۔ پتھر کے علاوہ اور چیز کے لیے بھی آتا ہے۔ مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں کہ ''استلمت یده'' میں نے اس کے ہاتھ کو چھولیا یا چوم لیا۔ (ملک الظفر سہسرامی، ص۸۴۳)

لفظ مالک کی تحقیق:

''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۴ میں جناب احمد صغیر صدیقی، کراچی کا جو مکتوب چھپا ہے اس میں انھوں نے لکھا ہے:

> رسول اللہ V کے نام کے ساتھ جو القاب مستعمل ہیں، مثلاً مولائے کل، آقائے دو جہاں، سرکارِ دو عالم وغیرہ۔ میں ان پر اکثر غور کرتا ہوں، یہ تمام القاب مجھے رحمٰن و رحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً آقا و مولا تک تو بات ٹھیک ہے لیکن اگر نبی کریم V کو ''مولائے کل'' کہا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا کہیں گے؟ ہمارے سامنے رحمت للعالمین، رسولِ مقبول، نبی کریم، حبیب خدا وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں۔ بہر حال میری خواہش ہے کہ اس طرف بھی کوئی صاحبِ علم مضمون نگار توجہ دے تو کیا اچھی بات ہوگی۔ اگر علامہ اقبال اور مولانا حضرات کچھ کہتے ہیں تو اسے سند بنا کر سب کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں! ضرورت اس بات کی ہے کہ بذریعہ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جائے۔ (نعت رنگ، شمارہ نمبر۴، ص۲۱۳)

انصار کرام، حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یارسول اللّٰہ! انت و اللّٰہ الاعزا العزیز"

یارسول اللہ! اللہ کی قسم حضور ہی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

عزیز بھی اللہ کا نام ہے۔ انصار کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ V کو عزیز کہا لیکن حضور علیہ السلام نے اس پر ان کی گرفت نہیں فرمائی۔

حکیم بھی اللہ کا نام ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

میری اُمت کے حکیم ابو دردا ہیں۔ (طبرانی فی الاوسط)

تو کیا ایسا فرما کر حضور علیہ السلام نے معاذ اللہ حضرت ابو دردا کو اللہ کہہ دیا؟ ہرگز نہیں۔

وفد بنی عامر نے حضور علیہ السلام سے عرض کی:

انت سیّدنا۔ یعنی حضور ہی سیّد ہیں۔ (احمد و ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن الشخیر العامری رضی اللہ عنہ سے روایت کی)

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: "السیّد اللّٰہ.. یعنی سیّد تو اللہ ہی ہے۔

یہاں حضور V کو یہ بتانا مقصود تھا کہ حقیقی معنی میں سیّد یعنی سردار یا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے یہ منع نہیں فرمایا کہ انھیں سیّد نہ کہا جائے ورنہ وہ خود ہرگز نہ فرماتے: "انا سیّد ولد آدم" یعنی میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ (مسلم و ابوداؤد)

حضور علیہ السلام نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: (۶۷۴)

بے شک یہ میرا بیٹا سیّد ہے۔ (بخاری شریف)

سیّد کا اطلاق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ہوا اور ان دونوں بھائیوں کی اولاد رہتی دنیا تک سیّد کہی جائے گی۔ اس طرح سیّد اب ایک خاندان، قبیلہ یا برادری سے موسوم ہو گیا۔

خلاصۂ کلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے بشر ہونے کی حیثیت سے کچھ حد تک کچھ اختیارات عطا کر رکھے ہیں اسی بنا پر بندہ بھی مالک کہلاتا ہے ورنہ ہر شے اللہ ہی کی ہے وہی مالک حقیقی ہے۔ اسی طرح ربِّ عظیم نے بندوں کو اپنی کچھ صفات بھی عطا کی ہیں، مثلاً سننے، دیکھنے اور جاننے، حکم دینے، فیصلہ کرنے وغیرہ کی، لہٰذا بندہ بھی بشری حدود میں حاتم، حاکم، عالم، حکیم وغیرہ

یہ سارے نام۔ مالک، ملک، مالک الملک، حاکم، حکیم، عزیز، عظیم، عالم، رحیم، کریم، حلیم، مصور وغیرہ صرف اللہ کے نام معلوم نہیں ہورہے ہیں بلکہ ہیں۔ یہ نام ربّ جلیل کے صفاتی اسما میں ہیں۔ لیکن! ان کا اطلاق غیر اللہ کے لیے ہوتا ہے اور آج تک کسی نے بھی ان پر گرفت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کو مالک کہا ہے:

۱۔ ''یہ توان کے مالک ہیں۔'' (پ۲۳، رکوع ۳)

۲۔ ''اور پکاریں گے اے مالک'' (پ۲۵، رکوع ۱۳)

اللہ جل مجدہ جو مالک یوم الدین ہے، اس نے اپنے محبوب بندوں کو مالک شفاعت بھی کہا ہے۔

۳۔ ''لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے۔ (مریم: ۸۷)

۴۔ ''اور یہ جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں! شفاعت کا اختیار انھیں ہے جو حق گو ہیں دیں اور علم رکھیں۔'' (الزخرف: ۸۶)

نمبر۴ والی آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما السلام کے لیے ہے یعنی انھیں ربّ عظیم نے شفاعت کا اختیار دیا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام تو شافع محشر ہیں ہی۔ اس آیت کی رُو سے وہ بدرجۂ اتم مالک شفاعت ہیں اس لیے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔

ان دو آیات سے محبوبانِ الٰہی کا شفیع ہونا ثابت ہے۔

حالاں کہ یہی اللہ تعالیٰ خود اپنے لیے فرماتا ہے:

۵۔ ''مالک یوم الدین'' اللہ روزِ جزا کا مالک ہے۔ (سورۂ فاتحہ: ۳)

۶۔ ''لمن الملک الیوم'' آج کس کی بادشاہی ہے۔ (پ۲۴، رکوع ۷)

اسی ربّ العالمین نے خود کو مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم V نے بھی اللہ جل مجدہ کے لیے فرمایا:

لاملک الا اللہ۔ یعنی بادشاہ کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے (مسلم شریف)

اپنے دور کے علما میں جو علم ومرتبہ میں بڑا ہوتا ہے اسے لوگ ملک العلما بھی کہتے ہیں۔ اس طرح تو گویا اسے اللہ اور رسول سے بھی بڑھا دیا گیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔

عالمین جمع ہے عالم کی، لہٰذا ثابت ہوا کہ ایک سے زیادہ عالم یعنی دو عالم، دو جہاں یا کل مخلوقات الٰہی۔ اللہ رب العالمین ہے یعنی کل عالم یا دونوں جہان کا پروردگار، لہٰذا اللہ عالمین کا رب ہے تو اس کے رسول عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ عالم یا عالمین یا کل مخلوقاتِ الٰہی کہتے ہیں ماسوا اللہ کو تو حضور علیہ السلام لا جرم سب پر رحمت اور سب یعنی کل مخلوقات الٰہی حضور V کے زیرِ رحمت اور رحمت میں اللہ کی نعمت بھی شامل ہے اور اگر نعمت کو شامل نہ کریں تب بھی رحمت ہی کافی ہے۔ بہر حال کل مخلوقاتِ الٰہی حضور علیہ السلام کی رحمت کی طالب ہے اور حضور رحمت عطا کرنے والے عطائے الٰہی سے لہٰذا ظاہر ہوا کہ کل مخلوقات الٰہی حاجب مند اور رسول اللہ علیہ السلام مالک، مختار، آقا، سرکار، مولا وغیرہ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور V رحمۃ للعالمین ہونے کی حثیت سے عالمین یعنی دونوں عالم کے سرکار اور آقا ہیں اور کل کا شمار بھی مخلوقات ہی میں ہے۔ اللہ کل سے ماسوا ہے، لہٰذا حضور علیہ السلام مولائے کل بھی ہوئے پس حضور علیہ السلام کو سرکارِ دو عالم، مولائے کل اور آقائے دو جہاں کہنا درست ہے۔ جب اللہ نے ایسا بے پایاں اختیار اپنے اس بندے، رسولِ اعظم اور اپنے حبیب اکبر کو عطا کیا تو پھر کسی کے لیے اعتراض کا کیا محل؟ یہ اعتراض تو اللہ ہی پر ہوگا۔

اب رہی بات اللہ عز و جل کی تو وہ سب کے لیے رحمت، رحمۃ للعالمین کے لیے بھی رحمت، وہ تو رحمٰن ہے اور جس طرح کسی بندے کو اللہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح رحمٰن بھی نہیں کہہ سکتے۔ الوہیت اور رحمانیت اسی کے لیے ہے۔ وہی معبود ہے، مالک حقیقی۔ اس کی شان تو انسانی عقل و فہم سے ورا ہے۔ اللہ نے اپنے بندے، رسول اور حبیب سرکار دو عالم V کو رؤف و رحیم بھی کہا ہے۔ ''حریص علیکم بالمومنین رئوف الرحیم'' [۱۲۸/۱۰]۔ لیکن رحمٰن نہیں کہا۔

لہٰذا اسی ''رحمۃ للعالمین'' سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم V، آقائے دو جہاں، مولائے کل، مختار دو عالم، سرکار دو عالم، سیّد الکونین والثقلین ہیں اور ان القاب سے انھیں یاد کرنا اللہ کی اُلوہیت یا حقیقی مالکیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ سرکار علیہ السلام کا ان سے اللہ ہونا یا بنا دیا جانا ثابت ہوتا ہے۔

قرآن و احادیث کے بہت سے حوالوں اور دلائل سے سرکار علیہ السلام کے لیے ان القاب کا استعمال ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ اگر دو بوند ہی اثر کر جائیں تو طوفان نوح لانے سے اشک کو کیا فائدہ؟

ہے اور سامع و سمیع و بصیر ہے لیکن اللہ اور بندہ کے سمع و بصر میں فرق ہے۔ اللہ بغیر جسم اور آلہ کے سنتا، دیکھتا، جانتا ہے اور بندہ اسی کے عطا کردہ جسم، کان، آنکھ اور عقل سے۔

جس لفظ کا جو معنی محاورات میں شائع و ذائع ہے اس عرف اور محاورہ کو افادۂ مقاصد میں پورا دخل ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہے:

''وامر بالعرف'' (پ۹، رکوع۱۴)

اب یہاں ان الفاظ کے عرفی معانی مراد لیے جائیں گے اور انھیں استغراق معنوی ہی پر محمول کیا جائے گا نہ کہ لغوی معنی یا استغراق حقیقی پر۔ لیکن جب ان الفاظ کو لغوی معانی میں استعمال کریں گے یا لکھنے بولنے میں ایسا قرینہ پیدا کردیں گے کہ یہ استغراقِ حقیقی پر محمول ہوجائیں تو غیر اللہ کے لیے ان کا اطلاق کفر ہوجائے گا، مثلاً مالک حقیقی، حاکم حقیقی، حاکم مطلق، مالکِ روزِ جزا، عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ۔

لہٰذا مالک، عالم، عزیز، حکیم وغیرہ جو الفاظ بندوں کے لیے کہے گئے وہ عرفی معانی میں لیے گئے، اسی طرح حضور علیہ السلام کے لیے آقائے دو جہاں، مولائے کل، سرکارِ دو عالم وغیرہ کا استعمال استغراقِ حقیقی پر محمول نہیں ہوتا۔ یہ سارے القاب رسول کریم V ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تو بہت ہی بلند شان والا ہے۔ وہ تو کل عالم کا بھی خالق و مالک ہے اور مختارِ عالم یا سرکارِ دو عالم کا بھی خالق و مالک۔ اصل مختار و سردار و مولا تو وہی ہے۔ اب جس طرح احمد صغیر صاحب کو حضور علیہ السلام کے یہ القاب اللہ تعالیٰ کے معلوم ہوتے ہیں لہٰذا اس بنا پر حضور علیہ السلام کے لیے یہ القاب نہیں لکھنا یا استعمال کرنا چاہیے تو مالک، حاکم وغیرہ جن الفاظ کا ذکر ہوا وہ معلوم ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ اللہ ہی کے ہیں تو کیا انھیں احمد صغیر صاحب بند کرادیں گے۔ یا اللہ! اس طرح تو زبان و قلم اور لغت و ادب وغیرہ کا سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ جائے گا۔

احمد صغیر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ ''ہمارے سامنے رحمۃ للعالمین، رسولِ مقبول، نبی کریم، حبیب خدا وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں۔'' لہٰذا ان کے اسی قول ''رحمۃ للعالمین'' سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام، سرکارِ دو عالم، آقائے دو جہاں اور مالک کل ہیں۔

اللہ عزوجل نے حضور علیہ السلام کے لیے فرمایا:

''وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین''

اور ہم نے تجھے نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

شان دار اور قابل ستائش علمی کاوش شرح صحیح مسلم کی شکل میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (مدرس دارالعلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی) کے قلم سے، کچھ عرصہ قبل منظر عام پر آئی، اس کی ساتویں جلد سے اقتباس پیش خدمت ہے:

''اللہ تعالیٰ کی ذات کو لفظ ''خدا'' کے ساتھ تعبیر کرنے کی تحقیق: اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء اور صفات جن کا ذکر قرآن وسنت میں وارد نہیں ہوا، ان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر زبان اور لغت میں عَلَم (عین اور لام پر زبر) اور اسم سے تعبیر کرنا جائز ہے، مثلاً فارسی میں اللہ تعالیٰ کو خدا، ترکی میں تنکری کہنا بالاتفاق جائز ہے البتہ جب اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کا اطلاق کیا جائے تو پھر یہ بحث ہے کہ آیا اس صفت کا کتاب وسنت میں ذکر ہے یا نہیں ہے۔ اگر اس کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو تو بعض علماء اس میں توقف کرتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ کسی نقص کا موہم ہے تو پھر اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے اور اگر اس لفظ میں کسی نقص کا وہم نہیں ہے تو پھر اس کا اطلاق جائز ہے۔'' آگے علامہ صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سرخسی، علامہ بدرالدین عینی صاحب شراح ہدایہ، علامہ آلوسی اور علامہ شعرانی وغیرہ کے حوالوں اور دلائل سے لفظ خدا کا استعمال (حتیٰ کہ نماز میں) جائز قرار دیا ہے (ملاحظہ کیجیے صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۵) علامہ سعیدی نے امام اعظمؒ کے ذکر میں لکھا کہ انھوں نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ کر اہل ایران کے پاس بھیجنے کی حدیث سے استدلال فرمایا۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دورِ رسالت　V یا بہ اختلاف روایت دورِ فاروقی میں جنگ قادسیہ کے موقع پر سورۂ فاتحہ کا فارسی میں جو ترجمہ فرمایا، اسے تراجم کی فہرست میں اولیت حاصل ہے، اس ترجمے کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: ''بنام خداوند بخشائندہ ومہرباں'' (بسم اللہ کا ترجمہ) صحابی موصوف ایک جلیل القدر صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام، نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت کے عالم تھے، اگر انھوں نے لفظ خداوند (جو لفظ خدا کی ایک شکل ہے) استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا تو بیسویں صدی کے مسلمان اس لفظ پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ (حوالہ کے لیے ''نقوش'' کا رسول نمبر ملاحظہ کیجیے)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے عہد تک پہلوی بڑی حد تک فارسی بن چکی تھی، اندازہ یہ ہے کہ لفظ خدا کا ماخذ قدیم زبان پہلوی ہے جو زنداوستا کی زبان ہے۔ زنداوستا میں توحید، رسالت، آخرت، کتب الہامیہ پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، نماز، روزے کا حکم جیسے عقائد

احمد صغیر صاحب مولانا صاحبان کی اسناد کے قائل نہیں ہیں حالاں کہ جیسا راقم نے ابتدا ہی میں عرض کر دیا ہے کہ مولانا تو صحابہ کرام بھی تھے اور بعد کے علما، آئمہ، صلحا وغیرہ اور خود سب سے بڑے مولانا اور علامہ سرکار علیہ السلام اور ان کے نائبین۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین، صلحا، فقہا اور علما، محدثین، مفسرین وغیرہ سے ہی دین ملا ہے اور دین کی سمجھ!

احمد صغیر صاحب لکھتے ہیں کہ بذریعہ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جانا چاہیے تو کیا مولاناؤں والے حوالوں یعنی قرآن و احادیث یا بزرگانِ دین کی تشریحات و توضیحات کے علاوہ محض لغت و ادب سے اور یہ فیصلہ صرف زبان و ادب کے محققین کریں گے یا اس طرح کے زبان و ادب کے ماہرین جو فقہ، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور تمامی علوم دینیہ نقلیہ کے باوصف علوم عقلیہ کے بھی عالم یا اسکالر ہیں۔ (عبدالنعیم عزیزی، ص ۶۷۷-۶۷۱)

لفظ خدا کی تحقیق:

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے ''نعت رنگ'' کے چوتھے شمارے میں شائع ہونے والے کشفی صاحب کے مضمون کے حوالے سے لکھا ''صفحہ نمبر پچاس پر ہے کہ اس لیے بہت سے صاحبان اللہ کے لفظ پر اصرار کرتے ہیں اور خدا کے لفظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں کیوں کہ خدا کی جمع خداؤں استعمال ہوتی ہے۔ اس حوالے سے عرض ہے کہ لفظ خدا اللہ کا نام نہیں ہے، خدا حافظ (وغیرہ) کہنا جائز ہے مگر اللہ کہنے پر ثواب ہوتا ہے، چالیس نیکیاں ملتی ہیں اور مومن کو ثواب کی طلب و خواہش بدیہی بات ہے۔'' یہاں بصد احترام گزارش کرتا ہوں کہ ایک عالم اور عالم زادہ سے مجھے اس قدر نامکمل جواب کی توقع نہ تھی۔ انھوں نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ لفظ خدا کی جمع کی بنا پر استعمال غلط ہونے کا اعتراض شرعی اعتبار سے کتنا درست ہے، یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ لفظ خدا اللہ کا نام نہیں، نیز اس لفظ کے استعمال سے ثواب میں کمی یا اس سے محرومی کا احتمال کیوں ہے؟

کشفی صاحب نے بھی یہ ظاہر کرنے سے گریز کیا ہے کہ وہ لفظ خدا کے استعمال کے قائل ہیں یا مخالف.......... قیاس کہتا ہے کہ اگر قائل ہیں تو اعتراض نقل نہ کرتے یا اس کے رفع کرنے کو دلائل دیتے۔ براہ کرم تاخیر سے سہی، وضاحت فرمائیے!

مندرجات بالا کے حوالے سے اب اپنی معروضات پیش کرتا ہوں۔ دورِ جدید کی ایک

جامع مسجد آرام باغ نے فرمایا کہ ان معاملات میں تنگ دلی کی بجائے کشادہ ذہنی کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ کوکب نورانی صاحب کی تشفی ہوگی، نیز کشفی صاحب و دیگر اس باب میں عقلی و نقلی دلائل کو قبول کریں گے۔ براہ کرم قطع برید کے بغیر اس خط کو شائع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سہیل احمد صدیقی

الجواب: .(نوٹ: مذکورہ بالا وہ واحد خط ہے جس کا جواب نعت رنگ میں شائع کیا گیا۔ مرتب)

آپ کا پہلا اعتراض ہائیکو کی ایک قسم SENRYO کے اردو تلفظ کے بارے میں ہے۔ اس کا بہتر جواب تو مقالہ نگار موصوف ہی سے متوقع ہے۔ سر دست اتنی وضاحت کی جاتی ہے کہ دیگر زبانوں کی طرح انگریزی زبان میں بھی دوسری زبانوں کے بعض الفاظ کا تلفظ اصل زبان کے تلفظ سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام کو Jacob، یوسف علیہ السلام کو Joseph، یونس علیہ السلام کو Jonah اور ادریس علیہ السلام کو Enoch لکھا جاتا ہے۔ اب اگر انگریزی زبان سے ان انبیاء علیہم السلام کے اسمائے مبارک کا املا اخذ کیا جائے تو عربی زبان بالکل مختلف ہوگا۔ لہٰذا یہ بات مدنظر رکھی جائے کہ SENRYO جاپانی زبان کے ایک لفظ کا انگریزی تلفظ ہے۔ اس جاپانی لفظ کا اردو میں تلفظ سین دائی یو اخذ کیا گیا ہے جسے بھارت کے ماہر لسانیات کلیم احمد صاحب نے اپنی لغت میں اسی طرح تحریر کیا ہے اور مقالہ نگار نے وہیں سے یہ تلفظ اخذ کیا ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ براہ راست جاپانی زبان سے اس کے الفاظ کا تلفظ اخذ کرنے کے بجائے انگریزی میں وضع کردہ تلفظ کی اردو میں بھی متابعت کی جائے۔

اسی طرح SENRYO کو نعت میں ذریعۂ اظہار بنانے کے لیے اسے نئے امکانات سے آشنا کیا جائے تو اس وسعت کے تجربات غزل کی وسعت کی طرح قبول کیے جانے چاہئیں۔

آپ نے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح مسلم کے جن صفحات کا حوالہ دیا ہے اگر آپ نے خود ان صفحات کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا ہوتا تو یہ نہ لکھتے کہ ''لفظ خدا پر جو بنیادی اعتراضات وارد ہوئے ہیں، غلط ہیں اور تکنیکی و مذہبی بنیاد پر اللہ کے لیے اس لفظ (خدا) کا استعمال بالکل اسی طرح درست ہے، جس طرح لفظ اللہ کا استعمال۔'' کیوں کہ علامہ موصوف نے صفحہ ۲۰۲ پر خود یہ صراحت فرمائی ہے۔'' ان حوالہ جات کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے اور ہر دور میں آئمہ اور فقہا اللہ تعالیٰ کی ذات کو خدا سے تعبیر کرنے کو

واحکام موجود ہیں اور جدید تحقیق کی رو سے زرتشت (ZARTUSHT) یا زردشت (ZOROASTER) توحید پرست اور توحید کے مبلغ تھے۔ محمد حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی نے قصص القرآن میں انھیں پیغمبر لکھا ہے مگر میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اس ضمن میں سکوت بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی داعی کو پیغمبر قرار دیا جائے یا اس کی تنکیر کی جائے۔

حوالہ جات

1. The World's religions by Stewart Sutherland ETC.
Published by Routledge, London .198.Page NO 552 to 568.
2. Encyclopaedia Britannica, Macropaedia-1986.
3. Do - 1981 Edition
4. Caxton Encyclopedia
5. Paris-Ancient and Modern and their Religion.
By. F.K. Dadachanji, Karachi. 1989.
۶۔ قصص القرآن از محمد حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی
۷۔ وحید۔ تہران (فارسی رسالہ) اکتوبر ۱۹۴۹ء
۸۔ مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا۔ از ایم ایس ناز
۹۔ ارتقا۔ سلسلہ نمبر ۱۷۔ مضمون زبانی تعصب از سرکار زینی جارچوی، مئی ۱۹۹۶ء
۱۰۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر۔

مندرجہ بالا ماخذ میں مؤخر الذکر مضمون جدید اذہان کے لیے بہت سے اعتراضات کا سدِّ باب کرتا ہے، اس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ لفظ خدا پر جو بنیادی اعتراضات وارد ہوئے ہیں، غلط ہیں اور تکنیکی و مذہبی بنیاد پر اللہ کے لیے اس لفظ کا استعمال بالکل اسی طرح درست ہے، جس طرح لفظ اللہ کا استعمال! لفظ خدا کے لغوی معنی ہیں: خود سے آنے والا یا خود سے قائم۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات اس نام سے موسوم ہوسکتی ہے؟ میری دانست میں لفظ خدا کا مجازی استعمال شرعی اعتبار سے قابل گرفت ہے، لہٰذا اس کی جمع بھی نامناسب ہے!

آخر میں عرض کروں کہ میں عالم تو نہیں، علماء کا صحبت یافتہ ضرور ہوں۔ لہٰذا ایسے امور پر رواروی میں قلم چلانے کا قائل نہیں! میرے موئید اور محترم استاد مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب خطیب

۸۔ خدائی: آقا۔ مالک کی تانیث۔ (لغت۔انجمن ترقی اردو) ملکہ

۹۔ خداوند: مالک، خدا، حاکم عہدیدار، حاکم۔ بقول ابن انشا

بحر کاہل کے جزیروں کے افیمی باسی اقسمت مشرق اقصیٰ کے خداوند بنے

۱۰۔ خداوند: (کنایۃً) محبوب، معشوق

اک بوسے کا سائل ہوں خداوند سے اے مہر

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

۱۱۔ خداوند: بادشاہ کو مخاطب کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ (لاحقۂ صفت)

"بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہو کے عرض کرنے لگا۔ خداوند! میری عمر پچیاسی برس کی ہے۔" (مضامین شرر)

۱۲۔ خداوندزادہ/ خداوندزاد: (کنایۃً امیر یا رئیس کا بیٹا)

۱۳۔ خداوند طبع: آقا منش، مقدورانہ طبیعت کا مالک۔

"اردو نے تھوڑی سی عمر میں وہ شوخی دکھائی کہ اچھے اچھے خداوند طبع لوگ اس کی محبت کا دم بھرنے لگے۔" (مقالات ناصری)

۱۴۔ خداوند مجاز: دنیاوی اور ظاہری خداوند، پیرومرشد، صاحب کرامات

(خداوند + مجاز = لاحقہ صفت) (دیوان حبیب)

تجھے منظور ہو دنیا تو یہ کیا روک سکتا ہے ذریعہ ہے حقیقت میں خداوند مجاز اپنا

۱۵۔ خداوند نعمت: بادشاہوں اور رئیسوں کو مخاطب کرنے کا کلمہ۔ بقول غالب

جگر کو مرے عشق خونابہ مشرب لکھے ہیں خداوند نعمت سلامت

۱۶۔ خداوندان وقت: وہ لوگ (صوفیا) جو زمانے کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔
(ترجمہ کشف المحجوب)

۱۷۔ خداوندی: اللہ کی قدرت، حکم الٰہی، خدائی (اور اس کے ساتھ)

۱۸۔ خداوندی: امیری، بادشاہت

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

۱۹۔ خدائی: الوہیت، خدا سے منسوب، بندگی کی ضد۔

"خدا کی خدائی میں کون شریک ہے۔" (اس کے ساتھ یوں بھی مستعمل ہے)

جائز کہتے رہے ہیں۔ ہر چند کہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ کے لفظ کو ''اللہ'' سے ہی تعبیر کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو خدا سے تعبیر کرنا بھی جائز ہے۔'' اسی طرح صفحہ ۲۰۵ پر علامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ''ہر چند کہ سطور بالا میں پیش کیے گئے دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر خدا کا اطلاق جائز ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ کے لیے اللہ ہی کا لفظ استعمال کیا جائے کیوں کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے محولہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خدا کا لفظ استعمال کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے اور بلا کسی عذر کے ترک اولیٰ کہاں کی دانش مندی ہے۔ علامہ موصوف کی تحریر میں آپ کے اکثر اعتراضات کے جواب موجود ہیں۔ آپ اس تحریر کا غور سے مطالعہ فرمائیں تو تشفی ہو سکتی ہے۔

مکتوب گرامی کے آخر میں اگرچہ آپ نے خود یہ اعتراف کیا ہے ''میری دانست میں لفظ خدا کا مجازی استعمال شرعی اعتبار سے قابل گرفت ہے لہٰذا اس کی جمع نامناسب ہے۔'' لیکن بات صرف اتنی نہیں ہے بلکہ اردو اور فارسی میں لفظ خدا کی جمع کے علاوہ اس کے دیگر مشتقات، اس کی تانیث اور مختلف لاحقوں کے ساتھ اس کا لسانی برتاؤ بھی ہے جس کی کچھ مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

۱۔ خدائے سخن: فن شعر و شاعری میں باکمال، میر تقی میر کو اردو غزل کے حوالے سے خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ولی دکنی کے بارے میں کہا جاتا ہے:

ولی سے ہوئی ابتدائے سخن کہ مشہور ہے وہ خدائے سخن

۲۔ خدائے خیر: ایزد (آتش پرستوں کے عقیدے کے مطابق خیر کا خدا۔)

۳۔ خدائے شر (بدی کا خدا): آتش پرستوں کے عقیدے کے مطابق بدی کا خدا۔

۴۔ خدائے مجازی: بادشاہ وقت، حاکم وقت، خاوند۔

۵۔ خدا فروش: مکار صوفی

۶۔ خدا تراشنا: (محاورہ) اپنے خیالات کے مطابق کسی کو اعلیٰ درجہ دینا
''تراشیں تخیل میں اپنے خدا''

۷۔ خدانی: مالک کی تانیث۔ سردارنی۔ دیوی (خدا+نی) لاحقۂ تانیث)
(استعمال: مرتبہ پاؤ گی خدانی کہلاؤ گی) طلسم نوخیز جمشیدی

لغوی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں (ہے) تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی، شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے اور ان عظمتوں کا علم قرآنِ پاک و احادیثِ ختم الرسل (V) سے ہوتا ہے"۔ کشفی صاحب نے خود فرمایا کہ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محلِ استعمال سے بدل جاتے ہیں اور پھر اس مصرع میں اپنی ہی رائے فراموش کرتے ہوئے اعتراض فرمایا، اگر لفظ "مالک" بعینہ اسی معنی میں اور حقیقی مراد لیا جائے جیسا کہ اللّٰہ کریم کے لئے لیا جاتا ہے تو بلاشُبہ اعتراض درست ہوگا مگر کون ہے جو اللّٰہ کریم کے برابر یا اس کے مثل کسی کو گردانتا ہے؟

اسی صفحہ ۱۹ پر پہلی سطر میں کشفی صاحب فرماتے ہیں: "رسول اللّٰہ V مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہے (ہیں) حکم اور امر صرف اللّٰہ کا ہے اور اللّٰہ کے لئے ہے"۔ کشفی صاحب کے پیشِ نظر شاید یہ قرآنی آیت ہوگی ان الحکم الاللّٰہ - کشفی صاحب ذرا ماضی کے اس دَور پر نظر فرمائیں جب خوارج یہی آیت حضرت سیدنا علی کرم اللّٰہ وجہہ کے رُو برو پڑھتے تھے تو مولائے غم گسار حیدرِ کرار فرماتے: "کلمة حق ارید بها باطل" جو بات کہہ رہے ہو وہ حق سچ ہے مگر اس سے جو ثابت کرنا چاہ رہے ہو وہ باطل ہے۔ (کوکب نورانی، ص ۶۱/۳)

توحید کی حقیقت:

اب آیئے کچھ مضمون کے مندرجات کی طرف، سب سے پہلے تو تحریر کی بے ترتیبی و بے ربط پیراگراف ہی طبعِ سلیم پر گراں ہیں کہ فاضل محرر نے اتنے مختلف النوع نثری ٹکڑے باہم جوڑنے کی کاوش فرمائی ہے۔ بہر حال ان کی ہمت اور حوصلہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کے لیے انھیں براہِ راست تمہیدی الفاظ نہ ملے تو انھوں نے "بطورِ تشبیب" یہ اندازِ بیان اختیار فرمایا، خیر! یہ بھی ان کا ذاتی معاملہ ہے، مضمون کے عنوان کی مناسبت سے انھوں نے سب سے پہلے توحیدِ خالص کو تین اقسام، یعنی توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحیدِ صفات پر مشتمل و منقسم قرار دیا ہے۔ لیکن ان اقسام اور تقسیم کی کوئی معتبر سند اور مستند حوالہ پیش کرنے کی زحمت نہیں کی، جو ان پر قرض ہے۔ البتہ یہ مہربانی ضروری کی کہ عصرِ اسلامی کے نعتیہ کلام اور قصائد کہنے والے آغوشِ نبوت کے پروردہ نیک نفس لوگوں یعنی حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نہ صرف تحسین فرمائی ہے بلکہ انھیں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد روئے زمین کے برگزیدہ لوگ

۲۰۔ خدائی: راج، حکمرانی

رہیں گے اب خدائی میں بتوں کی بہت گزری ہے دور آسماں میں

۲۱۔ خدائی: خدا بنانے کا عمل، ایسا کام جس سے کسی کو خدا ٹھہرا دیا جائے۔ (فرہنگ اقبال)

''گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ'' (اقبال)

۲۲۔ خدایان: خدا+ی (اتصال)+ان (لاحقہ جمع) جو لوگ مالک ہیں۔ (فرہنگ اقبال)

۲۳۔ خدایانِ بحر و بر: سمندر اور روئے زمین کا علم رکھنے والے۔ قضا و قدر کے کارکن فرشتے۔

''خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے'' (بالِ جبریل)

۲۴۔ خدایانِ ہمالہ: ہمالیہ کی وادیوں میں رہنے والے ہندو سادھو۔ ہندو دھرم کے فلسفی۔ ''دیتے ہیں یہ پیغام خدایانِ ہمالہ'' (ارمغانِ حجاز)

لفظ خدا کے مشتقات اور لاحقوں کے ساتھ استعمال کی یہ وہ صورتیں ہیں جن کی بنا پر ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے لفظ خدا کے استعمال سے بعض احتیاط پسند حضرات اجتناب کرتے ہیں۔ تاہم اولیائے کرام اور فقہائے عظام نے لفظ خدا اس کے اصل معنٰی میں کثرت سے استعمال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے خدا کا استعمال جائز ہے۔ لیکن افضل واولیٰ یہی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کو اس کے اسمِ ذات یا اسمائے حسنٰی ہی سے پکارا جائے۔

مکتوب گرامی میں فارسی میں نماز کے حوالے سے یہ وضاحت پیشِ خدمت ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا تھا (الہدایہ) اور صرف عذر کی حالت میں یہ حکم ہے یعنی یہ عارضی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ عذر کے رفع ہو جانے کے بعد یہ رعایت باقی نہیں رہتی۔ کتابیات کے حوالے سے بھی یہ بات محلِ نظر ہے کہ خط کے آخر میں صرف کتابوں کے نام تحریر کر دیے گئے ہیں اور یہ نشان دہی نہیں کی گئی کہ کون سے نکات کہاں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ (نعت نامے، (ادارہ)، ص ۴۶۶۔۴۶۰)

لفظ مالک کی تحقیق:

ص ۱۹ پر کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محلِ استعمال سے بدل جاتے ہیں''۔ اور اسی صفحے پر انہوں نے امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی نعت شریف کے ایک شعر کا پہلا مصرع لکھا: ''میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب''۔ اس حوالے سے کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''جب مالک کا لفظ

ذاتِ وراءالوریٰ کے لیے حد، جہت، جسم اور اعضا کے قائلین کیا جانیں کہ اس وحدہٗ لاشریک کی شانِ الوہیت وحدانیت کیا ہے۔فرقہ، مجسمہ ومشبھہ کے پیروکار ''لیس کمثلہٖ شئی'' کی حقیقت تک رسائی سے عاجز ہیں۔ سچ ہے:

توحید متاعیست کہ بردار فروشند　　گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

البتہ خودساختہ توحیدی مثلث کے ذریعے ذاتِ وحدہٗ لاشریک کے پیاروں اور محبوبوں کی عظمت اور شرف وکمالات کی نفی کرنے سے ہی ان کی توحید کا اثبات ہوتا ہے۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب　　اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' اور اسماعیل دہلوی کی ''تقویت الایمان'' اسی توحیدی تکون کے دو تیز دھار کونے ہیں۔

سانحۂ کربلا کے تناظر میں نگرامی صاحب نے اہلِ بیت علیہم الرضوان کے تذکرہ کو نعت کے ساتھ مبالغہ آرائی اور غلو کے ساتھ کیے جانے کا ذکر بھی چھیڑا ہے اور کچھ نعت گو شعرا کے اسما بھی پیش کیے ہیں جن میں کمیت الاسدی دعبل الغزاعی اور الشریف رضی شامل ہیں۔ صد شکر کہ مضمون نگار نے ان تینوں شعراء کو بھی دائرہ شرک سے خارج قرار دیتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''مذکورہ تینوں شعراء نے اپنے سیاسی اور عقائدی نظریات سے قطع نظرِ رحمت عالم V اور اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کسی بھی فرد کو ربوبیت کا درجہ نہیں دیا کیوں کہ وہ توحید کی تینوں قسموں اور ان کے معانی ومطالب سے بخوبی آگاہ تھے۔

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنے معیار توحید وشرک کی کوئی صراحت نہیں کی البتہ اندازِ بیان بتا رہا ہے کہ ان کا اشارہ کسی قسم کی توحید اور شرک کی طرف ہے۔ جب کہ اس کی مزید وضاحت ان کی تحریر کا درج ذیل اقتباس پڑھنے سے ہو جاتی ہے:

> عربی کی نعتیہ شاعری کو توحید خالص کی ڈگر سے ہٹا کر شرک کے غار میں دھکیلنے کے گنہ گار ساتویں صدی کے اندلسی الاصل شاعر ابن ہانی اور اسکندریہ کے نعت گو شاعر محمد بن سعید البوصیری تھے۔ (ص ۳۶)

تائید مزید کے طور پر انھوں نے اپنے ایک استاد کا قول بھی نقل کیا ہے جس سے ان کے مزاج و مسلک کا بھی بخوبی اندازہ ہو رہا ہے۔ مضمون نگار نے اندلسی الاصل شاعر ابن ہانی کا تعلق ساتویں صدی سے بیان کیا ہے جو درست نہیں۔

بھی تسلیم کیا ہے۔

یاد رہے اقسامِ توحید کی یہ مثلث ''متاثرینِ تثلیث'' کی ذاتی اختراع اور مقلدینِ ابن تیمیہ کی ایجاد فرمودہ اعتقادی بدعت ہے۔ قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ وسلف میں اس کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ یہ سازش اُمت مسلمہ کے ان موحدین کو مشرکین ثابت کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی جو انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کو باذن اللہ تعالیٰ متصرف ومختار مانتے ہیں اور ان مقبولانِ بارگاہ کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بناتے ہیں۔ معروف عرب عالم دین شیخ حسن السقاف نے اپنے ''مجموعہ رسائل السقاف'' (۵۹۳/۲) میں اس تثلیثی توحید کا پردہ خوب چاک کیا ہے۔ علامہ سقاف لکھتے ہیں:

> یہ تقسیم سلف صالحین میں متعارف ومعلوم نہ تھی، اس تقسیم کو ساتویں صدی ہجری کے بعد گھڑ کر منتشر کیا گیا اور اسے پہلی بار ابن بطۃ العکبری نے بیان کیا جو عقیدۂ تجسیم کا قائل (مجسمہ فرقہ کا رکن) مجروح العدالت اور وضاع تھا، جب کہ ابن تیمیہ نے اس من گھڑت اور محدث نظریہ کو شرح و بسط کے ساتھ عام کیا۔

علامہ سقاف نے ''شرح عقیدہ طحاویہ'' کے نام سے شائع ہونے والی کتاب کے بارے میں بھی معلومات افزا انکشافات کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

عقیدۂ طحاویہ امام ابوجعفر الطحاوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تیار کردہ متن ہے جو کتاب و سنت خصوصاً ائمہ احناف کے بیان فرمودہ عقائد پر مبنی مستند دستاویز ہے۔ اس کی ایک شرح ابن ابی العز ''الحنفی'' نے کی ہے اور حواشی میں جگہ جگہ صاحبِ متن کی مخالفت کرتے ہوئے ذاتِ باری سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ''حد'' اور ''جہت'' کا اثبات کیا ہے جب کہ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے اس کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ملا علی القاری نے ''شرح فقہ الاکبر'' (ص ۱۷۲) میں ابن ابی العز کے بارے میں لکھا ہے:

> ''صاحب مذهب باطل، تابع لطائفة من المبتدعة''
>
> باطل عقائد کا حامل اور بدعتی فرقہ کا پیروکار ہے۔

اقسامِ توحید کی مذکورہ مثلث ابن ابی العز نے شرح عقیدۂ طحاویہ میں کمال تلبیس سے تیار فرمائی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مجموعہ رسائل سقاف کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اور دیگر اورادِ بزرگانِ دین پر اعتراضات کیے تھے۔ اس کے جواب میں میرے مرشدِ طریقت حضرت علامہ سیّد احمد شاہ صاحب کاظمیؒ [۲] نے ایک کتاب بنام ''درودِ تاج پر اعتراضات کے جوابات'' تحریر فرمائی تھی۔ اس کتاب میں لفظ 'عشق' پر اعتراض کا بھی تفصیلی جواب ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ اس کتاب کی ایک جلد شاہ صاحب کے مطالعے کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ موصوف مطمئن ہو جائیں گے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ، ص ۶۴۷)

شاعرِ جہاد- رحمٰن کیانی' کے عنوان سے شاہ مصباح الدین شکیل کا مضمون ص ۲۷۱ سے ص ۳۰۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ ص ۲۸۰ پر وہ رحمٰن کیانی کے حوالے سے عشق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'عشق' یہ لفظ عشقہ سے مشتق ہے۔ اردو میں عشقہ کو آکاس بیل کہتے ہیں۔
اس کے پتے نہ جڑ لیکن جس درخت پر گرتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے۔
لغوی طور پر اس کے معنی شدید شہوت کے ہیں''۔

رحمٰن کیانی کے تصورِ عشق پر بحث اس وقت ہمارا موضوع نہیں بلکہ ہم تو ان کی اپنی تحریر میں ایک عجیب تضاد سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہی عشق جس کے معنی وہ شدید شہوت قرار دیتے ہیں لیکن ص ۲۸۶ پر اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے لیے روا جانتے مانتے ہوئے کہتے ہیں:

اے زعیمانِ ادب عشق کا ان کے الزام　　　آپ لوگوں کو مبارک ہو مرا جھک کے سلام
جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں　　　رب سے اپنے ہی رقابت مجھے منظور نہیں

یوں ہی ص ۳۰۶ پر ان کے کلام میں 'ناچے گا' کے الفاظ نعت کے آداب کے خلاف ہیں۔

ص ۳۶۵ پر مشہور نعتیہ قطعہ 'یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر' کا مہتمم دارالعلوم دیوبند سے انتساب محلِ نظر ہے۔ (حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی، ص ۶۸۹)

حمد و نعت میں لفظ ''عشق'' استعمال کرنے کے خلاف جاپان کے ایک اردو اخبار میں ایک صاحب نے یہ بے تکی دلیل پیش کی کہ لفظ ''عشق'' بہت ہی خراب ہے، کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہو سے عشق کرتے ہیں؟ اتنا خراب لفظ حمد و نعت میں کس طرح استعمال ہو سکتا ہے !۔ راقم الحروف نے انھیں جواب دیا کہ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہو کا بوسہ لیتے ہیں؟ آپ کے کہنے کے مطابق لفظ ''بوسہ'' بھی قبیح و مردود ٹھہرا پھر آپ حجرِ اسود کا بوسہ لینے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ لفظ کس کے لئے اور کس تناظر میں استعمال ہو

ابن ہانی الاندلسی (۹۳۷ء/۹۷۳ء/۳۶۳ـ۳۲۶ھ) ابوالحسن محمد بن ہانی، الأزدی کا تعلق بلحاظ سن عیسوی دسویں صدی سے اور تقویم ہجری کے اعتبار سے چوتھی صدی سے بنتا ہے۔ اشبیلیہ میں پیدا ہونے والا یہ ازدی شاعر بن ابی صفرہ الأزدی کی اولاد میں سے تھا اور عقائد کے لحاظ سے اسماعیلی شیعہ تھا۔ ابن خلکان کے بقول ابن ہانی مغرب کا متنبّی تھا۔ اسی لیے اسے ''متنبی المغرب'' کہا جاتا ہے۔ ابن ہانی کو ادبیات عربی کے ائمہ نے مغرب کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا ہے۔ ابن ہانی کا دیوان مطبوعہ ہے۔ جس کی شرح ''تبیین المغانی فی شرح دیوان ابن ہانی'' کے نام سے نظام کالج حیدرآباد دکن انڈیا کے استاذ عربی ڈاکٹر زاہد علی کی تحقیق وتہذیب کے ساتھ (۱۳۵۲ھ) میں ''مطبعۃ المعارف'' مصر سے شائع ہوچکی ہے۔ فاضل محقق نے اپنے مقالہ کی دوسری جلد میں دیوان کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس تحقیقی کاوش پر انھیں آکسفورڈ یونی ورسٹی نے پی ایچ۔ڈی (Ph. D) کی ڈگری سے نوازا تھا۔

باخبر مؤرخین اور ناقدین ادب نے جہاں ابن ہانی کے کلام اور ادبی کمال کو سراہا ہے وہاں اس کے عقائد ونظریات پر تنقید بھی کی ہے جو ہر بڑے ناقد کا حق ہے۔ ابن ہانی نے اپنے کلام میں جابجا اپنے عقائد کا اظہار کھل کر کیا ہے بلکہ اسماعیلی عقائد کو جاننے کے لیے اس کے مدحیہ قصائد ایک اہم ذریعہ ہیں۔ البتہ اسے نعت گو شاعر تسلیم کرنے میں کم از کم مجھے تامل ہے۔ کیوں کہ اس کا تقریباً سارا کلام مصر کے فاطمی خلفا کی مدح پر مشتمل ہے اور کہیں کہیں وہ ائمہ اہلِ بیت کے فضائل اور مناقب اسی تناظر میں بیان کرتا ہے۔ اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لیے اہلِ علم تاریخِ ادب عربی کے موضوع پر لکھی گئی معروف کتب سے رجوع کر سکتے ہیں۔ (محمد شہزاد مجددی، ص ۵۴۱ـ۵۴۰)

لفظ عشق کی حقیقت:

محترم شاہ مصباح الدین شکیل صاحب نے اپنے مضمون 'شاعرِ جہاد... رحمٰن کیانی' میں لفظ 'عشق' پر اعتراض کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ عشق کا صحیح مفہوم 'محبت کی زیادتی' ہے۔ جس طرح محبت اچھی یا بُری ہوتی ہے اسی طرح عشق بھی اچھا یا بُرا ہوسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ قرآن وحدیث میں کہیں موجود نہیں۔ حالاں کہ یہ بھی غلط ہے۔ قرآن مجید میں نہ سہی لیکن حدیث میں یہ لفظ ضرور استعمال ہوا ہے۔ کافی عرصہ ہوا جعفر شاہ پھلواروی [۱] نامی کسی مولوی نے درودِ تاج

عارف رومی اور صوفیا کرام سے بغض و عداوت کی تان نگرامی صاحب نے علامہ اقبال پر آن توڑی ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مشہور نعتیہ اشعار کی بابت وضاحت عرض کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ مضمون میں برِعظیم ہند و پاک میں اسلام کی آمد کے حوالے سے جو تحقیق انھوں نے پیش فرمائی ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ نعت رنگ: ۲۲،ص ۳۸ پر لکھتے ہیں:

> طلوعِ اسلام کے چار سو سال بعد درّۂ خیبر سے ملک (ملکی) ہوش گیری اور جنگی صلاحیتوں سے مالا مال ایسے اسلام کے پیامبر آئے جو خود کتاب و سنت سے اچھی طرح واقف نہ تھے اور پھر توحید خالص کا وہ دینِ رحمت اسلام جو تمام ادیان اور نظم ہائے زندگی پر غالب ہونے کے لیے آیا تھا۔ برصغیر پہنچ کر مشرکانہ عقائد کے انبار میں دب کر رہ گیا اور کوہ فاران سے توحیدِ خالص کا جو صاف و شفاف چشمہ رواں ہوا تھا گنگا اور جمنا کی آمیزش نے اسے گدلا کر دیا۔

افسوس جناب نگرامی نے بت کدۂ ہند میں توحید کی شمع جلانے والوں کو ہی ظلمتِ شرک کے فروغ کا ذریعہ گردانا ہے۔ احسان ناشناسی اور کفرانِ نعمت کی حد ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ.

ترجمہ: جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا۔

صوفیا اور تصوف سے بغض و تعصب کی پستی نے ڈاکٹر موصوف کو تاریخی حقائق پر نظر ڈالنے سے محروم کر دیا ہے۔ ابھی صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ ابوالفضل، فیضی اور ملا مبارک ناگوری جیسے علمائے سُو، کس سلسلۂ تصوف کے پیروکار تھے۔ جنھوں نے مسلمانانِ ہند کو ''دینِ الٰہی'' کے نام پر ورغلایا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جنھوں نے ''ہند میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی'' کا فریضہ سرانجام دیا تھا، کیا طریقت کے چاروں سلاسل نقش بندیہ، قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ کے امام اور نمائندہ نہیں تھے۔

علامہ اقبال نے صاحب ''کشف المحجوب'' کی شان میں ہی تو کہا تھا:

بند ہای کوہسار آساں گسیخت   در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

صوفیائے خام اور حلول و اتحاد کے غلط نظریات کا ردّ تو خود ائمہ تصوف و طریقت نے بطریقِ احسن فرمایا ہے اور اس پختگی اور کمال گرفت سے فرمایا ہے کہ غیر صوفی اس کا تصور بھی نہیں

رہا ہے؟ خط طویل ہو گیا ہے اس لئے اب اجازت دیجئے۔ ای میل سے رابطہ رکھیے گا۔ (تنویر پھول، ص ۲۵/۷/۹۲)

تصوف، صوفی اور ڈاکٹر شعیب نگرامی: تحقیق کے آئینے میں:

یہاں نگرامی صاحب سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ کیا یہ جلیل القدر ائمہ اور اُمت کے دینی پیشوا ''شرکیہ نعت گوئی کے شجر خبیثہ'' کی آب یاری کرتے رہے ہیں؟

جناب نگرامی (صاحب) نے عربی ادبیات کا فاضل ہونے کی بنا پر فارسی ادب اور اس سے متعلق شعرا و ادبا کے ساتھ بھی پورے پورے تعصب کا مظاہرہ کیا ہے جو اعتدال و توازن سے بہر حال دُور ہے۔ غیر منصف مزاج مؤرخین اور مسلکِ تشدد کے مؤیدین کا پروپیگنڈا ان کے افکار و نظریات پر خاصا غالب ہے۔

شاید اسی غلبہ جوش میں وہ علامہ ابن جوزی کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' کو اپنے امام ابن القیم الجوزی کے کھاتے میں ڈال گئے ہیں اور اس توحیدی استغراق میں ہوش کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور انھوں نے رومی، عطار اور جامی علیہم الرحمۃ کے ایمان و ایقان کی جنس کو مصر کے ادیب احمد امین کے ترازو میں رکھ کر تولنے کی غیر منصفانہ جسارت بھی کی ہے۔

حضرت خواجہ فرید الدین عطار، عارف رومی اور علامہ امام عبد الرحمٰن جامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے علمی و عرفانی مقام کو بیان کرنے کا تو وقت نہیں کہ مکتوب، مقالہ نہ بن جائے۔ البتہ اتنا ضرور کہنا ہے کہ سات آٹھ سو سال سے کم از کم عجم کی اسلامی دنیا ان ہی عرفا و صلحا سے توحید سیکھ رہی ہے اور دینی جامعات و مدارس میں اسلامی عقائد و اخلاق کی تعلیم کے لیے ایسے ہی بزرگوں کا کام بطورِ نصاب پڑھایا پڑھایا جا رہا ہے اور پھر ''مثنوی معنوی'' تو معرفِ الٰہی کی کان ہے۔ بقول حضرت جامی مثنویِ مولوی معنوی۔ ہست قرآں در زبانِ پہلوی لیکن کیا کریں۔

ع ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

حضرات صوفیا کرام خواہ وہ عطار ہوں، سعدی ہوں، حافظ ہوں یا رومی ایک ہی مسلکِ درد کے گہر ہائے آب دار ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف سے بطورِ تبرک عارف رومی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔ رومی فرماتے ہیں:

در نہ یابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

قرار دیا ہے۔اشعار دیکھیے :

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

نگرامی صاحب لکھتے ہیں: اس (رباعی) کا تیسرا مصرع محل نظر ہے۔جس میں رحمت عالم V کو وہی اوّل وہی آخر کہا گیا ہے۔ جب کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اوّلیت و آخریت کی نسبت اپنی ذات والاصفات کی طرف کی ہے۔آیتِ شریفہ ہے:

ھو الاوّل والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شی علیم۔[۵۷:۳]

یہ تو تھی محررِ مضمون کی قرآن فہمی۔اب آیئے ذرا اُمت کے مستند ائمہ تفسیر وحدیث سے رجوع کرتے ہیں کہ انھوں نے اس آیتِ قرآنی کو کیسے سمجھا ہے۔

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب ''مدارج النبوت'' کے ابتدائیہ میں رقم طراز ہیں:

> **ھو الاوّل والاٰخر والظاھر والباطن، وھو بکل شی علیم.**
> یہ کلامِ معجز نظام حمد وثنائے الٰہی جل شانہٗ پر بھی مشتمل ہے کہ اس نے قرآنِ پاک میں اپنی کبریائی کا خطبہ انھی کلمات کو بنایا ہے اور اسی طرح رسالت پناہ V کی نعت وصفات پر بھی مشتمل ہے کہ ذاتِ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انھیں انھی اسما سے موصوف فرمایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء الحسنٰی قرآن وحدیث میں ایسے ہیں کہ جن سے اس نے اپنے حبیب V کو موسوم فرمایا ہے اور ان کے جمال وکمال کو بیان کرنے کے لیے ان کا زیور وپیراہن بنایا ہے۔

اگرچہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام اسما وصفات کا مظہر وعکس ہیں اس کے باوجود خصوصی طور پر آپ بعض اسما سے موسوم اور موصوف ہیں۔ مثلاً نور، حق، علیم، حکیم، مومن، مہیمن، ہادی، رؤف، رحیم وغیرہ اور ایسے ہی یہ چار اسما اوّل، آخر، ظاہر، باطن بھی اسی قبیل سے ہیں۔ محدث کبیر نے ان چاروں اسما کی مدلل شرح بھی احادیث کی روشنی میں بکمال اختصار لکھی ہے۔

کرسکتا ہے۔ لہٰذا منکرین صوفیا و تصوف اس قسم کی فضول زحمت نہ ہی فرمایا کریں تو بہتر ہے۔ اس سلسلے میں تصوف کی اُمہاتُ الکتب سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں علامہ ابن تیمیہ کی کتاب ''الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان'' بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ گزارش اس لیے کی ہے کہ تصوف میں باطل نظریات کی آمیزش کو جانچنے کے لیے بھی اس میں مکمل مہارت کی ضرورت ہے جو کم ازکم غیر صوفی کے بس کی بات نہیں ہے۔

صحیح کہتے ہیں: ''جس کا کام اسی کو ساجے''

نظریۂ حلول اور وحدت الوجود کے حوالے سے بھی نگرامی صاحب شدید غلط فہمی اور بدگمانی کا شکار ہیں۔ شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

''العبد عبد ان تعرج. والرب رب ان تنزل''

ترجمہ: بندہ کتنا ہی عروج کرے بندہ ہی رہتا ہے۔ اور رب کتنا ہی نزول فرمائے رب ہی رہتا ہے۔

اقبال عظیم مرحوم کے شعر سے اتفاق کرتے ہوئے اکبرالہ آبادی مرحوم کا شعر نذر کرتا ہوں:

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز　　شریعت وضو ہے طریقت نماز

مضمون کے آخری حصے میں موصوف نے اپنے مخصوص مسلک کی ترجمانی نہایت کم زور اور غیر مربوط انداز سے کرتے ہوئے رحمتِ کائنات V کی نورانیت اور علمِ غیب کی نفی بلا دلیل کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لیے اگر وہ قرآن پاک سے ہی رجوع کر لیتے تو کافی تھا۔

سورۃ المائدہ نمبر ۱۵: ''قد جاء کم من اللّٰہ نور...الخ'' [المائدۃ:۱۵]

اور اس کی تفسیر میں صحابہ کرام، تابعین اور مفسرین سلف کی تحقیقات و فرمودات ملاحظہ فرمالیں تو ان شاء اللہ سینہ منور ہو جائے گا۔ احادیث اور کتب سیرت میں بھی اس حوالے سے تشفی بخش مواد موجود ہے۔ اسی طرح علم غیب نبوی کے حوالے سے بھی قرآن وحدیث اور کتب میں وافر مقدار میں آیات و روایات موجود ہیں۔ اللہ کرے کہ صرف نعت گو شعرا پر برسنے والے حضرات ان کے مطالعہ کی بھی زحمت فرمایا کریں۔ معذرت کے ساتھ غالباً نگرامی صاحب بھی اپنے اکثر ہم مسلک حضرات کی طرح شعر فہمی اور ادبی ذوق سے تہی دامن لگتے ہیں۔ خصوصاً اصناف شعری وغیرہ سے انھیں کچھ خاص لگاؤ نہیں ہے اس لیے بار بار علامہ کے نعتیہ اشعار کو رباعی لکھا ہے۔ علامہ اقبال کے معروف اور ایمان افروز نعتیہ اشعار کو بھی انھوں نے عقیدت و محبت میں غلو ہی

اور اوّل و آخر کا علمی احاطہ فرمانے والے ہیں اور یوں آپ فوق کل ذی علم علیم کا مصداق ہیں۔ (مدارج النبوت (فارسی)، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان، مدارج: ج ۱، ص ۱)

اس ایمان افروز خطبہ کے بعد اگرچہ مزید کچھ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن تبرکاً امام قسطلانی کی ''مواہب الدنیہ'' اور امام جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی ''الریاض الانیقہ'' سے اسماءِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تحت کچھ تشریحات بھی ملاحظہ فرمائیے:

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ نے ''المواہب اللدنیہ'' (۱/۳۶۵) میں حدیث نقل کی ہے:

کافی القرآن سبعة اسماء، محمد، واحمد، یٰسین، وطٰہٰ والمزمل والمدثر، وعبداللّٰہ۔

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قد خصه اللّٰه تعالیٰ بأن سماهُ من أسمائه الحسنیٰ من ثلاثین اسماً۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے تقریباً تیس اسماء سے موسوم فرما کر خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ (ایضاً)

ابن دحیہ کلبی فرماتے ہیں۔ اگر جملہ کتب سابقہ اور قرآن و حدیث میں تلاش کیا جائے تو یہ تعداد تین سو تک پہنچتی ہے۔ (ص ۳۶۶ ایضاً)

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ اسماء النبی V کی فہرست نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاوّل، اوّل شافع، اوّل المسلمین، اوّل المؤمنین، اوّل من تشق عنهُ الارض الباطن۔ (ص ۳۶۶ ایضاً)

الظاھر (ص ۳۶۷) **النور** (ص ۳۶۶ ایضاً)

یہی امام قسطلانی علیہ الرحمۃ الرّبانی المذاہب (ص ۳۷۶) میں ان چاروں اسما کو یک جا نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاوّل: آپ اوّل اس لیے ہیں کہ آپ کی تخلیق انبیا میں سب سے پہلے ہوئی جب کہ حدیث گزری ہے۔ ایسے ہی آپ ابتداء میں اوّل ہیں اور واپسی میں بھی اوّل ہیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ''الست بربکم'' کے جواب میں ''بلیٰ'' کہا تھا۔

فرماتے ہیں:

اوّل، اس لیے کہ آپ اپنی اصل میں اوّل ہیں کہ ارشادِ گرامی ہے:

اوّل ما خلق اللّٰہ نوری.

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

اسی طرح نبوت میں بھی اوّل ہیں کہ فرمان ہے:

کنت نبیاً و ان ادم لمنجدل فی طینہ اوروعدہ الست بربکم

کے وقت بھی سب سے پہلے جواب دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں میں بھی اوّل ہیں کہ فرمان ہے:

وبذلک امرت وانا اوّل المؤمنین.[۶: ۱۶۳]

مجھے یہی حکم ہے اور میں پہلا مومن ہوں۔

اور سب سے پہلے آپ ہی کے لیے زمین شق ہوگی اور سب سے پہلے آپ ہی کو سجدہ کی اجازت ہوگی اور شفاعت کا دروازہ بھی اوّل اوّل آپ ہی کے لیے کھلے گا اور جنت میں بھی داخل ہونے والوں میں آپ اوّل ہوں گے اور اسی سبقت اور اوّلیت کے باوجود آخر ہیں۔ بعثت ورسالت کے معاملہ میں ارشاد ہے ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین۔[۳۳:۴۰] اور ان کی کتاب آخری کتاب اور دین، دینِ آخر ہے۔ جیسا کہ فرمایا: نحن الاٰخرون السابقون. اور درحقیقت بعثت میں یہی خاتمیت وآخریت، فضیلت کے لحاظ سے اوّلیت وسابقیت کا باعث بھی ہے کہ آپ جمیع کتب ومذاہب کے ناسخ اور ماحی بن کر سب پر غالب وحاوی ہوگئے۔

الظاہر الباطن: ظاہر اس معنی میں کہ آپ کے انوار تمام کائنات کو محیط اور تمام جہاں کو روشن فرمانے والے ہیں اور کوئی ظہور ان کی طرح اور کوئی بھی نور ان کے نور کی مانند نہیں ہے اور باطن بایں معنی کہ ان کے اسرار یوں مخفی ہیں کہ کوئی بھی ان کی حقیقت تک رسائی نہیں پا سکا اور قریب وبعید والا ہر شخص ان کے جمال وکمال کے نظارے سے حیران اور عاجز ہے۔''

شیخ محقق نے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''وھو بکل شئی علیم'' کا بھی مصداق گردانا ہے۔ لکھتے ہیں:

آپ اللہ تعالیٰ کے جملہ شیونات ِ ذاتیہ، احکامِ صفات باری تعالیٰ اور افعال وآثار کے اسما سے پورے طور پر واقف اور ان کے ظاہری وباطنی

ہے۔ اُردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات کے حوالے سے گزشتہ مصروفیات ہی کے تسلسل میں یہ ایک اور کاوش ہے شاید اہلِ علم کے التفات کا باعث بن سکے۔ (شہزاد مجددی، ص ۱۵۵)

غالب کی مثنوی 'ابر گہر بار' کا منظوم ترجمہ:

سلیم شہزاد صاحب کی بات نکلی ہے تو یہ بھی عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ غالب کی مثنوی کا نام ہم تو ہمیشہ 'ابر گہر بار' پڑھتے اور سنتے آئے ہیں، 'ابر گوہر بار' نہیں۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ترجمے کو اصل اشعار سے ملا کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ انھوں نے ترجمے کے لیے اشعار کہیں کہیں سے نکال لیے ہیں لیکن وضاحت نہیں کی۔ مثلاً 'ابر گہر بار' کا پہلا شعر حسبِ ذیل ہے۔

سپاسے کزو نامہ نامی شود　　　سخن در گذارش گرامی شود

اور سلیم صاحب کے یہاں پہلا شعر حسب ذیل ہے۔

وہ حمد و ثنا عیش نطق و زباں　　　وہ حمد و ثنا آبروئے بیاں

میرا خیال ہے سلیم شہزاد صاحب نے منتخب اشعار کا ذرا آزاد ترجمہ فرمایا ہے۔ اچھا تھا کہ وہ، یا آپ نشان دہی کر دیتے کہ کن اشعار کو معرض ترجمہ میں لایا گیا ہے۔

(شمس الرحمٰن فاروقی، ۷ فروری ۲۰۱۹ء، غیر مطبوعہ)

مجھے اس کتاب میں غالبؔ کی فارسی مثنوی ''ابرِ گہر بار'' کا منظوم ترجمہ دیکھ کر زیادہ خوشی ہوئی۔ غالبؔ نے ''ابرِ گہر بار'' کے علاوہ بھی فارسی میں نعتیہ کلام تخلیق کیا ہے۔ ایک نعت کا آغاز یوں ہوتا ہے:

بعد حمد ایزد و نعتِ رسول　　　می نگارم نکتۂ چند از اصول

....

جلوۂ اوّل کہ حق بر خویش کرد　　　مشعلِ نورِ محمدؐ پیش کرد

شُد عیاں زاں نور در بزم ظہور　　　ہر چہ پنہاں بود از نزدیک و دور

ایک اور نعت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بنام ایزد اے کلکِ قدسی صریر　　　بہر جنبش از غیب نیرد پذیر

....

محمدؐ کز آئینۂ روے دوست　　　جز نیش ندانست دانا کہ اوست

فھو اوّل فی ذٰلک کلہ علی الاطلاق۔
اور الآخر: ایسے کہ بعثت میں آخر الانبیاء ہیں۔
الظاہر: فھو الظاھر فی وجوہ الظھور کلھا۔
آپ ظہور کی ہر جہت سے ظاہر و غالب ہیں۔
الباطن: آپ وحیِ الٰہی سے جملہ اُمورِ خفی و باطنی پر مطلع ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز اشعار اسی کمال و خصوصیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

وضم الالٰہ اسم النبی الی اسمہ   اذا قال فی الخمس المؤذن أشھد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ   فذو العرش محمود وھذا محمد

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے اسمِ پاک کو اپنے نام کے ساتھ ضم کر دیا ہے جب کہ مؤذن پانچ وقت اذان میں، اشھد ان محمد رسول اللّٰہ کہتا ہے اور اس نے ان کے نام کو اپنے نام سے اس لیے نکالا ہے تا کہ ان کا مرتبہ بلند ہو پس عرش والا (رب) محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔
(۴۷: ایضاً)

امام شمس الدین سخاوی، ابن دحیہ کلبی، قاضی عیاض مالکی، امام سیوطی اور امام نبہانی علیہ الرحمۃ نے بھی ان اسماء و صفات نبوی کو نقل کرتے ہوئے تقریباً یہی مضامین مع اضافہ جات دہرائے ہیں جن کا اعادہ باعث طوالت ہوگا۔ اگر چہ دل چاہتا ہے کہ یہ حدیث محبت دراز تر ہوتی جائے لیکن والد گرامی کا سانحہ ارتحال اور اس کے بعد پیش آنے والے صدمہ و اندوہ نے بے بس کر دیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے اسمائے صفاتِ نبوی کی تشریح کرتے ہوئے اسما و صفات باری تعالیٰ کی یکتائی اور بے مثلیث کو بکمال ایمان واضح فرما دیا ہے کہ یہ اشتراک محض اسما کا ہے اور یہی اشتراک لفظی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان و عظمت پر دلالت کرتا ہے ورنہ وہ ذات پاک وراء الوریٰ ہے اور لیس کمثلہٖ شئی، اس کی شان میں وارد ہے۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب الشفاء کی طرف رجوع فرمائیں۔

حدیث ''لولاک'' اور ''من رانی'' کے حوالے سے ایک مضمون بھی ارسالِ خدمت

غیر معمولی شخصیت ہیں۔ وہ ایک پیغمبر، فلسفی اور ماہرِ سیاسیات تھے۔ یہ اس لحاظ سے غیر معمولی زائچہ ہے کہ نویں بُرج میں سیارہ مشتری، تیسرے بُرج میں آفتاب اور عطارد ہیں اور ہر ایک کا اثر بہت گہرا ہے۔ اُنؐ کے زائچۂ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہؐ ایک بے حد منفرد شخصیت تھے۔''

بہر حال یہ بھی ایک علم ہے۔ اور اس کے ذریعے حضورِ اکرمؐ کے فضائل تک رسائی کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے اسے کسی پیش گوئی، علمِ غیب یا تقدیر پرستی سے ہٹ کر دیکھنا چاہیے۔ (سحر انصاری، ص ۲۸/۵۶۹۔۵۶۷)

غالب کی مثنوی 'ابرِ گہر بار' اور یحییٰ نشیط کی تنقید:

سیّد یحییٰ نشیط صاحب نے غالبؔ کی مثنوی ''ابر گہر بار'' کے ایک حصے ''بیان معراج'' میں بڑی محنت کی ہے لیکن ان کی نگارش لائق ستائش نہیں ہے بلکہ قابل گرفت ہے کیوں کہ یہ قرآن و حدیث سے متصادم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امّ ہانیؓ کے یہاں استراحت فرمارہے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے حرم شریف لائے جہاں آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا اور سنہری طشت میں آبِ زم زم سے دھویا، پھر وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر جبرئیلؑ کیساتھ بیت المقدس پہنچے جہاں انبیاء کی امامت فرمائی اور پھر وہاں سے عالم بالا کا سفر شروع ہوا۔

غالبؔ نے اپنی مثنوی میں قمر کو فلکِ اوّل، عطارد کو دوم، زہرہ کو سوم، شمس کو چہارم، مریخ کو پنجم، مشترِی کو ششم اور زحل کو ہفتم فلک بتایا ہے جبکہ یہ علم نجوم کی اصطلاحیں ہیں۔

نشیط صاحب نے ''فلک اور سما'' کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ فلک قرآن کے مطابق وہ اجرام فلکی ہیں جو متحرک ہیں جنھیں سائنسی و جغرافیائی اصطلاح میں ''سیّارہ'' کہتے ہیں اور علم نجوم کی اصطلاح میں یہ ''ستارہ'' کہلاتے ہیں۔ (ستارہ شناس اور ستارہ شناسی کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے) (۴۹۹/۲۷) اور یہ ہمارے نظامِ شمسی کا حصہ ہیں ایسے کئی نظام شمسی خلا میں موجود ہیں ان کے علاوہ غیر متحرک روشن اجرام (ستارے) آسمانوں کی زینت ہیں (جو شیطانوں کو مارے جاتے ہیں) یہ تمام کے تمام ''تحت السما'' یعنی حقیقی آسمانوں سے نیچے ہیں جو لوگ ''فلک'' کو ''سما'' جانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

مثنوی ''ابرِ گہربار'' ہر لحاظ سے بہت اہم اور اپنے اسلوب میں بے مثال ہے۔ اس کے نثری ترجمے ہوئے ہیں لیکن سلیم شہزاد کا منظوم ترجمہ بہت رواں اور شستہ ہے۔ ترجمے کی بحر بھی وہی ہے جو غالبؔ کی فارسی نعت کی ہے۔ غالبؔ کی فارسی اور قدرتِ کلام کو ذہن میں رکھیے تو اردو یا کسی اور زبان میں اس کا منظوم ترجمہ ایک کارِ محال معلوم ہوتا ہے۔ ''مہرِ نیمروز'' کے آغاز میں لکھتے ہیں:

ع اے ہمہ و بے ہمہ و با ہمہ

اب اس بلیغ مصرعے کا اردو میں کیا ترجمہ ہوسکتا ہے بجز اس کے کہ یہی مصرع اردو ترجمے میں دہرا دیا جائے۔ سلیم شہزاد کے ترجمے کو میں ترجمے کے بہ جائے ترجمانی کہوں گا۔ انھوں نے لفظی ترجمے کے بہ جائے خیال کو اہمیت دی ہے۔ مثلاً یہ شعر:

سپاسے کہ شوریدگان الست دہندش بہ بانگِ قلم دل زدست

کا اردو ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

جسے سن کے شوریدگان الست ''بلیٰ ربّنا'' میں ہوئے جذب و مست

بعض ترجمے لفظی بھی ہیں اور بے ساختہ بھی۔ مثلاً: ''ز دل جستہ و با دل آویختہ''۔ کا ترجمہ:

وہ حمد و ثنا موج جس کی اُٹھے اگر دل سے تو راہ دل میں کرے

اس ترجمے یا ترجمانی کی داد نہ دینا ناانصافی کے مترادف ہے۔

سلیم شہزاد کی قدرتِ سخن، فارسی اور اردو پر ان کی دست رس لائقِ ستائش ہے۔ فارسی سے عبرت انگیز دوری کے اس دور میں سلیم شہزاد جیسے اسکالر خال خال نظر آتے ہیں۔ اگر وہ غالبؔ کے فارسی کلام کے منتخبات کا اردو میں مزید ترجمے کریں تو غالب شناسی کا دائرہ عام قارئین تک بھی وسیع ہوسکتا ہے جو ایک بڑی علمی خدمت ہوگی۔ نبی کریمؐ کی ذاتِ مبارکہ چودہ سو سال سے زیادہ (اب ۱۴۴۰ ہجری ہے) تمام دنیا میں توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ان کی مخالفت سے زیادہ حضورؐ کی مدح و ثنا اور رسالت شناسی پر مختلف گوشوں سے تحقیقی کام ہوا اور ہو رہا ہے۔

آپ کی دل چسپی کے لیے ایک حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ بی وی رمن (B. V. Raman) نامی اسکالر نے جو علمِ نجوم کے ماہر ہیں، سائنسی بنیادوں پر اکابرِ عالم کے زائچے تیار کیے ہیں۔ انھی میں ایک رسالت مآبؐ کا زائچہ بھی ہے۔ رمن صاحب نے حضورِ اکرمؐ کی تاریخِ ولادت اور وقت کا یہ تعین کیا ہے: ۲۰/اپریل ۵۷۱ عیسوی، صبح ایک بج کر دس منٹ۔

پروفیسر رمن کے مطالعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ''دنیا کی مذہبی تاریخ میں محمدؐ یقیناً ایک

کہا ہے جبکہ سائنس اور نجوم دونوں کے مطابق ''مشتری'' سب سے زیادہ روشن ہے۔

غالبؔ کے بیانات کی تصدیق کے لیے نشیط صاحب نے اقبالؔ کے جاوید نامہ کو پیش کیا ہے اور انہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ اقبالؔ نے جاوید نامہ میں چاند پر (فلکِ قمر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ''جہاں دوست''، یعنی شنکر اور گوتم سے ملاقات اور امر پالی کا ذکر کیا ہے۔ کیا یحییٰ نشیط صاحب بتا سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کے متذکرہ ''جہاں دوست'' شنکر اور گوتم و امر پالی کا کہیں ذکر آیا ہے؟ اور کیا اقبالؔ، شنکر بھگوان، گوتم، امر پالی، بھگوان نٹ راج کے وجود کے قائل تھے!؟ جبکہ اسلامی عقیدے میں ان کی کہیں بھی گنجائش نہیں ہے۔

نشیط صاحب کے مضمون میں بہت سارے جھول ہیں، بہتر ہوتا کہ وہ اپنے مضمون میں مذہبی روایات اور مفروضات کے ذکر کی بجائے صرف مثنوی کی ادبی حیثیت اور شاعرانہ اظہار کے عمدہ نمونے کے طور پیش کرتے تو بہتر ہوتا کیوں کہ غالبؔ نے شعری تقاضوں کے مدنظر احادیث اور علم نجوم دونوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۷/ ۵۰۱ - ۴۹۹)

غالب کی مثنوی 'بیان معراج': اعتراضات اور ان کے جوابات:

نعت رنگ کے شماروں میں 'نعت ناموں' کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان سے قلم کاروں کو کافی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ حالیہ شمارے میں اشفاق انجم صاحب نے میرے مضمون ''غالبؔ کی مثنوی بیان معراج کا تنقیدی مطالعہ'' پر گرفت کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ ''یہ قرآن و حدیث سے متصادم ہے''

(نعت رنگ شمارہ ۲۷ ص ۴۹۹)

غالب کی یہ مثنوی شبِ معراج کی تعریف سے شروع ہوتی ہے۔ اردو میں کسی رات کی تعریف میں مجھے اس سے عمدہ کوئی نظم نہیں ملی۔ غالبؔ نے معراج کے واقعے کی ابتداء جبرئیل ؑ کی آمد سے کی ہے۔ یہاں غالبؔ نے مقام کی نشاندہی نہیں کی۔ البتہ راجح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ حطیم میں لیٹے ہوئے تھے کہ فرشتے (حضرت جبرئیل ؑ) نے نوید سنائی۔ ام ہانی ؓ کے مکان میں استراحت فرمانے کی روایت کو محدثین کمزور سمجھتے ہیں۔ یہاں اس کی بحث کی چنداں ضرورت نہیں۔ فرشتہ آپ ﷺ سے کہتا ہے

خداوند گیتی خریدار تست شبست ایں ولے روزِ بازار تست

نشیط صاحب نے غالب کے بیان کی وضاحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر تمام افلاک (قمر، شمس وغیرہ) پر پھیل گئی تھی اور ہر فلک پر آپ کا شاندار استقبال ہوا، سب مفروضات ہیں اگر ایسا ہی ہوتا تو پہلے آسمان کا دربان جبرئیلؑ کی دستک پر یہ نہ پوچھتا کہ کون؟ اور جواب ''جبرئیل'' ملنے پر یہ بھی نہ پوچھتا کہ ''تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کیا انہیں طلب کیا گیا ہے؟؟ (ہر آسمان پر یہی صورتِ حال پیش آئی) اس سوال و جواب سے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ سبع سماوات کے دربانوں کو بھی آپ کی آمد کی اطلاع نہیں تھی ورنہ وہ بھی افلاک کے دروازوں پر پھولوں کی مالائیں لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے کھڑے ہوتے!!

اسی طرح وہ تمام روایات بھی ضعیف ہیں کہ حوریں شاندار میک اپ اور گٹ اپ میں آپ V کی آمد کی منتظر تھیں۔ جنت کو بقعۂ نور بنا دیا گیا تھا اور ان کے خوبصورت لبوں پر طربیہ نغمات بھی رہے تھے۔ واقعۂ معراج تو اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ آپ V کی روانگی اور واپسی کا وقفہ ایسا ہے کہ عقلِ انسانی باور نہیں کر سکتی یعنی حضرت امّ ہانیؓ کے دروازے کی کنڈی کی حرکت بند نہ ہوئی تھی کہ آپ V سیر افلاک اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری دے کر واپس بھی لوٹ آئے۔

قرآن و حدیث میں سبع سماوات کا ذکر ہے اور ہر آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاءؑ سے ملاقاتیں کیں ان کے نام بھی افلاک کی ترتیب کے ساتھ درج حدیث ہیں جبکہ غالبؔ کی مثنوی میں اس سفر کی روداد بے ترتیب ہو گئی ہے۔ جس کا اظہار خود نشیط صاحب نے بھی کیا ہے۔

نشیط صاحب نے غالب کو ماہر علم نجوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے جبکہ غالب نے اپنی مثنوی میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس زمانے میں عام سی باتیں تھیں۔ دہلی میں اس علم کے ماہرین اور کتابیں موجود تھیں اور آج بھی عملیات کی کتابوں میں ستاروں، بروج انکے اثرات اور اس قسم کی تمام باتیں تفصیل سے موجود ہیں۔ (نقش سلیمانی اور شمع شبستانِ رضا ملاحظہ ہوں) نجوم کی اصطلاحات سے واقفیت اور اسکے اسرار و رموز کا علم دو علاحدہ چیزیں ہیں اس کی واضح مثال غالبؔ اور مومنؔ ہیں، مومن کا شمار ان کے عہد کے نابغۂ روزگار ستارہ شناسوں میں ہوتا تھا جبکہ غالبؔ کے ستارہ شناس ہونے کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ میر حسنؔ کی مثنوی ''سحر البیان'' میں بھی علم نجوم کی بہت ساری اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جبکہ میر حسن ستارہ شناس یا نجومی نہیں تھے۔ غالب کی معلومات اس علم سے متعلق سرسری سی تھیں اس میں انہوں نے مریخ کو سب سے زیادہ روشن سیارہ

وجدانی کیفیت اور غلوئے عقیدت کے بہاؤ میں لکھے گئے ہیں؟؟ حضور V سے رکھی جانے والی محبت کا تقاضا ہی ایسے اشعار قلم برداشتہ صفحۂ قرطاس پر اتار دیتا ہے۔ان پر نہ علماء کرام گرفت کرتے ہیں نہ صوفیاء کرام، بلکہ پیر و مرشد تو دعائیں دیتے ہیں اور خود شاعر ایسے اشعار کو روحانی فیوض کا ثمرہ گردانتا ہے۔ایک میلادیہ نعت میں اشفاق انجم نے یہ اشعار قلم بند کیے ہیں:

''حضورؐ تشریف لا رہے ہیں''، صدا فرشتوں کی آرہی ہے
فلک ستارے چھڑک رہا ہے، زمین کلیاں بچھا رہی ہے
فرشتے مکہ پہنچ رہے ہیں، ہے غرق انوار کعبۃ اللہ
سواری نبیوں کی وقفے وقفے سے آسمانوں سے آرہی ہے

(اشفاق انجم: ''صلوا علیہ وآلہٖ'' ص ۹۳۔۹۲)

یہ نہ تو قرآن واحادیث سے لگا کھاتے ہیں نہ اس واقعے کے تاریخی پہلو سے ان کا واسطہ، بلکہ شاعر کی عقیدت تو ان ساروں کو جھٹلا رہی ہے۔پھر بھی یہ اشعار فیوض و برکات کا ثمرہ سمجھے گئے ہیں۔ان شواہد سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اگر نعتیہ شاعری کو بالقصد قرآن و احادیث کی میزان پر پرکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا شاید نوے فی صد سرمایہ دریا برد کرنا پڑے گا اور تقدیسی شاعری کی بربادی کا یہ بڑا سانحہ قرار پائے گا، نیز ہمیں اپنے کلاسکی ادب سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔اشفاق انجم کے درج بالا اشعار میں شاعر کی عقیدت کا دھارا اتنا تیز ہے کہ معراج کا ذکر آتے ہی سیارات و نجوم اور خلاء و سماء کے مضامین نعت کے اشعار سے جڑ جاتے ہیں۔اس میں شاعر کی فکر کو دخل نہ فن کا کمال، بس خیالات کی آمد کا سلسلہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا اور اسی جذب و کیف اور سرشاری و سرمستی میں وہ ''خلاء میں بھی پا پیادہ سفر کرنے لگتا ہے اور'' آیۂ قوسین کے حوالے سے آسمان کو اپنا مکان لکھنے کا دعویٰ کرتا ہے:

نبی کے عشق میں کچھ ایسا جذب طاری تھا
سفر خلاء کا بھی انجم نے پا پیادہ کیا
الٰہی، آیۂ 'قوسین' کے حوالے سے
میں آسمان کو اپنا مکان لکھتا ہوں

(صلوا علیہ وآلہ، ص مختلف)

اس لیے شاعری چاہے وہ تقدیسی ہی کیوں نہ ہو، جب تک وہ قرآن واحادیث کی تعلیمات اور

یعنی مالک زمین و آسماں آپ کا طلب گار ہے۔ کہنے کو یہ رات کا وقت ہے لیکن آپ کے لیے یہی روزِ بازار ہے۔

ترا خواستگار ست یزدانِ پاک ہر آئینہ از لن ترانی چہ باک

یعنی خداوند عالم خود آپ V سے ملاقات چاہتا ہے تو اب لن ترانی کا کوئی اندیشہ نہیں۔

بیا رائے شمشاد بے سایہ را بہ پیمائے اورنگ نُہ پایہ را

یعنی اپنے شمشاد جیسے سیدھے قد سے جس کا سایہ نہیں پڑتا، اٹھیے اور نو درجے کے تخت یعنی آسمان کو طے کر ڈالئے۔ اس کے بعد آپ کو سواری کے لیے ایک گھوڑا پیش کیا گیا۔ اس نے آپ V کو بیت المقدس کی سیر کرائی اور پھر آپ V آسمانوں کی جانب روانہ ہوئے۔ پہلے آسمان پر (جس کو نجوم میں فلکِ قمر کہا جاتا ہے) آپ کی سواری پہنچنے کی روداد میں غالبؔ نے علمِ نجوم کا سہارا لیا ہے اور آگے اس علوی سفر کی تمام روداد کو اسی علم کی روشنی میں بیان کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ پروفیسر اشفاق انجم غالبؔ کے اس شعری پیرائے کو قرآن و حدیث سے متصادم سمجھتے ہیں، جبکہ ہماری نعتیہ شاعری میں نجوم سے ناواقف شعراء بھی کہیں نہ کہیں اس کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ خود اشفاق انجم کے یہاں اس کی مثالیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

چوم کے جس کے روشن تلوے چمکا چاند خود وہ کیسا ہوگا خدایا گیسوؤں والا

سورج جس کی پیشانی کا ہلکا پرتو کون و مکاں کے نور کا ہالا گیسوؤں والا

شاید ٹپک گئی تھی پسینے کی کوئی بوند

اسریٰ کی شب تجلی ہوئی ماہتاب میں

سفر ہوا کو اسپ کیا، کہکشاں کو جادہ کیا

وہ شبِ اسریٰ سفر کی داستاں مل گئے جیسے مکان و لا مکاں

نور میں ڈوبے ہوئے تھے سب جہاں رف رف و قصویٰ نشیں تم پر سلام

کہکشاں کا ہر ستارہ نقشِ پا چاند تلوے چوم کر روشن ہوا

راستے سے آسماں بھی ہٹ گیا راہیِ عرشِ بریں تم پر سلام

زیرِ پا ہے فلک محو حیرت ملک نقشِ پا کی چمک قاب قوسین تک

ماورائے گماں، تم پہ لاکھوں سلام

کیا مندرجہ بالا اشعار کے واقعات قرآن و احادیث سے ثابت ہیں یا صرف ایک

کے معنی ''زمین وآسمان ہی کے لیے گئے ہیں۔ پھر کس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ ''جو فلک کو سما کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔قرآن میں نجم، کوکب، شہاب وغیرہ کا ذکر ستارے اور سیاروں کے لیے ہوا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ 'شہاب' ٹوٹے ہوئے تارے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے ان دلائل کی روشنی میں اشفاق انجم کی جرح کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔

(۳) اشفاق انجم کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جنت کو سجانا، حوروں کا سنورنا سجنا، تمام مفروضات ہیں۔تو ان سے عرض ہے کہ جنت کو سجانے اور حوروں کے سنورنے کی کئی احادیث آپ بہ آسانی تلاش کر سکتے ہیں۔ پھر آپ نے خود مذکورہ بالا اشعار میں فرشتوں کے استقبال رسولؐ کے لیے آسمانوں سے مکہ میں وارد ہونے اور ''تشریف لا رہے ہیں'' کی صدا لگانے کا اعتراف کیا ہے۔غالبؔ نے اگر ایسا بلکہ آپ کے ڈھنگ سے کئی درجہ بہتر نداز میں کہا ہے تو اس پر گرفت کیا معنی؟؟

(۴) اشفاق انجم نے ''واقعۂ معراج کو اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان معجزہ'' کہا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا معجزہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کہنا چاہیئے تھا۔اس لیے کہ معجزے کی نسبت پیغمبر اور نبی سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(۵) اشفاق انجم کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ میں (مضمون نگار) نے ''غالبؔ کو ماہر نجوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے جبکہ غالب نے اپنی مثنوی میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس زمانے میں عام سی باتیں تھیں۔۔۔۔نجوم کی اصطلات سے واقفیت اور اس کے اسرار و رموز کا علم دو علاحدہ چیزیں ہیں، اس کی واضح مثال غالبؔ اور مومنؔ ہیں۔مومنؔ کا شمار ان کے عہد کے نابغۂ روزگار ستارہ شناسوں میں ہوتا تھا جبکہ غالبؔ کے ستارہ شناس ہونے کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔'' (نعت رنگ شمارہ ۲۷ص ۵۰۰)

مولانا محمد حسین آزاد کی 'آب حیات' میں مومنؔ کی نجوم شناسی کے دو تین قصے درج ہیں ان کے کلیات میں علم نجوم پر سطحی انداز کے چند اشعار ملتے ہیں جن میں ان کا ایک مشہور شعر بھی ہے۔اس میں نجوم کے ساتھ فن موسیقی کے نکات پیش کئے گئے ہیں ۔

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

ان اشعار کے علاوہ مومنؔ کے علم نجوم پر دست رس کا کوئی تحریری ثبوت (ان کا اپنا تحریر کردہ) نہیں ملتا جبکہ غالبؔ کی مثنوی ''بیان معراج'' میں علم نجوم اور اس کی اصطلاحات کا ایک دریا

امور شرعیہ سے متصادم نہیں ہوتی، اسے کم سے کم اباحت کے دائرے میں جگہ دی جانی چاہیے۔

(۲) اشفاق انجم کا دوسرا اعتراض یہ کہ میں (مضمون نگار) نے ''فلک اور سما'' کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''فلک قرآن کے مطابق وہ اجرام فلکی ہیں جو متحرک ہیں جنھیں سائنسی و جغرافیائی اصطلاح میں ''سیارہ'' کہتے ہیں اور علم نجوم کی اصطلاح میں یہ ستارہ کہلاتے ہیں (ستارہ شناس اور ستارہ شناسی کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے) اور یہ ہمارے نظام شمسی کا حصہ ہیں۔ ایسے کئی نظام شمسی خلا میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ غیر متحرک روشن اجرام (ستارے) آسمانوں کی زینت ہیں (جو شیطانوں کو مارے جاتے ہیں) یہ تمام کے تمام ''تحت السما'' یعنی حقیقی آسمانوں سے نیچے ہیں۔ جو لوگ ''فلک'' کو ''سما'' جانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں'' (نعت رنگ ش ۲۷ ص ۵۰۰۔۴۹۹)

پروفیسر صاحب کے اس فاضلانہ تبصرے کو پڑھنے کے بعد میں نے قرآن سے رجوع کیا تو پتہ چلا کہ وہاں لفظ '' فلک'' کا استعمال دو جگہ ہوا ہے۔ دونوں جگہ یہ لفظ 'آسمان' یا 'گھیرے /دائرے' کے معنی میں مستعمل ہے۔ پارہ نمبر ۱۷ سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۳۳: وَھُوَ الَّذِی خَلَقَ الَّیلَ وَالنَّھارَ وَالشَّمسَ وَالقَمَرَ کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسبَحُونَ۔ تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کے معنی ہیں، ''اور وہ ہے خدائے تعالیٰ جس نے اپنے کمال سے پیدا کیا رات کو اندھیری جو آرام کریں اور سوویں اور پیدا کیا دن کو روشن تو اس میں تلاش کسب کی کر کے روزی پیدا کریں اور پیدا کیا اپنی قدرت سے سورج اور چاند کو اور یہ سب آسمان میں پھرتے ہیں''۔ گویا فلک کے معنی یہاں آسمان کے ہیں ۔اشرف علی تھانویؒ نے اس آیت میں لفظ 'فلک' کے معنی ''دائرہ'' بتائے ہیں، جس سے غالباً جغرافیائی اصطلاح ''مدار'' مراد ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ یٰسٓ کی آیت نمبر ۴۰ میں بھی لفظ فلک کا استعمال ہوا ہے، ''وَکُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسبَحُونَ'' یعنی ''اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' یہاں بھی فلک کے معنی دائرہ یا آسمان ہی ہے۔ ان دونوں آیتوں کے علاوہ لفظ فلک کا استعمال قرآن حکیم میں اور کہیں نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس لفظ کا اطلاق ''اجرام، سیارے یا ستارے کے معنی پر ہوا ہے۔ شاید اشفاق انجم کو یہاں معنی کی تفہیم میں تسامح ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں دوسرے ایک لفظ ''سما'' کا استعمال بھی ہوا ہے اور اس کے معنی مترجمین قرآن نے آسمان یعنی فلک ہی کے لیے ہیں۔ مثلاً ''السمٰوات والارض'' سے مراد آسمان وزمین ہے۔ السمٰوات، السما کی جمع کا صیغہ ہے۔ قرآن میں یہ ترکیب جتنی بھی جگہ استعمال ہوئی ہے اس

ہیں، ان سے سراسر اغماض برتا۔ یہاں تک کہ اس میں مختلف علوم کے پرتو تو نظر آتے ہیں لیکن واقعۂ معراج کی روشنی کہیں نظر نہیں آتی کہیں کہیں چقماق کی سی چنگاریاں نظر آتی ہیں وہ غالبؔ کے حسنِ تدبر، تفکر اور تخیل کے سائے میں آنکھ مچولی کرتی نظر آتی ہیں۔ اس مثنوی میں غالبؔ کا کمالِ فن اوج پر دکھائی دیتا ہے۔ اس میں تقدس کا بھی خیال رکھا گیا ہے، لیکن معراج سے رکھی جانے والی عقیدت اور حضورؐ سے رکھی جانے والی انسیت کا اس مثنوی میں فقدان نظر آتا ہے۔''

آخر میں میں ایک بار اور کہتا ہوں کہ ''بیانِ معراج'' خالصتاً مذہبی موضوع کی حامل مثنوی ہے۔ مگر غالبؔ نے شعری جمالیات کے سہارے اور مضمون و معنی آفرینی کے ذریعہ اس کے کشف کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے۔ عقیدت میں فن کو سانے کا یہ ہنر بڑا مستحسن ہے۔ مذہبی امور کا یوں فنکارانہ اظہار کہ تقدس مجروح بھی نہ ہو، نہایت مشکل عمل ہے۔ واقعۂ معراج بیان کرتے وقت انھوں نے علم نجوم کے غوامض کو ماہرِ فن کی طرح منکشف کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس علم میں درک رکھتے تھے بلکہ سیاروں کے سعد و نحس اثرات کو بھی مانتے تھے۔ شبِ معراج کی تعریف میں غالبؔ نے جو اشعار قلم بند کیے ہیں، اردو میں کسی رات کی تعریف میں مجھے ایسے اشعار دکھائی نہیں دیئے۔ میرا اپنا ماننا ہے کہ اگر غالبؔ واقعۂ معراج کو منظوم نہ کرتے اور صرف منقبتِ شب معراج ہی پر اکتفا کر لیتے تو بھی ''معراج'' پر نظم لکھنے کا حق ادا ہو جاتا۔ (ڈاکٹر یحییٰ نشیط، ص ۲۸/۵۶۵۔۵۶۰)

ذاتِ محمدیہ اور حقیقتِ محمدیہ:

اس مضمون میں میں رشید وارثی صاحب نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ذاتِ محمدیہ اور حقیقتِ محمدیہ دو مختلف حقائق ہیں۔ ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی، ص ۲۴۵)

فارسی شعری روایت کے اُردو حمد و نعت پر اثرات:

عاصی کرنالی صاحب کے مضمون کے عنوان سے جو اُمید بندھی تھی وہ مضمون کے مشمولات سے پوری نہ ہو سکی۔ سوال یہ ہے کہ فارسی شعری روایت نے اردو نعت اور حمد پر صرف بحور و اوزان کی حد تک تو اثرات مرتب نہیں کیے۔ معانی، مضامین، تراکیب، تلمیحات اور بیان و بدیع کی بیسیوں صورتیں ہیں جن سے ہمارا حمدیہ نعتیہ شعری ادب متاثر ہوا ہے۔ عاصی صاحب کو

ہے کہ بہتا چلا آتا ہے۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ میرے مضمون میں مومنؔ اور غالبؔ کا موازنہ مقصود بھی نہیں ہے۔ ہمیں اس بات سے بھی کوئی سروکار نہیں کہ غالبؔ علم نجوم میں مومنؔ سے زیادہ قابل تھے یا ان کا علم مومنؔ کے مقابلے میں کمتر تھا۔ ہوسکتا ہے کہ علم نجوم میں غالبؔ کی معلومات سرسری رہی ہوں گی لیکن انھوں نے اس مثنوی میں جن نجومی نکات کو بیان کیا ہے اس سے ان کے متعلقہ علم کی گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اشفاق صاحب کا یہ بھی اعتراض ہے کہ غالبؔ نے اپنی مثنوی میں 'مریخ' کو زیادہ روشن سیارہ کہا ہے۔ تو عرض ہے کہ مثنوی کے سیاق کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہی اصل حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ مضمون میں ان ساری باتوں کی وضاحت کی میں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔

(۶) اشفاق انجم نے اپنے چھٹے اعتراض میں بلاوجہ خلط مبحث قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اردو میں معراج ناموں کی روایت پر میرے شاید تین چار مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں میں نے ادب کے ناقدین کو اس جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ ''عالمی ادب میں علوی سفر پر جتنی بھی تخلیقات پائی جاتی ہیں، وہ تمام تخیلاتی اور توہماتی ہیں ان کے بالمقابل اردو کے معراج نامے رکھے جا سکتے ہیں جن کے واقعات حقیقی اور تاریخی نوعیت کے ہیں''۔ ظاہر ہے کہ ان سفرناموں کی روداد اور معراج کے سفر کی روداد میں فرق ضرور رہے گا۔ ہاں البتہ ان کے تقابلی جائزے میں ان کے موضوعات پر بحث ہوسکتی ہے اشفاق انجم جانتے ہوں گے کہ اقبال نے ''جاوید نامہ''، دانتے کی ''ڈیوائن کامیڈی'' کے جواب میں لکھا تھا وہ خود بھی ایک معراج نامہ لکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے حضرت غوثؒ گوالیاری کی کتاب کی انھیں تلاش تھی جو باوجود بسیار کوشش کے انھیں حاصل نہ ہوئی اور معراج نامہ لکھنے کا ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ میں نے جاوید نامہ میں فلک قمر کی روداد اور غالبؔ کی مثنوی بیان معراج میں فلک قمر کے سفری احوال دونوں کو یکجا رکھ دیے ہیں۔ واقعہ معراج سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اشفاق انجم صاحب اگر اردو، فارسی کے میلادناموں اور نورناموں کا مطالعہ کریں گے تو انھیں پتہ چلے گا کہ اسطوری فکر نے انھیں اسلامی اساس سے کتنی دور دھکیل دیا ہے۔

میں نے اپنے مضمون میں اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ ''(معراج) کی ان ساری تفصلات کے بیان میں انھوں (غالبؔ) نے اپنے علم وہنر کو تو خوب آزمایا لیکن نفسِ مضمون اور موضوع کی انھوں نے مطلق پروانہ کی اور واقعہ معراج کے حقائق اور تفصیلات جو احادیث میں مذکور

تو اُمیّت برنتابد پیکرِ جوزای من

سوم یہ کہ یہ بات مسلّمات میں سے ہے کہ اس عالمِ ناسوت میں حضور اکرم V کے پیکرِ مبارک کا سایہ نہیں تھا (اُمّی و دقیقہ دانِ عالم ۔ بے سایہ و سائبان عالم --- فیضی) گویا یہ ایک معجزہ تھا منجملہ اور متعدد معجزوں کے۔ چہارم یہ کہ قصیدے کے میدان میں بقول عرفی کوئی اس کا ہمسر اور حریف نہیں۔ اقبال نے درست فرمایا ہے کہ عرفی کے مذکورہ شعر میں خوبصورت تعلّی موجود ہے۔ اب آیئے ان دونو شعروں کی توضیح کی جانب:

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں شاعر حضور اکرم V کی ذاتِ بابرکات سے اپنے کمال والہانہ پن کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے نبیِ والا صرف میں ہی نہیں میرا سایہ بھی اِس دنیا میں آپ V کا اُمتّی ہے۔ دوسرے مصرعے کا مفہوم کُچھ اس طرح ہے کہ چونکہ آپ V کے پیکرِ مبارک کا سایہ معدوم ہے تو گویا وہ عالم موجودات میں نہیں عالمِ عدم میں ہے۔ اِس دنیا میں شاعری کے باب میں میرا بھی کوئی ثانی نہیں گویا میرا حریف بھی معدوم ہے یعنی ملکِ عدم میں ہے۔ لہٰذا وہاں آپ V کا سایہ میرے حریف کا پیغمبر ہوگا۔ اگلے شعر کا مفہوم سابقہ شعر کی تکمیل کرتا ہے۔ عرفی کہتا ہے کہ میں وحدت کا آسمان ہوں (یعنی شاعری کے میدان میں واحد ہوں) جو عالم فطرت پر چھایا ہوا ہے اور میری شاعری کا پیکر دوئی کا متحمل نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شاعر نے اپنے پیکرِ شعری کو بارہ بروج میں سے ایک برج --- جوزا قرار دیا ہے جس کی شکل و شبیہہ دو لڑکوں کی صورت میں ہے جو پشت کی جانب سے جڑے ہوئے ہیں گویا توام ہیں۔ شاعر کے نزدیک اس کی شاعری ہے تو برجِ جوزا سے مماثل مگر یہ پیکرِ شعری واحد ہے، اس کا جوڑا یا حریف و ہمسر ناپید ہے۔ مطلب یہ کہ میری شاعری اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اب سوال یہ ہے کہ عرفی نے اپنے شعری پیکر کو جوزا کس لیے قرار دیا ہے تو اس کا جواب واضح ہے اور وہ یہ کہ منطقۃ البروج میں برجِ جوزا سب سے بڑا، سب سے زیادہ باشکوہ اور غیر معمولی شانِ امتیاز کا حامل ہے۔

(ڈاکٹر تحسین فراقی ۲۸/۷ ۵۶۷۔۵۶۶)

مسدس حالی کی بحر اور اس کا ایک شعر: غلط فہمی کا ازالہ:

'منظور حسین منظور کی نعت گوئی' مصنف کی دیدہ وری کا آئینہ ہے اور ایک خوب صورت کاوش۔ موصوف نے 'جنگ نامۂ اسلام' کے اشعار کی بحر ہزج مثمن سالم لکھی ہے اور درست رقم فرمایا ہے کہ اسی بحر میں حفیظ جالندھری کا شاہ نامۂ اسلام' اور اقبال کی نظمیں 'تصویرِ درد' اور 'طلوعِ

ان امور سے بھی اعتناء کرنا چاہیے تھا۔حواشی میں ایک جگہ انھوں نے ایک شعر مستغرق گناہیم، ہر چند عذر خواہیم...درج کر کے اسے معین الدین چشتی سے منسوب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معین الدین چشتی کے نام سے جس دیوانِ فارسی کا ہمارے یہاں چلن ہے وہ ان کا نہیں معین الدین ہروؔی کا ہے اور اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو حافظ محمود شیرانی نے اپنے مقالات میں ایک جگہ اس کے معین الدین چشتی سے انتساب کو بہ دلائل غلط قرار دیا ہے۔ بہر حال اپنے مخصوص دائرے میں عاصی کرنالی کا یہ مضمون مفید اور معلومات افزا ہے۔باقی مشمولات ابھی پوری طرح نہیں پڑھ پایا اس لیے ان کے بارے میں رائے نہیں دے سکتا۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی، ص ۲۴۶۔۲۴۵)

عرؔفی کے ایک شعر کی تفہیم:

آپ نے مراسلے میں عرفی کا ایک مشہور نعتیہ شعر لکھا ہے جسے اقبال نے ایک موقعے پر بہت سراہا تھا۔شعر یہ ہے:

سایۂ من ہمچو من در ملکِ ہستی اُفتَت
سایۂ تو در عدم پیغمبرِ ہمتائے من!

آپ نے کرم کیا کہ میرے استفسار پر بتایا کہ علامہ کا یہ پسندیدہ شعر ”روزگارِ فقیر“ (سید وحید الدین) کی پہلی جلد میں (ص ۱۴۷) پر مذکور ہے جہاں علامہ نے اس کی پسندیدگی کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اس شعر کی توضیح پیش ہے مگر پہلے یہ صراحت ضروری ہے کہ یہ شعر عرفی کے مشہور قصیدے ”در نعتِ حضرت رسول (V)“ کا حصہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

صبحدم چوں در دمد دل صورِ شیون زای من
آسماں صحنِ قیامت گردد از غوغای من

تشریح طلب شعر کی وضاحت کے ضمن میں چند اُمور پیشِ نظر رکھنے ضروری ہیں۔ پہلا یہ کہ شعر چونکہ قصیدے کا ہے اس لیے اس میں تعلّی کا ہونا گویا اس کے عناصر ترکیبی میں سے ہے۔ دوم یہ کہ آپ کے فرستادہ شعر کی توضیح کا حق اس صورت میں اطمینان بخش طریقے سے ادا ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ اس کے مابعد کا شعر بھی پیشِ نظر رکھا جائے یعنی:

آسمانِ وحدتم بر عالمِ فطرت محیط

مدحِ رسول بیان کرتے تھے۔ جب کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ جب حضور اکرم V کو ضعیف العمری کی وجہ سے وعظ کے لیے قیام میں زحمت ہوئی تو 8ھ میں آپ کے لیے مسجد نبوی میں جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنایا گیا (اور استوانہ کو دفن کر دیا گیا) (فتح الباری)۔ اور اسی سال فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ 9ھ میں جب بنوتمیم کے وفد نے مدینہ منورہ آ کر مفاخرت کی تو ان کے ایماء پر آپ نے ان کے شاعر کا جواب دینے کے لیے حضرت حسانؓ کو حکم دیا اور انھوں نے کھڑے ہو کر اسلام کی مدافعت میں اشعار سنائے۔ اس کے بعد ایک چوکی نما منبر تیار کیا گیا۔ حضور اکرم V مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ بن ثابت کے لیے یہ منبر رکھواتے تھے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم V کی مدحت بیان کریں (مدارج نبوت)۔ اس طرح اب یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت حسانؓ جس منبر کو اشعار سنانے کے لیے استعمال کرتے تھے وہ منبر رسول V نہیں تھا بلکہ ایک چوکی نما Portable (نقل پذیر) منبر تھا جس پر وہ بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر مدحت گوئی فرماتے تھے۔ رہا رسولِ اکرم V کا منبر شریف، تو وہ تین زینوں پر مشتمل تھا۔ زمین سے پہلے دو زینے Steps قیام کے لیے استعمال فرماتے تھے اور تیسرے زینے پر آپ نشست فرماتے تھے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نشست والے حصہ پر بیٹھنے کے بجائے آپ کے قدم مبارک رکھنے والے دوسرے زینہ پر نشست فرماتے اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کی وجہ سے زمین سے پہلے حصہ پر نشست فرماتے تھے۔ (یہ تمام باتیں متفقہ علیہ ہیں)۔ لہٰذا منبر رسول V پر حضرت حسانؓ کے بیٹھنے کی بات بالکل غلط ہے۔ اس کو ذہن سے محو کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں حضور اکرم V کی بے ادبی کا پہلو ہے۔ (رشید وارثی، ص ۳۵۵)

خالق اور مخلوق کا باہمی تعلق: ایک نقطۂ نظر کی اصلاح:

''نعت رنگ'' کے تازہ شمارے کے جن مشمولات سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں ان میں پروفیسر اقبال جاوید صاحب کا مضمون ''ظہورِ قدسی اردو نعت کے آئینے میں'' بھی ہے۔ موصوف کے مضامین میں ایک فکری تنوع ہے۔ وہ لفظوں سے کھیلنے کا فن خوب جانتے ہیں۔ جدتِ تراکیب ان کی تحریر کا ظاہری وصف خاص ہے۔ بعض جملے اور ترکیب تو بوسہ گاہِ نظر بن جاتی ہیں لیکن کبھی کبھی اس کھیل میں کہیں کہیں توازن فکری بگڑتا ہے تو پھر قلم بے آبرو ہو جاتا ہے اور تحریر بے وقعت،

اسلام' بھی تصنیف ہوئی ہیں۔ مگر' مسدس مدو جزرِ اسلام' خواجہ الطاف حسین حالی نے بحر متقارب مثمن سالم میں لکھا ہے جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

صاحبِ مضمون کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ انھوں نے مسدسِ حالی کو بھی بحر ہزج سالم ہی میں بتایا ہے۔ جنگ نامہ سے انھوں نے یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

فقط وہ ملہم ازلی حقیقت دانِ او ادنیٰ کہ جس کی تفسیر ہے اک آدم الاسما

لفظ اَزَلی میں تو خیر تین متحرک میں دوسرے کو ساکن کرنے کی اجازت دی گئی ہے مگر دوسرے مصرعے کا کیا ہوگا؟ (طلحہ رضوی برق، ص ۵۶۵)

ظہیر صاحب نے اپنے مضمون میں رسول اکرم V کی شان میں گستاخی کے پہلو پر بحث کرتے ہوئے مولانا حالی کی ''مسدس'' کا ایک شعر صفحہ نمبر 136 پر درج کیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ مولانا حالی (خدانخواستہ) حضور V کا موازنہ عام انسان سے کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا حالی نے بند نمبر 33 سے 38 تک تعلیم توحید کے سلسلے میں حضور سرورِ کائنات V کے ارشادات کو نظم کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کار خداوندی میں نہ رسول مداخلت کر سکتے ہیں اور نہ کوئی عام انسان۔ چناں چہ اس مقام پر دونوں برابر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ رسول، اللہ کی اجازت سے گناہ گاروں کے شفیع ہوں گے۔ ظہیر صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مسدس کے ان اشعار کو غور سے پڑھ لیتے۔ (امیر الاسلام صدیقی، ص ۲۲۸)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور منبر رسول: ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آج روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے ادبی صفحہ پر ''اردو نعتیہ شاعری اور عصری تقاضے'' کے عنوان سے شائع ہونے والی پروفیسر حفیظ تائب صاحب کی تحریر نظر سے گزری، جس میں یہ پیراگراف شامل ہے۔ ''سب سے پہلے انھوں نے شاعر دربار رسالت حضرت حسانؓ ابن ثابت کے رہنمایانہ کردار کو یاد کیا ہے۔ جنھیں اس وقت منبر رسول V پر بیٹھ کر مدحِ رسول V کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جب منعوتِ ہر جہاں فرش زمیں پر جلوہ گر ہوئے۔''

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، حفیظ تائب صاحب سے سخت مغالطہ ہوا ہے۔ دیگر واعظوں کی طرح وہ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت حسانؓ منبر رسول V پر بیٹھ کر

کے مصنف نہیں تھے۔ان کے دو صاحب زادگان کے بارے میں ضرور بعض لوگوں نے دبی زبان سے کہا ہے کہ ان کی کتابیں ان کی اپنی تصنیف نہیں ہیں۔لیکن یہ بھی محض افواہ ہے اور بہر حال دلیل کے بغیر ایسی بات نہ کہنی چاہیے تھی۔(شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۵۱۳)

ثانوی ماخذ کا استعمال: تحقیق کی معذوری؟

جناب عزیز احسن نے اپنے مضمون ''نعت اور تصور مقصود کائنات'' کے آخر میں ایک حدیث کے دو مختلف متون پیش کیے ہیں اور دوسری حدیث کے نیچے بطور حوالہ ''کشف المحجوب'' (اردو ایڈیشن) کا ذکر کیا ہے۔کیا ہی بہتر ہوتا کہ وہ حدیث کا حوالہ حدیث ہی کی کتاب سے پیش کرتے، کیوں کہ علم و تحقیق کا تقاضا یہی ہے اور پھر احادیث کشف المحجوب کی تو تخریج بھی ہو چکی ہے۔حدیث کے متن کی تصحیح فرما لیجیے۔''لاتجمع'' نہیں بلکہ ''لاتجتمع'' حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ابن ماجہ الفلق رقم: ۳۹۴۰، ترمذی: الفتن، رقم: ۲۰۹۳، (محمد شہزاد مجددی، ص ۵۳۵)

متروکات:

ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر نے اپنے تبصرے میں متروک افعال کے حوالے سے بھی راجہ رشید محمود کے نعتیہ اشعار پر لسانی گرفت فرمائی ہے۔اس سلسلے میں لسانیات کے حوالے سے اصولی گفتگو تو راجہ رشید محمود نے اپنے تجزیے میں کی ہے۔لیکن میری حیرت کا باعث تو راجہ رشید محمود کے شعر میں ''رہے ہے'' پر متروک کا دعویٰ دائر کرنے والے ڈاکٹر گوہر کا یہ شعر ہے: (مشمولہ مجلّہ ''ثنا خوانِ محمدؐ'' ص ۶۲ مطبوعہ، کراچی)

روز یہ دل ترا انداز نیا مانگے ہے ہر گھڑی ناز و ادا تیرے جدا مانگے ہے

موصوف کا یہ شعر دیکھ کر بے ساختہ فارسی زبان کا یہ مقولہ یاد آیا:

من نہ کردم شما حذر بکنید (ملک اظفر سہسرامی، ص ۸۴۴)

عبدالعلیم آسی کا ایک متنازعہ شعر:

اس وقت میرے زیر نظر جناب ظہیر غازی پوری صاحب کا مضمون ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' ہے۔اس مضمون میں انھوں نے کئی نعت گو شعرا کے نعتیہ اشعار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، جن میں حضرت شیخ محمد عبدالعلیم آسی غازی پوری علیہ الرحمہ کا ایک عارفانہ شعر ص ۱۲۸ پر یوں نقل

مطالعے کے دوران ایک جملے پر نظر رُکی اور ذوقِ ایمانی کو ٹھیس لگی:

حق یہ ہے کہ ثنائے رسول V ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر اور ایک ہی بات کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ (''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۶، ص ۵۳)

میرے ناقص خیال میں اللہ فرشتے اور عبد کی یہ تثلیث (اصطلاحی معنی میں نہیں) اصلاح طلب اور قابلِ گرفت ہے۔ اللہ فرشتے اور بندے کو ایک سطح پر لا کر اور ایک بات کا آرزو مند بنا کر کس اسلامی فکر کا ثمرہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہ جملہ اگر کسی اور طبقے کی جانب سے منظرِ عام پر آیا ہوتا تو پتا نہیں کتنی قیامتیں اُٹھادی گئی ہوتیں۔

بعض مقامات پر تو ناروا نبوت کا ڈانڈا الوہیت سے ملانے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو عبدیت کا ڈانڈا الوہیت سے ملتا نظر آ رہا ہے اگر نہیں تو تشفی فرمائی جائے۔ محقق موصوف نے موضوع کی مناسبت سے جن اشعار کا انتخاب فرمایا ہے اس سے ان کی ژرف نگاہی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ بعض اشعار تو ''از دل خیزد بردل ریزد'' کی منزل میں ہیں۔ (ملک الظفر سہسرامی، ص ۸۴۷۔۸۴۵)

استمداد، استعانت کا تصور اور ڈاکٹر یحییٰ نشیط:

ص ۵۶۵ پر نشیط صاحب نے استمداد اور استعانت کے خلاف مفتی سعودی عرب عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ یہ بن باز صاحب وہی ہیں جنھوں نے سرکارِ دوعالم، نورِ مجسم V کے والدین کریمین کو معاذ اللہ کافر قرار دیا تھا۔ یہ اور اس جیسے فتوؤں کے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ موصوف بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی محروم تھے۔ نشیط صاحب کے اور بھی کئی تسامحات ہیں بلکہ الزامات ہیں۔ طوالت سے ڈرتے ہوئے ان پر کچھ نہیں لکھ رہا البتہ علامہ کوکب نورانی صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ نشیط صاحب کی اصلاح فرمائیں۔ (حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری، ص ۲۹۶)

نواب صدیق حسن خاں کی تصنیفی زندگی: حقیقت یا افسانہ:

اسی طرح صفحہ ۴۱۴ پر ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ نواب صدیق حسن خاں کی کتابیں ان کی اپنی تصنیف نہیں ہیں۔ ان کے تمام معاصرین اور فوراً بعد آنے والے تمام علما نواب صدیق حسن خاں کے معترف اور ثنا خواں ہیں اور کسی نے کبھی یہ نہیں اشارہ کیا کہ وہ اپنی کتابوں

اس کے علاوہ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''فصوص الحکم'' میں نظریۂ ''وحدۃ الوجود'' کا جو خاکہ بیان فرمایا ہے اسے تمام سلاسل طریقت کے صوفیائے کرام واولیائے عظام نے تسلیم کیا ہے اور اس مسلک کے حامی اولیاء اللہ نے اللہ ربّ العزت کو ''وجودِ مطلق'' یعنی واجب الوجود قرار دیا ہے۔

مسلمان متکلمین میں جو علم الکلام و فلسفہ اور منطق کے امام گزرے ہیں، انھوں نے بھی اس باب میں اپنی کتب میں کافی وضاحتیں اور مثالیں تحریر فرمائی ہیں، مثلاً اگر زمین پر کئی برتنوں میں پانی بھر کر رکھ دیا جائے یا بہت سارے آئینے رکھ دیے جائیں تو ہر برتن اور ہر آئینے میں دن کے وقت سورج کا عکس نظر آئے گا لیکن آسمان سورج سے خالی نہیں ہوگا۔

اس طرح اگر رحمٰن اپنے محبوب مکرم V کو اپنی صفات کا مظہر بنائے اور اس مقدس ہستی سے اپنی صفت رحمت کے انوار وتجلیات کو منعکس کرے تو عرش الٰہی بھی اُس کے انوار وتجلیات سے خالی نہ ہوگا۔ لہٰذا زمانۂ حال میں دونوں مصرعوں میں لفظ ''ہے'' کا استعمال درست ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی عام ناقد یا مبصر اپنے مبلغ علم کے مطابق کسی عارف کامل کے کسی قول وفعل کی تشریح کرے گا تو نظریۂ ''وجود الوجود'' سے ناواقفی اور اس کی تشریح سے لاعلمی کی بنا پر غلطی وخطا کا مرتکب ہوگا اور اُسے عالم جذب وسکر کی شطحیات ہی سمجھے گا۔

اس لیے میری گزارش ہے کہ مستند ومقبول اور مشہور اولیاء اللہ عارفین کاملین کے اقوال وافعال اور احوال واسرار پر تنقید یا تبصرہ کر کے عوام الناس سے دادو تحسین وصول کرنے کے بجائے ایسے مضامین سے ''نعت رنگ'' کو مزین کیا جائے۔ جنھیں پڑھ کر اولیاء اللہ کے عقائد ونظریات سے متنفر ہونے کے بجائے اُن سے عقیدت ومحبت کے جذبات پروان چڑھیں۔ وہ علوم ومعارف جنھیں اکابر اولیاء اللہ نے اسرار الٰہی کے زمرے میں رکھا ہے اور جن کے افشا کرنے کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری میں ''قطع ھذا لبلعوم'' (یہ گلا کاٹ دیا جائے) یا حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت میں ''کلم الناس علی قدر عقولھم اتریدون ان یکذب اللّٰہ و رسولہ'' (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے) کے الفاظ وارد ہیں انہیں عامیانہ انداز میں عوام الناس تک نہ پہنچایا جائے تاکہ وہ انھیں غلط سمجھ کر گم راہ نہ ہوں یا ان کی تکفیر کر کے خود موجب عذاب نہ ہوں۔ قدیم کتب فقہ میں بعض مسائل کے بارے میں ظاہری علم شریعت کے باوجود یوں ممانعت ہے کہ ''یہ

کیا گیا ہے:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہوکر

دراصل یہ شعر ''دیوانِ آسی'' المعروف بہ عین المعارف مؤلفہ حضرت سیّد شاہد علی رشیدی علیہ الرحمہ مطبوعہ گورکھ پور بار دوم، ص ۴۱ پر اس طرح سے تحریر ہے:

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہوکر اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفا ہوکر

محترم جناب ظہیر غازی پوری صاحب کے مضمون کے علاوہ جناب ڈاکٹر اسمٰعیل فتح پوری صاحب نے بھی اپنے مضمون ''نعت کے موضوعات'' میں اس شعر کو بھی نشانۂ تنقید بنایا ہے۔ مگران کے مضمون میں ص ۱۱۵ پر یہ شعر درست نقل ہوا ہے۔ خواہ پہلے مصرعے میں لفظ ''تھا'' رکھ کر شعر سمجھنے کی کوشش کی جائے یا لفظ ''ہے'' رکھ کر، ہر دو صورت میں شعر کا صحیح مفہوم وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولیاء اللہ کے فیضانِ نظر سے عقیدت ومحبت کا نور اور حسن نظر عطا کیا ہو۔ جو شخص اولیاء اللہ کی صحبت سے فیض یاب نہ ہوا ہو اور جسے ان کے صدقے سے احوال و مقامات اولیاء اللہ کا علم وشعور اور ادراک وعرفان حاصل نہ ہوا ہو وہ صرف عقلی وخیالی گھوڑے دوڑاتا رہے گا۔ مگر اُسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ایک نابالغ کسی بالغ کے جذبات اور اس کی کیفیات کا ادراک نہیں کرسکتا بالکل اسی طرح سے کوئی ظاہر بین عام انسان، اولیاء اللہ (جو اصحاب کشف و شہود، ارباب قلب وروح، مقربین بارگاہِ الٰہی اور متمکن علی عین الیقین وحق الیقین ہیں) کے احوال و مقامات کا ادراک نہیں کرسکتا اور اسی طرح اولیاء اللہ بھی، انبیا و رُسل علیہم السلام کے احوال و مقامات اور اسرار کا ادراک یا احاطہ نہیں کرسکتے۔ ہر عارفِ حق، اللہ تبارک وتعالیٰ کا اتنا ہی عارف ہوتا ہے جتنی کہ اللہ ربّ العزت نے اُسے اپنی معرفت عطا کی ہوتی ہے۔

وہ سالکانِ راہِ طریقت جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا قرب عطا فرمایا جب ذکر عروج کے ذریعے سیر الی اللہ کرتے ہیں تو انھیں عرشِ معلّٰی پر ''الرحمن علی العرش استوی'' [۱] کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور جب وہ وہاں سے ذکر نزول کے ذریعے سیر من اللہ کرتے ہیں تو مدینہ منورہ میں انھیں ''وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین'' [۲] کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس روحانی سفر میں تلمیذ رحمٰن شاعر کو جو تجلی دونوں مقامات پر مشترک نظر آتی ہے وہ صفت ''رحمت'' کی تجلی ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

دے تو ہمارے رسول V کو تو ۷۳ میں سے ۷۲/ اسمائے اعظم عطا ہوئے تھے۔

صفحہ ۳۸۳ پر آیت ''و کل شیء احصینہ فی امام مبین'' [۲] کا ترجمہ لکھا ہے۔ ''اور ہم نے ہر شے کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کر رکھا ہے۔'' یہاں امامِ مبین کا ترجمہ لوحِ محفوظ بتایا گیا ہے جو کسی طرح بھی عقل میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ''مبین'' یعنی روشن (کھلا ہوا) اور ترجمہ ہے ''محفوظ'' (یعنی پوشیدہ) یعنی بالکل ہی برعکس۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب قبلہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ''اور ہم نے ہر چیز کو ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' یہاں بھی امامِ مبین کے معنی ''کھلی کتاب'' لیے گئے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں۔ کسی نے لوحِ محفوظ ترجمہ کر دیا ہے تو کسی نے ''کھلی کتاب'' یہ لفظ ''امام'' سے کترانا کیسا؟ اصل میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی امامِ مبین سے مراد ہے امامِ مبین اور کچھ نہیں یعنی ''کھلا پیشوا''۔

کچھ اور تراجم ملاحظہ ہوں:

علامہ ذیشان حیدر جوادی: ''اور ہم نے ہر شے کو ایک روشن امام میں جمع کر دیا ہے۔''

مولانا سیّد فرمان علی صاحب: ''اور ہم نے ہر چیز کو ایک صریح و روشن پیشوا میں گھیر دیا ہے۔''

مولانا سیّد مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی: ''اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین میں (از روئے علم و شمار) جمع کر لیا ہے۔''

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن تو ہے ثابت اور جب تک قرآن کی آیات کو شانِ نزول اور متن کے حوالے (with reference to the context) کو سامنے رکھ کر ترجمہ اور تفسیر نہ کریں گے لازماً غلطی کا ارتکاب ہوگا۔ ہمارے اکثر علما شانِ نزول اور متن کے حوالے کے بغیر ترجمہ یا تفسیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

آیئے اب حدیثوں کی طرف رجوع کرتے ہیں:

۱۔ معانی الاخبار میں جناب امام محمد باقرؑ سے روایت اپنے والد ماجد اور جد امجد سے منقول ہے: ''جب رسولِ خدا V پر آیت کل شی احصینہ فی امام مبین نازل ہوئی تو حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کی ''یارسول اللہ V آیا امام مبین سے مراد تورات ہے؟'' فرمایا ''نہیں'' انھوں نے عرض کی ''پھر انجیل ہے؟'' فرمایا ''نہیں'' پھر ان دونوں نے عرض کی ''آیا قرآن ہے؟'' فرمایا ''نہیں''۔ اتنے میں جناب

مسئلہ جاننے کا ہے بتانے کا نہیں ہے۔ (ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی، ص ۸۶۸-۸۶۶)

رسول اکرم V اور علم غیب:

موصوف (کوکب نورانی) نے علمِ غیبِ رسول V کے بارے میں بھی جو قرآنی آیات پیش کی ہیں وہ تھوڑی سی دلچسپی رکھنے والے کے علم میں ضرور ہوں گی اور یہ آیات بھی حضور V کا علمِ غیب ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ آں حضور V نے جو بے شمار پیشین گوئیاں کی ہیں (مثلاً عمارؓ بن یاسرؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا وغیرہ) جو بعد میں سچ ثابت ہوئیں، ان کے آئندہ واقعات کے علم کا ثبوت ہیں اور ان کا یہ فرمانا کہ ''میں جانتا ہوں کہ کس کا باپ کون ہے'' بتاتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ رازوں کا بھی علم عطا فرمایا تھا اور یہی علمِ لدنی ہے۔ تاہم میرے کچھ معروضات ہیں جو درج ذیل ہیں: صفحہ ۳۸۰ پر جو آیت (و علمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما۔ ''اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے'') درج ہے۔ اس آیت کے تحت تفسیرِ خازن کے حوالے سے لکھا ہے، ''یعنی احکام اور امورِ دین اور کہا گیا ہے کہ آپ کو سکھا دیا اس علمِ غیب میں سے جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو امورِ مخفیہ، دلوں کے راز، منافقین کے احوال اور ان کی مکاریوں کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔''

میری گزارش یہ ہے کہ مفسر نے ان کے بیان کے مطابق صرف چار علوم یعنی (۱) امورِ مخفیہ (۲) دلوں کے راز (۳) منافقین کے احوال (۴) اور ان کی مکاریاں تک ہی کیوں محدود کر دیا ہے، جب کہ آیت میں ایسی کوئی حد (Limit) نہیں ہے۔

آیت پر غور کریں، ''جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے'' وہ سب کچھ کا علم عطا کیا گیا ہے۔ مزید برآں آیت کا آخری حصہ ''اور آپ پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے'' اس کی مزید تائید کرتا ہے کہ آپ کو تمام علوم عطا فرمائے گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمام علوم میں ہر علم شامل ہے جیسے علمِ فلکیات، علمِ طبیعیات، حیاتیات، ارضیات اور کیمیا وغیرہ تو قابلِ گرفت نہ ہوگا۔ یعنی اگر آئن اسٹائن اُس وقت ہوتا تو حضور V سے سبق لیتا۔ ''سکھا دیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے'' سے تو اعلانیہ یہی مطلب نکلتا ہے بلکہ اس میں تحت الارض کا علم بھی شامل ہے۔ اگر آصف بن برخیا جس کو صرف ایک اسمِ اعظم عطا ہوا تھا۔ یہ کر سکتا ہے کہ پلک جھپکنے میں ملکہ سبا کو مع تخت عدن سے شام تک پہنچا

جی خوش ہوا۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اللہ تعالیٰ مرزا صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے انھوں نے اس مسئلے پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اور اس پر اضافہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ صلاح الدین پرویز صاحب اور جیلانی کامران صاحب کے خیالات سے آگاہی کے بعد ایک نیا پہلو اس عاجز کے ذہن میں ابھرا ہے۔ وہ پیش خدمت ہے۔

چوں کہ پرویز صاحب اور کامران صاحب دونوں اردو ادب کی جانی پہچانی شخصیات ہیں اور عام قاری نہیں تو کم از کم ادبی حلقے ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتے ہیں لہٰذا بہتر ہوگا ان حضرات کے خیالات کی تہہ میں اور تحریر کے بین السطور جو پیغام مستور ہے اسے عیاں کر دیا جائے تاکہ قارئین بالخصوص راسخ العقیدہ مسلمان قارئین چند حقائق سے آگاہ رہ کر ان حضرات کی تحریروں سے لطف اندوز ہوں اور اگر اس میں کہیں شر یا شرارت کا پہلو ہو تو اس سے کما حقہٗ بچیں۔

اس ضروری تمہید کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۰۸ء) کے خیالات و تعلیمات سے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

غالباً عام مسلمانوں کے علم میں ہوگا کہ موصوف نے نہ صرف نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے سے بھی (نعوذ باللہ۔ نقل کفر کفر نباشد) انکار کر دیا تھا اور باوجود اس کے کہ اس ضمن میں کسی بحث کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے بعد نہ صرف نئی شریعت بلکہ نبوت کا دروازہ بھی قیامت تک بند ہو چکا ہے (اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام بھی قیامت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بن کر تشریف لائیں گئے) مرزا قادیانی صاحب نے ان تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا جو ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان نہیں لاتے۔

یہی نہیں مرزا قادیانی صاحب نے ۱۸۹۱ء کے لگ بھگ مہدی اور مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ اگرچہ ان کا انتقال ہیضے سے ہوا تھا لیکن موصوف نے نہ صرف مہدی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا بلکہ غالباً سکھوں اور ہندوؤں کی ہم دردیاں حاصل کرنے کے لیے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ وہ گرو گوبند سنگھ (سکھوں کے دسویں گرو) اور مہاراج کشن (ہندوؤں کے نزدیک خدا کے اوتار) بھی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ رجعون۔ گویا ہندو مت کا نظریہ تناسخ یا آواگون (اور جسے انگریزی میں Transmigration Of Soul اور re-incarnation کہتے ہیں) بھی اپنا

امیر المومنین (حضرت علیؑ) تشریف لے آئے۔ آں حضرت V نے فرمایا دیکھو وہ امام جس میں خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے علم کا احصا فرما دیا ہے۔

۲۔ احتجاج طبرسی میں جناب رسولِ خدا V سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''اے گروہِ انسان کوئی علم ایسا نہیں ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمایا ہو اور میں نے علیؑ کو نہ سکھا دیا ہو۔''

۳۔ تفسیر قمی میں جناب امیر المومنین سے منقول ہے کہ ان حضرت نے خود فرمایا کہ واللہ وہ امامِ مبین میں ہوں۔ حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ جنابِ رسولِ خدا V سے وراثتاً پایا ہے۔ (سید ہاشم حسین، ص ۸۹۴۔۸۹۲)

سرقہ:

بطورِ جملہ معترضہ، یہ بات عرض کر دوں، میں نعت پر ۱۹۷۶ء سے کام کر رہا ہوں۔ میرا مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' ۱۹۸۲ء میں داخل ہو چکا تھا، جو لکھنؤ یونی ورسٹی کے تھیسس سیکشن میں محفوظ ہے۔ ''اُن صاحب'' کا مضمون ''نعت رنگ'' نمبر ۵ دوسرے نمبر پر ''اردو نعت گوئی کے موضوعات'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ مضمون پورا کا پورا میرے مقالہ سے ادنیٰ تصرف کے ساتھ مستعار ہے۔

میرا اپنا مضمون جو ان کے بقول ''نعت رنگ'' کے گیارھویں نمبر میں مشمول ہے، میرے اپنے مضمون سے تھوڑا بہت ماخوذ ہے۔ بیش تر حصہ جدید ہے، کیوں کہ اس میں جن چند کتابوں پر تبصرے بطور استشہاد ہے، وہ مقالہ کی ترتیب اور اس کی اشاعت تک راقم کے نظر نواز نہیں ہوئی تھیں۔ واضح ہو کہ میرا مضمون میری جس کتاب سے ماخوذ ہے وہ بیس سال قبل کی مکتوب ہے۔ (محمد اسماعیل آزاد، ص ۱۰۷۔۱۰۶)

''نعت رنگ'' کے شمار: ۱۹ پر ہونے والے مذاکرے میں بہت سی حیرت انگیز باتوں کا انکشاف دیکھنے کو ملا خصوصاً مولوی فیروز الدین (فیروز سنز) والے کے بارے میں کہ کس طرح انھوں نے فیروز دین ڈسکوی کی محنت پر ہاتھ صاف کیا۔ (احمد صغیر صدیقی، ص ۸۰۔۷۹)

صلاح الدین پرویز اور جیلانی کامران کے مذہبی خیالات پر تحقیقی نظر:

لفظ ''نعت'' کے استعمال کے سلسلے میں محترم مبین مرزا صاحب کی تحریر نظر سے گزری،

اے کا نمونہ پہلے سے موجود ہے جس سے ان نمونوں کا تقابل کیا جا سکے)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ قطع نظر اس امر سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اور حقیقت آسمانوں پر زندہ ہیں، اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ آپ کا انتقال ہوگیا تھا تو انھیں بیت المقدس سے نکل کر کشمیر جیسے پہاڑی، دشوار گزار اور دور افتادہ مقام پر آنے کی کیا ضرورت تھی؟ بات یہ ہے کہ امریکی ان قادیانیوں کے اس عقیدے کے تصدیق کرنا چاہتے ہیں تاکہ جھوٹے نبی کے مسیح ہونے کے دعوؤں کو سچ مان کران کی قبر کی پبلسٹی کی جاسکے۔

دراصل یہ حضرات شروع ہی سے انگریزوں کے ایجنٹ رہے اور غالباً انھی کے اشارے پر مرزا قادیانی نے جہاد کی بڑی شدومد سے مخالفت کی۔ کیوں کہ علمائے حق نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا تھا اور آزادی سے قبل کے ہندوستان میں بھی انگریزوں کے لیے یہ خطرہ موجود تھا۔ آج بھی جھوٹے نبی کے پیروکاروں کا مرکز لندن میں ہے۔

بہر حال، اردو ادب کے تمام قادیانیوں، احمدیوں اور ''لاہوریوں'' (اس سے مراد مولانا محمد علی لاہوری کے پیروکار ہیں) سے گزارش ہے کہ اپنے چہرے سے نقاب اتار کر کھلم کھلا سامنے آئیں۔ تاکہ ''اردو ادب کی ترقی میں قادیانیوں کا حصہ'' کے موضوع پر کوئی احمدی مقالہ لکھ کر کوئی ڈگری وغیرہ حاصل کر سکے۔

ع خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

چلتے چلتے دونوں محترم اہل قلم سے (اہل علم تو کہنا مشکل ہے) عرض ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں بھیجے لیکن قرآن میں ''پچیس چھبیس'' ہی کا ذکر ملتا ہے۔ اور ان کے علاوہ چند ایک کے بارے میں علماء بھی متذبذب ہیں۔ اور جب تک بقیہ کے بارے میں کوئی واضح ثبوت نہ ہوں کسی مشرک کو نبی کہنا اللہ کے ربّ العالمین ہونے کا اعتراف نہیں اپنی نادانی اور نبوت کے عظیم مقام نہ سمجھ سکنے کی جہالت کا اعتراف اور اعلان ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ (ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ص ۳۶۸۔۳۶۶)

نعتیہ ادب: موضوعات کی چند جہتیں:

آپ نے ہندوپاک کی جامعات کو نعت پر تحقیقی کام کرنے کے لیے جو فہرست دی تھی، یقیناً وہ ہمارے پی ایچ۔ ڈی اسکالرس اور پروفیسرس کی رہنمائی کر سکے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی طے ہے

لیا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ سراسر غیر اسلامی عقائد ہیں اور نعوذ باللہ اگر نبی ہونے کے دعویدار تھے تو کم ازکم اسلامی عقائد تک ہی محدود رہتے۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ کرشن بت پرست تھا اور بت پرستوں کا جھوٹا خدا یا ان کے جھوٹے خدا کا اوتار تھا۔ جب کہ کبھی کوئی نبی بت پرست نہیں رہا۔ کیوں کہ حضرت آدم علیہ اسلام سے لے کر آخری نبی V تک تمام انبیا نے بنیادی طور پر ایک ہی دین یعنی ایک سچے رب کی تعلیمات کو پھیلایا لہذا کوئی بت پرست، کوئی شرک، کوئی کافر، کوئی وحدانیت کا منکر نہ تو نبی ہوسکتا ہے۔ نہ نعوذ باللہ ''اگلے جنم'' میں دوبارہ نبی بن سکتا ہے۔

معافی چاہتا ہوں کہ تمہید کے بعد یہ عرض ذرا طویل ہوگئی لیکن ناگریز تھی۔ التماس یہ ہے کہ اگر محترم جیلانی کامران صاحب (اور صلاح الدین پرویز صاحب بھی) کافر و مشرک کرشن کو نعوذ باللہ قادیانیوں کی طرح نبی سمجھتے ہیں تو بہتر ہوگا کو وہ اپنے بقیہ عقائد کا بھی اعلان کردیں اور قارئین بھی خبردار رہیں کہ شعروادب کے پردے میں کون ان کے دین وایمان کی دولت بے بہا پر ڈاکے ڈالنے کی سازش کررہا ہے۔

چوں کہ مرزا قادیانی کا ذکر نکلا ہے تو یہ وضاحت کردی جائے کہ ان کے قریبی ساتھی محمد علی لاہوری (۱۸۷۴ء۔۱۹۵۱ء) نے (اور ان کے پیروکاروں نے بھی) پوری کوشش کی ہے کہ کسی طرح یہ ثابت کردیا جائے کہ مرزا قادیانی نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن خود قادیانی صاحب کی کتابوں میں اپنی نبوت کے واضح دعوے اور دلائل ملتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ محمد علی لاہوری نے مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد خلیفہ نہ بنائے جانے پر اور پھر دوبارہ ایسا موقع آنے پر بھی خلیفہ نہ بنائے جانے پر احمدیہ جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی اور لاہوری گروپ کی بنیاد رکھی۔

ایک مزے کی بات اور قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے تھے (جبکہ قرآن میں واضح طور پر ہے کہ اللہ نے انھیں زندہ اوپر اٹھالیا تھا اور نہ قتل کیے گئے نہ مصلوب ہوئے) اور بقول ان کے قبر کشمیر میں کہیں ہے۔ ابھی حال ہی میں آپ نے شاید اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ کوئی امریکی محقق اور سائنس داں کشمیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر دریافت کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور کسی مزار کے قریب سے مٹی کے نمونے بھی لے گئے ہیں تاکہ ان کا ڈی این اے (DNA) چیک کرکے اس امر کی تصدیق کی جاسکے کہ وہ قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے یا نہیں (گویا نعوذ باللہ ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ڈی این

چاہیے کہ وہ اب ان پر ایک اور مضمون لکھیں۔ (احمد صغیر صدیقی، ص ۵۱)

(۲) جناب گوہر ملسیانی نے ''تذکرہ نعت گویانِ بہاول پور'' لکھ کر سب کو راستہ دکھایا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے مضامین ہر شہر کی طرف سے لکھے جائیں۔ (احمد صغیر صدیقی، ص ۷۶)

(۳) جس طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی اچھا غزل گو غزل کے تاریخ اور فنی ارتقا سے ماہرانہ واقفیت رکھتا ہو، اُسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی اچھا نعت گو، نعت گوئی کے تاریخی وفنی ''اسرار و رموز'' سے پوری طرح آشنا ہو لیکن آپ پر اس اُصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ آپ ماشاءاللہ بیک وقت اچھے نعت گو بھی ہیں اور نعت گوئی کی تاریخ اور فن پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ نوعمری ہی میں ان اوصاف سے متصف ہیں۔ اس لیے جی چاہتا ہے کہ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر اُردو نعت کے اس ذخیرے کو منظرِ عام پر لائیں جو عام نگاہوں سے اوجھل ہے۔

اُردو نعت کا وہ ذخیرہ جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آیا، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں صورتوں میں برِّصغیر کے کتب خانوں میں مدفون ہے۔ آپ کو ان کتب خانوں میں بہت سے مطبوعہ نعتیہ دیوان ایسے ملیں گے جن سے عام اہلِ ادب واقف نہیں ہیں، مثلاً انجمن ترقی اُردو کراچی، کتب خانۂ خاص میں نعت کے مطبوعہ دیوان خاصی تعداد میں ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کا ذکر نعت سے متعلق کسی تحقیقی وتنقیدی جائزے میں نہیں ملتا۔ ایسے دیوانوں اور ان کے مصنفوں کو متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ بعض کتب خانوں میں غیر مطبوعہ یعنی قلمی نعتیہ دیوان بھی موجود ہیں، اُن پر بھی تحقیقی کام ہونا چاہیے۔ غزلوں کے مطبوعہ اور قلمی دیوانوں سے بھی نعتوں کی بہت بڑی تعداد دستیاب ہوسکتی ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اُردو کے بے شمار شاعروں کے دواوین ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ تقریباً ہر دیوان میں دو چار اور بعض میں خاصی تعداد میں نعتیں ملتی ہیں۔ مثنویوں کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخوں میں بھی آپ کو نعت کا خاصا سرمایہ ملے گا۔ ہر مثنوی نگار اپنی مثنوی کا آغاز حمد و نعت سے کرتا ہے۔ اگر مثنویوں کے نعتیہ حصوں کو الگ کرلیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ پاکستان میں قلمی کتابوں کے بڑے ذخیرے انجمن ترقی اُردو کراچی، قومی عجائب گھر کراچی اور پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور میں ہیں۔ کوئی ایسا منصوبہ بنائیے کہ ان ذخیروں میں موجود نعتیہ ادب کو شائع کیا جاسکے۔

کہ اردو کے بعض گائیڈس ایسے بھی ہیں جو ایسے موضوعات کو تحقیق کے لیے پسند نہیں کرتے۔ ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری نے ،عرصہ ہوا اس جانب توجہ مبذول کروائی تھی۔ مگر شاید ہماری بے حسی کی وجہ سے ان کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ پھر بھی ان کی کاوشوں سے کانپور اور اس کے اطراف کی جامعات میں حمد و نعت پر بہت کام ہوا۔ اپنی اس محنت پر عنداللہ وہ ماجور ہوں گے۔ آپ کی فہرست کے علاوہ محترم ریاض مجید کا مضمون بھی تحقیقِ نعت میں راہ نمائی کر سکتا ہے۔ میں نے نعت رنگ کے گزشتہ شماروں میں بعض ایسے مضامین سپردِ قلم کیے تھے جو اپنی جگہ نعتیہ تحقیق کے مستقل موضوع بن سکتے ہیں۔ مثلاً اردو میں معراج ناموں کی روایت، منظوم سیرت نگاری، نور ناموں کی روایت، نعت نگاری میں اسطوری فکر، قصیدہ بردہ کے منظوم ترجم کا تقابلی جائزہ وغیرہ۔ چند برس قبل امریکہ میں مقیم محترمہ نیر جہاں معروف بہ 'اردو آپا' نے ''عالمی زبانوں میں نعت کا سرمایہ'' کے ایک پروجکٹ پر کام کرنا شروع کیا تھا۔ انھوں نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں نعت کے سرمایہ کو جمع کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔ میں نے بنگالی، ملایلم کنڑ، راجستھانی، مراٹھی، ہندی، گجراتی، کشمیری، اڑیا، تیلگو اور بعض لوک ادب کی نعتیں ترجمے کے ساتھ انھیں ڈاک سے بھیج دی تھیں۔ آپا نے بھی فرنچ، انگریزی، جرمن، عبرانی، جاپانی، براعظم افریقہ کی زبانوں اور بولیوں میں لکھی گئیں نعتوں کا وافر حصہ اور قطب شمالی کے قریب ترین علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں میں لکھی گئی نعتوں کا ذخیرہ جمع کر لیا تھا لیکن اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے شاید وہ یہ کام مکمل نہ کر سکیں۔ اس دوران ان کے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا تھا اور وہ بالکل نڈھال ہو کر رہ گئی تھیں۔ اگر محترمہ کے اس پروجکٹ پر کام کیا جائے تو ساری دنیا کی زبانوں کا نعتیہ سرمایہ نعت ریسرچ سینٹر میں جمع ہو سکتا ہے۔ (ڈاکٹر یحیٰ نشیط، ص ۵۵۹/۲۸)

(۱) ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد کا مضمون ''نعت کے موضوعات'' نہایت معلوماتی مضمون ہے۔ مگر افسوس انھوں نے آخر میں نہایت اہم موضوعات کی ایک فہرست دے کر انھیں... بغیر کسی نقد و تبصرہ کے چھوڑ دیا ہے حالاں کہ ان پر نقد و تبصرہ کے بغیر یہ مضمون بالکل نامکمل رہ جاتا ہے۔ ذرا ان موضوعات کو دیکھیں:۔

(۱) نبی اکرم V کا سبب تخلیق کائنات ہونا (۲) نبیِ رحمت کا عالم الغیب ہونا (۳) آپ V کا مختار کل ہونا۔ (۴) آپ کا سایہ نہ ہونا (۵) میم کا پردہ (۶) جبریل امین کا آپ کا دربان ہونا... یہ ایسے موضوعات ہیں جو بے حد اہم ہیں جن پر ضرور نقد کی نظر کرنی تھی۔ انھیں

ہر بار کسی ایک مثنوی سے نعت کے اشعار منتخب یا مکمل شکل میں، نعت رنگ کی زینت بنا سکیں تو ہماری یہ کاوش، نعتیہ ادب کے مطبوعہ خزانے میں اضافے کا بھی باعث ہوگی اور تحقیقی آفاق کی وسعتوں کی راہ بھی ہموار کرے گی! (عزیز احسن، ص ۶۸۷۔۶۸۶)

(۵) پھر عرض کر رہا ہوں کہ مستقبل کا کوئی فاضل محقق آپ کے نعت ریسرچ سینٹر کے تعاون سے اگر ان عنوانات پر تحقیق کرلیں مثلاً:

۱) سرکاری و نیم سرکاری جامعات و کلیات (یونیورسٹیز رکالجز) میں نعتیہ تحقیق

۲) پاکستان کے دینی مدارس میں نعتیہ تحقیق

تو اس موضوع پر میری محدود معلومات کے مطابق ابھی بہت تحقیقی کام کی گنجائش اور ضرورت ہے دینی مدارس میں بھی شہادۃ للعالمیہ ردرس نظامی وغیرہ کے آخری سالوں میں مقالات لکھے جاتے ہیں ممکن ہے کہ نعت کے موضوع پر بھی بعض دینی مدارس نے عنوانات تجویز کیے ہوں! اس تناظر میں حمد و نعت کا مجموعی کام بھی سامنے آسکتا ہے اسے بھی شمار کرلیا جائے اور اس کی بھی indexing ہو جائے یہ مفید مددگار ہوگا۔

پیارے بھائی! اگر آپ مسلسل رمستقل ہر نعت رنگ میں تازہ ترین نعتیہ مطبوعات پر ''ریویو سیکشن'' ''Review-Supplement'' آخر میں شامل کرلیا کریں تو اس سے ''نعت رنگ'' کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا اکثر تحقیقی جرائد میں کتب پر تبصرے کا کالم آخر میں شامل ہوتا ہے۔ ماہرین کے تبصروں اور آرا سے بھی قلم و فکر کے نئے زاویے پھوٹتے ہیں ماشاء اللہ! اس شمارہ میں ''حاصل مطالعہ'' کے عنوان سے یہ حصہ شامل ہے ۵۱۴ تا <u>۵۳۰</u> صفحات پر درج ہے بہتر اور واضح ہوگا کہ ہر کتاب پر تبصرہ نئے صفحے سے درج ہو اگر زیر تبصرہ کتب کا Scanned ٹائیٹل کا چھوٹا سا عکس ساتھ دے دیا جائے تو دلچسپی اور توجہ بڑھنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

نعت ریسرچ سینٹر کی خدمات عالیہ کو مزید وسعت دینے کے لیے چند موضوعات پیش خدمت ہیں:

۱) ہر سال کسی سرکاری رنجی جامعہ کے ہال یا آڈیٹوریم میں ''تحقیق و ارتقائے نعت'' یا ''نعت تحقیق و ارتقا کے آئینے میں'' کے عنوان کے تحت کانفرنس کے بارے سوچا جائے۔

۲) سالانہ نعت کانفرنس کا عنوان مخصوص بھی سالانہ مقالات کی نسبت سے رکھا جا سکتا ہے۔

۳) اردو نعت کے ساتھ ساتھ نعت ریسرچ سینٹر کے لیے دیگر زبانوں میں نعت پر فروغِ تحقیق کے لیے دیگر زبانوں کے محققین نعت کے ساتھ بھی روابط استوار کیے جائیں۔

نعتوں کا ایک بہت بڑا خزانہ اُن نعتیہ گلدستوں میں مل سکتا ہے جو گزشتہ صدی کی آخری دو اور موجودہ صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں برِ صغیر کے مختلف شہروں سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ گلدستے بھی آپ کو مختلف کتب خانوں میں مل سکتے ہیں۔ نواب شاہ میں میرے ایک کرم فرما حاجی محمد یعقوب خان خویشگی مرحوم تھے۔ اُن کے پاس گلدستوں کا بڑا عمدہ ذخیرہ تھا۔ اس میں چند نعتیہ گلدستے بھی تھے۔ ان میں ایک ''منشورِ شفاعت'' تھا جو بمبئی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ۱۸۸۸ء کے کچھ شمارے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ''سفینۂ نجات'' نام کا ایک ماہنامہ گلدستہ بھی خویشگی صاحب کے پاس تھا۔ یہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۶ء تک کے متعدد شمارے میں نے دیکھے تھے۔ ان دونوں گلدستوں میں ہر مہینے طرحی نعتیں شائع ہوتی تھیں۔ ہر مہینے مصرع طرح کا اعلان کیا جاتا تھا، برِ صغیر کے تمام شہروں کے شعرا طرحی نعتیں لکھ کر بھیجتے تھے جو شائع کی جاتی تھیں۔ میرے پاس بھی ایک نعتیہ گلدستے ''احسن الکلام'' بمبئی کا پہلا شمارہ ہے جو جمادی الاوّل ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ۳۷ شاعروں کی نعتیں ہیں اور یہ سب غیر طرحی ہیں۔ ایک حمد بھی ہے جو ایک ہندو شاعر منشی بیلی رام رآم کی لکھی ہوئی ہے۔ گل دستوں میں غیر مسلم شعرا کا کلام بھی اکثر شائع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی نعتیہ گل دستے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اگر آپ مختلف کتب خانوں میں نعتیہ گل دستوں کو تلاش کریں اور اُن کی بہترین نعتوں کا ایک انتخاب شائع کر دیں تو یہ بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی۔ اس کام کا ایک ضمنی فائدہ جو بہت بڑا فائدہ ہے، یہ ہوگا کہ بہت سے ایسے شاعر سامنے آئیں گے جنھیں زمانے نے فراموش کر دیا ہے۔ (مشفق خواجہ، ص ۸۰۴۔۸۰۲)

(۴) کل رات تم سے skype پر رابطہ ہوا تو میں نے تمھیں بتایا تھا کہ اب میری یہ کوشش ہوگی کہ قدماء کی کچھ نعتیں تلاش کر کے نعت رنگ میں ایک ایک کر کے شائع کرواؤں تا کہ تذکروں، مثنویوں، دواوین اور دیگر علمی تحریروں میں چھپا ہوا نعتیہ ادب کا خزانہ بھی نعت رنگ میں محفوظ ہو جائے اور اس خزانے کو دیکھ کر اہلِ تحقیق کو مزید تحقیق کرنے کا حوصلہ اور ہمت ہو!

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مرحوم مشفق خواجہ صاحب نے ایک خط میں تمھاری توجہ ''کتب خانوں'' میں محفوظ ایسے نعتیہ خزانے کی طرف مبذول کروائی تھی جو اہلِ تحقیق کی نظروں سے اب تک پوشیدہ ہے۔ ان کی یہ بات میرے دل کو لگی تھی کہ سیکڑوں مثنویاں لکھی گئی ہیں جن میں سے کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان مثنویوں کی ابتداء حمد و نعت ہی سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر ہم

محققِ نعت کا انٹرویو شائع فرمایا جائے!

۱۴) پاکستان کی سرکاری و پرائیویٹ جامعات میں نعت پاک کے موضوع پر لکھے جانے والے معیاری اور مستند مقالات کی طباعت اور وسیع ترسیل کا نعت ریسرچ سنٹر کے فورم سے باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔ اگر ممکن ہو سکے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت مبارک پر تعلیم و تحقیق کے لیے "حسّان فیلوشپ" (سکالرشپ سکیم) کا اجرا فرمایا جائے۔ امید ہے اس میں عاشقانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے حصہ ڈالیں گے۔

۱۵)(ا) نعت رائٹرز (ب) نعت ریسرچرز (ج) نعت ری سائیٹرز

(د) نعت کریکولم/سلیبس ڈیزائنرز (محققین نعت) (نعت خوانان، نعت گویان) (مصنفین نعت) (تدوین کاران/تشکیل کنندگان)

Na'at Reciters	Na'at Writers	Na'at Researcher
	Na'at /Na'at Curriculum Designers	

کے ہر زبان میں الگ الگ فورمز کی تشکیل پر توجہ فرمائی جائے۔

۱۶) ارادے بلند، عزائم پختہ، توکل برخدائے عزوجل، تمنائے نظرِ عطائے مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ یہ امید، خواہش اور سوچ بھی وقت کی ضرورت ہے کہ اِس نعت ریسرچ سنٹر کی چاروں صوبائی صدر مقامات پر ذیلی شاخوں کا قیام بھی عمل میں آئے! (سلیم اللہ جندران، ص ۹۱۰/۲۵۔۹۰۷)

(۶) پاکستان میں تمام زبانوں میں پبلک/پرائیویٹ سیکٹر میں ماسٹر، ایم فل، پی ایچ ڈی درجہ پر جتنے بھی مقالات قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک لکھے جا چکے ہیں اگر ان کا ایک مفصل، جامع انڈیکس کوئی محقق تیار فرما دے تو یہ اس شعبہ میں عظیم خدمت ہوگی۔ لاہور سے ایک فاضل دوست جناب حاجی محمد یوسف ورک صاحب نے نعت مبارک کے موضوع پر پیش ہونے والے مطبوعات کو اپنی مختلف اشاعتوں میں اپنی شاہدرہ نعت لائبریری کی طرف سے شائع فرمایا

۴) نعت مبارک پر تحقیق اور فروغ و ارتقاء کے لیے اِس شعبہ کے اصحاب علم و فن کی مدد سے موضوعاتِ نعت کی فہرست مرتب کروائی جائے۔

۵) شعبہ اسلامیات، شعبہ اردو، شعبہ صحافت، شعبہ عربی، شعبہ انگریزی، شعبہ فارسی، شعبہ سندھی، شعبہ پنجابی وغیرہ میں ماسٹر درجہ، ایم۔فل درجہ، پی۔ایچ ڈی درجہ کے لیے مقالات کے عنوانات عصری تقاضوں کے پیش نظر نعت پر تحقیق کے لیے تجویز کرواتے جائیں۔

۶) الیکٹرونک میڈیا / پرنٹ میڈیا کے کلچرل ونگز کے تحت منعقد ہونے والی محافل نعت کا بھی ریکارڈ مرتب کرنے کے لیے اسائمنٹس لکھنے، مضامین تحریر کرنے کی ترغیب دی جائے۔

۷) سالانہ نعت کانفرنس میں اسلامیات، عربی، صحافت، قرآن و سنت اور لسینگوا ایجز (لسانیات) کے شعبہ جات کے ایسے مبارک نفوس جن کا اِس موضوع کی طرف خوب میلان و رجحان ہو اُن کی مشاورت کے حصول کی سعی و کاوش فرمائی جائے۔

۸) یونیورسٹیز کی سیرت چیئرز کے ساتھ اس سلسلہ میں ربط و مراسلت رکھی جائے۔

۹) ماہرین نصابیات و درسیات کو ماسٹر لیول پر مذکورہ بالا متعلقہ شعبہ جات میں نعت مبارک کے موضوع پر ایک کورس / ایک پیپر تشکیل دینا چاہیے اور ایڈوانسڈ لیول پر بھی یعنی ایم۔فل / پی۔ایچ۔ڈی درجہ بھی کورسز میں اس موضوع کی نمائندگی ہونی چاہیے۔

۱۰) ملکی نصابیات و درسیات کے لیے تدریسی کورسز میں نعت سے متعلقہ مواد کی ترتیب و تدوین کے دوران ''انتخابِ نعت' برائے نصابیات'' پر تحقیقی و فنی مضامین لکھے جانے چاہیں جن میں ضرورتِ نعت، اہمیتِ نعت، کلاس لیول سے متعلقہ موضوعاتِ نعت، کلاس لیول سے متعلقہ ادبی محاسن نعت، کلاس لیول سے متعلقہ منتخب شدہ نعت پر مشقی و امتحانی سوالات کی تیاری وغیرہ جیسے عنوانات پر بھی مقالات تحریر کرنے کی ضرورت ہے اس طرف قدم اٹھایا جائے۔

۱۱) اہلِ ثروت اور اہل دل نعت پاک جیسے مبارک و مستحسن تحقیقی کام کو پروان چڑھانے کے لیے ایسے اداروں کی معاونت کے لیے آگے بڑھیں اور ان اداروں کو بہتر وسائل اور اچھی سہولیات فراہم کرنے کے لیے مساعی فرمائیں۔

۱۲) نعت رنگ پر ریویوز زیادہ سے زیادہ تعداد میں ادبی و تحقیقی جرائد قومی اخبارات میں شائع کروائے جائیں۔ (۲۵/۹۰۹)

۱۳) محققینِ نعت کا نیشنل / انٹرنیشنل پینل ترتیب دیا جائے۔ ہر ''نعت رنگ'' میں کسی ایک

یعنی رطب اور یابس دونوں کو ماشاء اللہ وافر جگہ ملی ہے۔ ہم اردو والوں کی یہ عادت بھی پرانی ہے کہ الفاظ کا صرف بے دریغ کرتے ہیں اور بات بھی بہت ذرا سی نکلتی ہے، اگر نکلتی ہے۔ موجودہ شمارے کے اکثر مضامین کا یہی حال ہے۔ بعض لوگوں نے نئی یا گہری بات کہنے کی کوشش ضرور کی ہے لیکن ان کے مقدمات محلِ نظر ہیں۔ سلیم شہزاد صاحب نے بطور کو 'لفظیات' کو مختلف اقسام میں بانٹا ہے اور فرض کیا ہے کہ شعری زبان کچھ اور شے ہے اور نثری زبان کچھ اور شے۔ پھر وہ 'شعری' زبان کی مزید بہت سی قسمیں بیان کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے یہاں معلم صاحبان 'شاعرانہ' اور 'غیر شاعرانہ' الفاظ میں تفریق کرتے تھے حالانکہ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ کسی صنف یا بیان کے لیے خاص نہیں۔ لفظ اگر مؤثر اور بامعنی ہے اور مناسب جگہ پر استعمال ہوا ہے تو صحیح اور 'فصیح' ہے۔ بنیادی بات طریق استعمال اور موقع صرف کی ہے۔ امام عبدالقاہر جرجانی سے لے کر علامہ شبلی نے اس اصول کو بیان اور قائم کیا ہے۔ نعت ہو یا غزل یا قصیدہ یا ہجو، ان کے لیے کوئی لفظیات مقرر نہیں۔ معاملہ صرف سیاق و سباق کا ہے۔ 'شاعرانہ' لفظ بھی غلط جگہ استعمال ہو تو لغو اور فضول اور 'غیر شاعرانہ' ٹھہرے گا۔ شہزاد صاحب نے بطور خود لفظیات کی تقسیم کر کے شعر کو اور خود اس صنف سخن کو، جس میں شاعر طبع آزمائی کر رہا ہے، ہر طرف سے بند کر دیا ہے۔ فلاں لفظ نعت میں نہ آنے پائے، نعت کی ایک مخصوص لفظیات ہے، فلاں لفظ مرثیے میں نہ آنے پائے، مرثیے کی ایک مخصوص لفظیات ہوتی ہے۔ ایسی پابندیاں تو اسکولی استاد بھی عائد نہیں کرتے تھے۔ شاعر کا کام زبان کے امکانات کو وسیع کرنا ہے نہ کہ زبان کو تنگ اور محدود کرنا۔ پرانے لوگوں نے خود پر یہ لازم کر لیا کہ بعض الفاظ کو 'متروک' قرار دیا جائے۔ بھلا سوچیے، کوئی بھی شخص، کواہ وہ کتنا ہی بڑا شاعر کیوں نہ ہو، یہ استحقاق کہاں سے لاسکتا ہے کہ کسی بھی اچھے بھلے لفظ کو برادری سے خارج کر دے؟ آخر یہ حماقت تھی کہ نہیں کہ 'استادوں' نے 'سیتی'؛ 'تلک'؛ 'آگو'؛ 'اندھیاری' جیسے سینکڑوں الفاظ کو 'غیر شاعرانہ' یا 'غیر فصیح' قرار دے لیا؟ زبان کا دائرہ تنگ ہوا تو بلا سے ہوا۔ عام طور پر لسانی تہذیبوں میں تو شاعر اس بات پر فخر کرتا ہے کہ ہم نے زبان میں الفاظ اضافہ کیے لیکن ہم اس بات پر اکڑتے تھے کہ ہم نے الفاظ کم کر دیے۔ اب سلیم شہزاد صاحب 'شاعرانہ' اور 'نثری' الفاظ کو الگ الگ قرار دینے ہی پر اکتفا نہیں کرتے، ہر صنف سخن کی بھی لفظیات کو متعین کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ وہ نعت کی لفظیات میں صرف انھیں خوش نصیب لفظوں کو بار دینے کا حق اپنے لیے مخصوص کرتے ہیں جو ان کے خیال میں 'نعتیہ' ہوں۔ اس پر طرہ یہ کہ قرآن شریف کا

ہے۔ بہر حال اگر ''پاکستانی جامعات و کلیات پر نعتیہ تحقیق'' کے عنوان کے طور پر مطبوعہ رغیر مطبوعہ ماسٹر/ ماسٹر آف فلاسفی/ ڈاکٹر آف فلاسفی لیول کے سبجیکٹ/ ڈسپلن وائز مقالات کے مکانی و زمانی اشاریہ کے تحت اشاریے تیار ہو جائیں تو اس کی منفرد جہت ہوگی۔ اس کام کے دوران انگریزی زبان میں اس مجوزہ کام کے سلسلہ میں بوقت ضرورت راقم الحروف نعتِ پاک سے متعلقہ اپنے تین (۱) ایم ایڈ (۲) ایم اے (TEFL) (۳) پی۔ ایچ۔ ڈی درجہ کے تحقیقی مقالات کی تفصیل فراہم کرسکتا ہے۔ (ایضاً، ص ۲۵ر۷ ۹۰)

(۷) ''نعت رنگ'' کے شماروں میں آپ نے نعت سے متعلق تقریباً سارے ہی اہم موضوعات پر مضامین و مباحث پیش کیے ہیں۔ لیکن شاید اب بھی نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کے کئی تازہ افق نادریافت ہوں گے کیونکہ یہ صنف جوئے کم آب نہیں بحر بیکراں ہے۔ دنیا کے دیگر اسلامی ممالک میں اور مختلف زبانوں میں کس طرح کا نعتیہ ادب لکھا جارہا ہے، ان کی اصناف اور مضامین کی نوعیت کیا ہے؟ اس پر بھی تحقیق اور ترجمے کے لیے بڑی گنجائشیں موجود ہیں۔ (فراست رضوی، ص ۲۵ر۴ ۹۰)

(۸) میری نظر سے ''شفاء الفواد'' سے پہلے کوئی اور کتاب ایسی نہیں گزری جس میں یہ تمام اشعار درج ہوں۔ ڈاکٹر خورشید رضوی اگر عربی سے واقف ہیں تو ''کشف الظنون'' اور ایضاح المکنون'' اور ''ہدیۃ المؤلفین'' وغیرہ سے محنت کر کے نعت رنگ کے لئے ایسی فہرست مرتب کرسکتے ہیں جس میں سیکڑوں کتابوں کے نام (مصنفین و مؤلفین کے نام، سنینِ وفات سمیت) جمع ہوں جو کہ نظم و نثر میں میلاد و سیرت اور مدائح وغیرہ کے حوالے سے یادگار بنائی گئی ہیں، یوں اُردو دان اہلِ تحقیق اس فہرست سے استفادہ کرلیں گے۔ قصیدہ بُردہ کے حوالے سے مجھے خیال آیا تھا کہ اس کی شروح جو عربی میں ہیں، ان کا تذکرہ جمع کردوں لیکن مجھے اتنی فرصت مل جائے تو جانے اور کتنے کام نمٹالوں۔ (کوکب نورانی، ص ۳ر۸۶)

(ب) تنقید

شاعرانہ اور غیر شاعرانہ لفظیات:

(شمس الرحمٰن فاروقی کا تنقیدی نقطۂ نظر)

آپ کا تازہ شمارہ دیکھنے پر بھی وہی تاثر قائم ہوتا ہے جو گذشتہ کتابوں نے قائم کیا تھا

۲۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حقیقت کا اظہار کیا جائے بھی تو کیسے کہ فطرت کے حساب میں اگر ۶ کا عدد نہ ہوتا تو حیاتِ نامیہ کا آغاز بھی نہ ہوتا''۔

میں نے تمھیں بتایا تھا کہ اڈنگٹن کی دریافت نے مجھے، حقیقتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تفہیم کا سائنسی نکتہ سجھایا ہے۔ کیوں کہ ۹۲ کا عدد حضورِ اکرم V کے نامِ نامی ''محمدؐ'' کا عدد ہے۔ لہٰذا، اس انکشاف سے میرے لیے اس قطعے کی تفہیم اور آسان ہوگئی ہے جو اقبال نے فلکِ مشتری پر حسین بن منصور حلاج کی زبان سے ادا کروایا تھا:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ اور را بہا ست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جہانِ مشہود میں جہاں جہاں بھی آرزوؤں کی پیدائش کا منبع ہے، اس میں جتنی بھی روشنی اور، چمک دمک ہے......اور جس کے باعث اس کی قیمت یا قدر (Value) متعین ہو چکی ہے، وہ مصطفیٰ V کے نور کا فیضان ہے......اور جہاں یہ روشنی نہیں ہے وہ عالمِ شہود ، حضورِ اکرم V کے نور کا متلاشی ہے کیوں کہ وہ [عالمِ شہود] ، غیب (پوشیدہ حقیقتِ محمد یہ V) سے اتصال کے بغیر نامکمل ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک سائنس داں تو ۹۲ کی حقیقت جاننے کے لیے عالمِ شہود سے عالمِ غیب کا سراغ لگانے کے لیے بے چین ہے۔ لیکن جو مسلمان حضورِ اکرم V کے لائے ہوئے دین کے طفیل ''عالمِ غیب'' پر ایمان رکھتے ہیں وہ حقیقتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کی طرف قدم بڑھانے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ ان لوگوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں جو حقیقتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کے مراحل طے کر کے، ان کی طرف علامتی زبان میں اشارے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فی الحال میرا یہ ارادہ نہیں ہے کہ میں اس ادق موضوع پر قلم فرسائی کروں۔ تاہم یہ اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، کہ نعتیہ شاعری کے تخلیقی رویوں کا مطالعہ سہ ابعادی (Three dimensional) پہلوؤں سے کیا جانا چاہیے۔ یعنی [۱] عوامی سطح کی شاعری ......[۲] شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی شعری تخلیقات ......[۳] صوفیانہ مشاہدات و تجربات کے عکس کی حامل نعتیہ شعری تخلیقات۔

ناقدین کو ہر قسم کی شاعری کو اسی ذہنی و فکری تناظر میں دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔

حوالہ دے کر بحث کو ادبیات کے بجائے دینیات کے میدان میں لے جاتے ہیں۔ اگر سلیم احمد کی نعت میں وہ الفاظ نہیں ہیں جو شہزاد صاحب کے خیال میں نعت سے مختص ہیں، تو سلیم احمد مطعون ہوتے ہیں اور یہی نہیں، بلکہ وہ قرآن شریف کی روشنی میں مردود بھی ٹھہرتے ہیں۔ معلوم نہیں سلیم شہزاد صاحب نے اقبال کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ اور اگر ہاں، تو کیا انھیں اقبال کے نعتیہ کلام میں وہی اور صرف وہی لفظ دکھائی دیے جنھیں وہ نعت کا لازمہ سمجھتے ہیں؟ اگر نئے مضمون نکالنا، نئی بات کہنے کی کوشش کرنا، اگر گھسے پٹے راستوں سے ہٹ کر چلنا اور پھر بھی نعت رسول کا حق ادا کرنا 'لغو دانشورانہ اظہار کے سوا کچھ نہیں' تو سعدی سے لے کر غالب اور غالب سے لے کر اقبال تک سب بڑے شاعر اس 'لغو دانشورانہ اظہار' کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

(شمس الرحمٰن فاروقی، ۷ فروری ۲۰۱۹ء، غیر مطبوعہ)

تنقیدِ نعت اور شعری تخلیقی رویے:

پچھلے دنوں میں، سر آرتھر اڈنگٹن کا ایک خطبہ پڑھ رہا تھا۔ سر آرتھر اڈنگٹن نے سوارتھ مور لیکچر شپ (Swarthmore Lectureship) کے زیرِ اہتمام ''دارالاحباب'' (Friends House) لندن میں، سن 1929ء میں ''غیب و شہود'' کے عنوان سے اپنا یہ خطبہ پڑھا تھا۔ اس خطبے کا اردو ترجمہ معروف اسکالر سید نذیر نیازی نے کیا ہے۔ یہ نذیر نیازی علامہ اقبال کے بہت قریب رہے ہیں۔ علامہ کے خطبات "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" کا ترجمہ بھی ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے عنوان سے، ان ہی نے کیا تھا۔ علامہ کی سوانح حیات بھی دانائے راز'' کے نام سے لکھی تھی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جناب نذیر نیازی کے ترجمے کے باعث مجھے ''غیب و شہود'' کا مطالعہ کرنے میں سہولت رہی۔ مترجم کے بقول، اڈنگٹن کا شمار سر برآوردہ سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ یہ اور بات کہ وہ سائنس کے ساتھ ساتھ فلسفے اور مذہب کے موضوعات میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے دوران میں جب تم میرے پاس آئے تھے تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اڈنگٹن نے دو باتیں بڑی معنی خیز کہی ہیں......وہ کہتا ہے:

۱۔ ''برقی ذروں کے اجتماع سے جو شروع شروع کی حالتِ فساد میں ہر طرف پراگندہ تھے، مادے کی ۹۲ مختلف قسمیں یا ۹۲ کیمیائی عناصر پیدا ہوئے''۔

آتا کہ اس حقیقت کا اظہار کیا جائے بھی تو کیسے کہ فطرت کے حساب میں اگر ٦ کا عدد نہ ہوتا تو حیاتِ نامیہ کا آغاز بھی نہ ہوتا"......ایڈنگٹن کا بیان کردہ یہ نکتہ، قرآن کی چھ یوم میں تخلیقی کام کی تکمیل والے نکتے کی تشریح معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چھ یوم میں کام کی تکمیل کے اشارے سورہ اعراف، یونس، ھود، فرقان، السجدہ، قٓ، حدید اور سورۂ مجادلہ میں کیے ہیں۔ کہیں صرف ارض وسماوات کا ذکر کیا ہے اور کہیں "وما بینھما" کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مثلاً سورۂ "قٓ" کی آیت ۳۸ میں ارشاد ہوا......

"وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ...... بلا شبہ پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان سب چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں، چھ دنوں میں"۔

اس لیے میرا خیال ہے کہ سائنسی ذہن رکھنے والے ناقدین کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کہ علم کا کام شہود سے غیب اور غیب سے شہود کی گتھیوں کو سلجھانے سے عبارت ہے۔ لہٰذا حمد و نعت کے شعری لوازمے (Matter) کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

صوفیانہ کیفیات کو شعری سانچوں میں ڈھلتا ہوا دیکھ کر فتاویٰ جاری کرنے کے بجائے، شعراء کی روحانی واردات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ یہ الگ بات کہ کچھ باتیں شطحیات کی سطح کی بھی ہوتی ہیں۔ جن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ...... یہ حال [کیفیاتِ عالمِ غیب] کی باتیں ہیں، عالمِ شہود میں رہنے والے اہلِ قال، ان باتوں سے نابلد ہیں۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ بغیر سمجھے بوجھے ان باتوں کو اپنا موضوعِ تفہیم نہ بنائیں۔ (ڈاکٹر عزیز احسن، ص ۲۸/۳ ۵۷-۵۷۰)

نعت غیر تخلیقی شاعری اور شاعرانہ حسن بیان:

یاد نبی کی جوت سے جو دل جگمگ جگمگ ہے
اس کے سر پر رحمت باری پگ پگ پگ پگ پگ پگ ہے

اسی شعر سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کلام کس پائے کا ہوگا اور یہ "پگ پگ پگ پگ" کی آواز کدھر کی مترنم کہی جا سکتی ہے۔ بس محض یہ نعرہ ہی لگایا جا سکتا ہے "اللہ غنی" (احمد صغیر صدیقی ص ۶۲)

مدحتوں کے حصے میں بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا چاہوں گا کہ نعتوں میں وہ شاعرانہ حسن، شعری جمالیات کا اہتمام اور کرافٹ نظر نہیں آیا جو ہونا چاہیے۔ اشعار میں جب تک شعری حسن نہ ہو وہ Versification بن جاتا ہے۔ یعنی نثر کو نثریت کے ساتھ نظم کر دینا۔ سادے

مثلاً جولوگ حضورِ اکرم V سے براہِ راست مخاطبہ کرتے ہیں انھیں ’’حاضر و ناظر‘‘ کے شرعی نکتہء نظر کے یک رخے پہلو کی روشنی میں رد کرنے کا رویہ اپنانے کے بجائے۔ عام شعری تخلیقات کے محرکات پر غور کرنا چاہیے۔

میں اس موضوع پر پہلے بھی کسی تحریر میں اپنا مؤقف بیان کر چکا ہوں، یہاں بھی اشارۃً کہے دیتا ہوں کہ دنیا کا ہر شاعر، اپنے محبوب کو سامنے بٹھا کر نہ تو اس کے حسن کی تعریف کرتا ہے اور نہ ہی اس سے گلے شکوے کرتا ہے۔ وہ تو ہر شعر اپنے محبوب کو سامنے تصور کر کے ہی کہتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ عالمِ شہود کے علاوہ کسی اور عالم کی کیفیات کو لایعنی اور باطل تصور کرنے والے ناقدین، ان اشعار کی تشریح کیسے کریں گے؟؟؟

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا (مومنؔ)

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا (غالبؔ)

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ (فرازؔ)

کیا کوئی نقاد یہ کہہ سکتا ہے کہ ہر شاعر کا محبوب اس کے گھر کے سامنے والے گھر کی، کھڑکی میں موجود تھا...... اس وات شعراء نے یہ اشعار کہہ کر اس کو مخاطب کیا؟؟؟

اگر ان اشعار کی تشریح اس طرح کی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر کی جائے گی تو ادبی مزاج رکھنے والا کوئی معمولی درجے کا طالب علم بھی یہ کہہ دے گا کہ، اس طرح کا وصال میسر ہونے کی صورت میں شاعری کیوں کر ممکن ہوئی .... کیوں کہ ایسی صورت میں شاعر صرف، کچھ ایسے اشعار کہتا ہے، فراق کا شکوہ نہیں کرتا:

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں؟

(یعنی شاعری کروں)......(فراق گورکھپوری)

تو میرے بھائی صبیح! جو لوگ عام دنیاوی محبوبوں کے شعری ذکر کو حاضر و ناظر کے زمرے میں رکھ کر نہیں دیکھتے وہ ایسا کیوں سمجھ لیتے ہیں کہ نعتیہ شاعری کرتے ہوئے ہر شاعر حضورِ اکرم V کو اپنے سے دور سمجھے گا؟؟؟

میں اس موضوع پر تفصیل سے کبھی لکھوں گا......ان شاءاللہ!

خط کے آغاز میں، میں نے اڈنگٹن کے حوالے سے دو نکات پر اشارۃً کچھ عرض کرنے کی ٹھانی تھی۔ پہلا نکتہ تو کسی حد تک سطورِ بالا میں آ گیا ہے۔ رہا دوسرا نکتہ یعنی...... ’’میری سمجھ میں نہیں

خواہشیں ہوں حرف کی صورت بیاں کیوں کر حضور
ترجمانِ حالِ دل ہے جب یہ چشمِ تر حضور

اس شعر کو مجھے یوں لکھنا ہے کہ چشمِ تر نے حالِ دل کا ترجمان بن کر شاعر کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اور اب وہ اسی سبب سے اپنی خواہشوں کو بہ صورت حرف بیان ہی نہیں کرسکتا... حالاں کہ صورت یوں ہے کہ شاعر کہنا چاہتا تھا کہ اب خواہشوں کو حرف کی صورت بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کیوں کہ اس کی نم آنکھیں اس کے دل کی ترجمانی کر رہی ہیں... یہ شعر عجز بیان کا ایک نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ نعت کے بقیہ شعر بھی شاعر کی شہرت کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

(احمد صغیر صدیقی ص،۶۸)

دوسرا مضمون گوہر ملسیانی صاحب کا ہے۔ ''جمال محسن انسانیت نعت کے آئینے میں'' اس کے بارے میں میں کیا کہوں۔ اس میں بہت سی ایسی نعتوں اور بہت سے ایسے اشعار کو ڈالا گیا ہے جو اپنی کم زوری کی وجہ سے مضمون کو سنبھالا نہیں دے سکے ہیں۔ ان میں زبان کے سقم بھی ہیں اور خیال کی کم زوریاں بھی۔ صرف چند ایک پیش ہیں:

۱۔ مصرع ہے: مرے نبی کی 'نوائے باطل گداز اُبھری' (باطل گداز؟)

۲۔ مکہ کے سرداروں اہلِ طائف نے۔ کیسے کیسے ظلم نبی پر ڈھائے ہیں'' (یہ شعر سپاٹ سا ہے نثر جیسا۔ اور جمال محسن انسانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔)

۳۔ مصرع ''انھیں کے نقش پا سے گنبد بے در چمکتا ہے۔ (ذرا شاعر کا غلو خیال ملاحظہ ہو۔)

۴۔ ''لے جاؤں لحد میں میں تمنائے محمدؐ'' (اس میں ''میں میں'' پر توجہ دیں)

جمالِ محمد مصطفیٰ V کے بیان کے لیے اعلا درجے کی نعتیں اور عمدہ اشعار کی ضرورت تھی جو اس مضمون میں نہیں ملتے۔

میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ یہ سب کیا لکھا گیا ہے۔ صحابی عربی تھے اور نعت کا مقطع انھوں نے فارسی زبان میں دامن اُحد کی ریت میں لکھ دیا۔ عجب ہی ماجرا ہے کچھ۔

(احمد صغیر صدیقی ص،۸۵)

رسالے کے ''فکروفن'' کے حصے میں پانچ عدد نعت گو شعرا کے کلام کے محاسن لکھے گئے ہیں۔ تبھی سب کے سب تقریظی ہیں۔ ان میں عزیز احسن صاحب کا مضمون جو جناب احسان اکبر

سادے سے اشعار کہنے کے بجائے اس شعری حسن کے ساتھ پیش کرنے کی کوششوں کی ضرورت ہے تاکہ نعت شاعری میں اپنا مقام بنا سکے۔اب ذرا یہ شعر دیکھیں:

جو گالی دیں آقا پر برسائیں پتھر حضوران کے حق میں دُعا کر رہے ہیں

ظاہر ہے کہ یہ شعر عروضی سے لحاظ ٹھیک ہے مگر اس میں برہنہ گفتاری ہے۔

اب ذرا ماجد خلیل کا یہ شعر دیکھیں:

اک لفظ سے بنے ہوئے جہاں میں اک نام سے روشنی ہوتی ہے

اس شعر میں شعری رچاؤ ہے۔یا یہ شعر دیکھیں جناب احسان اکبر کہتے ہیں:

رکھیو مجھے نظروں میں مجھ پر ابھی گزرے گا اک اور زمیں اندر اک اور زمانہ بھی

یہ شعر کھلا ڈُلا نہیں اور پورے شاعرانہ حسن کو سمیٹے ہوئے ہے۔جناب شیو بہادر سنگھ کی لکھی نعت دوسری نعتوں سے بہتر لگی: (احمد صغیر صدیقی ص،۸۰)

معطر کر رہی ہے بزم عالم کی فضاؤں کو صبا شاید کہ چھو کر آ رہی ہے آپ کا دامن

عزیز احسن اور رشید وارثی:

سات مضامین میں چار تو معرکہ آرا کہے جا سکتے ہیں۔خصوصیت سے عزیز احسن صاحب کے مضمون ''نعت اور شعریت'' نے بہت متاثر کیا۔اُن کے علم اور مطالعے اور ذوق نے مجھ پر گہرے اثرات ڈالے۔عزیز احسن کے تنقیدی مضامین میں نے ادبی جریدوں میں پہلے نہیں دیکھے،لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک سچے اور بہترین ناقد ہیں اور یہ جو ہمارے پاس ڈھیروں دانش ور''پروفیسر'' اور''ڈاکٹر'' قسم کے ناقد بھرے ہوئے ہیں ان سے وہ رُتبے میں کہیں افضل نظر آئے۔کچھ ایسا ہی میں نے رشید وارثی صاحب کے مضمون کو پایا کیا ہی عمدہ باتیں لکھی ہیں۔ انھوں نے اور کیا خوبی ہی سے انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف برتا اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔یہاں تو عالم یہ ہے کہ اس قسم کی نشان دہی شعرائے کرام کو اتنی بری لگتی ہے کہ اُن کے دہانوں سے کف نکلنے لگتا ہے۔(احمد صغیر صدیقی ص،۴۶)

شاعری اور عجز بیانی:

سوال یہ ہے کہ اسے نعتیہ شعر کہا جا سکتا ہے؟ میرے خیال میں اسے قوم کا مرثیہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔اب ذرا اس نعت کا مطلع دیکھیں:

''دیں و دنیا'' کیسا لگ رہا ہے۔ یہ آسانی سے ''دنیا و دیں'' لکھا جا سکتا تھا۔ اس سے سلاست پیدا ہو جاتی ہے اور ''دیں دنیا'' کا مفہوم دین دنیا سے الگ ہے یہ بھی دیکھیں۔

ایک مصرع اور دیکھیں: ع ''پیام آپ کو بہ کو آ گیا''

''کو بہ کو آنا؟'' کیا اسی طرح بولا جاتا ہے؟ کو بہ کو پھیلتا، پہنچتا تو چل سکتا تھا مگر یہ ''آنا''؟ کیا اسلوبیاتی سطح کی بلندی یہی ہے؟

ایک مصرع اور دیکھیں: ع ''پتھروں بیچ زمی کا اکھوا کھلا''

اکھوا پھوٹنا محاورہ ہے کھلنا نہیں۔ پھول کھلتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ مثالیں کافی ہیں جن کی بنیاد پر مضمون کے بارے میں رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس مضمون کا نام ''اسلوب شناس شاعر'' رکھا گیا ہے جب کہ صاحب اسلوب وغیرہ ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ''رمز'' سمجھ میں نہ آ سکا۔

اب ہم دوسرے تقریظی مضمون کی سمت رجوع کریں گے۔ یہ مضمون جناب پروفیسر منظر ایوبی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک نعت طاہر سلطانی کی حمدیہ شاعری پر ان کی جانب سے نچھاور کیے ہوئے پھولوں جیسا ہے۔ اس میں بھی مضمون نگار اپنے ممدوح کے ''لب و لہجہ کی پاکیزگی اور اسلوب کی طہارت'' میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ اس حد تک اسے ممدوح کے کلام میں تلمیحی اشاروں کے غیر محتاط رویوں کا ذرا بھی پتا نہیں چل سکتا ہے۔ اس نے جوشِ عقیدت میں اپنے ممدوح کا یہ شعر بھی کوٹ کر دیا ہے:

کس کو ادراک جہاں تو ہے وہاں کوئی نہیں
تو ہی موسیٰ کا عصا مصر کے بازار میں تو

شاعر محترم نے اس میں اللہ تعالیٰ کو موسیٰ کا عصا قرار دے دیا ہے۔ ''تو ہی موسیٰ کا عصا''

اب کچھ ذکر ظفر علی راجا صاحب کے مضمون ''انور سدید کی حمد و نعت'' مجھے اس کا عنوان خاصا دلچسپ محسوس ہو رہا ہے۔ اسے توجہ سے پڑھیں۔ یہ مضمون بھی تحسینی ہے اس میں مضمون نگار نے بعض بعض اشعار بغیر احتساب کیے تعریف کے لائق قرار دے دیے ہیں۔ یہ شعر دیکھیں:

نعت پیغمبر آخر لکھوں　　دل کو ہے فکر کہ کیوں کر لکھوں

اس میں ''آخر'' پر توجہ دیں (یعنی خ پر زیر ہے) جب کہ ''آخَر'' کے معنی آخری نہیں بلکہ ''اور'' ایک دوسرا ایک اور وغیرہ ہیں۔ ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

پر ہے اس لائق ہے کہ اس پر کچھ گفتگو کی جائے۔ اُمید تو یہی تھی کہ مضمون ''ناقدانہ'' ہوگا مگر یہ ''فدویانہ'' ثابت ہوا۔ عزیز احسن صاحب لکھتے ہیں:

> پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر کا شعرِ عقیدت میرے لیے شعری و شرعی اعتبار سے نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ انتہائی درجے پر لائقِ تحسین ہے۔ کیوں کہ ان کی شاعری اسلوبیاتی سطح پر دل میں ترازو ہو جانے والی اور Content کے حوالے سے سندِ قبول پانے کی حامل ہے۔

یہ بیان بتا رہا ہے کہ مضمون نگار اپنے ممدوح سے کس حد تک متاثر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تاثر کے تلے دبے مضمون نگار سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ معروضی انداز میں تنقید کا حق ادا کر سکے گا۔ عزیز احسن صاحب کو اپنے ممدوح کے کلام میں ''اسلوبیاتی سطح پر نزاکتوں کا از حد خیال نظر آتا ہے۔ سو ذرا اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

انھوں نے جناب احسان اکبر کی شاعری کے جو نمونے کوٹ کیے ہیں، ذرا ان میں سے یہ مصرع دیکھیے:

ع وہ جو کوئی کچھ نہیں جانتا وہ بھی جانتا ترا نام ہے

''جانتا ترا نام ہے'' یہ کون سی زبان ہے؟ کیا اس مصرع کا Construction شعری اعتبار سے اچھا کہا جا سکتا ہے۔ فیصلہ آپ خود کریں۔

اب ایک اور مصرع دیکھیے: ''کوئی تقویٰ نہ کوئی پاس فضیلت اپنے'' کہنا تھا کہ اپنے پاس کوئی فضیلت ہے نہ تقویٰ اور شعر میں ''کوئی پاس فضیلت اپنے'' لکھا گیا۔ یہ تنقید کی ایک بڑی مثال ہی نہیں شاعر کے عجز بیان کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ اس بیان کو اسلوبیاتی سطح پر دل میں ترازو ہو جانے والا کہا جا سکتا ہے مگر اس Sense میں نہیں جس میں عزیز احسن صاحب نے لکھا ہے۔

اور دیکھیے، یہ مصرع: فن نعت کوئی ہنر نہیں یہ ہے قلب و چشم کی حاضری

اس میں ذرا ''فن نعت'' پڑھیے۔ کیا اس میں عیب تنافر کی جھلک نہیں ملتی؟

اب ایک مصرعے کا آخری حصہ دیکھیں۔

''ہیں بشر تو مگر ساتھ اللہ کے آپ کے مشترک تیس نام ایک ہیں''

اور مشترک تیس نام سے اندازہ لگائیں کہ یہ مصرع اپنے اندر کیا ''خوبی'' رکھتا ہے۔

اب یہ مصرع ملاحظہ ہو۔ ع ''دیں دنیا کے درد کا مرہم V''

اشعار موجود ہیں جسے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) ہر ایک نبی انھیں کے لیے ایک ولی انھی کے لیے
وہ کنزِ خفی حدیث پڑھو خدا بہ خدا نبی کے لیے

(۲) اپنے تو ہے ہر غم کی دوا شہر نبی میں

(۳) ہو دیدہ پُرنم (دیدۂ نہیں دیدہ پُرنم، اور یہ دیدہ کیسا لگ رہا ہے؟)

(۴) لفظ یثرب میں کہاں ہے کوئی خوبی و کمال
اس لیے کہنا پڑا تھا آپ کو طیبہ حضور

(۵) مجھ کو پکڑیں نہ اگر فضلِ خدا دیکھیں تو

اسی حصے میں ایک ''زبردست'' نعتیہ نظم بھی ہے جس کا عنوان ہے، ''سنہری گرد طیبہ''

چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

(۱) کہ ہم، ہمارے گزشتہ کو۔ پرت پرت سامنے سے دیکھیں۔ (کہ ہم ہمارے' کے بارے میں کیا خیال ہے؟)

(۲) تمھاری راہ فرار کے نقش پا تلاشیں (راہ فرار پر توجہ دیں۔ یہ بیان نبی کے لیے ہے اور راہ فرار کے نقشِ پا کیا ہوتے ہیں۔

(۳) جہاں بہ نفس نفیس تم خود... ڈٹے ہوئے تھے۔ (ڈٹے ہوئے پر توجہ دیں)''

(۴) کہ گرد نے ہی شکم مبارک (''شکم مبارک پر'' توجہ دیں یہ شکمِ مبارک نہیں ہے)

(۵) یہی تمھاری دعا کے نخلِ اثر ہے جس کی گداز تجیں (شاعر کے علو خیال کو دیکھیں اور الفاظ کے میل جول کو سمجھیں)

یہاں شعرا کے نام نہیں دیے جا رہے ہیں بات صرف ان کی 'تخلیقات' کی ہو رہی ہے جو رسالہ کے مدحتوں کے سیکشن میں اپنی چھب دکھا رہی ہیں۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۸۹۔۸۵)

اقبال کی نظم 'ذوق وشوق': ایک مطالعہ:

تازہ شمارہ، علامہ اقبال کی نظم ''ذوق وشوق' پر پروفیسر افضال احمد انور کی کاوش پسندیدہ ہے۔ انھوں نے نہایت محنت سے عرق ریزی اور جاں فشانی سے علامہ اقبال ہی کے اشعار سے ثابت کر دیا ہے کہ ذوق وشوق حمد نہیں بلکہ خالصتاً نعت ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی بہت بڑے

زادِ حیات اسوۂ نبی کریم ہے   انور سدید کا ہے یہ ارمان یارسول

اس شعر کی نثر بنائیے۔ یارسول انور سدید کا ارمان ہے کہ زادِ حیات اسوۂ نبی کریم ہو۔ لگتا ہے اسوۂ نبی کریم کوئی اور چیز ہے۔ جس کی فرمائش رسول سے کی جارہی ہے۔ حالاں کہ کہنا یوں تھا کہ یارسول انور سدید کا ارمان ہے کہ ان کا زادِ حیات آپ کا اسوۂ ہو۔ شاعر اچھی طرح بات لکھ نہیں سکا اور پھر ذرا ''اسوۂ نبی کریم'' پر توجہ دی۔ یہ ''اسوۂ نبی کریم'' ہونا چاہیے جو اس شعر میں فٹ ہی نہیں ہو رہا ہے۔ راجا صاحب نے اس تحریر پر بہت محبت بھری نظر ڈالی ہے۔ ایک اور شعر دیکھیں:

میں خزاں دیدہ شجر ہوں یہ یقیں ہے مجھ کو
مجھ پہ برسے گا ان کا گھٹا کی صورت

''خزاں دیدہ'' کے بجائے محل ''خزاں رسیدہ'' کا تھا اور کیا خزاں رسیدہ شجر پر گھٹا نہیں برستی؟ بات اس طرح کہی گئی ہے گویا یہ کوئی امر محال ہوتا ہے۔ ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

میں انائے ذات میں کرتا رہا ہوں پرورش
توڑ ڈالا اب مگر یہ سلسلہ تیرے لیے

نہیں معلوم کہ انائے ذات میں کیا پرورش کرتے رہے تھے؟ یہ شعر اچھا تو نہیں کہا جا سکتا۔

ان باتوں کے باوجود ایک بات ضرور کہنے کی ہے کہ جناب انور سدید کی ''شاعری'' سے ان کی نعتیہ شاعری کہیں اچھی ہے۔ ان کی اس شاعری سے مجھے راجا صاحب کے مضمون کے ذریعے تعارف حاصل ہوا ہے۔ راجا صاحب کا یہ مضمون بہرحال اچھا لکھا ہوا ہے اور جو کلام کوٹ کیا گیا ہے اس کا بڑا حصہ اچھے اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کا کریڈٹ انور سدید صاحب کو جاتا ہے۔

اب ذرا ''مطالعاتِ نعت'' کا حصہ دیکھتے ہیں۔ اس میں 3 عدد مضامین ہیں جو تین اہلِ قلم کی کتابوں کے جائزے سے متعلق ہیں۔ انھیں جائزہ تو نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ ''تعارفیہ'' ضرور کہے جا سکتے ہیں۔ اس میں عارف منصور صاحب کے لکھے کتابوں پر تبصرے بھی شامل ہیں۔ عارف منصور کے تبصرے Balanced ہوتے ہیں ان پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

رسالے کا وہ حصہ جو ''مدحتوں'' سے متعلق ہے اس میں اس چھتیس شعرا کی نعتیں شامل ہیں افسوس یہ حصہ حسب سابق کوئی اچھا Impact نہیں دے رہا ہے۔ امجد اسلام امجد، خورشید رضوی (ایک نعت) سجاد سخن، ریاض حسین چودھری، راجندر سکسینہ، قاضی عنایت الرحمٰن، ناز قادری اور رشید امین کی نعتیں قدرے بہتر ہیں۔ ورنہ اس میں ایک بڑی تعداد میں ایسی نعتیں ہیں اور ایسے

راقم کو مدینہ شریف میں صبح کے وقت ان بدلیوں کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ سورج کے طلوع کا منظر بھی دیکھا ہے۔ جسے دیکھ کر خاکسار وہاں وجد کے عالم میں جھومتا رہا اور ذوق و شوق کے اشعار پڑھ کر محظوظ ہوتا رہا۔

اسی طرح کوہِ اضم، وادیٔ کاظمہ کی تراکیب، سرزمین مدینہ کو ثابت کر دیتی ہیں۔ دراصل علامہ کا یہ قصیدہ، مشہور قصیدہ نگار امام سعید بوصیریؒ کے تتبع میں لکھا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ، بوصیریؒ سے بہت متاثر ہیں، چناں چہ دو مقامات پر بوصیریؒ کا ذکر کرتے ہیں:

اے بوصیریت را ردا بخشندہ بربطِ سلمیٰ مرا بخشندہ

(رموزِ بے خودی، عرض حال مصنف بحضور رحمت للعالمین)

یعنی یا رسول اللہ ﷺ! جس طرح آپ نے بوصیریؒ کو اپنی ردا (چادر) عطا فرمائی ہے، جامی اس چادر کو بردِ یمانی کہتے ہیں اسی طرح مجھے شعر و شاعری کا ذوق اور ملکہ عطا کیا ہے۔

دوسری جگہ مثنوی ''پس چہ باید کرد'' میں ''درِ حضور رسالت مآب'' میں فرماتے ہیں:

چوں بوصیریؒ از تو می خواہم کشود
تا بمن باز آید آں روزے کہ بود

یہاں علامہ اقبالؒ خواب میں سرسیدؒ احمد خاں کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اپنی صحت کے لیے دعا گو ہیں اور عرض کرتے ہیں جس طرح آپ نے اپنی چادر مبارک بخش کر بوصیری کو صحت سے ہم کنار کیا تھا اسی طرح مجھ پر کرم فرمایئے تاکہ میری صحت بحال ہو جائے اور میری تن درستی کے دن لوٹ آئیں۔ اس بند کے اختتام پر، آئی صدائے جبرئیل...''گریز'' کا شعر ہے اور اس کے بعد وہ اپنے ممدوح سے مخاطب ہیں:

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ علامہؒ نے اپنے پورے کلام میں صرف دو مقامات پر قدرے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ ایک تو مصرع بالا میں اور دوسرا ''پیامِ مشرق'' میں:

مرا اے کاشکے مادر نزادے

کہہ کر اظہار کیا ہے ورنہ علامہ ''اُمید'' کے شاعر ہیں اور اُن کے کلام میں مایوسی کا ذکر نہیں بلکہ وہ مایوسی کو کفر کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم رموزِ بے خودی میں ''عرضِ حال بحضور رحمت للعالمین'' اور ''بحضور رسالت مآب (پس چہ باید کرد) کو پیش نظر رکھیں تو پتا چلتا ہے کہ علامہ

ادیب، بلند پایہ محقق اور نقاد ہوں گے لیکن ان کے دلائل بودے، کم زور اور حقائق سے بعید ہیں۔
ایک وجہ یہ بھی ہے شاید کہ بریلویوں کے مقابلے میں ایسے گروہ اور افراد پیدا ہو رہے ہیں جو بزعم خویش توحید پرست بنتے ہیں اور نعت کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ اس لیے نعت گو شاعر بریلویوں سے قریب ہو جاتا ہے اس لیے اب اُسے ''توحیدی'' ثابت کرنے کے لیے ایسا کیا جارہا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ نقاد ہونے کے زعم میں اور نیا خیال و نظریہ پیش کرنے کی کوشش میں راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ جس طرح فلسفی کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا تھا:

ڈور کو سلجھا رہے ہے اور سرا ملتا نہیں
فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

(اس شعر کے مصرع آگے پیچھے ہو سکتے ہیں فقط یاد کے سہارے لکھ رہا ہوں۔) اس طرح آج کل کے نقاد حضرات، تنقید کے شوقِ فراواں کے ضبط میں مبتلا ہو کر ایسی ایسی بے پر کی ہانک جاتے ہیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''حسنِ ازل'' کی ترکیب سے ''محبوبِ حقیقی'' مراد لے لیا ہے۔ حالاں کہ اصل ترکیب ''حسنِ ازل کی نمود'' ہے۔ جوش استدلالیت میں ڈاکٹر موصوف نے ''نمود'' کو نظر انداز کر دیا ہے جس سے دراصل معانی واضح ہو جاتے ہیں۔

درحقیقت ہمارے خیال میں ''ذوق و شوق'' قصیدہ نما نعت ہے بلکہ قصیدہ کے معیار پر پورا اُترتا ہے، اس لیے تغزل بھی موجود ہے۔ اس میں پہلا بند بالکل قصیدے کی طرح ہے۔ قصیدے میں آغاز ہمیشہ کسی جگہ مقام یا موسم یا وقت کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے پہلے بند میں شہر مدینہ کے نواح میں ''صبح'' کے وقت کو موضوع بنایا ہے اور اسی پر اپنا زورِ قلم صرف کر دیا ہے جس کا ثبوت پہلے ہی مصرع میں ''صبح کا سماں'' کی ترکیب میں موجود ہے اور دوسرے مصرع میں چشمۂ آفتاب سے ''نور کی ندیاں'' رواں کہہ کر اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کر دی ہے۔ آپ کسی ریگستان یا صحرا میں ''صبح کے سماں'' کا تصور کیجیے، آفتاب طلوع ہو رہا ہو، کھلے اور صاف شفاف میدان میں سورج کی کرنیں پھیل رہی ہیں۔ (ہوا تازہ اور صاف و شفاف ہے۔) علامہ اب آگے بڑھتے ہیں تو اس منظر کو ''حسن ازل کی نمود'' قرار دیتے ہیں، سورج اور اُس کی روشنی، حسنِ ازل کی نمود نہیں تو اور کیا ہے؟ علامہ اس منظر کو شعری حسن دیتے ہوئے ''نور کی ندیاں'' قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد سرخ و کبود، نیلی اور سرخ بدلیاں کیا خوب صورت منظر نگاری ہے،

سے ہو جاتی ہے جو اُن کے کلام میں موجود نہیں لیکن انھی کی ہے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

یعنی حضور رسالت مآب V کا احترام اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فریاد ہے کہ روزِ حشر آں حضرت V کی موجودگی میں میرا نامۂ اعمال نہ کھولنا، اُن کی نگاہ سے بچ کر، اُن سے ذرا دُور ہٹ کر کھولیں کیوں کہ نامۂ اعمال، اعمالِ نامحمود سے پُر ہے۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اقبال پیش ہونے کو تیار ہیں لیکن رسول اللہ V سے حیا و شرم کا یہ عالم ہے کہ اُن کے سامنے ''نامۂ اعمال'' کھلوانے سے گریزاں ہے۔

علامہ اقبال کے پورے کلام میں نگاہ ڈالیے، اللہ تعالیٰ کا جہاں بھی ذکر آیا ہے، اس کا انداز اور پیرایہ بالکل مختلف ہے، بعض اوقات وہاں علامہ کا اندازِ بیان باغیانہ ہو جاتا ہے۔ ''شکوہ'' کے اشعار بطورِ مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

یا پھر: یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

اس لیے ذوق و شوق کے پیرایۂ اظہار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حمد ہرگز نہیں۔ یہ محض نعت ہے جو قصیدے کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ تغزل کی موجودگی نے اس کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

پروفیسر افضال احمد انوار نے چوتھی دلیل میں ''عشق تمام مصطفیٰ'' کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالمغنی کی دلیل کا معقول رد پیش کیا ہے۔ درحقیقت علامہ نے ''عشق'' کا ذکر زیادہ تر عشقِ مصطفیٰ V کے حوالے ہی سے کیا ہے یا پھر یہ لفظ مقصود اور نصب العین کے لیے استعمال کیا ہے اور اگر گہرائی میں جائیں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کا ''مقصود'' بھی رسولِ اکرم V کی ذاتِ مبارک ہی ہے۔ اس کا ثبوت ''اسرار و رموز'' کے اُس شعر سے ہوتا ہے جہاں علامہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالے سے کہا ہے:

معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

جہاں کہیں بھی سرورِ کائنات V کا ذکر کرتے ہیں، وہاں سراپا ادب واحترام بن جاتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ گوسفند سلیم۔ وہ ذاتی پریشانیوں یا قوم کی بدحالی کا ذکر کرتے ہیں تو دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ ’’پیامِ مشرق‘‘ کی غزلیات میں ہے:

باخدا در پردہ گویم از تو گویم آشکار

یارسول اللہ اُو پنہان و تو پیدائے من

یعنی میں اللہ تعالیٰ سے چھپ کر باتیں کرتا ہوں اور حجاب قائم رہتا ہے لیکن آپ سے آشکار ہو کر عرض کرتا ہوں یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ تو میرے لیے پوشیدہ ہے، غائب ہے، لیکن آپ میرے سامنے ہیں جنھیں میں دیکھ رہا ہوں۔ (۴۱۸)

حتیٰ کہ ’’عرض حال‘‘ میں تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں:

مدتے با لالہ رویاں ساختم عشق با مرغولہ مویان باختم

بادہ ہا با ماہ سیماباں زدم بر چراغِ عافیت داماں زدم

برقہا رقصید گرد حاصلم رہزناں بردند کالائے دلم

کہہ کر دل کھول کر رکھ دیتے ہیں اور پھر اپنی کم زوری بیان کرتے ہیں:

سالہا بودم گرفتارِ شکے از دماغِ خشک من لاینفکے

علامہ کا اسلوب اور انداز قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ وہ ذوق وشوق میں اللہ تعالیٰ کی بجائے صرف اور صرف حضور رسالت مآب V سے مخاطب ہیں۔ اس کا ثبوت اس شعر سے بھی ملتا ہے جو علامہ نے ابتدا میں درج کیا ہے:

دریغ آمدم، زاں ہمہ بوستاں تہی دست رفتن سُوئے دوستاں

یہ شعر مشہور صوفی شاعر۔۔۔۔۔[کذا] کا ہے جس سے اس واقعہ کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے جو فلسطین میں وقوع پزیر ہوتا ہے۔ اُس واقعہ کے مطابق علامہ ’’ارضِ فلسطین‘‘ میں پہنچنے اور ارادہ کے باوجود حجازِ مقدس جانے کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں اور ساتھی مولانا غلام رسول مہر سے عرض کرتے ہیں کہ ’’میں اعمالِ محمود کے سرمایہ سے محروم ہوں اس لیے کس منہ سے مدینہ جاؤں۔‘‘ اور اس تصور کے آتے ہی سفر کا ارادہ بدل دیتے ہیں اور اسی ’’تہی دستی‘‘ یعنی خالی دامن ہونے کا ذکر درج بالا شعر میں ہے۔ علامہ اقبالؒ کے اس ’’تاثر‘‘ کی تصدیق اُن کی معروف رُباعی

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
'حرفِ تمنا' جسے کہہ نہ سکیں 'روبرو' (بالِ جبریل)

حقیقت یہ ہے کہ ذوق وشوق کا ہر لفظ، ہر ترکیب، ہر استعارہ، ہر مصرع اور ہر شعر بلکہ ہر بند نبی اکرم V کی تعریف و توصیف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے باوجود کوئی نہ سمجھے تو کیا کیا جائے۔ آخر میں ہم اس شعر پر ختم کرتے ہیں:

کور ذوقاں داستاں ساختند وسعتِ ادراک اُو نشناختند

ورنہ علامہ اقبال کا یہ شعر بھی ثابت کرتا ہے کہ علامہ شدید خواہش کے باوجود حضور رسالت مآب V کے حضور پیش ہونے سے ڈرتے ہیں اور سخت گھبراتے ہیں ایک جگہ کہا ہے: (سعید بدر ص ۴۲۲۔۴۱۶)

آہ تیرے سامنے آنے کے ناقابل ہوں میں
منہ چھپا کر مانگتا ہوں تجھ سے وہ سائل ہوں میں

تاثراتی تنقید کی جلوہ گری:

''نعت رنگ'' شمارہ ۲۲ پیشِ نظر ہے۔ ڈاکٹر شعیب نگرامی کا مقالہ ''نعتِ نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت'' پڑھ ڈالا۔ مصنفِ مقالہ کے نام کے بعد ''سعودی عرب'' دیکھتے ہی خیال آیا کہ مقالے میں کتاب التوحید مصنفہ ابن عبدالوہاب نجدی کی صدائے بازگشت ابا واستکبر و کان من الکافرین [سورۃ البقرۃ: آیت: ۳۴] کی روشنی لیے اس مقالے میں اپنی پوری شدت سے نمایاں ہے۔

جس کی نظر میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری، صاحبِ مثنویٔ معنوی مولانا جلال الدین رومی اور رفنائے عشق رسول حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہم عقاید خبیثہ کے حامل ملحد اور مشرک ہوں۔ ایسے خبط الحواس کی باتوں کو کیا اہمیت دی جائے۔ قرآن حکیم ناطق ہے ویتخبطه الشیطان من المس۔ [سورۃ البقرۃ: آیت: ۲۷۵] وہی شیطان جس نے لاکھوں برس خدائے واحد کی عبادت کی مگر اسی کے حکم فاسجد لآدم [سورۃ البقرۃ: آیت: ۳۴] کی سرتابی کر کے مردود و لعنتی ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے اللہ والوں یعنی اپنے ولیوں کے لیے فرمایا: لاخوف علیهم ولا

یعنی اگر آپ تحقیق کریں اور حضرت ابوبکر صدیق کی نگاہ پاک بیں سے
دیکھیں تو نبی اکرم V کی ذات بابرکات قلب وجگر کی قوت بن جاتی
ہے اوران سے عشق ومحبت کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ حضور رسالت مآب کی
ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ سے محبوب تر لگتی ہے۔

یہ ہے وہ ''عشق'' جس کا علامہ جا بجا ذکر کرتے ہیں اور ذوق وشوق میں ''عشق تمام مصطفیٰ'' کہہ کر فرماتے ہیں کہ ''عشق کی تکمیل'' مصطفیٰ کی ذات میں ہے۔ عشق کامل ہوتا ہے تو وہ محمد مصطفیٰ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ تو کیا خود اللہ تعالیٰ (قرآن کے مطابق) اُن پر درود وصلوٰۃ بھیجتا ہے اور مومنوں کو اس کا حکم دیتا ہے۔

اس کے باوجود ڈاکٹر عبدالمغنی کو'ذوق وشوق' حمد نظر آئے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ان کی ایک بھی دلیل معقول نہیں جس سے حمد ثابت ہو۔ پروفیسر افضال احمد انوار کے دلائل بہت ٹھوس ہیں اور انھوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب ذوق وشوق کے اس شعر پر توجہ دیتے تو ذوق وشوق کو حمد کبھی نہ کہتے:

عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب

نقادوں کی میں بات نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ دُور کی کوڑی لانے کے عادی ہوتے ہیں، خواہ انھیں اندھیرے ہی میں دُور کی سوجھ جائے۔

اہل نظر کے نزدیک درج بالا شعر میں علامہ اپنے ''خواب'' کا ذکر کرتے ہیں جس میں آپ نے حضور رسالت مآب V کو دیکھا۔ یہ کیفیت حضوری کی ہے اور پاسِ ادب بھی ہے۔ محبوب کی خدمت میں حاضر ہو کر، محبّ ہمیشہ سراپا احترام بن جاتا ہے اور اُسے ہمت نہیں پڑتی کہ وہ دیدے پھاڑ کر دیکھے جو سوئے ادب ہے۔ علامہ کو چوں کہ رسالت مآب V سے بے حد و حساب عشق ہے اسی لیے احترام وادب کی بھی انتہا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ حوصلہ نظر نہیں پاتے لیکن وہی عقل والی بات، جستجو کا مسئلہ، وصال کی انتہائے آرزو کہ کنکھیوں سے دیکھنے کی کوشش جس کو وہ ''نگاہِ بے ادب'' قرار دیتے ہیں۔ یہ کیفیت اہلِ دل جانتے ہیں بھلا یہ بے چارے نقاد کیا جانیں۔ علامہ کو تو رسولِ اکرم V سامنے نظر آتے ہیں وہ انھیں زندہ تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

بے خبری کی بھی حد ہوگئی۔ برہمنوں نے تو بدھ دھرم کو دیش نکالا دیا وہ اس کی تعریف میں پُل کیا باندھتے۔کاش ڈاکٹر نگرامی علامہ اقبال کے عشقِ رسول کو سمجھتے اور عالم بے بدل علامہ محسن کاکوروی کے مرتبۂ علمی سے کماحقہ واقف ہوتے۔علامہ محسن کاکوروی کے مشہور و مقبول نعتیہ قصیدہ ''سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل'' پر حرف زنی کرتے ہوئے اس سے زیادہ لکھنے کی جرات نہ ہوتی کہ

''قصیدے کی پوری فرہنگ پر ہندو ادبیات و معاشرت کی پوری چھاپ ہے۔''

صاحبِ مثنوی معنوی کہ ہست قرآں در زبانِ پہلوی، حکایت شبان و موسیٰ میں فرماتے ہیں:

ہندواں را اصطلاحِ ہند مدح — سندیاں را اصطلاحِ سند مدح
من نگردم پاک از تسبیح شاں — پاک ہم ایشاں شوند و دُرفشاں
ما زباں را ننگریم و قال را — ما دروں را بنگریم و حال را
زانک دل جوہر بود گفتن عرض — پس طفیل آمد عرض جوہر غرض
چند ازیں الفاظ و اضمار و مجاز — سوز خواہم سود با آں سوز ساز
آتشی از عشق در جاں برفروز — سربسر فکر و عبادت را بسوز
ملتِ عشق از ہمہ دینہا جداست — عاشقاں را ملت و مذہب خداست

مذہبِ اسلام اور ملکی، علاقائی، تہذیبی، معاشرتی اور لسانی تقاضے ایک الگ موضوع ہیں جس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور لکھا جاچکا ہے۔بلھے شاہ پنجاب کے مسلمان صوفی شاعرِ نعت گو نے کیا خوب کہا ہے:

جس تن لاگے سوت جانے دوجا کوئی نہ جانے — عشق اساں نال کہی کیتی لوک مریندے طعنے
ہجر ترے نے جھلی کر کے کھلی نام سراپا — صم بکم عمی ہو کے اپنا وقت لنگھایا

ڈاکٹر نگرامی امیر خسرو کے پیر بھائی میر حسن کے مصرع:

ع زینتِ یٰسں توئی زیبائش طٰہٰ توئی

اور علامہ اقبال کے ''وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسں، وہی طٰہٰ'' کہنے پر آتش زیر پا ہیں۔ہاں یہ صحیح ہے کہ ''تلبیس ابلیس'' کے اسیر کچھ جاہل دنیا دار ٹھگ بھیس بدل کر مشیخت کے لبادے میں ذرّیات شیاطین کا کام بھی کر رہے ہیں۔ظاہر ہے عقل و فہم والے انھیں خوب پہچانتے ہیں مگر اہل اللہ باقی باللہ جو شکر و الحاد و زندقہ کے الفاظ استعمال کرنا لاعلمی و بے خبری نہیں نجدیت و شیطنت

یحزنون ط [سورۃ البقرۃ: آیت: ۲۶۴] جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا اور پھر نبیوں اور رسولوں کا مرتبہ تو وہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی آنکھ اللہ کی آنکھ، اس کا کان اللہ کا کان، اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، اس کا پاؤں اللہ کا پاؤں، ایسا کہنے میں کون سا الحاد ہے، کون سا شرک کہ:

علم حق در علم صوفی گم شود　　　این سخن کے باورِ مردم شود

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ　　　تیر جستہ باز گرد اند زِ راہ

(بحوالہ مشکوٰۃ شریف) کیا اجل صحابیٔ رسول امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ اللہ والے نہ تھے جن کی آنکھ اللہ کی آنکھ بن کے مسجدِ نبوی کے منبر سے جنگِ نھاوند کا مشاہدہ کر رہی تھی، کیا جلیل القدر صحابی میدانِ جنگ کے کمان دار حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اللہ والے نہیں تھے جن کے کانوں نے اللہ کا کان ہو کے معرکہ کارزار نھاوند میں یا سارية الجبل یا سارية الجبل کی صدائے عمر فاروق سُن لی۔

تصوف پر عجمیت و ویدانت کا اثر اور یونانی فلسفے سے متاثر ہونے کا بہتان گئی گزری بات ہو چکی۔ صوفیائے کرام، مشائخ عظام اور عارفان باللہ کی شان میں منھ آنے والے اسی گستاخِ ازلی کے چیلے چپاٹے ہیں جس نے بارگاہِ ایزدی میں یہ کہنے کی جرأت کی تھی:

فبعزتک لأغوینهم اجمعین ○ الا عبادک منهم المخلصین ○

[سورۂ ص، آیت: ۸۲-۸۳]

رسول پر ایمان اور رسول سے عشق و محبت ہی اصلِ ایمان ہے جس کا اظہار ایک مومن اپنے عملِ نیک سے اور اگر وہ شاعر بھی ہے تو اپنے اشعار سے کرتا ہے جو اپنے حبیب یعنی حضور رحمۃ للعالمین کی شانِ اقدس میں کہے ہوں۔ اولیا، اقطاب، غوث جو فنا فی الرسول و فنا فی اللہ ہوں ان کی شان میں ایسی دریدہ دہنی عبرت ناک بدانجامی ہے اور دراصل یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے فرمانِ الٰہی ہے:

ختم اللّٰہ علیٰ قلوبهم و علیٰ سمعهم و علیٰ ابصارهم غشاوة.

[سورۃ البقرۃ، آیت: ۷]

یہ کتنا مہمل جملہ ہے کہ ''صوفی شعرا نعت گو نے نبی رحمت V کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو برہمنوں نے بدھ مذہب کے ساتھ کیا تھا۔''

ع صاحبِ معراجِ سبحان الذی اسریٰ توئی

کی صحیح قرات فرمائیں، حسنِ اضافت کی معنویت سمجھیں اور پھر حکم لگائیں۔ شعر فہمی بھی بڑی چیز ہے۔ ابن الجوزی کی کتاب ''تلبیس ابلیس''، شبلی کی ''شعر العجم'' کا سہارا لے کر مصری ادیب احمد امین اور قاہرہ یونیورسٹی کی صدر شعبۂ عربی اپنی استانی جی ڈاکٹر سہر قلماوی کی بے تکی و بے اصل باتوں سے وہ اپنے مفروضات و معروضات میں زور پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے ڈاکٹر نگرامی کو تصوف و طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ وہ اکبر الہ آبادی کے یہ آسان اشعار ہی سمجھ کر پڑھ لیں:

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز — شریعت وضو ہے، طریقت نماز
شریعت میں ہے صورتِ فتحِ بدر — طریقت میں ہے معنیٔ شقِ صدر
شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب — طریقت میں حسن و جمالِ حبیب

نعتیہ اشعار جس زبان میں ہوں حسن و جمال کی تجلیاں پیش کرتے ہیں۔ نعتیں محض علوے فکر و خیال کی عکاسی ہی نہیں آئینہ بندیٔ جمال بھی کرتی ہیں۔

تصوف کے خلاف غوغہ آرائی، طعن و تشنیع و تنقید کی ہفوات سامانی دراصل ان مستشرقین نے کی ہے جو مذہبِ اسلام کے خلاف عالمی سازشوں میں شریک ہو رہے ہیں۔ ان بدبختوں میں نمایاں نام ہارتون (Harton)، بلوشت (Blochet)، ماسی نون (Massignon)، گولڈزیہر (Gold Ziher)، براؤن (Brown) اور اولیری (Oleary) کے ہیں۔

ان کے باطل مشن کو تقویت پہنچانے میں ان دنیادار، مفاد پرست، مصلحت کوش علماے سُو کا بھی ہاتھ ہے۔ جنھوں نے اسلاف اور بزرگوں کے برحق اقوال کو لوگوں کی نگاہوں سے دُور رکھا، مثلاً سیّد الطایفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ ارشاد:

ایں راہ کس یابد کہ کتاب اللہ بردستِ راست گرفتہ باشد و سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بردست چپ۔

شیخ ابوبکر طلمستانی کا یہ زریں قول بھی طریق تصوف کا معیار پیش کرتا ہے:

الطریق واضح والکتاب والسنّہ والفقھہ قائم بین اظھرنا۔

(راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب و سنت و فقہ ہمارے سامنے موجود ہے)

شہر شیراز نے، جہاں بقول ڈاکٹر نگرامی ''اسلام کا شیرازۂ اخلاق بگڑ گیا''، ہمیں حافظ

ہے۔ اگر عہدِ عباسی کی عرب دشمن تحریک ''شعوبیت'' کے نام سے جانی جاتی ہے تو ڈاکٹر نگرامی کی تصوف بیزاری کو ''شیعیت'' کا نام دیا جائے گا۔

علامہ اقبال کے عاشقِ رسول ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ وہ شاعر دانا بھی تھے اور فلسفیِ معنیٰ بھی، اگر چہ خود کہتے ہیں:

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے　　کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

مگران کے دل کی آوازیہ تھی:

دم عارف نسیم صبحدم ہے　　اسی سے ریشۂ معنیٰ میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

ہاں شعیب کام کا ہو، نام کا نہیں ورنہ:

ع　شیرِ قالیں اور ہے شیرِ نیستاں اور ہے

تصوف کو موردِ لعنت و ملامت دکھانے کے لیے نگرامی صاحب نے بہت دُور سے گھیرا باندھا ہے اور اُردو و فارسی نعت گوئی کو اپنے دھوکے کی ٹٹی بنا کر طریقت و تصوف کا شکار کیا ہے۔ جناب نگرامی رقم طراز ہیں:

> عہدِ عباسی کی ابتدا میں فارسی شاعری پر عربی تہذیب وتمدن کا بہت کچھ اثر رہا لیکن چوتھی صدی ہجری آنے تک بالخصوص شیراز میں آکر اس کا ڈھانچہ بالکل بدل گیا... ملحدوں زنادقہ اور صوفیا کی گرم بازاری سب سے زیادہ شیراز میں ہی ہوئی۔ میر حسن علی نے اپنی کتاب ''تصوف کا تنقیدی جائزہ'' میں عطار، رومی اور جامی کو مشرکانہ نعت گوئی اور عقیدۂ وحدت الوجود کے مبلغین میں شمار کیا ہے۔

ڈاکٹر نگرامی ان کے ہم نوا ہیں، گو ان کا موضوع سخن اُردو میں نعت گوئی ہے۔ محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیا کے میر حسن کے اشعار بے سمجھے بوجھے ان پروسی (؟) عقیدے کا بہتان لگایا کہ:

> رسول رحمت نعوذ باللہ کائنات ہیں، صاحب تصرف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت میں آپ کا بھی حصہ ہے۔

میری گزارش ہے کہ نگرامی صاحب میر حسن کے مصرع:

دنوں (فی ستة ایّام ۔سورہ الم سجدہ) میں کائنات کی تخلیق کی۔ ''کئی آسمان بکھر گئے'' بھی محل نظر ہے۔ اللہ نے آسمان بکھیرے نہیں بلکہ ایک خاص ترکیب اور خصوصیت کے ساتھ خلق کئے ہیں۔

تری کہکشاں کے نظام میں ہے جو انتشار کی کیفیت
یہی وجہ ارض و قمر بھی ہے یہی وجہ شانِ ربوبیت

یہ شعر بھی سائنسی نقطۂ نظر سے کہا گیا ہے جبکہ قرآن وحدیث سے کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ ''ارض وقمر'' کی پیدائش کہکشاں کے انتشار کی وجہ سے ہوئی نیز کہکشاں کو شان ربوبیت کی ''وجہ'' بتانا سخت قابل گرفت بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی وجہ کی ضرورت نہیں وہ قادر مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

یہ دیار کون و مکاں ہے کیا تری جلوہ گاہِ شہود ہے
تری قدرتوں کا ہے معجزہ یہاں زندگی کا وجود ہے

''قدرتوں کا معجزہ'' بھی غلط ہے۔ یہاں ''قدرت کا مظہر'' کی ضرورت ہے۔

فیاض ٹانڈوی کے درج ذیل حمد یہ اشعار۔ص ۲۹

پروردگار! تیری کوئی کیا مثال دے   خلقت کو رزق جب تو سدا بے سوال دے

کیا اللہ تعالیٰ صرف ''رزق'' ہی بے سوال دیتا ہے؟ میرے خیال میں مصرع یوں ہونا تھا: ''خلقت کو نعمتیں تو سدا بے سوال دے''

قسمت نے جو لکھا ہے وہ سب حسب حال دے
لیکن مرے خدا مجھے رزق حلال دے

کیا اللہ تعالیٰ کسی کی قسمت میں ''رزق حرام'' بھی لکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو قرآنِ حکیم میں حلال اور حرام کی مکمل تفصیل دے دی ہے۔ اب یہ انسانوں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اپنا رزق کس طریقے سے حاصل کرتا ہے حلال یا حرام؟

ایڑی رگڑ دے گر کوئی معصوم دشت میں   تیرا کرم وہاں پہ بھی چشمہ ابال دے

یہ معجزۂ الٰہی صرف حضرت اسماعیلؑ کیلئے تھا اب کسی معصوم کے ایڑیاں رگڑنے سے چشمہ نہیں ابل سکتا۔ ایسی خواہش نہیں کرنی چاہئے۔ ''دے'' کی جگہ اگر ردیف ''دیا'' ہوتی تو شاید بات بن جاتی۔ (۱۱۶)

فیاضؔ جس سے شوکت اسلام ہو عیاں   روئے حیات کو تو وہی خدوخال دے

دیا، سعدی دیا، عرفی دیا۔ عرفی کا یہ شعر ہر نعت گو کے پیشِ نظر ہونا چاہیے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است   ھشدار کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

اور شیخ سعدی شیرازی تو شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید خاص ہی تھے، فرماتے ہیں:

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضایع است   جز سرّ عشق ہر چہ نجوانی بطالت است

سعدی بشوی لوحِ دِلت رازِ نقش غیر   علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

معجزاتِ انبیا اور کرامتِ اولیا کے منکرین کو آپ کیا کہیں گے جب کہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔ نعت گو صوفی شعرا انھی حقائق کو نظم کرتے ہیں۔ اب کوئی انھیں شرک والحاد و زندقہ کہے تو کہتا رہے اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔ اللہ اگر توفیق نہ دے ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ (طلحہ رضوی برق ص، ۶۷۳۔۵۶۹)

پروفیسر اکرم رضا نے نعت نگاری میں احتیاط کے تقاضے لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے شعر لکھا ہے:

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

اور لکھا ہے ادب و احتیاط کا یہ عالم ہونا چاہیے۔ میں ان کی بات سمجھ نہیں سکا۔ اگر نعت کے خیال سے چپ ہو جانا چاہیے تو پھر یہ جو ہم سب نعتیں لکھ رہے ہیں کیا یہ کوئی گستاخی ہے؟
(احمد صغیر صدیقی، ص ۷۸)

اسلوبیاتی تنقید: تخلیقی لفظیات کی باز آفرینی:

نعت رنگ کی مجلس ادارت و مشاورت میں شامل سبھی شخصیات درجۂ اعتبار کی حامل ہیں اس کے باوجود بعض ایسی تخلیقات شائع ہو رہی ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف جاتی ہیں اس طرف خصوصی توجہ دیں۔ مثلاً

یہ دھماکہ کن فیکون تھا کہ یہ کائنات سنور گئی
کئی آسمان بکھر گئے مگر اک زمین نکھر گئی

''کن فیکون'' سائنسی نقطۂ نظر Big Bang Theory کی طرح کوئی ''دھماکہ'' نہیں تھا اور نہ ہی یہ کائنات اک دھماکے سے معاً وجود میں آگئی جبکہ قرآن کہتا ہے کہ ''اللہ نے چھ

عبدالکریم ثمر صاحب نے بھی ''حُسنہ'' ہی نظم کیا ہے۔ص ۵۴

انہیں خلق کر کے نازاں ہوا خود ہی دست قدرت
کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ تو بیان کئے ہیں لیکن کہیں بھی ایسی کوئی آیت یا اشارہ تک نہیں ملتا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی تخلیق پر ''نازاں'' ہے۔اللہ تعالیٰ کی تو ہر تخلیق بے مثال ہے اتنی ترقی کے باوجود انسان مٹی کا ایک ذرّہ یا ایک باریک سا کنکر نہیں بنا سکا اور نہ ہی بنا سکتا ہے۔اس لیے وہ بار بار کہتا ہے ''وھو علی کل شیءٍ قدیر'' اور ایسا بھی نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ کی خلاقانہ حد ختم ہوگئی ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔چھوٹا منہ بڑی بات لیکن اگر رحمانی صاحب اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ کو یوں بھی کہتے تو بہتر ہوتا ''انھیں خلق کر کے شیدا ہوا خود ہی دستِ قدرت'' (رب اکبر)

رات دن کھنگالتے ہیں بحر ملتا ہی نہیں
آپ کی عظمت کا گوہر کتنی گہرائی میں ہے

عارف متین صاحب نے لفظ ''کھن گالتے'' استعمال کیا ہے۔''ن'' اعلانیہ کیساتھ جبکہ لفظ ''ن غنہ'' کے ساتھ درست ہے۔

وہ اپنی خوبیوں میں ہے جہاں میں یکہ و تنہا
صفات و ذات میں کوئی نہیں کونین میں ثانی

یہ شعر حمد کا تو ہو سکتا ہے نعت کا نہیں۔''کونین'' میں تو ساری کائنات سما جاتی ہے جس میں اللہ کی ذات بھی شامل ہے۔اگر ''کونین'' کو ''مخلوق'' سے بدل دیں تو شعر یقیناً نعت کا ہو جائے گا۔

اک فقر کہ جس فقر پہ خود فخر ہے اس کو اک شاہ کہ جو شاہِ سمندر ہے سخا کا

''شاہِ سمندر'' کی ترکیب غلط ہے شاہ فارسی اور سمندر ہندی ہے ان دونوں میں ترکیب جائز نہیں ہے۔

نشیب فرش کو بخشے غرور و رعنائی فرازِ عرش کو روندے حضور کی سیرت

شعر میں لفظ ''روندے'' بڑا قبیح معلوم ہوتا ہے۔روندنا' پامال اور تباہ و برباد کرنے کے معنی میں مستعمل ہے اور اس عمل میں کبر و نخوت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

تخلص کا استعمال بہت غلط مقام پر ہوا ہے۔ روئے حیات کے خدوخال کا مطالبہ اللہ سے ہے یا فیاض سے؟ ''تو'' فیاض کی طرف اشارہ کرر ہا ہے۔ ضمیر کاظمی (ممبئی) کی حمد کا مطلع۔ ص ۳۰

یا خدا! مجھ پر اگر تیری عنایت ہو جائے — حمد وہ لکھوں فرشتوں کو بھی حیرت ہو جائے

اب تک میں اس بات سے لاعلم تھا کہ ''فرشتے بھی ادبی ذوق رکھتے ہیں۔'' قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔'' ان اللّٰہ و ملائکته یصلون علی النبی ....الخ۔ اللہ اور اس کے فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ بس یہی درود ملائکہ کی نعت ہے۔ شعر میں ''اگر'' بھی حشو ہے۔ شاعر نے اب تک جو کچھ لکھا ہے کیا وہ خدا کی عنایت نہیں ہے؟ اولیٰ مصرع یوں ہونا تھا ''یا خدا! مجھ پہ تری ایسی عنایت ہو جائے''۔ ''حیرت ہو جانا'' بھی زبان نہیں ہے۔

میرے اسلوب کو ندرت کی ارم بھی ہو عطا
لہجہ وہ دے کہ جو فردوس سماعت ہو جائے

''ارم'' شداد کی بنائی ہوئی جنت کا نام ہے۔ میں نعت وحمد میں خصوصاً اس لفظ کے استعمال کے حق میں نہیں ہوں اس تعلق سے میں نے اپنے خط (مطبوعہ نعت رنگ ۲۲ ص ۵۷۹) میں اظہارِ خیال کر چکا ہوں۔

مقالات کے آغاز میں محترم ریاض مجید کا ایک شعر درج ہے۔ ص ۳۳

کر احتیاط سے طے راستہ مدینہ کا — ہجوم شوق تجھے واسطہ مدینہ کا

شعر اچھا ہے لیکن میرے خیال میں ''ہجوم'' کی بجائے ''جنون'' ہوتا تو ''احتیاط'' کا اطلاق زیادہ صحیح و بہتر ہوتا۔ کیونکہ جنون میں بے ادبی اور گستاخی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت ہجوم کے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کا مقالہ ''اسوۂ حسنہ.....اردو نعت کے آئینے میں'' بڑی محنت سے لکھا گیا ہے لیکن ان کے پیش کردہ کچھ اشعار میں بھی مجھے کچھ اسقام نظر آئے۔ مثلاً

اتنا کشادہ ذہن، مروّت کا اک دیار — اتنا بڑا رسول، رسولوں میں شاہ کار

''اتنا بڑا رسول'' بڑا عجیب سا لگ رہا ہے اس کی بجائے'' اللہ کا حبیب'' کہہ دیتے تو ''رسولوں میں شاہ کار'' بھی نبھ جاتا۔

نبی کے اسوۂ حسنہ سے یہ پیغام ملتا ہے — یتیموں کی خبر رکھنا، غریبوں کا بھلا کرنا

لفظ'حَسَنہ' ہے'س' متحرک ہے جبکہ شاعر نے اسے ساکن نظم کیا ہے۔ اسی طرح

نظم کے ٹکڑے ''لمحہ بھر کو ادھر نظر کر'' سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ''خدائے عالم'' کشمیر و فلسطین سے غافل ہے۔ اسے خبر ہی نہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور اس کی مشیت کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟؟ مطلوب علی زیدی مطلوب کے دو اشعار بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں اور دونوں کے مصرعہ ہائے ثانی بحر سے خارج ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۲۰۔۱۱۵)

(۲) ۱) نعرۂ تکبیر سے ناراض ہنومان ہے ہنومان پڑھئے تو بحر درست ہوتی ہے جبکہ اصل لفظ 'ہنُومان' ہے۔ (احمد صغیر صدیقی، ص۸۴)

۲) جلد ہو جائے سحر مطلوب! اب یہی ارمان ہے

(۳) گزشتہ سال بارہ ربیع الاول کی شب پی ٹی وی کراچی سینٹر سے ایک نعتیہ مشاعرہ پیش کیا گیا، ایک معروف نعت گو شاعر نے طائف کی سنگ باری کا حوالہ دیتے ہوئے حضور اکرم V کے لیے ''سنگسار'' کا لفظ استعمال کیا:

کیا لاؤ گے طائف کا کوئی ایسا مسافر؟ جو ان کی طرح راہ میں ''سنگسار'' ہوا ہو!

یہ لفظ نہایت قابل اعتراض ہے کیوں کہ ''سنگ باری'' اور ''سنگساری'' میں بڑا فرق ہے۔ موخر الذکر پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کو کہتے ہیں جو شریعت میں بدکاری کی سزا ہے۔ فنی اعتبار سے بھی شاعر موصوف کا یہ مصرعہ سقیم ہے کیوں کہ انھوں نے ''سنگسار'' بر وزن ''سنسار'' استعمال کیا ہے، جو غلط ہے۔ ''سنگسار'' میں نون غنہ نہیں ہے بلکہ اس کا اعلان ہوگا، جس کی وجہ سے مصرعہ ساقط الوزن ہو کر بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ذرائع ابلاغ کو احتیاط برتنی چاہیے۔ (تنویر پھول ص،۲۴۷)

(۴) بعض اصحاب نعت پر تنقید کے قائل نہیں لیکن اگر کوئی فنی غلطی ہو یا شرعی اعتراض ہو تو تنقید بلاشبہ درست ہے۔ 'نعت رنگ' یہی فریضہ انجام دے رہا ہے، اس موقع پر میں توجہ دلانا چاہوں گا کہ عصرِ حاضر کے ایک معروف نعت گو اپنی نعت میں اکثر اس مفہوم کا شعر پڑھتے ہیں کہ 'حضور V نے خلل کے چراغ بجھا دیے۔' چراغ ہمیشہ اچھے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اگر 'خلل کے چراغ' کہنا درست ہے (۲۴۸) تو پھر 'جہالت کی شمع' اور 'باطل کا نور' کہنے میں کیا مضایقہ ہے؟ اسی طرح ایک شاعرہ کی نعت کا یہ مصرع دیکھیے 'کفر کے روشن ایوانوں میں آکے اندھیرا کس نے کیا؟' یہ مصرع بھی قابلِ اعتراض ہے۔ کفر کے ایوانوں کو روشن کہنا درست نہیں اور اندھیرا کہنا اچھا فعل نہیں، جسے حضور V سے منسوب کرنا کھٹکتا ہے۔ یہ دونوں نعتیں شائع بھی ہو چکی ہیں اور اکثر

ذاتِ اقدس سے ایسا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا اسکے علاوہ ''سیرت'' کا تعلق صرف انسانوں سے ہے آسمان یا آسمانی مخلوق سے نہیں۔

ہوں بزمِ دوستاں میں تو حرفِ سبک ہیں آپ
اور رزم دشمناں ہو تو کوہِ گراں ہیں آپ

شعر میں تقابل ردیفین کا عیب ہے۔ لفظ ''سبک'' دو املے کیساتھ مستعمل ہے اول ''سُبک'' جسکے معنی ہیں طور، طریقہ، راستہ اور ''سُبک'' جس کے معنی ہیں خوار، کم عزت، ہلکا، کم مایہ ان دونوں کا استعمال ''حرف'' کے ساتھ کسی طرح درست نہیں ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تو قطعی نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ شعر اس طرح بھی کہا جاسکتا تھا۔

ہیں بزمِ دوستاں میں شگوفہ بہار کا
میدانِ کارزار میں کوہِ گراں ہیں آپ

گزر رہے ہیں شب و روز کی تمنا میں
مرے چلن میں جھلکنے لگے چلن تیرا

شعر میں غالباً کمپوزنگ کی خامی ہے ''اس'' کی جگہ ''کی'' ٹائپ ہوگیا ہے۔

درخشاں عالم امکاں میں ہے خلقِ عظیم ان کا
کرم کی روشنی سے پُر ضیا کون و مکاں دیکھا

شعر میں واحد جمع کا سقم ہے۔ ''کون و مکاں دیکھے'' چاہئے۔

جمال کون و مکاں گرد کاروانِ نبی   جلال فقر و غنا ہم رکاب شاہ امم

''کون و مکاں'' میں عرش و کرسی اور جنتیں بھی شامل ہیں یہ ''گرد کاروانِ نبی'' کس طرح ہوسکتے ہیں؟

ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال (بہاولپور) نے ایک اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ مضمون کی بُنت بھی عمدہ ہے۔ بس اس مقام پر نگاہ اٹک گئی جہاں انھوں نے شفقت تنویر مرزا کی نظم ''پہلی پکار'' درج کی ہے۔

''خدائے عالم! بلند و برتر! کبھی تو نیلی بلندیوں سے...... کسی سہانی سحر کے پردے سے لمحہ بھر کو ادھر نظر کر...... کھنڈر...... یہ مخلوق، اشرف الخلق...... ظلم کی تیرگی سے نکلے.... کھنڈر.... یہ مخلوق، اشرف الخلق.... ظلم کی تیرگی سے نکلے'' (ص ۸۱)

نعت گوئی: اصلاح سخن کی چند نمایاں صورتیں:

فنی تناظر

ا۔ عروض اور تقطیع کے مسائل:

(عروض: وہ علم جو پابند شاعری کی بحور کی ماہیت، اصلیت، اجزائے ترکیبی، جماعت بندی اور تقابلی مطالعے کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کی مدد سے اشعار کے موزوں یا غیر موزوں ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔
تقطیع: اطلاقی عروض کا دوسرا نام ہے۔ پابند شاعری کی بحور پر اشعار کو پرکھنا تقطیع کہلاتا ہے۔ عروضی بحر کے ارکان کی مطابقت شعر کے ٹکڑے کر کے تلاش کی جاتی ہے۔ عروضی رکن کے ہر متحرک حرف کے مقابل شعر میں قابلِ شمار حروف کا متحرک ہونا لازم ہے۔ یہی صورت ساکن حروف کی بھی ہے۔)

(ا) راجہ صاحب کا مصرع: سدرہ کی منزل پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

بالکل درست ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم سب عام گفتگو میں کیفیت، اہمیت، حیثیت وغیرہ کو یائے مشدد سے استعمال نہیں کرتے لیکن عام گفتگو اور شاعری یا ادب کی زبان میں جو نازک سا فرق ہے وہ اگر کوئی شاعر یا ادیب ملحوظ رکھے تو کسی کو اعتراض بھی نہیں کرنا چاہیے، البتہ سدرہ کی یائے ہوز کا دبنا دُور ہو سکتا تھا ذرا سی توجہ سے یوں بھی ہو سکتا ہے: ع منزلِ سدرہ پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

ایک اور مصرع: ع پیچھے پڑی ہیں آج کل بیماریاں بہت

میں اس کا وزن نہیں سمجھ سکا۔ میرے فہمِ ناقص کے مطابق اس کل کا لام تقطیع سے خارج ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ میرے عجزِ فہم اور عروض و اوزان سے ناواقفیت کا کھلا ثبوت ہے۔ یہاں ڈاکٹر گوہر کا اعتراض درست ہے کہ لفظ کل کا لام تقطیع سے خارج ہے اور ایسا ہی الجھاؤ راجا صاحب کے اس مصرع میں بھی ہے: ع تھے اور بھی رُسل مگر رب نے حبیب کو

مشاعروں میں سنی گئی ہیں۔ اس تنقید کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں صرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۴۹)

(۵) ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کا طویل مقالہ ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم'' شمارے کی جان ہے، جو مقالہ نگار کے تبحرِ علمی اور ژرف نگاہی کا جواز ہے۔ موصوف نے ''لفظ'' کی تخلیقی اہمیت وغایت سے متعلق حوالوں کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ شعر کی صوری ومعنوی، جمالیاتی وتاثراتی سطح پر بھی بحث کی گئی ہے.........تلازمۂ خیال یعنی Association of Thought کے ضمن میں عرض ہے کہ ضیغم، سرخ لیلیٰ کی انگلیاں، مجنوں کی پسلیاں وغیرہ کو علامتوں، استعاروں اور پیکروں سے منسوب کیا جاسکتا تھا نہ کہ تلازمۂ خیال سے۔

(۳) گردشِ ارض و سما تاروں کی چال ان کے لیے | دو جہاں کا ذرّہ ذرّہ ہے فعال ان کے لیے
چاند سورج، زحل، زہرہ، مشتری، مریخ سب | نور افشانی پہ ہیں اپنی نہال ان کے لیے
ہیں حبیبِ ربِ دو عالم ہو ہنگام نزول | خنداں و فرحاں خدائے ذوالجلال ان کے لیے
جنبش انگشت سے دو نیم ہو جائے قمر | وسطِ دو عالم نہیں کچھ محال ان کے لیے

ص ۴۰۰ پر یعقوب تصور صاحب کی نعت ہے۔ انھوں نے دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ 'فعال' بروزن 'فعول' باندھا ہے جب کہ یہ لفظ مفعول کے وزن پر درست ہے کیوں کہ اس میں 'ع' مشدد ہے۔ آٹھویں شعر کے پہلے مصرعے میں زُحل کو زُحل باندھا گیا ہے۔ اسی طرح دسویں اور تیرھویں شعر میں 'دو عالم' کو مفعولن کے وزن پر باندھا ہے جب کہ یہ لفظ فعلون کے وزن پر ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ 'دو عالم' میں 'وٗ' معدولہ ہوتا ہے۔

ص ۳۹۶ پر حسن بریلوی کی نعت پر میری تضمین میں کمپوزنگ کی غلطیاں ہیں۔ دوسرے بند کے تیسرے مصرع میں صحیح لفظ 'خسروا' ہے۔ اسی طرح پانچویں بند کا تیسرا مصرع یوں ہے: 'اے مرے تیماردار و ربّ اکبر کی قسم'۔

ص ۳۹۲ پر جناب محمد علی شیدا البستوی کی نعت ہے۔ موصوف سے صرف اتنی گزارش ہے کہ وہ اپنا کلام اشاعت کے لیے بھیجنے سے پہلے کسی استاد سے اصلاح لے لیا کریں۔ (حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۶۴۷۔۶۴۶)

(۴) ''محمد علی آثر کی حمدیہ و نعتیہ شاعری'' پر ڈاکٹر نسیم الدین فریس (بھارت) نے کافی عمدہ مضمون تحریر فرمایا ہے لیکن انھوں نے بعض اشعار ایسے بھی درج کر دیے ہیں جن کا مضمون میں نہ ہونا ہی بہتر ہوتا۔ مثلاً

کاسۂ ہنر میں فن کے موتی ڈال کر
جو تصور سے پرے ہو وہ خوشی دیتا ہے تو

اگر کمپوزنگ کی خامی نہیں ہے تو مصرعِ اولیٰ کی بحر درست نہیں ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۵)

(۵) اے سبز گنبد نبی گواہ ہے عرش کا مکیں
ملا ہے میری چشم دل کو نور کوہ طور کا

گواہ کا ''ہ'' ساقط الوزن ہے۔ شاکر صاحب کی ''چشم دل'' کو کیا واقعی ''کوہِ طور'' کا نور ملا ہے؟ نعت میں اس قسم کی تعلّی درست نہیں ہے اور پھر ستم یہ کہ عرش کے مکیں کو گواہی میں پیش

راجا صاحب کا مصرع ہے: ع حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت چاہیے

اس پر ڈاکٹر گوہر نے کہا کہ مصرع خارج از بحر ہے۔ راجا صاحب نے تقطیع کر کے ثابت کر دیا کہ مصرع خارج از بحر نہیں لیکن راجا صاحب کی وضاحتی سطر اور بیان کردہ اوزان میں یکسانی نہیں انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

حضرت اس مصرع میں کوئی کی ''ی'' دبی اور ''واؤ'' دب گیا مصرع خارج از بحر کس طرح ہو گیا۔ تقطیع اس طرح ہے:

حاضری کی	کوئی نہ کو	ئی تو صورت	چاہیے
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن

محترم راجا صاحب نے تقطیع درست کی اور تقطیع میں نہ کہیں ''ی'' دبی اور نہ ''واؤ'' گرا پھر انھوں نے معلوم نہیں کیوں یہ لکھا کہ ''ی'' دب گئی اور ''واؤ'' دب گیا۔ البتہ دوسرے رکن میں یعنی ''کوئی نہ کوئی'' کی تقطیع میں لفظ ''نہ'' کو یا تو آپ ''نا'' پڑھیں یا ''نہ'' کی ہائے ہوز کو واضح کریں تب وزن درست ہوگا ورنہ نہیں۔ (قمر رعینی ص، ۴۱ے۔ ۴۰ے)

محمد فیروز شاہ کی لکھی نعت میں ایک آدھ جگہ کتابت کی غلطی نظر آئی ہے۔ مثلاً اُن کا ایک مصرع ''جیسے انگوٹھی میں اَن مول نگینہ آیا'' (اس کے قطع نظر کہ ''نگینہ آیا'' ہی کچھ اچھا نہیں لگتا اس مصرعے میں عروضی سقم موجود ہے) ان کا ایک اور مصرع ہے:

''دوڑ کر آئی صبا نکہت و خوش بو سینہ'' اس میں نکہت و خوش بو کے الفاظ ہم معنی ہیں اس لیے مصرع لطف نہیں دے رہا ہے۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۶۸)

(۲) ص ۲۲۷ پر سلیم کوثر صاحب کے مصرع 'ذرا سنبھل کے ذرا اے یار اے یار' میں پہلے 'اے' کی 'ی' تقطیع سے خارج ہے۔

ص ۳۵۹ پر قیصر نجفی صاحب نے قمر رعینی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

انھوں نے کہیں کہیں لفظ پاؤں استعمال کیا ہے جو بروزن 'فعلن' ہے حالاں کہ درست لفظ پانو بروزن 'فعل' ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بطورِ مثال قمر رعینی صاحب کا مصرع بھی لکھا ہے 'ان کے منگتوں کے پاؤں کے نیچے' فاضل تبصرہ نگار کی خدمت میں عرض ہے کہ قمر صاحب نے لفظ پاؤں بروزن 'فعل' ہی باندھا ہے جو صحیح ہے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ، ص ۶۴۶)

استعمال کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ اس نوعیت کا ناجائز استعمال قانوناً غلط ہے۔ خواہ اساتذۂ سخن ہی کے ہاں یہ عیب کیوں نہ پایا جائے قانون بخشے گا نہیں۔ بطور مثال آتش کا یہ مصرع پیش کیا گیا:

ع شہر میں قافیہ پیمائی بہت کی آتش

تقطیع کے تحت پیمائی کی ''ئی'' کے سبب یائے معروفہ کو زائد مانتے ہوئے اس مصرع کو خارج از بحر قرار دیا گیا جب کہ بقرینۂ صوت و قرأت ءِئی ہی کی منزل میں ہے۔ ایسی صوتی نزاکت میں نہ کوئی مضائقہ ہے اور نہ ہی فصاحت و بلاغت کے خلاف۔ بعد کے اس قانونی توضیع نے حروف علت کی بعض اہم کارکردگی کے پیش نظر بعض حرفی و صوتی اتصال و تعلق کا لحاظ نہیں رکھا جو اردو شاعری کا بنیادی خاصہ ہے۔ ضرورت شعری کے تحت بعض اوقات وزن کے ایک حرف کو دو کے برابر تسلیم کر لیا جاتا ہے جو فطری لہجے کے مطابق صوتی وابستگی کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ شاعری تقطیع کی روشنی میں نہیں اوزان کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ اگرچہ اوزان، تقطیع ہی کے تابع ہوتے ہیں اور تقطیع، صوتی ہم آہنگی سے الگ نہیں رہ سکتی۔ بہت سے شعرا محض گنگنانے (یعنی لے کاری) ہی کے سہارے بحروں کو اپنی گرفت میں لے کر شاعری کرتے رہتے ہیں۔ نہ وہ بحروں کے اصول سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی تقطیع کی توضیع سے لے کاری یا ردھم کی بنیاد پر بڑی سے بڑی شاعری کے نمونے پیش کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مصرع مذکورہ کے لفظ پیمائی کے ہمزۂ مکسور کو ہائے معروفہ کے ساتھ مدغم کر دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ مثلاً حالی کا یہ شعر:

وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں عداوت اس کی عذابِ الیم جاں کے لیے

اگر مصرع اولیٰ میں یہ دیکھا جائے کہ ''جیتے'' کی یائے معروفہ زائد ہے تو پھر مصرع ثانی میں یہ بھی غور کرنا پڑے گا کہ ''عداوت اس کی'' کے مابین الف بے تعلق کیوں رہ گیا۔ یہ بے تعلقی قانوناً صوت و قرأت کے سبب ہے تقطیع کی بنیاد پر نہیں۔ چناں چہ ایسے وضع قانون سے جماعت شعرا کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ جس کے زیر اثر اساتذۂ سخن کے سیکڑوں، ہزاروں اشعار فضول مجروح ہو جائیں۔

ع اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

یہ پورا مصرع ہی غلط نقل کیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بے بحر مصرع کا وزن تک بتاتے ہوئے اس کی تقطیع بھی کر دی گئی۔ مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعیلن حالاں کہ مصرع

کر رہے ہیں!!(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۰)

(۶) طائر روح کا مسکن ہے ریاضؔ احمد
کیسے اغیار کے اشجار پہ ٹھہرے جا کر

ریاضؔ یہاں بہ حیثیت تخلص استعمال ہوا ہے جو بے محل ہے۔ یہاں ''ریاض'' باغ کے معنی نہیں دیتا اور اگر ریاضؔ۔ احمدؔ'' پڑھیں تو سکتہ در آتا ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۱)

(۷) رذالت، ظلم، حق تلفی، جہالت اس کا شیوہ تھا
غرض ہر اک قدم تخریب کا ہی پیش خیمہ تھا

''تلفی'' کا ''ل'' ساکن نظم کیا گیا ہے۔ جب کہ اسے متحرک ہونا چاہیے تھا۔(غَلَطی ہائے مضامیں مت پوچھ) اصل لفظ تلَف ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۴)

(۸) معروف نعت گو اعجاز رحمانی صاحب کا مجموعہ نعت ''آسمانِ رحمت'' جو حال ہی میں شائع ہوا ہے میری نظر سے گزرا، اس میں ان کا یہ مقطع موجود ہے:

ورفعنا لک ذکرک ہے کس کی شان میں آیا!
بھلا اعجازؔ پہنچے گی وہاں فکرِ سخن کس کی!

اس شعر کا پہلا مصرع بحر سے خارج ہے، یہ شعر بحر ہزج مثمن سالم (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن) میں ہے۔ وزن برقرار رکھنے کے لیے ''رفعنا'' کو ''رافعنا'' اور ''لک'' کو ''لکا'' پڑھنا پڑے گا جو دینی اور فنی دونوں لحاظ سے قابلِ اعتراض ہے کیوں کہ یہ سورۂ انشراح کی آیت ہے تاہم اس سے دل شکنی مقصود نہیں، اگلے ایڈیشن میں اس مصرع کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(۹) کاتبِ قسمتِ بشر کیسے نہ پُر اُمید ہو
تیری رضا پہ چھوڑ کر اپنے معاملات دل

میرا گمان ہے کہ اس شعر کا مصرعِ اولیٰ کتابت کی غلطی سے اس طرح چھپا ہے ورنہ یہ کچھ یوں ہونا چاہیے تھا: کاتبِ قسمت! بشر کیسے نہ پُر اُمید ہو (تنویر پھول ص،۶۱۔۲۶۰)

(۱۰) ''نعت رنگ'' کراچی (شمارہ: ۱۳، دسمبر ۲۰۰۲ء) میں جناب شارق جمال صاحب کا مضمون بہ عنوان ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں حروف علت کے تعلق سے فنی سقم کے بعض گوشوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ الف، واو اور یائے معروفہ کے غیر قانونی محل

اس میں زحل بروزنِ فِعَل استعمال ہوا ہے جب کہ لفظ زحل بروزن فَعَل ہے۔
(طلحہ رضوی برق ص، ۵۶۷)

(۱۳) بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ واؤ عطف کی طرح ''نہ'' اور ''کہ'' کا تلفظ اشعار میں یک حرفی ہوتا ہے نہ کہ دوحرفی۔ پروفیسر منور غازی لکھتے ہیں:

الفاظ ''نہ'' اور ''کہ'' کے دوحرفی الفاظ کے طور پر استعمال ہونے اور محسوب ہونے کے سلسلے میں قدیم اور جدید عہد کے نام ور شعرا کے کئی اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں۔

مجھ کم استعداد کو یقین ہے کہ موصوف اپنے اس دعوے کی دلیل لانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ پروفیسر غازی آگے لکھتے ہیں:

میر تقی میر کا ایک شعر تقطیع کے ساتھ پیشِ خدمت ہے:

تشنہ لب مر گئے ترے عاشق   نہ ملی ایک بوند پانی کی
فاعلن فاعلن مفاعیلن   فاعلن فاعلن مفاعیلن

پروفیسر غازی سے سہو ہوا ہے۔ فاعلن فاعلن مفاعیلن کسی بحر کا وزن نہیں ہے۔ میر کا یہ شعر بحرِ خفیف مسدس مجنون محذوف میں ہے۔ شعر کی صحیح تقطیع یوں ہوگی:

تشنہ لب مر گئے تیرے عاشق   نہ ملی ایک بوند پانی کی
فاعلاتن مفاعلن فعلن   فعلاتن مفاعلن فعلن

چونکیے نہیں! دوسرے مصرع میں پہلا رکن فعلاتن ہے۔ اس بحر میں ''صدر'' و ''ابتدا'' میں زحاف خبن کو روا رکھا گیا ہے کہ اس سے صورت شعری و ترنم میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ مثال میں ایک دو نہیں سیکڑوں اشعار اساتذہ کے پیش کر سکتا ہوں۔ سر دست استاد ذوق کا شعر ملاحظہ ہو:

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ذوق کا یہ شعر بحر رمل مثمن مسکن محذوف میں ہے جس کا وزن ہے:

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

اس شعر کے پہلے مصرع کے ''صدر'' میں فاعلاتن مجنون ہو کر فعلاتن ہو جائے گا اور وہ محض اس لیے کہ لفظ ''نہ'' دوحرفی استعمال نہیں ہوتا۔

یوں ہونا چاہیے تھا:

اے بے کسوں کے آقا ب ہے تری دہائی

جس کی بحر مضارع مثمن اخرب کے تحت مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ہے اور رمل مثمن مشکول کے تحت فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن ہے۔ ہزج مثمن اخرب یعنی مفعول فعاعیلن مفعول مفعاعیلن کے تحت مصرع کا وزن یہ ہونا چاہیے تھا:

اے جانِ وفا تیرے انداز نرالے ہیں

(ڈاکٹر شمیم احمد گوہر ص، ۵۱۵-۵۱۴)

(۱۱) خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والا ہے تو

سن اے شیشوں کے مسیحا! دل شکستہ میں بھی ہوں (صہبا اختر)

اساتذۂ فن وسخن نے حرفِ ندا 'اے' کی تخفیف یعنی اس سے حرف یا کا گرانا غلط اور عجز بیان بتایا ہے۔ حالاں کہ مضمون میں اچھے اور بہت اچھے اشعار کا میلہ ہے۔ (طلحہ رضوی رق ص، ۵۶۴)

(۱۲) یعقوب تصور صاحب کی نعت کا مطلع ہے:

عظمتِ تخلیق کا ہر اک کمال ان کے لیے
حسنِ کائنات اوصافِ جمال ان کے لیے

'حسنِ کائنات' کو وزن میں 'حسنِ کائے نات' پڑھنا ہوگا جو غلط ہے۔ اسی نعت کے بارھویں شعر میں یہ لفظ اصلاً درست استعمال ہوا ہے۔ شعر بھی پڑھ ہی لیجیے:

ان کی اقلیمِ بصیرت میں ہے ساری کائنات
بازیِ طفلاں ہے کارِ دانیال ان کے لیے

دوسرے شعر میں قافیہ فعَال لائے ہیں:

گردشِ ارض و سما تاروں کی چال ان کے لیے
دوجہاں کا ذرّہ ذرّہ ہے فعال ان کے لیے

حالاں کہ اس معنی میں لفظ فعّال عین مشدد کے ساتھ ہے۔ فعال کے معنی لغت میں کچھ اور ہیں جن کا یہ محل نہیں۔ ایک مصرع ہے:

ع چاند، سورج، زحل، زہرہ، مشتری، مریخ سب

آبلۂ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجھا پھر آنکھ سے نہ کچھ منزلِ یار دیکھ کر

ہو سکے تو تقطیع کر کے دیکھ لیں۔ رہ گئی بات لفظ وحی کے صحیح تلفظ کی، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''جن اشعار میں اسے (وحی) متحرک ح کے ساتھ استعمال کیا ہے، ان اشعار کو بے وزن نہیں کہا جا سکتا۔''

دلیل یہ ہے کہ 'فیروز اللغات'، 'نور اللغات' اور 'رافع اللغات' وغیرہ میں لفظ وحی کے حرف ح کو متحرک لکھا گیا ہے۔ اسی کو انگریزی میں کہتے ہیں Lame Excuse۔ وحی عربی لفظ ہے نفی وسعی کی طرح۔ قرآن سے بڑھ کے سند کیا ہوگی۔ سورہ نجم کے شروع میں ہی دیکھ لیں اِن ھو الا وحی یوحیٰ ط [آیت:۴]

سند کسی عربی یا فارسی مستند نعت سے دی ہوتی یا اُردو ہی کے کسی استاد شاعر کا شعر پیش کرتے۔ احمد فراز اچھے شاعر ہیں مگر وہ فنِ شعر و زبان کے استاد نہیں۔ ''وحی'' بروزن ''ڈہی'' عوام بولتے ہیں وہی جو لسان و ادب سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اسی لیے ''غلط العام فصیح'' کہا گیا ہے۔ ''غلط العوام'' نہیں۔ ''حکایت شبان و موسیٰ'' کا یہ مشہور شعر تو بہتوں کو یاد ہے:

وحیِ آمد سوے موسیٰ از خدا — بندۂ مار ازما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

فارسی اشعار میں بھی ''نہ'' یک حرفی ہی استعمال ہوتا ہے اور اگر وزن کا تقاضہ دو حرفی کا ہو تو ''نہ'' کو نے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اوپر کے شعر سے ظاہر ہے اور یہی چلن اُردو اشعار میں بھی ہے۔

آگے بڑھے تو کامران جاوید عرفانی کا خط دیکھا۔ ''نہ'' اور ''کہ'' سے متعلق جناب عارف منصور کے موقف کو غلط ثابت کرنے میں انھوں نے بھی بہت زور لگایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''عارف منصور جیسے ایک آدھ نامعتبر عروضیے نے ان الفاظ کے بارے میں غلط رائے دی ہے جسے دسیوں اساتذہ کے اشعار غلط ثابت کر رہے ہیں۔''

انھوں نے دلیل و مثال میں (بالترتیب) بیدل حیدری، حالی، غالب، درد اور میر کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

شاعری میں علم العروض کے اُصول وضوابط کی پابندی لازم ہے۔ یہاں آزادی اور من مانی جائز نہیں۔ بحرِ رمل کے بیان میں استاد یاس یگانہ چنگیزی فرماتے ہیں:

صدر و ابتدا میں سالم و مجنون کا اجتماع جائز ہے۔ رمل مثمن مخبون میں صدر و ابتدا اور حشو کے مقام پر فعلاتن کو تسکین اوسط کے مفعولن بنالینا صحیح ہے۔

چاہیں تو اس شعر پر بھی غور کرلیں:

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں مبری

حافظ شیرازی کے بھی ایک دو شعر ملاحظہ ہوں:

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود — تا نہ سرگشتہ شوی دایرہ امکاں را

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو — نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامی چند

اشکِ غمازِ من ار سرخ برآمد چہ عجب — خجِل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست

ان اشعار میں ''نہ''، ''کہ''، ''وادعطف'' کا یک حرفی استعمال اور نفی بروزن وحی بھی نظر آئے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر منور غازی نے حفیظ جالندھری کا یہ مشہور مصرع بھی:

تم نے ہمیں بھلادیا ہم نہ تمھیں بھلاسکے

اپنے اس دعوے کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ اس میں لفظ ''نہ'' دوحرفی استعمال ہوا ہے اور اس مصرع کی یوں تقطیع کی ہے جو اُصولاً اور صریحاً غلط ہے۔ تقطیع یوں کی ہے:

تم نے ہمے	بھلادیا	ہم نہ (نا) تمے	بھلاسکے
مستفعلن	مفاعلن	مستفعلن	مفاعلن

جاننا چاہیے کہ بحرِ رجز مفرد بحر ہے جس کے سالم ارکان آٹھ بار مستفعلن ہیں۔ انیس زحافات اس بحر میں لگتے ہیں جس سے اس کے سات مستعملہ اوزان بنتے ہیں مگر مستفعلن مفاعلن مستفعلن مفاعلن ان میں آتا ہی نہیں۔

حفیظ جالندھری کا مصرع دراصل بروزن:

مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

ہے جو بحرِ ھزج کا پانچواں مستعملہ مشہور وزن ہے۔ اسی بحر و وزن میں یہ شعر بھی ملاحظہ ہو جس میں لفظ ''نہ'' یک حرفی ہی استعمال ہوا ہے۔

ان حضرات نے مثال میں جو اشعار پیش کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

لے پھرا میں کہاں کہاں دل کو	نہ لگائے گیا جہاں دل کو
نہ ملا وہ نفاق کے مارے	کیا کریں ہم وفاق کے مارے
ہو چکا حشر بھی حسن لیکن	نہ جیے ہم فراق کے مارے
جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا	کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
نہ سمجھ مجھ کو رائیگاں نہ سمجھ	نہ سہی تیرے کام کا نہ سہی
نہ ملا کر اداس لوگوں سے	حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں
تشنہ لب مر گئے ترے عاشق	نہ ملی ایک بوند پانی کی
نہ سہی آشیاں قفس ہی سہی	سر تو آخر کہیں چھپانا ہے
نہ ملا کوئی غارتِ ایماں	رہ گئی شرم پارسائی کی
نہ سنو گر بُرا کہے کوئی	نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

ڈاکٹر منور غازی صاحب نے ان اشعار کے ارکان ''فاعلن فاعلن مفاعلین'' بتائے ہیں۔ حالاں کہ یہ اشعار بحرِ خفیف میں ہیں اور مختلف تبدیلیوں کے ساتھ اس بحر کے آٹھ اوزان بنتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ فاعلاتن مفاعلن فِعْلُنْ

۲۔ فاعلاتن مفاعلن فِعْلَان

۳۔ فاعلاتن مفاعلن فَعِلُن

۴۔ فاعلاتن مفاعلن فَعِلَان

۵۔ فَعِلاتن مفاعلن فِعْلُن

۶۔ فَعِلاتن مفاعلن فَعِلُن

۷۔ فَعِلاتن مفاعلن فِعْلَان

۸۔ فَعِلاتن مفاعلن فَعِلَان

اب ذرا یہ حضرات تقطیع کر کے بتائیں کہ کس استاد نے ''نہ'' اور ''کہ'' کو دو حرفی باندھا ہے۔ اسی طرح منور غازی صاحب نے حفیظ جالندھری کے مصرع

ع تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمھیں بھلا سکے

نہ سہی آشیاں قفس ہی سہی   سر تو آخر کہیں چھپانا ہے

نہ ملا کوئی غارتِ ایماں   رہ گئی شرم پارسائی کی

نہ سنو گر برا کہے کوئی   نہ کرو گر برا کرے کوئی

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا   کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہو گا

یہ چاروں اشعار متذکرہ بالا بحر خفیف مسدس مخبون محذوف میں ہیں جن کا وزن ہے:

فاعلاتن مفاعلن فعلن

جو اس شعر کا وزن ہے:

تشنہ لب مر گئے ترے عاشق   نہ ملی ایک بوند پانی کی

میر تقی میر کے درج ذیل شعر کی تقطیع بھی عرفانی صاحب نے بالکل غلط کی ہے:

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسی کے ساتھ

لے جاتے دل کو خاک میں اس آرزو کے ساتھ

اس شعر کا صحیح وزن ہے: مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعلن

تقطیع آتی ہو تو کر کے دیکھ لیں۔

ان کا غلط تقطیع کردہ وزن مستفعلن مستفعلن مستفعلن فعل بحر رجز کے تحت آتا ہی نہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(طلحہ رضوی برق ص، ۸۷۔۴۷۴)

(۱۴) "نعت رنگ" شمارہ نمبر ۲۱ میں خورشید ناظر کی کتاب "بلغ العلیٰ بکمالہ" پر محترم عارف منصور صاحب کا تبصرہ شائع ہوا۔ دوسری باتوں سے قطع نظر فاضل مبصر نے جو عروضی غلطیوں کی نشان دہی کی وہ اس میں حق بجانب ہیں۔ الفاظ "نہ" اور "کہ" ہمیشہ سے ایک حرفی ہی استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ کسی نے بھی انھیں دو حرفی نہیں باندھا مگر حیرت کی بات ہے کہ شمارہ نمبر ۲۲ میں پروفیسر ڈاکٹر عمران صاحب، پروفیسر ڈاکٹر منور غازی صاحب اور کامران جاوید عرفانی صاحب نے علمِ عروض سے نابلد ہونے کی بنا پر طوفان کھڑا کر دیا۔ تینوں حضرات نے اساتذہ کے کلام سے مثالیں دے کر تقطیع کی لاحاصل کوشش کی حالاں کہ ان میں سے ایک مثال بھی خورشید ناظر صاحب کے حق میں نہیں:

(۱۵) زیرِ نظر شمارہ کے مندرجات میں جو تسامحات نظر آئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کے مضمون میں صفحہ نمبر ۳۶ پر زکی کیفی صاحب کے اشعار میں مصرع ''دامنِ شرف و نام کی بکھری ہوئی تھی دھجیاں'' بحر سے خارج ہے کیوں کہ لفظ ''شرف'' میں ''ر'' متحرک ہوتی ہے جب کہ مصرع میں ''ر'' پر سکون ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے اپنے مضمون میں صفحہ نمبر ۹۳ پر صابر براری صاحب کے دو اشعار درج کیے ہیں۔ ان میں پہلے شعر کا پہلا مصرع لفظ ''الم نشرح'' میں ''ح'' ساقط ہونے کی وجہ سے بحر سے خارج ہو گیا ہے۔

ضو بداماں صورت میں جب گونجتی ہے برملا   المزمل ، المدثر ، المبشر کی صدا

صفحہ نمبر ۳۶۹ پر صہبا اختر صاحب کی نعتیہ نظم ہے۔ اس کے پانچویں بند کے دوسرے مصرع میں انھوں نے ''المزمل'' اور ''المدثر'' کو غلط طور پر باندھا ہے۔ المزمل میں ''ز'' پر اور المدثر میں ''د'' پر تشدید ہونی چاہیے۔

صفحہ نمبر ۳۷۵ پر سیّد محمد طلحہ برق صاحب کی نعت میں ساتویں شعر کا دوسرا مصرع ہے: ''تمھاری حاضری ناظری جب کہ عطائی ہے'' لفظ ''کہ'' تقطیع میں ایک حرفی شمار ہوتا ہے مگر یہاں دو حرفی استعمال ہونے کی وجہ سے مصرع بحر سے خارج ہو گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۳۷۶ پر سیّد شمیم احمد گوہر صاحب کی نعت ہے۔ اس کے پانچویں شعر کا دوسرا مصرع ہے ''قرآن کو دیکھا گویا ہے دیدار آپ کا''۔ یہاں ''دیکھا'' کی جگہ ''دیکھنا'' چاہیے تھا۔

مدعی ہے جہاں مدعا آپ ہیں، خالق و خلق کا رابطہ آپ ہیں
عرش اور فرش میں فاصلہ نہ رہا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ مرحبا
خود یہ قرآن میں کہہ رہا ہے خدا، میرے محبوب کی گفتگو اور عمل
ہے مطابق وحی کے جو ہم نے کہا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ مرحبا
اپنے روضہ پہ بلوالیں یا مصطفیٰ، روز و شب ہے میری التجا آپ سے
ہے نظیر عابدی کے لبوں پہ صدا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ مرحبا

صفحہ نمبر ۳۸۱ پر سیّد نظیر حسین عابدی صاحب کی نعت ہے۔ اس کے دوسرے شعر کا مصرع ثانی بحر سے خارج ہے کیوں کہ لفظ ''نہ'' تقطیع میں ایک حرفی شمار ہوتا ہے، لیکن انھوں نے دو حرفی استعمال کیا ہے۔ چھٹے شعر میں ''وحی'' کا تلفظ غلط ہے۔ اس لفظ میں حائے حطی پر جزم ہوتا

کے ارکان ''مستفعلن مفاعلن مستفعلن مفاعلن'' لکھے ہیں جب کہ اس کے ارکان یہ ہیں:

مفتعِلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

کامران جاوید عرفانی صاحب نے تو ایک مصرع کی خود ساختہ تقطیع کرتے ہوئے عروض کی ٹانگ توڑ کے رکھ دی۔ میرؔ کے شعر:

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ

لے جاتے دل کو خاک میں اس آرزو کے ساتھ

کے ارکان مستفعلن مستفعلن مستفعلن فعول بتائے ہیں جب کہ اس کے ارکان ہیں مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔

غرض یہ کہ حوالہ کے لیے دیے گئے تمام اشعار میں ''نہ'' اور ''کہ'' ایک حرفی ہی استعمال ہوا ہے، کسی بھی شعر میں دو حرفی نہیں۔ میں ان حضرات کی معلومات کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن بحروں میں گنجائش نہیں ہوتی ان میں شعرا ''نہ'' کے بجائے فارسی لفظ ''نے'' استعمال کرتے ہیں۔

مثلاً مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن کے وزن پر غالبؔ کا مصرع:

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یا مفاعیلن مفاعیلن فعولن کے وزن پر اقبالؔ کا مصرع:

نہ خودبیں نے خدابیں نے جہاں بیں

یا مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن کے وزن ہی کا مصرع:

نہ سیم و زر سے محبت ہے نے غمِ افلاس

یا مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے وزن پر راقم الحروف کا مصرع:

اندازِ بیاں کافی نے طرزِ ادا کافی

حفیظؔ جون پوری کے شعر:

ٹھہری ہے اب تو آپ کے وعدے پہ زندگی

وہ زندگی کہ جان ہے جس سے عذاب میں

کے ارکان ہیں مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔ مجھے بتایا جائے کہ اس شعر میں ''کہ'' دو حرفی کہاں استعمال ہوا ہے؟ میرے خیال میں کسی بھی علم پر خامہ فرسائی سے پہلے اپنا مبلغ علم جانچنا ضروری ہے ورنہ ایسی ہی مضحکہ خیز صورتِ حال پیدا ہوگی جیسی اب ہوئی ہے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۲۶۳۔۲۶۰)

بدایونی کے اس قسم کے اشعار بطورِ حوالہ درج کیے ہیں۔

دو قمر دو پنجہ خود دو ستارے دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے ناخن پائے اطہر ایڑی

صفحہ نمبر ۴۷۸ پر احمد صغیر صدیقی صاحب اعلیٰ حضرت کا ایک شعر اور ۳ر متفرق مصرعے لکھ کر فرماتے ہیں، ''دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اُجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی ہیں''۔ صدیقی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ان میں شعریت کی کون سی صفت مجروح ہوئی۔

صفحہ نمبر ۴۸۰ پر محترم پروفیسر قیصر نجفی صاحب نے میر تقی میر سے منسوب ایک روایت کا ذکر کیا ہے مگر اس کی حیثیت من گھڑت افسانے سے زیادہ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدائے سخن کا مصرع بحر میں ہے او ر ''خیال'' کی ''ی'' گرنے کا خیال ہی دل سے نکال دینا چاہیے بلکہ اس کی جگہ ''ہی'' کی ''ی'' گرائیں میر کی یہ غزل جس بحر میں ہے اس کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع/ فاع

اس بحر میں زحافات بہت ہیں جن کے استعمال کے بعد شعر کیا تقطیع اس طرح ہوگی:

فاع	فعول	فعول	فعولن	فاع	فعولن	فاع	فعل
عشق	برے ہی	خیال	پڑا ہے	چین	گیا آ	رام	گیا
فعلن	فعلن	فاع	فعولن	فاع	فعولن	فاع	فعل
دل کا	جانا	ٹھہر	گیا ہے	صبح	گیا یا	شام	گیا

(حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۶۵۵۔۶۵۲)

(۱۶) ڈاکٹر شمیم گوہر صاحب نے راجا صاحب کے مصرع ''حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت چاہیے'' کے بارے میں لکھا تھا کہ مصرع خارج از بحر ہے۔ اس کے جواب میں راجا صاحب فرماتے ہیں:

حضرت اس مصرع میں ''کوئی'' کی ''ی'' دبی اور ''و'' دب گیا۔ مصرع خارج از بحر کس طرح ہو گیا۔

پھر اس کے بعد انھوں نے مصرع کی تقطیع کر کے اُسے بحر میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں راجا صاحب سے مؤدبانہ عرض ہے کہ آپ ڈاکٹر گوہر صاحب کا اصل اعتراض نہ سمجھ سکے۔ زیرِ بحث مصرع خارج از بحر صرف اس لیے ہے کہ اس میں لفظ ''نہ'' دو حرفی بندھا ہے

ہے۔ مقطع کے پہلے مصرع میں ''میرؤی'' کی جگہ ''مری'' ہونا چاہیے مگر یہ کمپوزنگ کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس قسم کی غلطیاں اس شمارے میں بہت ہیں۔ مقطع کے دوسرے مصرع میں ''نظیر عابدی'' کی ''ع'' ساقط ہے۔

دکھا دیا اسے کردارِ مصطفیٰ نے ہمیں خدا کا حکم جو لکھا ہوا قرآن میں ہے

صفحہ نمبر ۳۸۵ پر جمال نقوی صاحب نے چھٹے شعر میں لفظ ''قرآن'' فعول کے وزن پر باندھا ہے جب کہ مفعول کے وزن پر ہونا چاہیے۔

لمبائی تھی بالشت میں دو انگلیاں زیادہ اور تسمے تھے گل دستہء نعلین محمد

صفحہ نمبر ۳۸۹ پر مقصود احمد تبسم صاحب کا کلام ہے۔ انھوں نے بالکل نئی زمین تراشی ہے جو مجھے بہت پسند آئی لیکن نویں شعر میں انھوں نے لفظ ''زیادہ'' فعلن کے وزن پر باندھا ہے جو کہ غلط ہے۔ اس کی وجہ سے مصرع خارج از بحر ہو گیا۔ یہ لفظ فعولن کے وزن پر ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر شمیم احمد گوہر صاحب اپنے خط میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مصرع ''اے بے کسوں کے آقاب تیری دہائی ہے'' کے متعلق فرماتے ہیں:

> یہ پورا مصرع ہی غلط نقل کیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بے بحر مصرع کا وزن تک بتاتے ہوئے اس کی تقطیع بھی کر دی گئی۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔ حالاں کہ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔ ''اے بے کسوں کے آقاب ہے تری دہائی''۔ اس کی بحر مضارع مثمن اخرب کے تحت مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ہے اور رمل مثمن مشکول کے تحت فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن ہے۔

سبحان اللہ، کیا کہنے، قربان جائیے اس عروض دانی کے۔ محترم گوہر صاحب نے جو دو بحریں رقم فرمائی ہیں، ان میں مؤخر الذکر بحر کا تو اعلیٰ حضرت کے مصرع سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔ رہی اول الذکر بحر تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اعلیٰ حضرت کی یہ نعت مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے وزن پر ہی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مذکورہ مصرع کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مزید تسلی کے لیے ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۲ میں صفحہ نمبر ۱۳۷ پر ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ''اشعارِ نعت اعتراضات کی حقیقت'' اور راقم الحروف کے خط کے مندرجات کا مطالعہ فرمائیں۔ میں نے اپنے مذکورہ خط میں میر تقی میر اور فانی

(۱۸) یہاں یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قیصر نجفی صاحب کے مجموعے 'رب آشنا' کے ص ۶۳ پر ایک شعر ہے:

حوالے سے ترے اے سنگِ اسود! اک عظمت کی کہانی لکھا رہا ہوں

چوں کہ مصرع ثانی میں عظمت 'ع' گر رہا ہے اس لیے یہ مصرع بحر سے خارج ہے کیوں کہ یہاں الف کا وصل نہیں ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۴۸)

(۱۹) جناب عزیز احسن کی نظم ''رمزِ معراجِ مصطفیٰ'' کا کیا کہنا مگر اس کا پانچواں مصرع:

عالمِ انسانیت میں صرف اک انساں ہیں آپ

میرے ناقص خیال میں اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا:

عالم انسانیت میں آپ وہ انسان ہیں (طلحہ رضوی برق ص، ۵۷۴)

(۲۰) مگر درج ذیل شعر میں لفظ ''دھیان'' کے استعمال میں فنی سقم پایا جاتا ہے۔ دھیان بروزن ''دھان'' باندھا جاتا ہے۔

تابندہ کس کی یاد ہے اور کس کا تذکرہ

روشن ہیں جسم و جاں مرے کس کے دھیان سے

درست استعمال کی مثال پیشِ خدمت ہے۔ خواجہ میر دردؔ فرماتے ہیں: (قیصر نجفی ص، ۷۵۳)

ان دنوں کچھ عجب ہے دل کا حال سوچتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

میں نے سوچا تھا کہ خط میں اختصار سے کام لوں گا لیکن یہ خط طویل ہوتا جا رہا ہے۔ میں اسے یہیں ختم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی صاحب اور شبنم رومانی صاحب نے آنکھیں دکھانا شروع کر دیں۔ ان کی آنکھوں کا ہر گوشہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ہمارا گوشہ تو خصوصی گوشہ ہے۔ ہمارے معاملے میں بخل سے کیوں کام لیتے ہو اور اظہارِ خیال کیوں نہیں کرتے ہو؟...اب انھیں کیسے ناراض کروں...ان کی نعتوں پر تبصرے سے پہلے مرتبین سے شکوہ کروں گا کہ اس خصوصی گوشے کی طرف انھوں نے خصوصی توجہ نہیں کی ورنہ کتابت کی اتنی غلطیاں نہ ہوتیں...مثلاً (اسلم فرخی کے) مندرجہ ذیل اشعار کو دیکھیے:

ہے نفس و آفاق میں رونق ترے دم سے

اے صاحبِ طبل و علم اے سرورِ کونین

اس شعر میں لفظ ''انفس'' کے ''الف'' کی کتابت نہیں ہوئی جس سے شعر وزن سے گر گیا ہے۔

جب کہ یہ ایک حرفی استعمال ہوتا ہے۔ مصرع کی تقطیع اس طرح ہوگی:

فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن
حاضری کی	کوئی نہ کو	ئی تو صورت	چاہیے

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لفظ ''نہ'' دو حرفی استعمال ہونے سے مصرع بحر سے خارج ہوگیا۔

اسی طرح صفحہ نمبر ۱۵۳ پر راجا صاحب کا مصرع '' تھے اور بھی رسل مگر رب نے حبیب کو'' اس وجہ سے خارج از بحر ہے کہ اس میں ''مگر'' کا ''ر'' ساقط ہے۔

صفحہ نمبر ۱۶۲ پر جناب افتخار عارف کا مصرع ''اک عبدِ مولا صفات ہے اور روشنی ہے''، ''عبد'' کی ''ع'' ساقط ہونے سے بحر سے خارج ہوگیا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۱۶۷ پر مصرع ''ایک عالم ہے اس عالم کی خبر لاتا کون'' بھی ''ع'' ساقط ہونے سے بحر سے خارج ہے۔ ان کے علاوہ کمپوزنگ کی غلطی سے بھی ان کے بعض مصرع غلط ہوگئے۔

صفحہ نمبر ۳۱۹ پر جناب محمد علی شیدا کے مجموعۂ کلام ''الصلوٰۃ والسلام'' پر پروفیسر قیصر نجفی صاحب کا تبصرہ ہے۔ صاحبِ کتاب کے مصرع ''یہ کائنات مطیع اک عرب کے شاہ کی ہے'' کے بارے میں قیصر صاحب فرماتے ہیں، ''مصرع وزن سے باہر ہے۔ 'مطیع' کی 'ع' گر رہی ہے۔'' فاضل تبصرہ نگار کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مصرع بحر میں ہے کیوں کہ ''مطیع'' کی ''ع'' گری نہیں۔ اُسے ''الف'' سے سہارا مل گیا۔ (حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۶۵۸۔۶۵۶)

(۱۷) صفحہ ۳۱۵ پر پروفیسر غلام رسول عدیمؔ کے مضمون میں حنیف نازش قادری کے ایک نعتیہ شعر کی توصیف کی گئی ہے جو یہ ہے:

حسانؓ جو ہے رونقِ بستانِ مصطفیٰؐ　　میں نے اُس عندلیب کا دامن پکڑ لیا

اس شعر کا مصرعِ ثانی بحر سے خارج ہے کیوں کہ عندلیب کا 'ع' تقطیع سے باہر ہے۔

محترم پروفیسر محمد اقبال جاوید نے صفحہ ۱۴۰ پر تعلّیا نہ خودنمائی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ راقم الحروف کے دو اشعار بھی اسی موضوع پر ہیں جو نعتیہ مجموعے 'قندیلِ حرا' میں شامل ہیں:

ثوابِ نعت گوئی کے بھلا کیا مستحق ہیں ہم
کریں کچھ غور، شہرت کی طلب میں ہر سخن ور ہے

(تنویر پھول ص، ۲۴۸)

حقیقتاً یہ شعر سقیم ہے۔ اس کا پہلا مصرع بحر سے خارج ہے۔ ایک رکن اس میں بڑھ گیا ہے۔ راقم الحروف کی اس غلطی کی سمت توجہ عزیزی عزیز احسن نے دلائی تھی میں ان کا ممنون ہوں۔ (احمد صغیر صدیقی ص،۹۰)

(۲۴) صفحہ نمبر ۲۷ پر ڈاکٹر اشفاق انجم کی جو حمد ہے اُس کے چھٹے شعر کا دوسرا مصرع ''وہی کہ اخلاص ونشرح والا ، وہی کہ رعد و دخان والا'' شاعر کی نظر ثانی کا طلب گار ہے، ''نشرح'' کی جگہ ''فتح'' (سورۃ الفتح) یا ''ناس'' (سورۃ الناس) یا اسی کا ہم وزن کوئی لفظ استعمال ہوسکتا ہے۔ (تنویر پھول ص،۹۲۰/۲۵)

(۲۵) تنویر پھول صاحب نے میری حمد (نعت رنگ نمبر ۲۴، ص ۳۷) کے چھٹے شعر کے تعلق سے لکھا ہے:

''چھٹے شعر کا دوسرا مصرع ''وہی کہ اخلاص ونشرح والا وہی کہ رعد و دخان والا'' شاعر کی نظر ثانی کا طلب گار ہے۔ ''نشرح'' کی جگہ ''فتح'' (سورۃ فتح) یا ''ناس'' (سورۃ ناس) یا اسی کا ہم وزن کوئی لفظ استعمال ہوسکتا ہے۔''

تنویر صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ''اخلاص ونشرح اور رعد و دخان'' میں کیا خرابی ہے اور ''فتح وناس'' کیوں استعمال کرنا چاہئے تھا! اتنویر پھول صاحب سے میری مودبانہ درخواست ہے کہ نقد و اغراض کریں تو اس کی توجیہات و جواز بھی پیش کریں ورنہ یہ صرف اعتراض برائے اعتراض کہلائے گا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۵۱/۲۶)

(۲۶) صفحہ نمبر ۶۵۱ پر اشفاق انجم صاحب نے اپنے مصرع ''وہی ہے اخلاص ونشرح والا، وہی ہے رعد و دخان والا'' کے بے وزن ہونے کے بارے میں وضاحت چاہی ہے اور وضاحت نہ کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ عرض ہے کہ راقم الحروف نے اپنی بات کو بالکل عام فہم سمجھ کر اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی تھی۔ ظاہر ہے کہ ''نشرح'' بروزن ''فعلن'' ہے جبکہ بحر میں صرف ''فاع'' کی گنجائش ہے، اس لیے ''نشرح'' کی جگہ ''فتح'' یا ''ناس'' یا اسی کے ہم وزن یعنی ''فاع'' کے وزن پر کسی لفظ کے استعمال کی تجویز دی گئی تھی۔ اشفاق صاحب کی حمد کی بحر یہ ہے:

''مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن'' (۴ بار)۔ مذکورہ بالا مصرع بحر میں نہیں ہے کیوں کہ تقطیع میں حرف ''ح'' بحر سے خارج ہے۔ تقطیع کر کے خود دیکھ لیں یا کسی عروض داں سے سمجھ لیں۔ (۵۲۴/۲۷) ویسے شاید یہ تقطیع سمجھ میں آجائے:

فاصلہ کوئی مدینے میں نہیں ہے باقی
تھم گئی وقت رفتار مبارک باشد

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''وقت'' اور ''رفتار'' کے درمیان لفظ ''کی'' ہوگا جو غائب ہے اور یوں شعر بے وزن ہوگیا ہے۔

یہی جی میں تھا اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں
پڑھا میں نے سلام آخری آہستہ آہستہ

اس شعر کے مصرعِ اولیٰ میں شاعر کا تخلص ''اسلم'' ہوگا جو کتابت ہونے سے رہ گیا ہے اور یوں یہ مصرع بے وزن ہوگیا ہے اصل مصرع یوں ہوگا: یہی جی میں تھا اسلم اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں۔

(۲۱) درکارے حضور نہ دولت نہ عزو جاہ — پڑ جائے مجھ پہ صرف عنایت کی اک نگاہ
بے دین معاشرے کی فضاؤں میں لوٹ کر — ہو جائے یہ غلام نہ آقا کہیں تباہ
اعدا ہوئے ہیں در پہء آزاد یا نبی — اب ان کے شر سے بچنے کی مل جائے مجھ کو راہ
میں ہوں میانِ شر و فساد وظلم حضور — رہ کر عجم میں میرا مقدر ہیں اشک وآہ

ص ۲۵۹ پر عزیز احسن کی نعت کے اشعار نمبر ا، نمبر ۳، نمبر ۶، نمبر ۸ کی سہوِ کتابت سے خارج وزن ہوگئے۔ (ملک الظفر سہسرامی ص، ۸۴۸)

(۲۲) پیشِ نظر شمارہ میں ''طلوع فجر'' کے عنوان سے محترم ریاض حسین چودھری صاحب کی طویل معرّا نعتیہ نظم کے تیس بند ہیں۔ محترم شاعر نے ابتدا میں وضاحت کی ہے کہ نظم ہٰذا ۱۲/ ربیع الاوّل یعنی پیدائشِ رسولِ مقبول V کے حوالے سے ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے مگر چند مقامات محل نظر ہوئے مثلاً نظم کے ہر بند کا پہلا مصرع ''افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول'' حضور V کے سفرِ معراج کا تاثر دیتا ہے حالاں کہ آگے چل کر بات واضح ہوجاتی ہے۔ نظم کے بند نمبر ۶ کے چوتھے مصرعے میں لفظ ''کلمہ'' باندھا گیا ہے جب کہ اسے کلمہ یعنی ل متحرک بالکسر ہونا چاہیے۔ (ماجد خلیل ص، ۷۷۹۔۷۷۸)

(۲۳) اس جگہ ایک غلطی کا ازالہ کردیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پچھلے شمارے میں راقم الحروف نے ماجد خلیل صاحب کے ایک شعر کو تحسینی کلمات کے ساتھ کوٹ کیا تھا۔

اک لفظ سے بنے ہوئے جہاں میں — اک نام سے روشنی ہوئی ہے

اللہ! اللہ! آقا! آقا!! کیسی منزل کیسا رستہ
قدم قدم قرباں دل اس پر جس کے وسیلے پایا رستہ

پہلے شعر کی تقطیع رکن ''فعلن'' مثمن سالم پر یوں ہوگی جب کہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع اس وزن پر نہیں ہے تو کیا ماہرین عروض نے اسے جائز قرار دیا ہے؟ ''سید ضیاء الدین نعیم'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۱)

(۳۱) ''تمہارے بزرگ اوّل کا یہ ارفع کرشمہ تھا''
کلیم حاذق صاحب نے ''بُزُرگ'' کو ''بُزُرگ'' نظم کیا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۷/۵۰۹)

(۳۲) صفحہ نمبر ۳۸۵ پر جو نعت ہے اس کے مطلع کا دوسرا مصرع یہ ہے:
''کوئی کیا بتائے لیکن تو کیا ہے کیا نہیں ہے''۔

استفہامیہ ''کیا'' کو ہمیشہ ''کا'' کے وزن پر باندھا جاتا ہے جبکہ اس مصرع میں دوسرے ''کیا'' کا وزن مختلف ہونے کی وجہ سے مصرع بحر سے خارج ہو گیا ہے۔ (متفاعلن فعولن متفاعلن فعولن) (تنویر پھول ص، ۲۷/۵۲۲)

(۳۳) صفحہ ۵۴۲ پر دوسرے شعر میں اضافت کے بغیر ''رمزآشتی'' مفہوم نہیں دے رہا ہے اور اضافت کے ساتھ مصرع بحر سے خارج ہے۔ اسے اس طرح کیا جا سکتا ہے: کہ وجہِ زندگی و آشتی اسم محمد V ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۷/۵۲۲)

(۳۴) ''نعت رنگ'' ۲۴ کے ص ۵۳۹ پر نعت کی اشاعت کے لیے سپاس گزار ہوں۔ اِس عرض کے ساتھ کہ نعت کے تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''وہی ہے'' کے بعد لفظ ''حق'' چھپنے سے رہ گیا ہے۔ جس سے شعر کے وزن اور معنیٰ دونوں پر منفی اثر پڑا ہے۔
(رئیس احمد نعمانی ص، ۲۵/۹۱۱)

(۳۵) ص ۵۰۰ پر حافظ عبدالغفار حافظ صاحب نے جناب محمد علی شیدا کے مصرع (یہ کائنات مطیع اک عرب کے شاہ V کی ہے) پر پروفیسر قیصر نجفی کے اعتراض کو رد کیا ہے کہ 'مصرع وزن سے باہر ہے مطیع کی 'ع' گر رہی ہے۔' پہلی بات یہ کہ 'ع' مذکر ہے مؤنث نہیں، اس لیے نجفی صاحب کو لکھنا چاہیے تھا کہ 'مطیع' کا 'ع' گرا نہیں اسے الف سے سہارا مل گیا۔ (تنویر پھول ص، ۲۴۸)

(۳۶) اک حیات ہے میرے نبی کا نام صحرا میں ایک باغ ہو جیسے کھجور کا
(شبنم رومانی کے) پہلے مصرع میں کوئی لفظ کتابت ہونے سے رہ گیا ہے جس کی وجہ

وہی ہ اخ لاص و نش رَح وا لا وہی ہ رَع دو دخا ن وا لا
مفا عِ لا تن م فا ع؟لاتن مفا ع لا تن مفا ع لا تن
غالبؔ کا مصرع ''دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو'' سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کیا گیا ہے، پہلا مصرع بھی تو دیکھیں: طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاگ: (تنویر پھول ص، ۵۲۵/۲۷)

(۲۷) سید صاحب! ''اپنی بات'' کے عنوان سے آپ نے بڑی عمدہ باتیں کہی ہیں لیکن آپ نے بھی چند شعرا ایسے پیش کیے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی نقص موجود ہے۔ مثلاً ذوقؔ کا یہ مصرع:

''یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے''

اس میں شکست ناروا کا ایسا عیب موجود ہے جس سے ذم کا پہلو نکلتا ہے ''لوٹنے'' کی تقطیع کی جائے تو ''ٹ'' متحرک (مفتوح) ہو جاتا ہے۔

جلوۂ روئے محمد کا ہے واصف طارق
اس کی تربت میں اُجالے ہی اُجالے ہوں گے

اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ''جلوۂ روئے محمد'' کے وصف سے قبر میں اُجالا ہو گیا نہیں! شعر میں ''اُجالے ہی اُجالے ہوں گے'' غیر فصیح ہے۔ فصحائے زبان نے ہمیشہ ایسے مواقع پر ''اُجالا ہی اُجالا ہو گا'' استعمال کیا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۱/۲۶۔۶۳۰)

(۲۸) دو جہاں میں ہے رواں سکہ رسول اللہ کا دونوں عالم پڑھتے ہیں کلمہ رسول اللہ کا
اصل لفظ ''کَلِمَہ'' ہے، ''کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی''

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۶/۲۶)

(۲۹) روحِ کونین کا ترجماں چاہئے مدح احمد کو وہ زباں چاہئے
اگر کمپوزنگ کی خامی نہیں ہے تو ثانی مصرع بحر سے خارج ہے۔ ''وہ'' کی بجائے ''ایسی'' چاہئے۔ نیز زبان کی مناسبت سے ''کا ترجماں'' کی بجائے ''کی ترجماں'' چاہئے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۷/۲۶)

(۳۰) جلیل عالیؔ کی نظم کا راحت اور پرویز صاحبان نے نہایت عمدہ جائزہ پیش کیا ہے۔ صرف ایک چیز مجھے کھٹک رہی ہے جس کے لیے میں ماہر فن (علم؟) عروض سے رجوع ہونا چاہتا ہوں کہ نظم کے یہ دو اشعار ملاحظہ ہوں:

اسے قطعہ کہہ سکتے ہیں۔ جناب قمر رعینی کی تیسری رباعی میں 'بے ساختہ نام آپ کا لب پہ آیا' اس مصرع میں پہ کی جگہ 'پر' لکھنا تھا۔ پہ، نہ، کہ وغیرہ صرف ایک حرکت شمار ہوں گے، نہ کہ سببِ خفیف۔ تخفیف سے مصرع ناموزوں ہوجاتا ہے۔ آصف اکبر کے مقطع میں بھی یہی بات ہے۔ شاعری میں زبان وبیان کا معاملہ مشکل بھی ہے، آسان بھی ہے۔

(طلحہ رضوی برق ص،۵۶۶)

(۴۰) اے سبز گنبد نبی گواہ ہے عرش کا مکیں   ملا ہے میری چشم دل کو نور کوہ طور کا

گواہ کا ''ہ'' ساقط الوزن ہے۔ شاکر صاحب کی ''چشم دل'' کو کیا واقعی ''کوہِ طور'' کا نور ملا ہے؟ نعت میں اس قسم کی تعلّی درست نہیں ہے اور پھر ستم یہ کہ عرش کے مکیں کو گواہی میں پیش کررہے ہیں!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۰)

(۴۱) شعری حصے میں کچھ اشعار میرے خیال میں سہوِ کتابت کی نذر ہوگئے ہیں۔ مثلاً اقبال عظیم کا ایک شعر ص ۴۸ پر:

حریم قدسی میں محفوظ تھی جو روزِ اوّل سے
وہ نعمت آمنہ کی محترم آغوش نے پائی

ص ۵۰ پر عابد علی عابد کا ایک شعر:

اب تاجدارِ یثرب و بطحا کا ہے ظہور   تا حدِ مصر و شام، بہ الحراف روم ورے

ص ۵۰ پر اکرام علی اختر کا شعر:

آپ کے آنے سے روشن ہوگئے دشت و جبل
عرش تاباں ہوگیا فرش زمیں میں روشن ہوا

(ملک الظفر سہسرامی ص،۸۴۷)

(۴۲) نہ آیا ہے نہ آئے گا، جہاں میں آپ سا کوئی
جہاں حسن سے ہے تابندہ وہی ہے آپ کا دامن

صفحہ ۵۰۰ پر شیو بہادر سنگھ دلبر کی نعت کے پانچویں شعر کے مصرع ثانی میں ''جہاں حسن سے ہے تابندہ وہی آپ کا دامن'' بے وزن ہے

قدم قدم پہ گو دشواریوں کا سامنا ہے   زُہد شعار مگر کامیاب آپ کے ہیں

صفحہ ۵۱۰ پر علی اصغر عباس کی نعت کے آٹھویں شعر کے مصرع ثانی میں ''زُہد شعار...''

سے مصرع وزن سے گر گیا ہے اور شعر بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

اُدھر عرش پر مہمانِ خصوصی اِدھر فرش پر میزبان ہیں محمد

(شبنم رومانی کے) دوسرے مصرع میں لفظ ''مہمان'' کی بجائے ''مہیماں'' ہوگا۔ پہلی میم کے بعد ''ے'' کے دو نقطے کتابت ہونے سے رہ گئے ہیں اس خامی کی وجہ سے شعر وزن سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ (نقوی احمد پوری، ص ۸۸۳)

(۳۷) صہبا اختر کا شعر ہے:

خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والا ہے تو

سن اے شیشوں کے مسیحا! دل شکستہ میں بھی ہوں

تیکھے تیور کے علاوہ اس میں 'شتر گربہ' بھی ہے اور اساتذۂ فن و سخن نے حرفِ ندا 'اے' کی تخفیف یعنی اس سے حرف یا کا گرانا غلط اور عجز بیان بتایا ہے۔ حالاں کہ مضمون میں اچھے اور بہت اچھے اشعار کا میلہ ہے۔ (طلحہ رضوی برق ص ۵۶۴)

خود اکرم رضا صاحب کا وہ شعر جو انھوں نے مضمون کے آخر میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اس کا آخری مصرع ہے۔ ''پر اس سے آپ نہ کیجیے کنارا یا رسول اللہ V۔'' اس میں ذرا ''نہ'' کا وزن ملاحظہ ہو جس نے شعر کو کسی مبتدی کا شعر بنا دیا ہے۔ (احمد صغیر صدیقی، ص ۵۱)

(۳۸) سید صاحب! ''اپنی بات'' کے عنوان سے آپ نے بڑی عمدہ باتیں کہی ہیں لیکن آپ نے بھی چند شعر ایسے پیش کیے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی نقص موجود ہے مثلاً ذوقؔ کا یہ مصرع:

''یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے''

اس میں شکست ناروا کا ایسا عیب موجود ہے جس سے ذم کا پہلو نکلتا ہے ''لوٹنے'' کی تقطیع کی جائے تو ''ٹ'' متحرک (مفتوح) ہو جاتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۳۰)

(۳۹) ہر کدورت سے قلب صاف کرو اپنے دشمن کو بھی معاف کرو

نسبتِ رحمتِ دو عالم کا عملاً بھی تو اعتراف کرو

حصہ 'مدحت' بھی خوب اور رنگارنگ ہے۔ حضرت وقار صدیقی اجمیری کی نعتیہ رباعیوں میں آخری (چوتھی) رُباعی، رُباعی کی بحر میں نہیں ہے۔

گھمبیر ہو جب بھی غم کا سایہ جب قلب پریشاں نے مجھے تڑپایا

جب کوئی بھی تسکین کی صورت نہ رہی بے ساختہ نام آپ کا لب پہ آیا

جس طرح ''سزا۔جگہ'' ہم قافیہ نہیں اسی طرح ''ذات۔نعت'' بھی ہم قافیہ نہیں ہیں۔رات۔ نشاط۔صوتی اعتبار سے قافیہ ہو سکتے ہیں لیکن ''ذات۔نعت'' نہیں۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۲۹)

(۴) یاد کر کے جو مدینہ نہ بہائیں آنسو
ایسی آنکھوں سے تو بہتر ہے کہ نا ہوں آنکھیں

''نا'' قافیہ غلط ہے۔''نہ'' درست ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۲)

(۵) نور کیا نور خدا ہے آپ کا مرتبہ سب سے جدا ہے آپ کا

اس میں ایطأ کا عیب بھی موجود ہے۔قوافی میں حرف روی ''ضمہ'' کی حرکت سے ہے(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۲)

(۶) اب جہاں تک اجتماع ردیفین کا تعلق ہے پہلے متولہ اشعار ملاحظہ فرمالیں:

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے
حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے

یہ چار مصرعے نہ رباعی کے ہیں نہ قطعہ کے، بلکہ غزل کے دو اشعار ہیں جس کی ردیف ''ہو جائے'' ہے۔تیسرے مصرعے کے آخر میں ''بات بن جائے'' ہے جس کا ردیف سے کوئی تعلق نہیں۔مضمون نگار نے اس کو ردیف سے تعبیر کرتے ہوئے اجتماع ردیفین کا عیب قرار دے دیا اور اس عیب سے چھٹکارہ دلانے کے لیے الگ سے ایک مصرع بھی کہہ ڈالا:

حضور آپ جو سن لیں تو میری بات بنے

یہاں پر اجتماع ردیفین کی نزاکت ''میری بات بنے'' کی بنیاد پر بات نہیں بنا سکتی ۔یہاں پر صرف حرف یائے معروفہ ہی کے سبب یہ خرابی لازم آ رہی ہے۔یائے معروفہ ہٹ جائے اجتماع ردیفین کا عیب خود بخود ساقط ہو جائے۔مصرع کو یوں ہونا چاہیے تھا:

حضور بات بنے میری آپ جو سن لیں

''تو ان شاء اللہ ضرور بن جائے گی محض سن لیں'' کے تحت یہ عیب جاتا رہا۔(ڈاکٹر شمیم احمد گوہر ص،۵۱۵۔۵۱۶)

(۷) ہمارے قلب میں فاران سے ہوئی روشن کلیم لائے تھے جو آگ طور سے اپنے

کیا شاعر فاران پر موجود تھا؟؟ یا پھر اب بھی فاران پر وہ آگ موجود ہے؟؟ حضور نے ''دلوں کو نور'' عطا کیا تھا یا آگ!؟ ردیف ''اپنے'' بھی ضائع ہو گئی یعنی اس کے بغیر بھی شعر مکمل

میں لفظ ''زہد'' ایک کے بجائے دورکنی ہوگیا ہے۔ (غالب عرفان، ص ۲۰۳)

(۴۳) سریر بقدرِ نور ہے ان کا زیبا اس نور سے ماخوذ ہے ہر پیکر انوار

صفحہ ۴۹۷ پر شہزاد مجددی کی نعت کے چوتھے شعر کے مصرع اولی میں لگتا ہے کوئی ایک رکنی لفظ چھوٹ گیا لہٰذا بے معنی ہے۔ (غالب عرفان، ص ۲۰۳)

(ب) قافیہ اور ردیف کے معائب:

(قافیہ: اصطلاح میں قافیہ لفظ کے آخر میں واقع ایسے متعین حروف کو کہا جاتا ہے جن کی تکرار دوسرے الفاظ میں مساوی مقام پر ہوتی ہے۔ یعنی یہ حروف وحرکات کا ایسا مجموعہ ہوتا ہے جو معنوی لحاظ سے تو اکثر اوقات مختلف ہوتا لیکن تکرار کے ساتھ آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دو یا دو سے زیادہ مصرعوں کے آخر میں (اگر ردیف استعمال ہوئی ہو تو اس سے پہلے) آنے والے ایسے الفاظ جو ملتی جلتی آواز پر ختم ہوں۔ مثلاً بلبل اور قلقل یا گلشن اور جوبن وغیرہ۔

ردیف: دو یا دو سے زیادہ مصرعوں کے آخر میں آنے والے ایسے الفاظ جو پورے کے پورے دہرائے جائیں ردیف کہلاتے ہیں۔ یہ ایک لفظ پر بھی مشتمل ہوتے ہیں اور ایک سے زیادہ الفاظ پر مشتمل بھی۔)

(۱) جہانِ کن سے ادھر کیا تھا کون جانتا ہے مگر وہ نور کہ جس سے یہ زندگی ہوئی ہے

''جہانِ کن'' یہ کون سا جہان ہے؟ ''یہ'' حشو ہے۔ تقابل ردیفین کا نقص بھی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۵)

(۲) رائیگاں ہوتا نہیں ہے کسی مقتول کا خوں وہی قاتل کو بھی اک روز سزا دیتا ہے

سر کچل دیتا ہے اللہ ہر اک ظالم کا اور مظلوم کو جنّت میں جگہ دیتا ہے

دوسرے شعر میں قافیہ غلط ہے۔ سزا، افسانہ، پروانہ کے ساتھ ''جگہ'' کسی طور استعمال نہیں ہوسکتا۔ اس کا اصل املا ''جایہہ'' ہے جگہ نہیں اگر اسے بہ اعتبار قافیہ پڑھیں تو ''جگا'' پڑھنا پڑے گا اور اسکے معنی بدل جائیں گے۔ جیسا کہ افسانا، پروانا، دیوانا لکھنے کی باوجود انکے معنی نہیں بدلتے۔ اگر سزا کے ساتھ جگہ کو قبول کرلیں تو پھر ''وجہ'' میں کیا برائی ہے؟

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۶)

(۳) جب نشید خیر مقدم گا رہی تھیں بچیاں
آنکھوں میں سرمہ ثنا کا تھا لبوں پر نعت رنگ

اور عروض دانوں نے ملفوظی قوافی کو مکتوبی قوافی کے مماثل تسلیم نہیں کیا ہے تو قوافی کے لیے مکتوبی شکل میں یکسانیت لازمی ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۷/۵۰۸)

(۱۲) بجھے دلوں میں یقینِ سحر سلامت ہے — کہ اسم پاک ترا صبح کی علامت ہے

کجی سے دور رہی تیرے گلستاں کی بہار — کہ تیرے باغ کا ہر نخل سرو قامت ہے

وہ اب ہوں کوچہء طائف کہ شام کے بازار — ترے لہو کا تقاضا ہی استقامت ہے

تو وہ چراغ جو نورِ ازل سے روشن ہے — تو وہ حدوث کہ جس کی بنا قدامت ہے

صفحہ ۵۴۸ پر مطلع کے قوافی ''سلامت'' اور ''علامت'' ہیں، اس وجہ سے دیگر قوافی میں بھی ''ل ام ت'' ہونا چاہئے جیسے ''ملامت''۔ علاوہ ازیں چوتھے شعر میں تقابل ردیفین ہے جسے اس طرح دور کیا جا سکتا ہے: ''تو وہ چراغ جو نورِ ازل سے ہے روشن''۔

دیدار کیا کرتا ہر آن محمد کا — اے کاش کے میں ہوتا دربان محمد کا

صفحہ ۵۵۷ پر مطلع میں ''کہ'' کی جگہ ''کے'' غلط کمپوز ہوا ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۷/۵۲۳-۵۲۲)

(۱۳) یہاں انسان خود انسانیت سے نا شناسا تھا

تباہی اس کی منزل تھی تنزل اس کا منشا تھا

''ناشناسا'' غیر فصیح ہے نا آشنا کہتے ہیں۔ قافیہ بھی ناموزوں ہے۔ منشا یعنی مرضی، خواہش، کوئی اپنی منشا سے تنزل نہیں چاہتا۔ یہاں توشہ جیسا کوئی قافیہ ہونا چاہیے تھا۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۴-۱۴۳)

(۱۴) اٹھا کے آنکھ کو میں نے جہاں جدھر دیکھا — تو جلوہ تیرا ہی رب العلا ادھر دیکھا

جدھر، اُدھر غلط قوافی ہیں اور اگر کچھ رعایت کی جائے تو ''ایطاء'' ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۵)

(۱۵) دوسرے شعر میں قافیہ فعَال لائے ہیں:

گردشِ ارض و سما تاروں کی چال ان کے لیے

دو جہاں کا ذرّہ ذرّہ ہے فعال ان کے لیے

حالاں کہ اس معنی میں لفظ فعّال عین مشدد کے ساتھ ہے۔ فعال کے معنی لغت میں کچھ اور ہیں جن کا یہ محل نہیں۔ (طلحہ رضوی برق، ص ۵۶۷)

ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۹/۲۶)

(۸) اس امر پر کہ سب سے عظیم آدمی ہے کون ہے اتفاقِ دیدہ وراں آپ کے لئے

شعر کی ردیف ضائع ہوگئی۔ اتفاق کے ساتھ ''کیلئے'' نہیں ''پر'' کی ضرورت ہے۔ یعنی ''دیدہ وروں کا آپ پر اتفاق ہے۔'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۰/۲۶)

(۹) خیر اندیش آپ اپنے دشمنوں کے بھی رہے بغض رکھا ہی نہیں دل میں کسی کے واسطے

رحمۃ اللعالمین کا امتی ہے تو نعیم دل میں ہرگز بغض مت رکھنا کسی کے واسطے

دونوں شعروں میں ردیف ''کے واسطے'' ضائع ہوگئی، اس کی بجائے صرف ''سے'' چاہئے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۱/۲۶)

(۱۰) ڈاکٹر اشفاق احمد انجم صاحب نے میرے تین اشعار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے:

مدینے کے جزیرے میں مری کشتی بھی آ پہنچی
خزانہ سامنے ہو تو بھلا نقشہ میں کیا مانگوں
ریاضِ خوش نوا کو بھی رعایا میں رکھیں شامل
محمد کی غلامی کی خدا کی انتہا مانگوں

دوسرے ردیف 'مانگوں' غلط ہے یعنی ریاض اور مانگنے والا یہاں دو الگ الگ شخصیتیں ہو جاتی ہیں۔ مطلب مانگنے والا 'ریاضِ خوشنوا' کے لیے مانگ رہا ہے۔ جبکہ ریاض خود اپنے لیے مانگ رہا ہے۔ اس صورت میں ردیف مانگے ہونی چاہیے۔ نیز جب خدا سے مانگا جا رہا ہے تو 'رکھیں' صیغہ جمع قطعی غلط ہے۔ اسے 'رکھے' ہونا چاہیے تھا''۔ (ریاض حسین چودھری ص، ۴۹۴/۲۷۔۴۹۳)

(۱۱) سبیل ہے اور صراط ہے اور روشنی ہے اک عبد مولیٰ صفات ہے اور روشنی ہے

کتاب و کردار ساتھ ہے اور روشنی ہے درود جزوِ صلوٰۃ ہے اور روشنی ہے

بیان معبود و عبد میثاق نور کے بعد نظر میں بس ایک رات ہے اور روشنی ہے

افتخار عارف صاحب نے صراط، صفات، ساتھ، صلوٰۃ بطور قافیہ استعمال کیے ہیں۔ اہل ہند ط۔ ۃ۔ ت۔ وغیرہ کا تلفظ ''ت'' سے کرتے ہیں لیکن لکھتے تو صحیح ہیں۔ مملکت اہلِ عرب میں ان کا تلفظ بالکل جدا ہے اس لیے اصل تلفظ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ لوگ چراغ، آگ، باغ، ناگ، قمیص، رئیس، خبیث جیسے الفاظ بھی ہم قافیہ استعمال کرنے لگیں گے۔ ماہرین لسانیات

(۲۱) سمیعہ نازؔ صاحبہ کے درج ذیل اشعار میں تقابل ردیفین کا نقص موجود ہے:

عطا حسن ارادت ہو، بصیرت بھی ملے مجھ کو سبق سیرت کا جواز بر کرائے ایسی مدحت ہو
وہ مدحت ہو کہ جس میں حرمت سرور مجسم ہو جو میری فکر کو اعلیٰ بنائے ایسی مدحت ہو
ثنائے شاہ طیبہ کا قرینہ بھی میسر ہو گہر افکار کے ہر سو لٹائے ایسی مدحت ہو

تینوں اولیٰ مصرعے اس طرح تبدیل کرنے سے یہ نقص دور ہو جائے گا (۱) عطا حسن ارادت ہو، ملے مجھ کو بصیرت بھی، (۲) وہ مدحت ہو کہ جس میں ہو مجسم حرمت سرور، (۳) ثنائے شاہِ طیبہ کا میسر ہو قرینہ بھی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۵۰/۲۶۔۶۴۹)

(۲۲) ڈاکٹر صاحب نے علامہ کے چار مصرعے اس جملے کیساتھ درج کیے ہیں، ''ایک نعتِ پاک میں چار کے عدد سے کیا ہی مضمون آفرینی کی ہے کہ پڑھ کر دل وجد کرنے لگتا ہے۔

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد ان ہی سے سب کا ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یا ر میں

چوتھے مصرعے کی ردیف مضمون کے اعتبار سے ''میں'' کی بجائے ''پر'' کا تقاضا کرتی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۳۸)

(۲۳) حجلۂ جاں تری خوشبو سے مہک اٹھتا ہے
گوشۂ دل میں نہاں غارِ حرا لگتا ہے (ابرار سالک)

''اٹھتا ہے اور لگتا ہے'' میں تقابلِ ردیفین کا عیب ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۲/۲۷)

(۲۴) سن کے دیکھو زمانے کے اہلِ قلم تم سے کہتی ہے کیا سورۂ والقلم
شان محبوب میں کیوں ہوں گستاخیاں حق تعالیٰ نے کھائی قسم والقلم
اے قلم کار عشاق آگے بڑھو کردو اُن پر نثار آج اپنے قلم
حفظ ناموسِ آقا و مولائے کُل ہے تقاضائے 'تعلیم حق' بالقلم

صفحہ ۴۹۵ پر ولی اللہ عظیم آبادی کی مکمل نعت (جس کے چار شعر درج بالا ہیں) اگر مردّف ہے تو قافیہ کہاں؟ غیر مردّف ہے تو ہر مصرع میں قلم؟ (غالب عرفان، ص ۲۰۳)

(۱۶) لب، زباں، آنکھ، جگر، قلب مری ہر اک شے
آپ کی جانِ جہاں مدح کناں ہو جائے

صفحہ نمبر ۳۸۶ پر افضال احمد انور صاحب نے دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ ''مدح کناں'' استعمال کیا ہے جو کہ جمع ہے جب کہ یہاں واحد کا تقاضا تھا۔
(حافظ عبدالغفار حافظ، ص ۶۵۳)

(۱۷) یاد کر کے جو مدینہ نہ بہائیں آنسو
ایسی آنکھوں سے تو بہتر ہے کہ نا ہوں آنکھیں

''نا'' قافیہ غلط ہے۔ ''نہ'' درست ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۱۳۲)

(۱۸) ''مدحتیں'' کا آغاز درج ذیل شعر سے ہوتا ہے:

اس اک نگاہ کی وسعت پہ دو جہاں صدقے جسے خدا شب اسریٰ دکھائی دیتا ہے

اگر یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے تو اسکی ردیف غلط ہے۔ اسے ''دکھائی دیا تھا'' ہونا چاہئے تھا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۱۲۶-۱۲۵)

(۱۹) سامنے ہیں سرورِ کون و مکاں آہستہ بول اے لبِ لرزاں! دلِ گریہ کناں آہستہ بول

''لب لرزاں! دلِ گریہ کناں'' دو چیزیں ہیں اس لئے ردیف ''بول'' کی بجائے ''بولو'' ہونی چاہئے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۲۶، ۲۴۶)

(۲۰) ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط نے اپنے مضمون میں صفوت علی کے یہ شعر بھی پیش کیے ہیں۔

دربار محمد ہے مری آنکھ کے اندر بیٹھے ہوئے وہ صاف نظر آنے لگے ہیں

پہلا سوال تو یہ اٹھتا ہے کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ دوسرا یہ کہ کیا اسکی ردیف صحیح ہے؟ ''آنے لگے ہیں'' کی بجائے ''نظر آرہے ہیں'' ہونا چاہئے تھا۔

لو سانس بھی آہستہ کہ ٹوٹے نہ مرا خواب سرکار دو عالم مرے پاس آنے لگے ہیں

کسی اور کے سانس لینے سے شاعر کا خواب کیسے ٹوٹے گا؟ یہاں بھی ردیف کا وہی حال ہے یعنی ''آنے لگے ہیں'' بجائے ''آرہے ہیں'' کی ضرورت ہے۔ صفوت صاحب کس اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی آنکھوں میں دربار محمد لگتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیٹھے نظر آتے ہیں اور آپؐ ان کے پاس وقت بے وقت آنے بھی لگے ہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے حقیقت سے بعید یا منافی شعر کہنا بھی باعث عذاب ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۱۲۵)

لفظ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اس لیے یہاں ایطا کے جلی نہ ہو کر ایطائے خفی ہے۔علمائے قافیہ کے نزدیک ایسے قوافی کم قبیح ہوتے ہیں۔)

(۱) ڈاکٹر شہزاد احمد کا مضمون ''نعتیہ کلیات کی روایت ،ایک مطالعاتی جائزہ'' معلومات افزا مضمون ہے لیکن ان کے انتخاب کردہ اشعار میں سے بعض میں فنی نقائص موجود ہیں۔ملاحظہ ہو:

اٹھا کے آنکھ کو میں نے جہاں جدھر دیکھا تو جلوہ تیرا ہی رب العلا ادھر دیکھا

جدھر، اُدھر غلط قوافی ہیں اور اگر کچھ رعایت کی جائے تو ''ایطاء'' ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۶/۶۳۶۔۶۳۵)

(۲) نور کیا نور خدا ہے آپ کا مرتبہ سب سے جدا ہے آپ کا

''نور کیا'' استعجابیہ یا استفہامیہ ٹکڑا ہے اور دونوں اعتبار سے غلط ہے۔اس میں ایطاً کا عیب بھی موجود ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۲)

(۳) ان کی نسبت سے مجھے سارا جہاں جانتا ہے
ورنہ میں کیا ہوں مجھے کوئی کہاں جانتا ہے (علی رضا)

''جہاں اور کہاں'' میں ایطائے جلی کا عیب ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۱۱۔۵۱۰)

(ج) زبان و بیان سے متعلق تسامحات

(صرف ونحو، فصاحت، تعقید، حشو، شتر گربہ)

ا۔ صرف ونحو، فصاحت:

(صرف: وہ علم جس میں کسی زبان کے مختلف اقسام کے الفاظ کا تجزیہ، ساخت، ڈھانچہ، درجہ بندی، گروہ بندی، اور الفاظ کی تشکیل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں زبان کی ان بامعنی اکائیوں کا مطالعہ جو لفظ کی سطح تک محدود ہو صرف کہلاتا ہے۔

نحو: مختلف الفاظ کن اصولوں کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ترکیب میں اور پورے جملے میں استعمال ہوتے ہیں۔اس کا مطالعہ نحو میں کیا جاتا ہے۔صرف میں ہم لفظ کی سطح تک زبان کا مطالعہ کرتے ہیں جب کہ نحو میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کس طرح مل کر جملے کی تشکیل کرتے اور معنی پیدا کرتے ہیں، اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

ایطاء:

(ایطاء: کسی قافیے میں معنی واحد پر ایک کلمے کی تکرار ایطاء ہے۔ عام طور پر ایطا کا تعین قوافی سے زائد حروف کو ساقط کر کے کیا جاتا ہے۔ اگر سقوط کے بعد لفظ اپنے اصلی معنی پر قائم رہتا ہے تو ایسے قوافی کو ایطا سمجھا جاتا ہے۔ جیسے میخانہ اور بت خانہ میں خانہ کو علیحدہ کرنے سے مے اور بت اپنے اصلی معنی پر قائم رہتے ہیں لیکن بعض مقامات پر یہ طریقہ صحیح نہیں ہوتا۔ اس لیے ایطا کے تعین کے لیے مفرد الفاظ کے اشتقاق اور مرکب الفاظ کے اجزا کو مدنظر رکھنا لازمی ہوتا ہے جیسے کھلے اور پکے الفاظ سے زائد حروف کے سقوط کے بعد کھل اور پک بامعنی الفاظ بچتے ہیں۔ یہاں ایطا کا تعین آسانی سے ہو جاتا ہے لیکن آیا اور گیا میں الف کے سقوط کے بعد پہلی مثال کی طرح ایطا کا تعین نہیں ہوسکتا اس لیے یہاں الفاظ کے اشتقاق اور ان کی فعلی گردان پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً پکے اور رُلے قوافی میں حرف روی ے دونوں الفاظ میں مضارع کے حکم میں ہے جس کے سقوط سے پک اور رُل قافیہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے شعر میں ایطا واقع ہو جائے گا۔ اسی طرح آب اور گلاب قوافی ہیں۔ یہاں دونوں الفاظ میں آب ایک معنی کا حامل ہے اس لیے یہاں ایطا ہے۔

ایطائے جلی: ایسے ایطاء کو کہا جاتا ہے جس میں واضح طور پر حرف روی یا قافیہ کا جز و ایک معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے ہندوستان اور گلستان کے قوافی میں 'ستان' دونوں جگہ ایک ہی معنی کا حامل ہے۔ ان الفاظ سے 'ستان' کے سقوط سے ہند اور گل بامعنی الفاظ بچتے ہیں جو کہ آپس میں قافیہ نہیں ہے۔ ایطائے جلی اکثر مرکب الفاظ یا زائد حروف پر مشتمل الفاظ میں واقع ہوتا ہے جو کہ کثرت استعمال کی وجہ سے اپنی مرکب صورت کو نہاں کر کے مفرد لگتے ہیں۔ جیسے سیلاب = سیل + آب اور گلاب = گل + آب کی مرکب شکل ہیں لیکن یہ الفاظ بظاہر مفرد معلوم ہوتے ہیں یا زوائد حرف جیسے مسلماں اور عورتاں میں ' اں' حروف زائد ہیں۔ ان زائد حروف کو اصلی حروف قرار دینے سے قوافی میں ایطائے جلی پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی سیلاب کا قافیہ گلاب اور عورتاں کا قافیہ مسلماں کرنا ایطائے جلی ہے۔

ایطائے خفی: ایسے ایطا کو کہا جاتا ہے جس میں پوشیدہ الفاظ کے آخری جز و کی تکرار ایک ہی معنی پر ہوتی ہے۔ یعنی دو الفاظ کے آخری حروف پر اصلی ہونے کا قوی گمان ہوتا ہے جیسے رنجور اور مزدور قوافی میں 'و' ،'ر' قواعد کے اصول کے مطابق زائد حروف ہیں۔ رنجور کے معنی ہیں صاحب رنج اور مزدور کے معنی ہیں صاحب مزد اور رنج اور مزد آپس میں قافیہ نہیں ہیں۔ چونکہ یہ دونوں الفاظ کثرت استعمال کی وجہ سے اصل

شعر میں ''ہوگی'' شکّیہ صیغہ ہے اور زمانہ ماضی ہے تو یہاں ہوگی نہیں ''تھی'' کا محل ہے۔
(ریاض حسین چودھری ص، ۵۰۶/۲۷)

(٦) چلی باد صبا کچھ ایسے فاراں کی چٹانوں سے
گلابوں کی مہک آنے لگی صحرائی خاروں سے

''فاراں'' پہاڑ ہے چٹانوں کا مجموعہ نہیں! ''صحرائی خاروں'' کی بجائے ''صحرا کے خاروں'' کا محل ہے۔

یہ اس معمارِ اعظم ہی کی سب تعمیر لگتے ہیں
جنھیں خیر البشر کے نام سے ہم یاد کرتے ہیں

''تعمیر لگتے ہیں'' شکیہ صیغہ ہے شاید شاعر کو یقین نہیں ہے کہ یہ سب واقعی ''خیر البشر'' کی تعمیر ہیں؟ شاعر کے لیے ضروری ہے کہ تلازمات لفظی و معنوی پر خصوصی توجہ دے۔ ریاض حسین چودھری کی نعت:

درِ حضور سجا طشت روشنی کا ہے چراغ بانٹنا منصب مرے نبی کا ہے

طشت روشنی کا ہے تو روشنی، نور بانٹا جائے گا یا چراغ؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۴)

(٦) مولانا عبدالرحمٰن جامؔی کی نعت میں کمپوزنگ کی بہت ساری خامیاں ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں فارسی شعر یا عبارتیں شائع ہوئی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ملتی ہے اس طرف توجہ دیجیے۔

اس شمع ہدایت سے ملتی ہے ضیا سب کو جاری ہے مدینے پر فیضان محمد کا

ثانی مصرع میں ''مدینے'' کی بجائے ''زمانے'' ہوتا تو شعر آفاقی ہو جاتا۔

صفحہ ۶۵۹ پر مجید اللہ قادری صاحب نے ایک شعر درج کیا ہے،

اور بھی ارض وطن میں ہیں ولے سب شماروں سے جدا ہے نعت رنگ

شعر میں ''شماروں'' کی بجائے ''رسالوں'' کا محل ہے شاعر نے شمارے اور رسالے کا فرق ملحوظ نہیں رکھا۔ تنویر پھول صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''نعت نامے میں احمد صغیر صدیقی صاحب کا مکتوب زیر نظر آیا۔ افسوس کہ ان کو راقم الحروف کی حمد کا یہ سادہ سا مقطع پسند نہیں آیا۔''

پامال ہے یہ گلشن ہستی میں ہو رہا فریاد لایا پھول ہے تیری جناب میں

فصاحت: اصطلاح میں فصاحت ایسی صورت حال اور معیار سے عبارت ہے جس کے تحت شعر میں الفاظ، محاورے، فقرے، ان کی صوتی ترتیب اور ان کا محل استعمال مستند اہل زبان اور مستند شعرا کے مطابق کیا جاتا ہے۔ یعنی فصاحت مستند اہل زبان کا زبان کے سلسلے میں رویہ اور طریقہ ہے۔)

(۱) پہلی نعت جناب تابش دہلوی کی ہے۔ یہ ایک سادہ سی نعت ہے۔ ان کا ایک مصرع ہے۔ (مدینہ میں کچھ ایسی راحت ملی ہے) اور دوسرا بھی (مدینہ میں اپنا قیام اللہ اللہ) دونوں میں انھوں نے ''مدینے'' کی بجائے ''مدینہ'' لکھا ہے۔ جب کہ میرے خیال میں یہاں ''مدینے'' لکھنا مناسب تھا۔ ذرا یہ جملہ دیکھیں ''وہ گھوڑا پر بیٹھا تھا'' اور یہ جملہ دیکھیے ''وہ گھوڑے پر بیٹھا تھا''۔ بہر حال تابش صاحب استاد ہیں فصاحت کے رموز ان سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔

(احمد صغیر صدیقی، ص ۶۷)

(۲) جو دل پہ گزری ہے وہ واردات اس کی ہے
ورق یہ اس کا ہے اور لفظیات اس کی ہے

لفظیات کی مناسبت سے ثانی مصرع میں ردیف میں ''ہے'' کی بجائے ''ہیں'' کا محل ہے۔

عطا ہو ژرف نگاہی کا بھی ہنر مجھ کو
ترے کرم سے مرا ذوق دکنیات میں ہے

''ژرف نگاہی'' فطری صلاحیت ہوتی ہے۔ اسے ہنر کہنا غلط ہے۔ ہنر کسبی چیز ہے اور ژرف نگاہی سیکھی نہیں جاسکتی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۵)

(۳) جہانِ رنگ و بو ہے بس مرے سرکار کا صدقہ
فواد و قلب تاباں ہے شہ ابرار کا صدقہ

''فواد، قلب'' دونوں ایک ہی ہیں۔ اگر قلب کو روح سے بدل دیں تو!! ثانی مصرع میں ''ہے'' کی بجائے ''ہیں'' کی ضرورت ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۔۱۲۹۔۱۲۸)

(۴) قلم کو چاند ستاروں کا پیرہن آقا یہ التماس یقیناً مری وفا کی ہے

''التماس'' مؤنث نہیں مذکر لفظ ہے۔ مصرع اس طرح ہوگا۔ ''یہ التماس یقیناً مری وفا کا ہے'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۹)

(۵) فلک کو میزبانی کی سعادت جب ملی ہوگی
تو بے چاری زمیں کی رات آنکھوں میں کٹی ہوگی

(شبنم رومانی کے) پہلے مصرع میں کوئی لفظ کتابت ہونے سے رہ گیا ہے جس کی وجہ سے مصرع وزن سے گرگیا ہے اور شعر بے معنی ہوکررہ گیا ہے۔

اُدھر عرش پر مہمانِ خصوصی اِدھر فرش پر میزبان ہیں محمد

(شبنم رومانی کے) دوسرے مصرع میں لفظ ''مہمان'' کی بجائے ''میہماں'' ہوگا۔ پہلی میم کے بعد ''ے'' کے دو نقطے کتابت ہونے سے رہ گئے ہیں اس خامی کی وجہ سے شعر وزن سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

گر یہ جو میں نے صبح و مسا، روز و شب کیا
آخر مرے حضور نے مجھ سے طلب کیا

(شبنم رومانی کے) دوسرے مصرع میں ''مجھ سے طلب کیا'' مجھے اچھا نہیں لگا۔ حضور V نے کیا طلب کیا؟ وہی گریہ جو صبح و مسا کیا گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے مصرع میں کتابت کی کوئی غلطی ہے یا کچھ اور ہے۔ (نقوی احمد پوری، ص ۸۸۳)

(۱۲) مدحت کے حصے میں مولانا محمد قاسم ہاشمی کی نعت کی ردیف 'میری طرف کو دیکھنا' کچھ بھلی نہ لگی۔ اس میں 'کو' کھٹکتا ہے، غلط ہو نہ ہو۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۷۳)

(۱۳) اذاں ہوئی ہے جب ہمیں نبی قریب جاں ملے
تصور اپنے ذہن میں کہاں ہے ان سے دور کا

''تعجب ہے یہ کیسا عشق نبی ہے جو صرف اذان کے وقت ہی جاگتا ہے؟'' ''دور'' کی بجائے ''دوری'' کا محل ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۱۴) سید صاحب! 'اپنی بات' کے عنوان سے آپ نے بڑی عمدہ باتیں کہی ہیں لیکن آپ نے بھی چند شعر ایسے پیش کیے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی نقص موجود ہے مثلاً ذوقؔ کا یہ مصرع:

ع ''یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے''

اس میں شکست ناروا کا ایسا عیب موجود ہے جس سے ذم کا پہلو نکلتا ہے ''لوٹنے'' کی تقطیع کی جائے تو ''ٹ'' متحرک (مفتوح) ہوجاتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۰/۲۶)

(۱۵) جلوۂ روئے محمد کا ہے واصف طارقؔ ان کی تربت میں اُجالے ہی اُجالے ہوں گے

اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ''جلوۂ روئے محمد'' کے وصف سے قبر میں اُجالا ہوگا یا نہیں! شعر میں ''اُجالے ہی اُجالے ہوں گے'' غیر فصیح ہے۔ فصحائے زبان نے ہمیشہ ایسے مواقع

احمد صغیر صدیقی صاحب کو مقطع پسند نہیں آیا تو اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت اور صرف ونحو کے اصولوں پر کھرا نہیں اترتا۔
شعر اگر اس طرح ہوتا تو صدیقی صاحب کو یقیناً پسند آتا۔

پامال ہو رہا ہے خس و خار کی طرح　　　فریاد پھول لایا ہے تیری جناب میں

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۲/۲۷)

(۸) سامنے ہیں سرورِ کون و مکاں آہستہ بول　　　اے لبِ لرزاں! دلِ گریہ کناں آہستہ بول

''لبِ لرزاں! دلِ گریہ کناں'' دو چیزیں ہیں اس لئے ردیف ''بول'' کی بجائے ''بولو'' ہونی چاہیے۔ یہی حال اس مصرع کا ہے

ع　اے وفورِ شوق! اے جذبِ رواں آہستہ بول

''جذبِ رواں'' کا مطلب بھی میری سمجھ میں نہیں آیا؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۶/۲۶)

(۹)　صفحہ ۴۴ پر بھارت کے ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے اپنے مضمون میں پھر ''تُو'' اور ''آپ'' کی بحث چھیڑ دی اور وہ رشید وارثی (مرحوم) پر برس پڑے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نظم کا مزاج نثر کے مزاج سے بالکل مختلف ہے۔ استاد ذوقؔ کے قصائد کا مطالعہ کرلیں۔ وہ نظم میں بادشاہِ وقت کو بھی ''تُو'' سے خطاب کرتے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال بھی جب نظم میں اپنی والدہ سے مخاطب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں، ''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے''۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مباحثہ اب ختم ہو جانا چاہیے اور جو شعرا نعت میں ''تُو'' کی ضمیر کو جائز سمجھتے ہیں اُن پر اعتراض نہ کیا جائے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۶۶۳)

(۱۰)　اسلم کہ ترے در کا غلامِ ازلی ہے　　　اے سیّد والا حشم، اے سیّد کونین

(اسلم فرخی کے) مندرجہ بالا شعر کو پڑھ کر احساسِ تشنگی رہ جاتا ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ ''کہ'' کسی عرضِ مدعا کا تقاضا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ ''کہ'' کی بجائے لفظ ''تو'' ہوتا تو یہ خامی نہ رہتی۔

(۱۱)　روزِ اوّل بیان ہوئے تھے تمام اسم　　　روشن کیا جہاں کو محمد کے نام نے

مصرعِ اُولیٰ میں لفظ ''اوّل'' کتابت کی غلطی معلوم ہوتا ہے۔ یہ ''ازل'' ہوگا۔ اگر (اسلم) فرخی صاحب نے ''اوّل'' لکھا ہے تو انھیں اس پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔

اک حیات ہے میرے نبی کا نام　　　صحرا میں ایک باغ ہو جیسے کھجور کا

خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی (ہیں؟) دھومیں
چرند ادھر کھلکھلا رہے ہیں پرند ادھر چہچہار ہے ہیں

چرندوں کے تعلق سے رینکنا، ہنہنانا، ڈکارنا وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ ''کھلکھلانا'' نہیں۔
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۸)

(۲۱) ''نعت شناسی'' کا سلسلہ بھی بہت خوب ہے جن شعرا تک ہماری رسائی نہیں ہے وہ اس کے ذریعے ہم تک پہنچ رہے ہیں لیکن اس تعلق سے عرض خدمت ہے کہ بعض مضمون نگار و مبصرین اپنے مضامین میں عیب دار اشعار بھی درج کر دیتے ہیں جن کی بنا پر مضمون کمزور اور شاعر کی فن کاری مشکوک ہو جاتی ہے، مثلاً پروفیسر اکرم رضا نے ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت شناسی میں یہ ایک شعر درج کیا ہے:

وفورِ جذب سکینت بتا رہی ہے ریاضؔ
یہ نعت بھی مری صل علیٰ قبول ہوئی

''وفور'' مذکر لفظ ہے اس لیے بتا رہی کی بجائے ''بتا رہا ہے'' چاہیے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۱۴۱۔۱۴۲)

(۲۲) میری بینائیاں عرش سے جا ملیں دیدہ ور آئینہ دیکھتے رہ گئے
شعر کی بے معنویت سے الگ ''میری'' کے ساتھ ''بینائیاں'' کا استعمال غلط ہے صرف بینائی استعمال ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۴۔۱۴۳)

(۲۳) مظہر صدیقی صاحب کی نظم میں بھی کئی خامیاں ہیں۔

عرب کی سرزمیں تپتے ہوئے پیتل کی صورت تھی
وہ دن کی روشنی میں ہول ناک آتش کی مورت تھی

روشنی میں تپش نہیں ہوتی اس لیے ''ہول ناک آتش'' کا استعمال درست نہیں ہے۔ نیز ''سرزمیں'' کو ''آتش کی مورت'' کہنا بھی غلط ہے۔ آج تک کسی نے زمین کو مورت سے تشبیہ نہیں دی ہے۔

سیاہی رات کی جب اپنی چادر لہلہاتی تھی
گناہوں کے نہ جانے کتنے دفتر کھول جاتی تھی

چادر پھیلانا، چادر بچھانا، چادر اوڑھنا تو محاورے ہیں لیکن چادر کے ساتھ لہلہانا کا

پر ''اُجالا ہی اُجالا ہوگا'' استعمال کیا ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۶/۶۳۱۔۶۳۰)

(۱۶) ڈاکٹر شہزاد احمد کا مضمون ''نعتیہ کلیات کی روایت ،ایک مطالعاتی جائزہ'' معلومات افزا مضمون ہے لیکن ان کے انتخاب کردہ اشعار میں سے بعض میں فنی نقائص موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اٹھا کے آنکھ کو میں نے جہاں جدھر دیکھا تو جلوہ تیرا ہی رب العلا ادھر دیکھا

''کو'' حشو ہے۔آنکھ کو اٹھا کر دیکھنا غیر فصیح ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۶/۶۳۶۔۶۳۵)

(۱۷) جو دنیا میں ترا کھا کر ترے شکوے کریں یارب تعجب ہے کہ ان پر بھی رہے لطف و کرم تیرا

''ترے شکوے'' یہاں غیر فصیح ہے ایسے مواقع پر فصحا ''ترا شکوہ'' کہتے ہیں۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۶/۶۳۶)

(۱۸) دل کی خواہش ہے کہ گل گشت جہاں سے نکلے
دشتِ طیبہ کے کسی خار پہ ٹھہرے جاکر

''نکلے'' نہیں ''چھوٹے'' چاہیے اور ''خار'' پہ کیوں ٹھہرے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۱)

(۱۹) احمد صغیر صدیقی صاحب کی حمد کا مطلع ہے:

پتھروں کو بھی نمی دیتا ہے ساری توفیق وہی دیتا ہے

شعر میں ''بھی'' حشوِ قبیح ہے۔بھی کے معنی ہیں ''نیز۔علاوہ'' اس لیے پتھر کے ساتھ کسی اور نم ناک شے کا ذکر ضروری تھا۔اس کے علاوہ نمی کی بجائے نمو کا محل ہے اور ایک توفیق کے لیے ''ساری'' کا استعمال بھی غلط ہے یہاں ''ایسی یا اس کی'' کہنا تھا:

بے زبانی کو جو دیتا ہے وہ نطق نغمہ و نغمہ گری دیتا ہے

یہاں ''جو'' کی بجائے ''جب'' کی ضرورت ہے۔ہاں اگر شعر میں ''وہ'' نہ ہوتا تو جو درست ہوتا۔ اسد شائی کی نظم تشنگی کا مصرع ''مشیتوں کے کواڑ سرکے'' پڑھ کر ہنسی آگئی۔شاید اسد صاحب سمجھتے ہیں کہ مشیت کوئی کمرہ ہے یا کسی کمرے میں رکھی ہوئی ہے اور کواڑ سرکنے پر اس کا نزول ہوتا ہے۔ انھیں شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ کواڑ کھلتے ہیں سرکتے نہیں اور Sliding Doors میں کواڑ نہیں ہوتے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۴)

(۲۰) ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے علاّمہ احمد یار نعیمی کی ایک طویل نعت پیش کی ہے جس کا یہ شعر:

انھوں نے تزکیہ فرمایا اہل ایماں کا　　　نکال لے گئے ظلمت سے روشنی کی طرف
عجیب سا شعر ہے ''انھوں نے اہل ایماں کا تزکیہ فرمایا اور انھیں ظلمت سے روشنی کی طرف نکال لے گئے!'' کیا اہل ایمان ظلمت میں تھے؟ یہاں ''اہل ایماں'' کی بجائے ''اہل عصیاں'' ہونا چاہئے!!

سرشارؔ صدیقی کے درج ذیل اشعار نے ذہن کے دریچے کھول دیئے

مدینے والے کو سب کچھ بتا دیا میں نے　　　بہت سکوں ہے گناہوں کے اعتراف کے بعد
اس میں اگرچہ ''مدینے والے'' حس سمع و بصر پر گراں گزرتا ہے اس کی بجائے ''مدینے جا کے سبھی کچھ بتا دیا میں نے'' جیسا مصرع ہوتا تو لطف اور بھی دو بالا ہو جاتا۔

کبھی غلاموں کو دے رہے ہیں وہ باغِ جنت کی راہ داری
کبھی فقیروں کو دستِ رحمت سے جامِ کوثر پلا رہے ہیں

شعر میں دو نقائص ہیں: (۱) راہ داری دینا غلط ہے ''پروانۂ راہ داری'' دیا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۳/۲۶_۶۴۱)

(۳۰) شب دنیا میں ضیا تیری ہے اے ماہ عرب　　　فرش سے عرش تلک طاری ہے ہالہ تیرا
''شب دنیا'' سے ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں صرف رات ہی رات ہے اسے ''ظلمت دہر'' ہونا چاہئے تھا۔ حضور کیلئے ''اے'' کا اس طرح استعمال میرے نزدیک نامناسب ہے کیوں کہ یہ ہماری غیر منقسم ہندوستانی تہذیب کی نشانی ہے جو ''اپنوں سے چھوٹے یا کمتر شخص'' کیلئے مستعمل ہے۔ نیز ''ہالہ'' طاری نہیں ہوتا ''گھیرتا'' ہے۔

ملیں قبائیں مجھے ہنر کی، وقارِ صوت و صدا بھی نکھرا
رسولِ اکرم کا ذکر انور، اسی کی پہچان ہو گیا ہے

''وقار'' نکھرتا نہیں ''گھٹتا، بڑھتا'' ہے۔

دن میں کتنی بار ادب سے ان کا انجمؔ　　　جی بھر کر میں نام نہ لوں تو رو پڑتا ہوں
''کتنی'' غلط زبان ہے، ''کئی کئی'' کا محل ہے، ویسے کیا انجم صاحب واقعی اس طرح روتے ہیں یا پھر یہ نری شاعری ہی ہے!؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۷/۲۶_۶۴۶)

(۳۱) خواہش دید نبی کس کو نہیں ہے لیکن　　　ربِ اکبر سا طلب گار کوئی اور نہیں
''دید'' کے معنی ہیں ''نگاہ، نظر، دیکھا ہوا'' اور یہ مرکبات میں استعمال ہوتا ہے جیسے ''چشم دید''!

استعمال آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔

لٹیرے شیر تھے اس ریگ کے تپتے کچھاروں میں
نقب زن گدھ کی صورت پھر رہے تھے ریگزاروں میں

ریگستان میں کچھار نہیں ہوتے، دریا کی ترائی کو کچھار کہتے ہیں:

یہاں انسان خود انسانیت سے نا شناسا تھا
تباہی اس کی منزل تھی تنزل اس کا منشا تھا

"ناشناسا" غیر فصیح ہے نا آشنا کہتے ہیں۔قافیہ بھی ناموزوں ہے۔منشا یعنی مرضی، خواہش، کوئی اپنی منشا سے تنزل نہیں چاہتا۔ یہاں تو شہ جیسا کوئی قافیہ ہونا چاہیے تھا۔
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۴۔۱۴۳)

(۲۴) چراغِ مدحتِ آقا منڈیرے پر رکھا ہے موڈب ہوگئی سرکش ہوا الحمدللہ
"چراغ مدحت آقا" کس شکل وصورت کا ہوتا ہے؟ منڈیرے شاید مقامی زبان ہے ورنہ "منڈیر" یا "منڈیری" کہا جاتا ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۷۔۱۴۶)

(۲۵) انور شعور کی نعتیں "میرے مولا بلالو مدینے مجھے" یہ مصرع واوین میں ہونا چاہئے کیوں کہ یہ شعور صاحب کا نہیں ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۸)

(۲۶) شاہِ عرب کے پیٹ پہ پتھر بندھے ہوئے دیکھے تو کوئی طرزِ معیشت حضور کی
طرز مونث نہیں "مذکر" لفظ ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۹)

(۲۷) نہ کوئی آپ سے ذی مرتبت زمانے میں نہ کوئی آپ سے ذی جاہ یا رسول اللہ
دونوں مصرعوں میں "سے" کی بجائے "سا" چاہئے۔شاید کمپوزنگ۔۔۔؟ اگر نہیں تو "آپ سے زیادہ/بڑھ کر" کہنا چاہئے تھا۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۹)

(۲۸) امید و بیم میں رکھتا ہے شوقِ دید ہمیں کبھی قرار کبھی اضطراب آتا ہے
"بیم" (خوف) کا استعمال بے محل ہے۔اضطراب "آتا" نہیں، ہوتا ہے۔
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۰)

(۲۹) نعیم ان کی محبت تھی رب سے بے پایاں رضا پہ رکھتے تھے اس کی نظر خدا کے رسول
مصرع ثانی میں "کی" کی بجائے "کو" چاہئے اور جملے کی ترکیب یوں درست ہوگی "اس کی رضا پہ نظر رکھتے تھے خدا کے رسول"

ہوتا۔اس کے علاوہ شجر و حجر کے تعلق سے تو روایاتِ صحیحہ موجود ہیں کہ یہ سب تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔لیکن یہ روایت کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آتی کہ چڑیاں درود شریف پڑھتی ہیں۔اور اگر 'چڑیاں' سے 'مراد' گھر کی بچیاں ہیں تو پھر سوال اُٹھتا ہے کہ گھر کی بجائے آنگن میں کیوں پڑھتی ہیں؟ نیز چراغِ نعت صرف آپ کے کمرے میں جلتا ہے؟" (ریاض حسین چودھری ص، ۴۹۴/۲۷۔۴۹۳)

(۳۴) سیّد افتخار حیدر کا یہ شعر:

رحمت للعالمین، یٰسین و طٰہٰ، ص، ق، جبرئیل آداب سے پیغامِ حق لاتے رہے

شعر میں آداب کی بجائے "ادب" کی ضرورت ہے۔

وہ محمد ہیں احمد بھی محمود بھی، حسنِ مطلق کا شاہد بھی مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی ظاہراً اُمّیوں میں اٹھایا گیا

ثانی مصرعے میں "اُمّیوں میں اٹھایا گیا" عجیب ٹکڑا ہے۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی نہیں تھے بلکہ اہلِ عرب اُمّی تھے!!اس کے علاوہ "غیر محدود" بھی اردو میں غیر فصیح ہے "لامحدود" مستعمل ہے۔

کیونکر ڈریں نہ تجھ سے عدو، شاد دوست ہوں پایا خطاب تو نے بشیر و نذیر کا

احقر (بہاری) صاحب نے "بشیر و نذیر" کی رعایت سے "ڈریں، عدو، دوست، شاد" استعمال کیا ہے لیکن اس پر توجہ نہیں دی کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ڈرانے آئے تھے خود سے نہیں!! مصرع یوں ہونا تھا:

ع "کیوں نہ ڈریں خدا سے عدو، شاد دوست ہوں"

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۳/۲۷۔۵۰۲)

(۳۵) ص ۱۶۰ پر سعدیہ روشن کی نعت میں پہلا شعر سہوِ کتابت کی نذر رہے۔ص ۲۶۱ پر یعقوب تصور کی نعت کے اس شعر میں:

جرم و خطا کے باوجود جود و سخا کی انتہا
ہم عاصیانِ دہر کی جانب کرم نگاہ بھی

"کرم نگاہ" کی ترکیب درست نہیں معلوم ہوتی۔(ملک الظفر سہسرامی ص، ۸۴۸)

(۳۶) کسی بھائی کی دل زاری نہ کیجیے مرے آقا نے یہ سب سے کہا ہے

یہاں ''خواہش دیدار'' کہنا چاہئے تھا۔ ''ربِ اکبر سا طلب گار'' کے لئے قمر وارثی صاحب عزیز احسن صاحب کا مضمون ''نعتیہ ادب کی تحقیق۔۔۔ص ۱۰۳-۱۴۸ نعت رنگ نمبر ۲۵ پڑھ لیں تو ان کے لئے بڑا نافع ہوگا۔

آپ احمد بھی محمد بھی ہیں محمود بھی ہیں ان چراغوں سے ضیا بار کوئی اور نہیں

''سے'' کی بجائے ''سے زیادہ'' یا پھر ''سا'' کہنا تھا۔

دل کو دنیا کے جھمیلوں میں الجھنے نہ دیا اس کو بس جستجوئے باغ ارم میں رکھا

محترمہ نورین صاحبہ سے التماس ہے کہ ''ارم'' کا استعمال نہ کیا کریں کہ یہ ''شداد'' کی جنت تھی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۸/۲۶)

(۳۲) خدا کی بزمِ جہاں پر ہے یہ عنایت خاص کہ دے کے آپ کو بھیجا گیا ہدایت خاص

''ہدایت'' کی مناسبت سے ''بھیجی گئی'' کا محل ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۹/۲۶)

(۳۳) ڈاکٹر اشفاق احمد انجم صاحب نے میرے تین اشعار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے:

مدینے کے جزیرے میں مری کشتی بھی آ پہنچی
خزانہ سامنے ہو تو بھلا نقشہ میں کیا مانگوں

ریاضِ خوش نوا کو بھی رعایا میں رکھیں شامل
محمد کی غلامی کی خدا کی انتہا مانگوں

چراغِ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درودِ پاک پڑھتی ہیں

آیئے ڈاکٹر صاحب کے تنقیدی ارشادات کو ایک مرتبہ پھر پڑھ لیں:

(i) ''مدینہ 'جزیرہ' تو نہیں ہے۔''

(ii) ''پہلا مسئلہ تو 'غلامی کی انتہا' کا ہے۔ یہ کیسی ہوتی ہے؟ دوسرے ردیف 'مانگوں' غلط ہے یعنی ریاض اور مانگنے والا یہاں دو الگ الگ شخصیتیں ہو جاتی ہیں۔ مطلب مانگنے والا 'ریاضِ خوشنوا' کے لیے مانگ رہا ہے۔ جبکہ ریاض خود اپنے لیے مانگ رہا ہے۔ اس صورت میں ردیف مانگے ہونی چاہیے۔ نیز جب خدا سے مانگا جا رہا ہے تو 'رکھیں' صیغہ جمع قطعی غلط ہے۔ اسے 'رکھے' ہونا چاہیے تھا''۔

(iii) ''چھوٹے سے کمرے میں صرف ایک ہی چراغ کافی ہے، 'جلتے' کی بجائے 'جلتا' بہتر

تو آفتاب ہوتا ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۵۱۰/۲۷)

(۴۱)اورنگِ سلیماں کیلئے رشک کا باعث   اے سید کونین ترے در کی چٹائی

''اورنگ سلیماں'' کوئی جاندار شئے نہیں ہے کہ اس میں رشک وحسد کا جذبہ کارفرما ہو!! دیگر ''چٹائی'' گھر کے اندر بچھائی جاتی ہے، در پر پاتختہ (پائدان) بچھاتے ہیں۔(ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۶۳۳)

(۴۲) فیاض جس سے شوکتِ حیات ہوعیاں   روئے حیات کو تو وہی خد و خال

(فیاض ٹانڈوی کے شعر میں) 'روئے حیات' کی ترکیب آفاقی مفہوم رکھتی ہے۔میری دانست میں 'اپنی حیات' یا 'اپنے کلام' کے الفاظ زیادہ مناسب لگتے۔(خضر حیات،ص ۲۳/۲۶ (۳

(۴۳) کافور کیا جس نے زمانے کی سیاہی   وہ روشنیٔ شمع فروزانِ نبی ہے

''کافور کیا'' غلط ہے ''کی'' چاہیے۔''روشنیٔ شمع فروزاں'' بھی عجیب سی ترکیب ہے۔ فروزاں کا مطلب بھی روشن ہی ہے۔اردو ترجمہ کریں تو ''روشن شمع کی روشنی'' ہوگا یعنی ''روغنِ آملہ کا تیل!!''۔

معیار ہے دنیا کے لیے اسوۂ حسنہ   سرنامۂ توحید کے ہیں نقشِ حسیں آپ

عبدالکریم ثمر کے شعر میں لفظ 'حَسنہ'' ہے'' حُسنہ'' نہیں۔مصرعۂ ثانی میں واحد جمع کا عیب ہے یعنی ''سرنامۂ توحید کے ہیں نقشِ حسیں آپ'' چاہیے۔

سرمایۂ حیات ہے سیرت رسول کی   اسرارِ کائنات ہے سیرت رسول کی

ساغر صدیقی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو ایک کھلی کتاب ہے''اسرار'' سے اس کا دور کا بھی علاقہ نہیں ہے، یہاں اسرار کی بجائے ''اظہار'' ہونا چاہیے تھا۔فدا خالدی کا شعر دیکھیے:

چہروں سے برسنے لگے انوار یقیں کے   ایمان سے ہونے لگی قلبوں کی صفائی

قلب کی جمع ''قلبوں'' غیر فصیح ہے''قلوب'' کہتے ہیں۔(ریاض حسین چودھری ص،۵۰/۲۷)

(۴۴)بھولا ہوا تھا اپنی حقیقت کو آدمی   آئینہ آدمی کو دکھایا حضور نے

''آئینہ دکھانا'' محاورہ ہے جس کا مطلب ہے''کسی کو اس کی اصلیت،اوقات یا عیب دکھانا!'' اس صورت میں میرے خیال میں یہاں آئینہ دکھانا کا استعمال صحیح نہیں ہوا ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۱/۲۶)

''دل زاری'' بے معنی ترکیب ہے یہاں دل آزاری کا محل ہے۔ زاریدن یعنی رونا، گریہ کرنا اور آزاردن یعنی تکلیف دینا، رنج پہنچانا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۲۔۱۴۱)

(۳۷) حفیظ ثابت صاحب کا مصرع ہے،

ع روحِ رواں کی ہے صدا صلی علیٰ نبیّنا (ص ۲۷۹)

مجھے ''روحِ رواں'' کی ترکیب سے متعلق کچھ کہنا ہے:

''روح اور رواں'' دونوں ہم معنی الفاظ ہیں میرے خیال میں ان میں اضافت لگانا غلط ہوگا۔ ہم معنی الفاظ میں اضافت کی بجائے ''واؤ عطف'' لگایا جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ''روح'' کا جسم میں کہیں ایک مقام متعین ہے یعنی یہ ''رواں'' نہیں ہے یعنی سارے جسم میں بہہ نہیں رہی ہے کہ اسے روح کیساتھ ترکیب دیا جائے، اسکے علاوہ رواں کا ایک مطلب ''جان'' بھی ہے جو صرف جانوروں سے متعلق ہے یعنی جانوروں میں صرف جان ہوتی ہے ''روح'' نہیں اس لیے انہیں ''جانور یا جاندار'' کہتے ہیں۔ روح صرف انسانوں میں ہے اور اسی لیے یہ مکلّف بھی ہے۔ اس لیے ''روحِ رواں'' کی بجائے ''روح و رواں'' استعمال کرنا چاہیے۔'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۳/۲۷)

(۳۸) دمِ اخیر اگر ٹوٹے ڈور سانسوں کی شفیعِ حشر کا لب پر مرے قصیدہ رہے
وہ ذات جس سے قمر بھوک و پیاس ہارگئی حسین سا کہاں کوئی ستم رسیدہ رہا

اول تو یہ نعت کا شعر نہیں یہ منقبت ہے دوسرے ''بھوک و پیاس'' کی ترکیب غلط ہے۔ دونوں ہی ہندی الفاظ ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۸)

(۳۹) وجاہت اس قدر جیسے کسی سردار سر کا ہو لئیق تاجدار و شان و شوکت ہے سرِ اقدس

اس شعر میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کو ''کسی سردار کے سر سے تشبیہ دی گئی ہے'' جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا اور انس و جاں کے سردار ہیں۔ ''لئیقِ تاجدار'' کی ترکیب بھی بے محل ہے۔ ''لئیقِ تاج'' چاہیے تھا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۶)

(۴۰) احسن زیدی کا مطلع ہے،

غروب تیرہ شبی اور طلوع صبح جمال تری نظر کا کرشمہ تری جبیں کا جمال

''غروبِ تیرہ شبی'' عجیب سی ترکیب ہے۔ نہ شب غروب ہوتی ہے نہ تیرگی!؟ غروب

(۴۸) ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ راز صاحب نے اپنے مسدس کے ٹیپ کے مصرع (مرحبا! صلِ علیٰ اے آئنہ! اے روشنی!) میں سب حقائق کو سمو دیا ہے لیکن بصد ادب عرض ہے کہ منفی پہلو اور دورِ جاہلیت کی منظر کشی کرتے وقت اس مصرع کی تکرار بری طرح کھٹکتی ہے اور مفہوم غلط تاثر دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے (یہ رائے تاجدار عادل صاحب کی ہے جس سے مجھے بھی اتفاق ہے) مثال کے طور پر ان مصرعوں کے ساتھ۔ (۱) جیسے ویرانے میں ہونڈی کوئی سوکھی ہوئی۔ (۲) ہر طرف تو ہین حوا، چارسو بے حرمتی۔ (۳) کیسا رب اور کیسا قرآں، کون سا دین نبی V ہاں مثبت پہلو بیان کرتے وقت یہ مصرع بڑے کام کا ہے۔ مثال کے طور پر یہ خوب صورت بند ملاحظہ کیجئے:

آپ کے نقشِ کفِ پا کے اُجالے دیکھ کر کام صدیوں پر محیط اور عمر اتنی مختصر
محوِ حیرت ہیں سبھی، کیا فکر، کیا قلب و نظر میں ثنا شیشے کی لکھوں یا ثنائے شیشہ گر
کیا کروں یہ نوکِ خامہ سوچتی ہی رہ گئی
مرحبا! صلِ علیٰ اے آئنہ! اے روشنی!

اس مسدس میں کچھ مقامات پر تذکیر و تانیث کی غلطیاں ہیں مثلاً صفحہ نمبر ۹۱ پر ''مخلوق'' اور صفحہ نمبر ۱۴۳ پر ''گود'' کو بطور مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۷۰ پر ''محمد V کے سیاہ'' کی جگہ ''محمد V کی سیاہ'' ہونا چاہئے اور ''منفرد ہیں'' کی جگہ ''منفرد ہے'' درست ہوگا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۲۵۲ پر ایک شعر ہے:

یہ سلامِ بندگی ہے خانماں برباد کی مرحبا صلِ علیٰ اے آئنہ! اے روشنی!

پہلا مصرع آخر میں ''کی'' نہیں بلکہ ''کا'' کا تقاضا کر رہا ہے۔ (تنویر پھول ص، ۵۲۰/۲۷)

(۴۹) صفحہ نمبر ۲۰۲ پر مرحوم ماجد خلیل صاحب (اللہ تعالیٰ اُن کی اور ہماری مغفرت فرمائے) کے ایک مصرع کا حوالہ ہے۔ عرض ہے کہ راقم الحروف نے وہ مصرع اس طرح تجویز کیا تھا:

''اِک لفظ سے بنے ہوئے جہاں میں'' کی جگہ ''اِک لفظ کن سے بنے جہاں میں'' یا (اِک حرفِ کن سے بنے جہاں میں)۔ اس طرح تبدیل شدہ صورت (اک کن سے بنے ہوئے جہاں میں) میں حرف ''ک'' کی وجہ سے جو تنافر پیدا ہو رہا ہے، اس سے بچا جا سکتا تھا۔

جو شعرا ''صلِ علیٰ'' کو حضور اکرم V کا اسمِ گرامی سمجھتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں لیکن جو اسے ''صلِ علیٰ محمد'' کے مخفف کے طور پر استعمال کرتے ہیں وہ درست ہیں جس طرح ''بسم اللہ'' کہہ کر

(۴۵) بلاوا عرش سے ہوا ہے جب مرے حضور کا
تو سامنا ہوا ہے نور سے نبی کے نور کا

"بلاوا ہونا" غیر فصیح ہے۔ "بلاوا آیا۔آنا" محاورہ ہے۔ شعر کے تیور سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "نور اور نبی کا نور" دومختلف النوع انوار ہیں اور ان دونوں میں عرش پر "مقابلہ" ہوا تھا۔ "سامنا" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے اور بلانے والی کوئی تیسری ہی ہستی ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۱۲۹)

(۴۶) کھلتا ہے جو بابِ ذکرِ طائف ہوجاتی ہے آنکھ آنکھ نم ناک

"آنکھ آنکھ" غیر فصیح ہے۔ ہر ایک آنکھ بھی کہا جا سکتا تھا۔

فرمایا! انا مدینۃ العلم اس قول نے سب فسوں کیے چاک

فسوں چاک نہیں کیا جاتا "توڑا" جاتا ہے۔ سلیم شہزاد قوافی کے پیچاک وفتراک میں الجھ کر رہ گئے ہیں اس لیے ان کے یہاں شعریت نام کی کوئی چیز نہیں ملتی۔

وہی فردوس کی خوشبو معطر ان سے چاروں سو
کہاں شب رنگ زلف ایسی یوں ہندی تل کہاں مہکا

(احسان اکبر کے) شعر میں "چاروں سوٗ" غیر فصیح ہے "چہار سوٗ" یا "چاروں طرف/سمت" کہتے ہیں۔ یہ "ہندی تل" کیا چیز ہے اور اس کی خوشبو کیسی ہوتی ہے؟(منیر سیفی، ص ۵۳۱)(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۰/۲۷۔۵۰۹)

(۴۷) حافظ عبدالغفار حافظؔ صاحب کے "قصیدۂ نعت رنگ" پر "صلی اللہ علیہ وسلم" کا عنوان دیا گیا ہے جو نامناسب ہے۔ ویسے قصیدہ اچھا ہے مطلع میں ذرا سی ترمیم کردیں تو بہتر ہوگا یعنی "اردو زباں" کی جگہ "خیراللہ" رکھ دیں۔ حافظ صاحب کا مطلع یوں ہے،

فخرِ پاک و نازشِ ہندوستاں ہے نعت رنگ
بالیقیں "اردو زباں" کا ترجماں ہے نعت رنگ

کاشف عرفان صاحب کی نعت اچھی ہے اس کے مطلع اور مقطعے پر کچھ کہنا چاہوں گا۔

اس رنگِ محبت کے اثر میں ہوں ابھی تک
گھر لوٹ بھی آیا ہوں، سفر میں ہوں ابھی تک

"رنگ" کی جگہ "جذب" زیادہ بہتر ہوتا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۱/۲۷)

بے چارہ فقیہ، فتویٰ دینے کے سوا کیا کر سکتا ہے؟ یہ بادشاہ یا حاکم تو ہے نہیں !! اگر ’’امیر شہر‘‘ بھی کہہ دیتے تو بات بن جاتی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۵۔۱۴۴)

(۵۲) اسی طرح عزت بخاری سے منسوب شعر:

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کا مفہوم شرکائے مذاکرہ کے ذہن میں واضح نہیں ہوا۔ ’’نفس گم کردن‘‘ کے معنی ہیں، سانس روک لینا، خاموش رہنا اور شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے ایک ایسی بھی جگہ ہے جس کی پاکیزگی اور تقدس عرش سے بھی زیادہ نازک ہے (یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مزارِ مبارک)۔ لہٰذا اس خوف سے کہ کہیں اس کی نزاکت کو ٹھیس نہ پہنچے، جنید اور بایزید جیسے سرگشتہ اور مغلوب الحال اور بلند مرتبہ خدا شناس شخص بھی جب پیغمبر کے روضے پر پہنچتے ہیں تو دم سادھ لیتے ہیں۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حفظ مراتب کا پورا پورا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اتنے صاف اور خوبصورت شعر کے معنی لوگوں نے خدا جانے کیا کیا نکالے ہیں۔ (شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۵۱۳۔۵۱۲)

(۵۳) پھر ریشمِ انوار کا ملبوس پہن کر ظاہر ہوا اک پیکرِ صد رنگ بصد ناز

دوسرے مصرع میں ’’مقصد تخلیق کائنات‘‘ کی تخلیق کے لیے شاعر نے لکھا ہے۔ ’’ظاہر ہوا اک پیکر صد رنگ بہ صد ناز‘‘۔ مجھے ’’بہ صد ناز‘‘ پر اعتراض ہے۔ اس قسم کی باتیں شعرا اپنی معشوقاؤں کے لیے لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم عزیز صاحب مجھے معاف کریں۔ میں ان کے اس فتوے سے بھی متفق نہیں کہ محسن نقوی عصر حاضر کا ایک ’’بڑا‘‘ شاعر تھا۔ (احمد صغیر صدیقی، ص ۸۹۴/۲۵)

(۵۴) صفحہ نمبر ۲۶۲ پر بھارت کے جناب محمد علی شیدا البستوی کی نعت ہے۔ اس میں آٹھویں شعر کا پہلا مصرع ہے ’’بیان یوں کیا رب نے رسول کی عظمت‘‘۔ یہاں ’’کیا‘‘ کی جگہ ’’کی‘‘ ہونا چاہیے مگر موصوف وزن پورا کرنے کے لیے مؤنث کو مذکر باندھ گئے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ، ص ۶۵۸)

(۵۵) درج ذیل اشعار کی واقعیت، حقیقت اور تعلّی پر کیا کہا جا سکتا ہے:

لیل و نہار آپ کے در کے طواف میں لوح و قلم ہے آپ کی مدحت کا آئینہ

’’ہے‘‘ اگر کتابت کی خامی نہیں ہے تو اسے ’’ہیں‘‘ ہونا چاہیے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۳۳/۲۶)

پورا تسمیہ مراد لیتے ہیں اور ''الخ'' مخفف ہے ''الیٰ آخرہ'' کا۔ صفحہ ۶۴۱ پر ''رحمۃ للعالمین'' V لکھتے وقت ''ل'' سے پہلے الف لکھا گیا ہے جو زیادہ ہے اور سورۃ الانبیا کی آیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ صفحہ نمبر ۶۴۵ پر پیرزادہ قاسم صاحب کے مصرع میں ''تردامنی'' کے استعمال پر اعتراض درست نہیں، تردامنی کا مطلب ہے خطا کاری یعنی گناہگاری۔ ایک مشہور شعر ہے: تردامنی پہ شیخ! ہماری نہ جائیو☆ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔ صفحہ نمبر ۶۴۸ پر قمر وارثی صاحب کے مصرع ''خواہشِ دیدِ نبی V کس کو نہیں ہے لیکن'' پر اعتراض درست نہیں۔ ''دید'' کے معنی ''نگاہ اور نظر'' کے علاوہ ''دیدار اور نظارہ'' بھی ہیں جیسا کہ نسیم اللغات (جس کے مرتبین میں آغا محمد باقر نبیرہ، آزاد بھی شامل ہیں) میں صفحہ نمبر ۴۹۰ پر درج ہے، نیز ملاقات (دیدار) کے خواہش مند کے لیے ''دید خواہ'' استعمال ہوتا ہے (بحوالہ فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۶۷۰)۔ (تنویر پھول ص، ۵۲۳/۲۷)

(۵۰) اسی طرح کا ایک شعر اعجاز رحمانی کے مجموعہ نعت 'آسمان رحمت' کے صفحہ نمبر ۴۷ پر بھی ہے:

ہر اک موسم ہے اُن کے گیسو و رخسار کا موسم نہ کوئی شب ہماری ہے، نہ کوئی دن ہمارا ہے

یہ حقیقت ہے کہ غلطیاں سبھی سے ہوتی ہیں کیونکہ سب انسان ہیں۔ استاد قمر جلالوی کی غزل کا یہ مشہور مصرع بھی معیاری نہیں لگتا: غنچے اپنی آوازوں میں بجلی کو پکارا کرتے ہیں اس مصرعے میں ''آوازوں میں'' کا استعمال کھٹکتا ہے، اس کی جگہ شاید یہ مناسب ہوتا: خاموش زباں سے غنچے بھی بجلی کو پکارا کرتے ہیں۔ (تنویر پھول ص، ۶۶۰/۲۶)

(۵۱) خزاں کا کب ہے مدینے میں داخلہ ممکن ہر ایک پھول یہاں حسن دائمی کا ہے

خزاں، بہار، سردی، گرمی، بارش، کا چکر نظام قدرت ہے زمین کا کوئی خطہ ان سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر کہیں صرف ایک ہی موسم مستقل ہوگا تو نظام زندگی میں خلل واقع ہوگا۔ شعر میں نہ رمز و کنایہ ہے نہ استعارہ! پھول کا ذکر ہے تو اس کا مرجھانا فطری ہے۔ ثانی مصرعے کی نثر کریں تو یوں ہوگی۔ ''ہر ایک پھول یہاں دائمی حسن کا ہے'' کیا یہ عبارت درست ہے؟

مرے نصیب کا کیا پوچھتے ہو ہم سفرو مرے نصیب میں موسم ثنا گری کا ہے

حمد و ثنا کا کوئی موسم نہیں ہوتا۔ شعر میں ''ہم سفرو'' بھی حشو ہے۔ ہاں اگر موسم کی بجائے ''توشہ'' رکھ دیں تو ہم سفرو بھی نبھ جائے گا اور موسم کی قید بھی ختم ہو جائے گی۔

فقیہہ شہر کو چیخیں سنائی کیا دیں گی حضور، دور مسلسل یہ بے بسی کا ہے

کی نشان دہی کرر ہا ہوں:

بنی انساں کی تہذیب کا طیبہ مرکز　　باقی دنیا ہے فقط قرب و جوارِ طیبہ

کوثر علی پانچویں شعر کے مصرع اولیٰ میں ''بنی انساں'' کی جگہ اگر شاعر ''بنی انسان کی تہذیب کا طیبہ مرکز'' لکھتے تو دونوں مصرعوں میں ''ہے'' کے استعمال سے بچ جاتے۔

پھر بھی علم بلند رہا تیرے نام کا　　گو تھی کمانِ کفر مسلسل تناؤ میں

صفحہ ۴۹۳ پر سہیل اختر کے آٹھویں شعر کے مصرع ثانی میں ''گو تھی'' حسنِ سماعت پر بار گزرتا ہے۔(غالب عرفان، ص۷۰۳)

(۶۲) کام صدیوں پر محیط اور عمر اتنی مختصر　　آپ کے نقش کفِ پا کے اُجالے دیکھ کر

محوِ حیرت ہیں سبھی، کیا فکر، کیا قلب و نظر　　میں ثنا شیشے کی لکھوں یا ثنائے شیشہ گر

کیا کروں یہ نوک خامہ سوچتی ہی رہ گئی

مرحبا! صلِ علیٰ اے آئنہ! اے روشنی!

اس مسدس میں کچھ مقامات پر تذکیر و تانیث کی غلطیاں ہیں مثلاً صفحہ نمبر ۹۱ پر ''مخلوق'' اور صفحہ نمبر ۱۴۳ پر ''گود'' کو بطور مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۷۰ پر ''محمد V کے سیاہ'' کی جگہ ''محمد V کی سپاہ'' ہونا چاہئے اور ''منفرد ہیں'' کی جگہ ''منفرد ہے'' درست ہوگا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۲۵۲ پر ایک شعر ہے:

یہ سلامِ بندگی ہے خانماں برباد کی　　مرحبا صلِ علیٰ اے آئنہ! اے روشنی!

پہلا مصرع آخر میں ''کی'' نہیں بلکہ ''کا'' کا تقاضا کر رہا ہے۔

واحد اور جمع کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۸۷ پر ایک مصرع ہے: لرزہ براندام تھے اک اک پرستار بتاں: ''اک اک'' کے ساتھ ''تھے'' درست نہیں۔ صفحہ نمبر ۲۴۰ پر ''احکام'' کو واحد باندھا گیا ہے جبکہ یہ ''حکم'' کی جمع ہے اسی طرح صفحہ نمبر ۲۲۳ پر ''سلاسل'' کو واحد باندھا گیا ہے: جس کی نسبت ظلم سے ہو، اُس سلاسل سے جہاد: (تنویر پھول ص، ۵۲۶/۲۷)

(۶۳) فضل خدا سے اس کے مقدر سنور گئے　　قسمت سے جس نے اوڑھ لیا اسوۂ نبی

شعر میں واحد جمع کا عیب ہے ''اس کے'' نہیں ''ان کے'' چاہیے نیز ''جس'' کی بنا پر اولیٰ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔ ''فضل خدا سے اس کا مقدر سنور گیا'' اور اسوۂ نبی کوئی چادر نہیں ہے جسے اوڑھ لیا جائے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۶-۱۴۵)

(۵۶) بے زبانی کو جو دیتا ہے وہ نطق   نغمہ و نغمہ گری دیتا ہے
یہاں ''جو'' کی بجائے ''جب'' کی ضرورت ہے ہاں اگر شعر میں ''وہ'' نہ ہوتا تو جو درست ہوتا۔
اسد شنائی کی نظم تشنگی کا مصرع ''مشیتوں کے کواڑ سرکے'' پڑھ کر ہنسی آ گئی۔ شاید اسد صاحب سمجھتے ہیں کہ مشیت کوئی کمرہ ہے یا کسی کمرے میں رکھی ہوئی ہے اور کواڑ سرکنے پر اس کا نزول ہوتا ہے۔ انھیں شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ کواڑ کھلتے ہیں سرکتے نہیں اور Sliding Doors میں کواڑ نہیں ہوتے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۳۴)

(۵۷) ناز مانک پوری کا شعر:

کوئی کسی کی پرسش احوال کو آتا نہ تھا
تھے آدمی کی شکل میں لیکن سبھی خون خوار تھے

''آدمی کی شکل میں خونخوار؟'' عجیب بات ہے یہاں آدمی کی شکل میں شیطان یا درندے جیسے لفظ کی ضرورت تھی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۳۸)

(۵۸) مٹ رہے ہیں در رسول پہ ہم   زندگی کیسی کام آئی ہے

شعر میں دو اسقام ہیں اول تو زمانے کا فرق ''مٹ رہے ہیں''، ''کام آئی ہے''، یہاں ''مٹ گئے'' کی ضرورت تھی۔ دوم مٹ جانا کے معنی ہیں تباہ ہو جانا، برباد ہو جانا!! اگر مٹ کی جگہ ''سُو'' رکھ دیں تو دونوں اسقام دُور ہو جاتے ہیں۔

بات اس کی اُتر گئی دل میں   تیر گویا کمان پر آیا

ثانی مصرع ''تیر گویا کمان سے نکلا'' کا متقاضی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۰)

(۵۹) دل کی خواہش ہے کہ گل گشت جہاں سے نکلے
دشتِ طیبہ کے کسی خار پہ ٹھہرے جاکر

''نکلے'' نہیں ''چھوٹے'' چاہئے اور ''خار'' پہ کیوں ٹھہرے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۱)

(۶۰) عارف عبدالمتین کے دو شعر دیکھیے:

ترے جلو میں حدیں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں   ازل ابد سے ادھر بھی خرام کرتا ہوں

حدیں ٹوٹتی ہیں ''پھوٹتی'' نہیں! (ع۔م۔ مسلم، ص ۵۱۲)

(۶۱) مدحتوں کو پڑھنے کے بعد جو عیوب نظر آئے ہیں اُن کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ شاید آپ کی گرفت اس شعبے میں کچھ ڈھیلی پڑ گئی ہے بہر حال ذیل میں چند خامیوں

کلیم حاذق صاحب نے ''بُزُرگ'' کو ''بُزرُگ'' نظم کیا ہے۔
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۰۹)

(۶۹) شوقِ دیدار میں ہوتی ہیں جو سطریں تخلیق سننے والا انہیں اعجاز بیاں جانتا ہے
سطریں سنی نہیں پڑھی جاتی ہیں۔

میں بھی ہوتا کہ انہیں دیکھتا رہتا ہر دم عکس جلوہ مری بینائی میں اترا ہوتا
نور کا عکس نہیں ہوتا!! عکس کو ''ان کا'' کردیں تو! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۱۱۔۵۱۰)

ہے فہم و فراست ترے افکار پہ شیدا تاریخ تری سیرت و کردار پہ شیدا
''ہے'' کی بجائے ''ہیں'' کا محل ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۲۶۔۱۲۵)

(۷۰) میرا قلم حضور کے در پر پڑا رہے تصویر احترام کی بن کر کھڑا رہے
اسی بند کے آخری مطلع نما شعر میں قلم کے لیے کہا گیا کہ ''پڑا رہے'' اور ''کھڑا رہے'' یہ ترکیب بھی عجیب ہے خصوصاً ایک ہی وقت میں۔ اسی طرح نظم کے بند نمبر ۲۱ کا دسواں مصرع ''اشکوں نے جھک کے نقشِ کفِ پا اُٹھائے ہیں'' توجہ طلب ہے۔ اگر اشکوں کے بجائے پلکوں ہوتا تو زیادہ صحیح ہوتا۔ (ماجد خلیل ص،۸۔۷۔۷۷۹)

(۷۱) ٹھنڈا کر ڈالا صدیوں کی آتش کو بادل سے کوندا اترا تھا، دیکھا تھا
''کوندا اترنا'' غلط زبان ہے ''کوندا لپکتا ہے'' اور یہ بجلی کی ایک باریک سی لکیر ہوتی ہے جو جس شئے پر پڑتی ہے جلا ڈالتی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۱۰)

(۷۲) واحد طویل تر ہے عطاؤں کا سلسلہ
''ہر ذرّے میں حضور کے خاور کی بات ہے''

خاور کے معنی صرف مشرق کے ہیں نہ آفتابِ مشرق کے۔ Middle East کو اسی لیے خاورِ میانہ کہتے ہیں۔ (طلحہ رضوی رق ص،۵۶۸)

(۷۳) دل کی خواہش ہے کہ گل گشت جہاں سے نکلے
دشتِ طیبہ کے کسی خار پہ ٹھہرے جا کر

اس کے ساتھ ہی ''نکلے'' نہیں ''چھوٹے'' چاہئے اور ''خار'' پہ کیوں ٹھہرے؟
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۱)

(۷۴) اورنگ نبوت پہ وہی صدر نشیں ہیں جو لمحے سرِ عرش گزارے ہیں ہزاروں

(۶۴) واحد اور جمع کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۸۷ پر ایک مصرع ہے: لرزہ براندام تھے اک اک پرستار بتاں: ''اک اک'' کے ساتھ ''تھے'' درست نہیں۔ صفحہ نمبر ۱۴۰ پر ''احکام'' کو واحد باندھا گیا ہے جبکہ یہ ''حکم'' کی جمع ہے اسی طرح صفحہ نمبر ۲۲۳ پر ''سلاسل'' کو واحد باندھا گیا ہے: جس کی نسبت ظلم سے ہو، اُس سلاسل سے جہاد: (تنویر پھول ص، ۲۷/۵۲۰)

(۶۴) اک ترا حکم سنا اور ترے حب داروں نے خرقۂ زیست اتار ہے قضا پہنی ہے

صفحہ ۴۹۸ پر محمد ثناء اللہ ظہیر کی نعت کے چوتھے شعر کے مصرع اولیٰ میں ''حب داروں'' غلط زبان استعمال کی گئی ہے۔

کی دعا ختم، تو پھر صلِ علیٰ پڑھتے ہوئے ہاتھوں یوں جسم پہ پھیرے کہ زرہ پہنی ہے

پانچویں شعر کے مصرع ثانی میں ''ہاتھوں'' غلط زبان ہے وہ صرف ''ہاتھ یوں پھیرے'' لکھتے تو کافی تھا۔

رہ ہجر سے ہجرت کو دو طرفہ نکلتی ہے گھر چھوڑ کے چل پڑنا در چھوڑ کے آنا بھی

صفحہ ۴۹۹ پر احسان اکبر کی نعت کے دوسرے شعر کے مصرع اولیٰ میں ''رہ ہجر'' سوتی تناظر اُبھر رہا ہے۔ (غالب عرفان، ص ۷۰۳)

(۶۵) صفحہ نمبر ۲۶۲ پر بھارت کے جناب محمد علی شیدا البستوی کی نعت ہے۔ اس میں آٹھویں شعر کا پہلا مصرع ہے ''بیان یوں کیا رب نے رسول کی عظمت''۔ یہاں ''کیا'' کی جگہ ''کی'' ہونا چاہیے مگر موصوف وزن پورا کرنے کے لیے مؤنث کو مذکر باندھ گئے۔ (عبدالغفار حافظ، ص ۶۵۸)

(۶۶) جلوہ روئے محمد کا ہے واصف طارق اس کی تربت میں اجالے ہی اجالے ہوں گے

اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ''جلوۂ روئے محمد'' کے وصف سے قبر میں اُجالا ہو گا یا نہیں! شعر میں ''اُجالے ہی اُجالے ہوں گے'' غیر فصیح ہے۔ فصحائے زبان نے ہمیشہ ایسے مواقع پر ''اُجالا ہی اُجالا ہو گا'' استعمال کیا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۱۔۶۳۰)

(۶۷) روحِ کونین کا ترجماں چاہیے مدح احمد کو وہ زباں چاہیے

''وہ'' کی بجائے ''ایسی'' چاہیے۔ نیز زبان کی مناسبت سے ''کا ترجماں'' کی بجائے ''کی ترجماں'' چاہیے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۷)

(۶۸) ''تمہارے بزرگ اوّل کا یہ ارفع کرشمہ تھا''

پریشانی پیدا ہوجاتی ہے۔شوق نیموی نے لفظ کے اپنی اصل جگہ پر نہ ہونے کو تعقید لفظی کہا ہے۔ تعقید لفظی اکثر اوقات بات میں زور پیدا کرنے یا مفہوم کو خوبصورت بنانے کا سبب بھی بنتی ہے۔اس لیے ہر تعقید لفظی عیب میں شمار نہیں ہوتی۔

۲۔تعقید معنوی: ایسی تعقید کو کہا جاتا ہے جس میں شعر میں استعمال ہونے والا استعارہ، تشبیہہ، کنایہ، مجاز یا خیال شعر کے مفہوم کو واضح طور پر پیش نہیں کرتا۔جس کی وجہ سے شعر کی مکمل تفہیم میں دشواری اور خلل واقع ہوجاتا ہے۔بعض کے نزدیک یہ عیب ہے اور بعض کے نزدیک مستحسن۔البتہ تعقید اس وقت عیب بن جاتی ہے جب معمولی بات کو گھما پھرا کر کہا گیا ہو لیکن جہاں پیچیدگی میں کوئی اہم بات مضمر ہو وہاں تعقید معنوی عیب شمار نہیں ہوتی۔)

(۱) اکرم رضا صاحب نے درجنوں شعرائے کرام کے نعتیہ کلام سے اشعار نقل کیے ہیں، اس پر توجہ نہیں دی کہ کلام کس پائے کا ہے۔مثلاً راغب مرادآبادی صاحب کا شعر دیکھیں:

نعت گوئی کی حدیں مجھ کو ہیں راغبؔ معلوم
کہ نگاہوں میں ہیں احکام شریعت میری

دوسرے مصرعے میں تعقید کا عیب کتنا واضح ہے، دیکھ لیں، کہ نگاہوں کا ''میری'' کہاں جاکے اٹکا ہے کہ شریعت خود راغب صاحب کی بن گئی ہے۔(احمد صغیر صدیقی، ص ۵۱)

(۲) صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی کی نعت کا دوسرا شعر ہے:

ہاں ہاں وہی جو رحمتِ عالم ہے سر بہ سر
ہاں ہاں اسی تو شافعِ محشر کی بات ہے

اسی شعر کے دوسرے مصرعے میں تعقید کا عیب نمایاں ہے۔(طلحہ رضوی رق ص، ۵۶۸)

(۳) ساری بدزیبیاں ماحول کی زیبا کردیں حسن نیت نے پیمبر کے سجائے شب و روز

ثانی مصرع کے ٹکڑے ''پیمبر کے'' میں تعقید ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ''حسن نیت نے پیمبر کے شب و روز سجائے!'' ''کے'' کی بجائے ''کی'' چاہیے تھا۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۱)

(۴) انتخاب میں فن کی نزاکتوں اور باریکیوں کا لحاظ و پاس رکھا جانا چاہیے اس قسم کے اشعار کے انتخاب سے دامن بچانا چاہیے جن میں لفظی و معنوی عیب ہو۔موصوف کے منتخب اشعار میں غلام رسول عدیم کے ایک شعر میں تعقیدِ لفظی کا عیب ہے:

''اورنگ'' کے معنی ہیں ''تخت شاہی'' جس پر سوائے بادشاہ کے کوئی اور نہیں بیٹھ سکتا اس لئے اورنگ نبوت پر صدر نشیں، کہنا غلط ہے کیوں کہ اس صورت میں کچھ اور لوگوں کو بھی اورنگ پر بٹھانا ہوگا تب ''صدر نشینی'' کی نوبت آئے گی!!

پیکر نور ازل ، تکملۂ علم و عمل　　نقش بت مثل و بدل، سارے جہاں میں یکتا

میں سخت حیران ہوں سمجھ میں ہی نہیں آ رہا ہے کہ ''پیکر نورِ ازل صلی اللہ علیہ وسلم'' کو ''نقشِ بت'' کس رعایت سے کہا گیا ہے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۹)

(۷۵) نور کیا نور خدا ہے آپ کا　　مرتبہ سب سے جدا ہے آپ کا

''نور کیا'' استعجابیہ یا استفہامیہ ٹکڑا ہے اور دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۲)

(۷۶)　تلفظ کی غلطیاں بھی کھٹکتی ہیں۔ صفحات ۱۳۷، ۱۴۴، ۱۶۳ اور مزید تین مقامات پر لفظ ''وحی'' کا تلفظ غلط ہے، اس میں حائے حطی مکسور نہیں بلکہ ساکن ہے۔ صفحہ نمبر ۱۵۶ پر لفظ ''نفی'' میں ''ف'' کو مشدّد باندھا گیا ہے، یہی غلطی صفحہ نمبر ۲۲۱ پر دہرائی گئی ہے۔ 'ہم سے نفّی ہو رہی ہے سورہ ٔقرآن کی'۔ صفحہ نمبر ۱۸۳ پر ''معرکہ'' کی جمع ''معرکاؤں'' غلط ہے۔ صفحہ نمبر ۱۵۹ پر ''نسل و مٹی'' کی ترکیب غلط ہے۔ 'پاک ہے یہ نسل و مٹی جیسے احساسات سے'۔ ''مٹی'' ہندی زبان کا لفظ ہے اس لیے ''نسل اور مٹی'' کہا جائے گا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۷۰ پر ''چاہت بدوش'' اور صفحہ نمبر ۱۸۵ پر ''سگِ پیاسا'' کی تراکیب بھی غلط ہیں۔ صفحہ نمبر ۲۲۴ پر ''قتل عدو'' کی جگہ ''قتال عدو'' استعمال کیا گیا ہے اور ''قتال'' میں ''ت'' مشدّد باندھا گیا ہے جو غلط ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۷/ ۵۲۱۔۵۲۰)

ہے فہم و فراست ترے افکار پہ شیدا　　تاریخ تری سیرت و کردار پہ شیدا

''ہے'' کی بجائے ''ہیں'' کا محل ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۷)

۲۔ تعقید:

(تعقید: شعر میں لفظی یا معنوی طور پر پیچیدگی یا دشواری کا پیدا ہونا تعقید کہلاتا ہے۔ تعقید اس وقت عیب بن جاتی ہے جب الفاظ معنی پر واضح دلالت نہ کریں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ تعقید لفظی: کلام میں فاعل سے پہلے فعل یا مفعول کا آنا۔ تعقید لفظی میں الفاظ اپنی نحوی ترتیب رترکیب سے ہٹ کر آگے پیچھے ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے بسااوقات معنی کی تفہیم میں دشواری یا

یہ سوال تھا کوئی اور بھی ہے گناہگاروں کا آسرا تو رواں رواں یہ پکار اُٹھا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
وہ قدم اٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیر پا یہ بلندیاں کوئی چھو سکا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
ردیف ''نہیں ان کے بعد کوئی نہیں'' سے تعقید یہ پیدا ہو رہی ہے کہ:
''ان سے پہلے یہ سب تھا!! بعد میں کوئی نہیں ہوا؟'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۴/۲۶ ـ ۶۴۳)

(۱۱) اورنگ نبوت پہ وہی صدر نشیں ہیں جو لمحے سر عرش گزارے ہیں ہزاروں
ثانی مصرع بھی تعقید کا شکار ہو گیا ہے یعنی شعر سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ:
''جو ہزاروں لمحے سر عرش گزارے ہیں، وہی لمحے صدر نشیں ہیں!''
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۴/۲۶)

(۱۲) ص ۴۱۵ پر نظیر رضوی الہ آبادی کا شعر ہے:
دشمن ہوئے اخلاقِ شہ دیں سے مسلماں یہ معجزۂ خلق ہے یہ شانِ نبی ہے
مصرعِ اولیٰ میں زبردست تعقید معنوی ہے یعنی مصرعے کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ
''اخلاقِ شہِ دیں سے مسلمان دشمن ہوئے'' جبکہ شاعر کی مراد ہے کہ اخلاقِ شہ دیں سے دشمن (بھی) مسلمان ہو گئے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۷/۲۷)

(۱۳) رہِ عرفاں دکھائی آپ نے پرواز بندوں کو بشر جس راستے سے ماورا تھا آپ سے پہلے
شعر میں زبردست تعقید معنوی ہے، اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے:
''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بشر جس راستے سے ماورا تھا (اسے)
پرواز نے رہِ عرفاں دکھائی'' اللہ کی پناہ!! ''ماورا'' پہلی بار ''نامعلوم/اجنبی''
کے معنی میں استعمال ہوتے دیکھا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۰/۲۷)

(۱۴) مجھے مئے طہور شاکر آپ خود پلائیں گے گواہ ہوگا رب دو جہاں مرے سرور کا
مقطع میں بھی تعقید ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''شاکر خود پلائیں گے'' یہاں بھی رب دو جہاں کو گواہی میں گھسیٹ لائے ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۱۵) توڑ کر جس نے دوبارہ مہ کامل باندھا میں نے اس ہاتھ سے یہ ٹوٹا ہوا دل باندھا
شعر میں زبردست تعقید ہے، ''جس ہاتھ سے میں نے مہ کامل توڑ کر دوبارہ باندھا اسی ہاتھ سے یہ ٹوٹا ہوا دل باندھا!!؟'' اور اگر معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے تو حضور نے مہ کامل کو توڑا نہیں تھا اور نہ ہی باندھا تھا!! ٹوٹنے اور شق ہونے کے عمل سے شاید عاصم صاحب آگاہ نہیں ہیں اور ٹوٹی ہوئی چیز

آفتابِ رسالت ہوا جلوہ گر شب کی تاریکیوں نے دیا توڑ دم
(ملک الظفر سہسرامی ص، ۸۴۷-۸۴۶)

(۵) عزیز احسن صاحب نے صبا اکبر آبادی کے یہ اشعار مثال میں دیے ہیں:

جس کو چاہا اسے قدموں میں ترے ڈال رہا
خود مشیت بھی سمجھتی تھی ارادہ تیرا

اولیٰ مصرع میں ''جس کو چاہا'' میں تعقید ہے کس نے چاہا؟ نبی نے یا اللہ نے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۳۹)

(۶) ہے زیارت کدۂ روضۂ محبوبِ خدا طیبہ اچھا نہ لگے باغِ جناں سے کیسے

شعر میں زبردست تعقید لفظی و معنوی ہے یعنی شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ''روضہ زیارت کدہ ہے'' لیکن شعر کی بندش سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''طیبہ محبوب خدا کا زیارت کدہ ہے! یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے روضے کی زیارت فرما رہے ہیں۔'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶، ۶۴۰)

(۷) رسول سب خطائیں اپنی رب سے بخشوائیں گے
اسی لئے ہے انتظار عرصۂ نشور کا

شعر میں زبردست تعقید معنوی ہے۔ مفہوم تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''رسول اپنی خطائیں بخشوائیں گے'' شاعر یا امت کا تصور نہیں ابھرتا۔ اگر ''اپنی'' کی جگہ ''میری'' رکھ دیں تو یہ عیب دور ہو جائے گا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۸) مجھے مئے طہور شاکر آپ خود پلائیں گے
گواہ ہوگا رب دو جہاں مرے سرور کا

مقطع میں بھی تعقید ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''شاکر خود پلائیں گے''۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۹) سبطین کو جہان میں دونوں عزیز ہیں
وہ اسوۂ رسول ہو یا اسوۂ نبی

مقطع میں زبردست تعقید معنوی ہے۔ ثانی مصرع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور دونوں کا اسوہ شاہ صاحب کو عزیز ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۶)

(۱۰) حنیف اسعدی مرحوم کی نعت کے تین شعر ملاحظ ہوں:

کوئی ایسی ذات ہمہ صفت، کوئی ایسا نور ہمہ جہت کوئی مصطفےٰ، کوئی مجتبیٰ نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

(۲) احمد صغیر صدیقی صاحب کی حمد کا مطلع ہے:

پتھروں کو بھی نمی دیتا ہے ساری توفیق وہی دیتا ہے

شعر میں ''بھی'' حشو قبیح ہے۔بھی کے معنی ہیں ''نیز۔علاوہ'' اس لیے پتھر کے ساتھ کسی اور نم ناک شے کا ذکر ضروری تھا۔اس کے علاوہ نمی کی بجائے نمو کا محل ہے اور ایک توفیق کے لیے ''ساری'' کا استعمال بھی غلط ہے یہاں ''ایسی یا اس کی'' کہنا تھا: (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص۱۳۴)

(۳) ہے مثال ایسی کوئی وقت کے دامن میں تو لاؤ
ایک انگلی سے کہیں چاند بھی شق ہوتا ہے

''ایک انگلی سے'' ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضور نے چھری کی طرح انگلی چاند پر پھیری اور وہ سالگرہ کے کیک کی طرح شق ہو گیا!! ایک انگلی کی بجائے ''اِک اشارے'' کا محل ہے نیز ''بھی'' حشو ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص۲۶/۶۳۶)

(۴) مرے نصیب کا کیا پوچھتے ہو ہم سفرو مرے نصیب میں موسم ثنا گری کا ہے

حمد و ثنا کا کوئی موسم نہیں ہوتا۔شعر میں ''ہم سفرو'' بھی حشو ہے۔ ہاں اگر موسم کی بجائے ''توشہ'' رکھ دیں تو ہم سفرو بھی نبھ جائے گا اور موسم کی قید بھی ختم ہو جائے گی۔(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص۱۴۷)

(۵) کاش یہ میری جبیں اور نقشِ پائے مصطفٰے صرف روزِ حشر تک ہو جائیں ساکن ساتھ ساتھ

مطلب نقشِ پائے مصطفٰے پر سجدہ!! وہ بھی صرف روزِ حشر تک، اس کے بعد؟ ''صرف'' حشو بھی ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص۲۶/۶۳۰)

(۶) نخلِ صحرا کی طرح خشک ہوں، وہ ابرِ کرم مجھ پہ برسے تو مجھے برگ و ثمر جائے

کیا صحرا میں ''نخلِ خشک'' اگتے ہیں؟ شعر میں ''صحرا کی طرح'' حشو ہے اس کے بغیر بھی معنی مکمل ہیں۔''نخلِ خشک ہوں وہ ابرِ کرم'' نیز اس میں واحد جمع کا نقص بھی ہے ''برگ و ثمر مل جائیں'' کہیں گے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص۲۶/۶۳۱)

(۷) ساری بدزیبیاں ماحول کی زیبا کر دیں حسنِ نیت نے پیمبر کے سجائے شب و روز

ثانی مصرع کے ٹکڑے ''پیمبر کے'' میں تعقید ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ''حسنِ نیت نے پیمبر کے شب و روز سجائے!'' ''کے'' کی بجائے ''کی'' چاہیے تھا۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۱)

جوڑی جاتی ہے، باندھی نہیں جاتی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۲۶/ ۶۴۸)

(۱۶) رہتا ہے انتظار میں مشغول رات دن بے روزگار آپ کا بیکار آپ کا

''بیکار آپ کا'' میں تعقید معنوی بھی ہے بلکہ اس میں ایک طرح ذم کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۹)

(۱۷) ردیف ''ہیں مواجہ پہ ہم'' کے لیے دل میں تردد سا پیدا ہوا کہ اگر ''ہم مواجہ پہ ہیں'' ہوتا تو شاید بہتر ہوتا کہ ''ہم'' کا تقدم اپنی بے چارگی، درماندگی کے اظہار اور اس سے متصل ''مواجہہ'' کی تکرار شاید زیادہ اثر انگیز ہوتی کہ ''ہم'' اپنی ساری بے سروسامانیوں کے باوجود اس مقام رفیع پر پورے عجز و الحاح کے ساتھ کھڑے ہیں جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ نفس گم کردہ آتے ہیں، جب بھی اس ردیف کو دہرایا تو بے اختیار ''ہم مواجہ پہ ہیں'' کے الفاظ زباں سے ادا ہوئے کہ میرا ذوق ان الفاظ کو اسی طرح سے ادا کرنے پر راضی تھا، تاہم مُصر نہ تھا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۷/ ۵۱۶)

۳۔ حشو:

(حشو: حشو کے لغوی معنی بھرتی کے ہیں۔ اصطلاح میں شعر کے وزن کو پورا کرنے کے لیے زائد، بے ضرورت الفاظ لانا حشو کہلاتا ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں۔

حشو ملیح: ایسا زائد لفظ جس کے شعر سے نکال دینے سے شعر کے معنی پورے رہیں مگر اس کی شعر میں موجودگی شعر کی خوبصورتی کا باعث بنتی ہے۔

حشو متوسط: ایسا زائد لفظ جس کے نکال دینے سے مفہوم میں خلل تو نہ آئے لیکن شعر میں اس کی موجودگی ناگواری کا باعث ہو۔

حشو قبیح: ایسا زائد لفظ یا الفاظ جن کے شعر سے نکال دینے سے شعر کے معنی میں فرق نہ آئے بلکہ حسن پیدا ہو جائے۔ یہ زائد لفظ کلام میں فصاحت پیدا کرنے میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔)

(۱) جا کے پل میں خدا سے مل آئے کیا ہی بُرّاق کی سواری ہے

بَرّاق کے معنی ہیں درخشندہ، چمک دار اور جس سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے اس کا نام ''بُراق'' ہے (غیر مشدد) اور اگر شاعر نے بَرّاق دانستہ استعمال کیا ہے درخشاں کے معنی ہیں تو پھر ''کی'' حشو قبیح ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۰)

ہے عاشق رسول ، فدائے رسول آج ہے جبرئیل محو ثنائے رسول آج

ثانی مصرعے میں ''آج'' حشو ہے!! آج سے عموماً ''دن'' مراد لیا جاتا ہے جبکہ یہاں بات ''رات'' کی ہورہی ہے۔ وہ بھی واضح نہیں کہ یہ رات کونسی ہے!؟

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۳/۲۷)

(۱۴) ڈاکٹر شہزاد احمد کا مضمون ''نعتیہ کلیات کی روایت، ایک مطالعاتی جائزہ'' معلومات افزا مضمون ہے لیکن ان کے انتخاب کردہ اشعار میں سے بعض میں فنی نقائص موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اٹھا کے آنکھ کو میں نے جہاں جدھر دیکھا تو جلوہ تیرا ہی رب العلا ادھر دیکھا

''کو'' حشو ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۶/۲۶ ـ ۶۳۵)

(۱۵) رکھتا ہے شوقِ شربت دیدار آپ کا یہ رند آپ کا ، یہ گنہگار آپ کا

شعر میں ''رند'' حشو قبیح ہے۔ رند، شراب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ''شربت'' کے ساتھ نہیں۔ یہاں رند کی بجائے ''تشنہ'' کردیں تو یہ نقص دور ہوجاتا ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۹/۲۶)

(۱۶) خواب میں کاش کبھی ایسی بھی ساعت پاؤں آپ کو نعت سنانے کی سعادت پاؤں

''خواب میں'' حشو ہے اس کے بغیر بھی مصرع مکمل معنی دیتا ہے۔ یہ مصرع یوں بھی ہوسکتا تھا:

''خواب ہی میں سہی ایسی کبھی ساعت پاؤں'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۴/۲۶)

(۱۷) پیکر نور اے سراجِ منیر ہے یہ خورشید میں تری تنویر

(اثر صہبائی کے اس شعر میں) ''یہ'' حشو قبیح ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۳/۲۷)

۴۔ شتر گربہ:

(شتر گربہ : اصطلاح شعر میں ضمیر تخاطب اور اس کے صیغوں میں اختلاف یا ایک شخص کے لیے دو مختلف ضمیروں کے استعمال کو شتر گربہ کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک ہی شعر میں ایک ہی شخص یا چیز کے لیے صیغہ واحد اور جمع دونوں لائے جائیں۔ مثلاً تو کے ساتھ تم، میں کے ساتھ ہم، آپ کے ساتھ تو یا تم، میرا کے ساتھ ہمارا، میں کے ساتھ ہمارے، تم کے ساتھ تمھارے یا تیرے، آپ کے ساتھ تمھارے، وغیرہ کا ایک ہی شعر میں لانا درست نہیں سمجھا جاتا۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

ا۔ شتر گربہ صیغی: ایک شخص یا چیز کے لیے دو مختلف صیغوں کا استعمال کرنا۔ مثلاً تو کے ساتھ تم، میں

(۸) یہ مشیّت تھی کہ اک شب عبد اور معبود میں
دو کمانوں سے بھی کم کا فاصلہ رہ جائے گا

اولیٰ مصرعے میں ایک حشو ہے''اُس'' کی ضرورت تھی۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۲۸)

(۹) احمد صغیر صدیقی صاحب کی حمد کا مطلع ہے:

پتھروں کو بھی نمی دیتا ہے ساری توفیق وہی دیتا ہے

شعر میں''بھی'' حشو قبیح ہے۔بھی کے معنی ہیں''نیز۔علاوہ''اس لیے پتھر کے ساتھ کسی اور نم ناک شے کا ذکر ضروری تھا۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۴)

(۱۰) شبِ سیاہ میں جب کچھ نظر نہیں آتا وہ کوئی راہ دکھاتے ہیں نور سے اپنے

'کوئی' حشو ہے یہاں 'وہ کوئی' کی بجائے 'حضور' کردیں تو؟ شعور صاحب کی نظم کا شعر ہے:

رواں تو وقت کی نہر فرات رہتی ہے سحر ہو شام ہو دن ہو کہ رات رہتی ہے

''فرات''حشو ہے۔وقت کی نہر رواں رہتی ہے کافی تھا۔وقت کے ساتھ فرات، راوی، گنگا، جمنا کہنا غیر ضروری ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۰/۲۶۔۶۳۹)

(۱۱) محو طواف کون و مکاں آپ کے لئے پیدا کیا گیا ہے جہاں آپ کے لئے

اولیٰ مصرع میں''لئے''حشو قبیح ہے۔''محو طواف کون و مکاں آپ کے''پر بات مکمل ہو جاتی ہے اور اگر''لئے''کو شامل کریں تو سوال اٹھتا ہے کہ:

''کون و مکاں آپ کے لئے کس کے طواف میں محو ہیں؟''

ثانی مصرع میں''جہاں''بھی حشو قبیح ہے کیوں کہ''کون و مکاں''میں یہ بھی شامل ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۰/۲۶)

(۱۲) وہی ہے عشق نبی میں کامل ہے، وہی ہے حب نبی کا وارث
رہ محبت میں چلتے چلتے، فنا جو انسان ہو گیا ہے

''چلتے چلتے''حشو ہے اس کے بغیر بھی معنی مکمل ہیں۔''چلتے چلتے، ہنستے ہنستے، آتے جاتے''جیسا کوئی بھی ٹکڑا رکھیں یہ صرف بحر پوری کرنے کے لئے ہوگا۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۷/۲۶۔۶۴۶)

(۱۳) ''مجید امجد کی ایک نایاب نعت''ڈاکٹر محمد افتخار شفیع صاحب کی امجد سے عقیدت کا اظہار ہے ورنہ نعت میں کئی جگہ جھول ہے، مثلاً مجید امجد کا یہ شعر:

(۱) نعتیہ کلام میں جناب عاصی کرنالی کی نعت اوّل مقام پر ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

صدیوں سے اسیر شب ظلمات تھی دُنیا
وہ مہر جہاں تاب جو نکلے تو سحر ہو

اگر شعر کے construction پر نظر ڈالیں تو دوسرا مصرع عجیب سا لگتا ہے۔ یہاں ایسے مصرع کی ضرورت تھی جس میں کہا جاتا کہ وہ مہر جہاں تاب جب نکلا تو سحر ہوئی... اگر یہ سوچا جائے کہ وہ دنیا جو صدیوں سے اسیر ظلمات تھی، منتظر تھی کہ وہ مہر جہاں تاب نکلے تا کہ سحر ہو تو اس میں لفظوں کا ایسا گیپ آ جاتا ہے جسے پہلا مصرع موجودہ صورت میں پر نہیں کر رہا ہے۔ (احمد صغیر صدیقی، ص ۵۲)

(۲) یہ مشیّت تھی کہ اک شب عبد اور معبود میں
دو کمانوں سے بھی کم کا فاصلہ رہ جائے گا

(عبدالغفار حافظ کا) شعر زمانے کے اعتبار سے درست نہیں ہے اگر ردیف میں ''گا'' نہیں ہوتا تو شعر درست ہوتا یا پھر ردیف ''رہ گیا تھا'' ہونی چاہیے تھی۔
(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۸)

(۳) طائر روح کا مسکن ہے ریاضؔ احمد کیسے اغیار کے اشجار پہ ٹھہرے جا کر

ریاضؔ یہاں بہ حیثیت تخلص استعمال ہوا ہے جو بے محل ہے۔ یہاں ''ریاض'' باغ کے معنی نہیں دیتا اور اگر ریاضؔ۔احمد'' پڑھیں تو سکتہ در آتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۱)

(۴) نبی کا نوؔر میری زندگی پر اجالوں کی طرح پھیلا ہوا ہے

یہاں بھی ''نور'' بطور تخلص غلط استعمال ہوا ہے۔ نور اور اجالا میں کیا فرق ہے؟ نور اجالوں کی طرح نہیں تو کیا اندھیروں کی طرح پھیلے گا؟؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۲)

(۵) ریاضؔ خوشنوا کو بھی رعایا میں رکھیں شامل محمد کی غلامی کی خدا سے انتہا مانگوں

پہلا مسئلہ تو ''غلامی کی انتہا'' ہے، یہ کیسی ہوتی ہے؟ دوسرے ردیف ''مانگوں'' غلط ہے یعنی ریاضؔ اور مانگنے والا یہاں دو الگ الگ شخصیتیں ہو جاتی ہیں مطلب مانگنے والا ''ریاضؔ خوشنوا'' کیلئے مانگ رہا ہے جب کہ ریاضؔ خود اپنے لئے مانگ رہا ہے۔ اس صورت میں ردیف ''مانگے'' ہونی چاہئے۔ نیز ''جب خدا سے مانگا جا رہا ہے تو ''رکھیں'' صیغۂ جمع قطعی غلط ہے اسے ''رکھے'' ہونا چاہئے تھا۔'' (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۴۵)

کے ساتھ ہم کا صیغہ استعمال کرنا۔
۲۔شتر گربہ فعلی: ایک ہی شعر میں دو مختلف زمانوں کا استعمال۔ایک جگہ ماضی اور دوسری جگہ حال یا مستقبل کا صیغہ استعمال کرنا۔)

(۱) ضیا احمد ضیا کا شعر ہے:

سیّد الکونین ہے جس کا لقب　　رحمت دارین ہے جن کا خطاب

''جس'' اور ''جن'' میں شتر گربہ کا عیب ہے۔(ریاض حسین چودھری ص، ۲۷/۵۰۷)

(۲) صہبا اختر کا شعر ہے:

خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والا ہے تو
سن اے شیشوں کے مسیحا! دل شکستہ میں بھی ہوں

تیکھے تیور کے علاوہ اس میں 'شتر گربہ' بھی ہے۔(طلحہ رضوی برق ص، ۵۶۴)

(۳) کفش بردارِ نبی میں ہوں اے شائق مشہور　　رتبہ شاہوں سے بھی ہے افضل و برتر اپنا

''میں'' اور ''اپنا'' میں شتر گربہ ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۶۔۶۳۵)

(د) تخلیقی اظہار کی معذوریاں:

(اہمال، عدم مطابقتِ مصرعین، عجز بیان، نقصِ ابلاغ)

(اہمال: شعر میں ایسے الفاظ کی موجودگی جن کا مطلب سمجھ سے باہر ہو۔اہمال میں شعر موزوں تو ہوتا ہے لیکن معنی سے عاری ہوتا ہے۔شعر بظاہر تو الفاظ کے استعمال، موزونیت اور بحر کے لحاظ سے درست ہو مگر معنوی طور پر اس سے کوئی مطلب حاصل نہ ہو سکے یا اس کے الفاظ شعر کے کسی مفہوم کو صحیح طور پر پورا نہ کر سکیں۔

عدم مطابقت مصرعین: ایک مصرع کے مفہوم کا دوسرے مصرع کے مفہوم سے غیر متعلق ہونا عدم مطابقت مصرعین کہلاتا ہے۔اس نقص میں شعر کے دونوں مصرعے علیحدہ علیحدہ دولخت ہو کر الگ الگ مفہوم کے حامل بن جاتے ہیں۔جس کی وجہ سے شعر کا کوئی ایک خاص مفہوم باقی نہیں رہتا۔
عجز بیان اور نقص ابلاغ: تخلیق کار کا ایسا بیان یا خیال جو قاری تک مکمل انداز میں پہنچنے سے ناکام رہا ہو۔)

دیکھی نہ سنی!! اور پھر ستّو اور خشک روٹی کھانا ہی حضور کی سنّت ہے؟ ارے بھائی اس تعلق سے فکر مند نہ ہوں اگر یہ سنّت ادا نہ ہو سکی تو کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے بس نماز، روزہ، تلاوت اور اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے رہئے ان شاء اللہ بیڑہ پار ہو جائے گا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۵۰/۲۶)

(۱۰) اورنگ نبوت پہ وہی صدر نشیں ہیں　　جو لمحے سرِ عرش گزارے ہیں ہزاروں

''اورنگ'' کے معنی ہیں ''تخت شاہی'' جس پر سوائے بادشاہ کے کوئی اور نہیں بیٹھ سکتا اس لئے اورنگ نبوت پر صدر نشیں، کہنا غلط ہے کیوں کہ اس صورت میں کچھ اور لوگوں کو بھی اورنگ پر بٹھانا ہوگا تب ''صدر نشینی'' کی نوبت آئے گی!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۴/۲۶)

(۱۱) بولنا واجب نہیں سرکار کے دربار میں　　آپ سن لیتے ہیں اشکوں کی زباں آہستہ بول

جب ''بولنا واجب نہیں'' کہہ دیا تو پھر ردیف ''آہستہ بول'' بے معنی ہوگئی نیز اشکوں کی زباں سننا بھی محل نظر ہے، ''بات اور بیان'' سنا جاتا ہے، ''زبان'' نہیں!!

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۶/۲۶)

(۱۲)
ہادی و رہبر پائے مصطفٰی، راہنما سے جادہء اولیٰ
رحلِ شرف، زانوئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

ص ۲۸۷ پر سیماب اکبرآبادی کے اشعار ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ردیف میں آئے ہیں۔ چوتھا شعر خبر نہیں کیا سے کیا ہوگیا ہے؟ (محمد شہزاد مجددی ص، ۵۳۳)

(۱۳)
تری کہکشاں کے نظام میں ہے جو انتشار کی کیفیت
یہی وجہِ ارض و قمر بھی ہے یہی وجہِ شان ربوبیت
یہ شعاعِ برق یہ حرکتیں یہ نظامِ گردش و انتشار
تری حکمتوں کی مناسبت سے زمیں کو آنے لگا قرار
تُو نے آب و باد کی چھاونی جو دی اس فضائے محیط میں
تو مہک اُٹھی ہے حیاتِ نو کی کلی ہوائے بسیط میں

ایسا لگتا ہے کہ جنابِ مصنف (بدیع الزماں سحر) اپنے مافی الضمیر کی ٹھیک ٹھیک وضاحت نہیں کر پائے یا اس کے اظہار پر گرفت نہیں رکھ سکے۔ ہر دو مصرعوں کا آپس کا تعلق بھی عجیب غیر منطقی تاثر دیتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ان اشعار کو پھر ایک نظر دیکھ لیں۔

(خضر حیات، ص ۳۲۳)

(۶) ٹھکرا رہا ہے قیصر و کسریٰ کی سلطنت   یہ امجدؔ حزیں یہ گدائے رسول آج
کیا کسی نے امجد صاحب کو قیصر و کسریٰ کی حکومت آفر کی تھی جسے وہ ٹھکرا رہے ہیں!؟ جو چیز ہماری ملکیت نہ ہو اسے ٹھکرانا کونسا کمال ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۵۰۴/۲۷)

(۷) عرفاںؔ زندگی بھی میسر ہوا تو کیا   تحریر کر نہ پاؤں گا مدحت رسول کی
(غالب عرفان کے) ''عرفاںؔ'' تخلص کی بجائے اسکے اصل لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اگر مصرع کو ''عرفان۔ زندگی'' پڑھیں تو بحر میں سکتہ پیدا ہوتا ہے اور مذکر مونث کا بھی عیب پیدا ہو جاتا ہے۔

اکثر شعرا تخلص کی اہمیت و حیثیت کو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ تخلص شاعر کا دوست ہوتا ہے۔ ہمزاد ہوتا ہے۔ دشمن و رقیب ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ شعرا نے اپنے تخلص سے بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ مثلاً غالبؔ کا مشہور مقطع

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا   وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

اس مقطع پر کیا ہنگامہ ہوا۔ ذوقؔ کی شکایت، غالبؔ کی دربارِ ظفر میں طلبی اور غالبؔ کی معذرت طلبی و تاویل سے اہلِ علم و ادب واقف ہی ہیں۔ تخلص کو اسی وقت اسکے لغوی معنی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں جبکہ اسکی حیثیت بطورِ تخلص قائم رہے ورنہ وہ مقطع کی بجائے شعر شمار کیا جائے گا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۷)

(۸)   اترن ہے جن کے چہرہء انور کی کہکشاں

نظم کے بند نمبر ۹ کے تیسرے مصرعے میں ''چہرے کی اُترن'' کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی وہ بھی حضورِ پرنور کی ذاتِ گرامی قدر کی مناسبت سے۔۔۔۔ نظم کے ۲۳ ویں بند کا اوال مصرعہ ''قندیل آرزو کی بدن میں جلی رہی'' کے بجائے ''قندیلِ آرزو مرے دل میں جلی رہی'' ہونا چاہیے تھا کیوں کہ شعر کے دوسرے مصرع ''روشن حریم ذہن میں ان کی گلی رہی'' میں لفظ ''ذہن'' سے ''دل'' کی مناسبت قائم ہو جاتی۔ ویسے بھی ''بدن'' کہنے کے بعد ذہن کے لیے الگ گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ (ماجد خلیل ص، ۷۸۔۷۷۹)

(۹)   اک مٹھی ستو ہوں، روٹی خشک ادھوری ہو
مولا! مجھ سے آپ کی سنّت کیسے پوری ہو

روٹی، تازہ، خشک، کچی، جلی، آدھی، پاؤ تو ہوتی ہے لیکن ''ادھوری روٹی'' تو آج تک نہ

(۲۱) ظہور کرتی ہے جس دم سحر مدینے میں اذانیں دیتے ہیں دیوار و دَر مدینے میں
خلافِ واقعہ شعر ہے''اذانیں'' دینے کی بجائے''چمک سے اٹھتے'' جیسا کوئی ٹکڑا چاہئے تھا۔ویسے بھی یہ نعت کا شعر نہیں ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۲۶/۶۳۸)

(۲۲) ہمارے قلب میں فاران سے ہوئی روشن کلیم لائے تھے جو آگ طور سے اپنے
کیا شاعر فاران پر موجود تھا؟؟ یا پھر اب بھی فاران پر وہ آگ موجود ہے؟؟
حضور نے''دلوں کو نور'' عطا کیا تھا یا آگ!؟ ردیف''اپنے'' بھی ضائع ہوگئی یعنی اس کے بغیر بھی شعر مکمل ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۲۶/۶۴۰)

(۲۳) کہاں شعورِ سا کج مج بیاں و ہیچ مداں کہاں حبیب خدا کی فضیلتوں کا بیاں
ہوئے ہیں نعت میں اعجاز شعری و ادبی...... محمد عربی
محمد عربی اے محمد عربی
جب تخاطب محمد عربی سے ہے تو پھر یہاں''حبیب خدا'' کہنا درست نہیں ہے کیوں کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حبیب خدا اور محمد عربی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔شاعر کے''دعویٰ اعجازِ شعری و ادبی'' پر کیا کہا جائے؟

ہو کر بتوں سے خالی وہ بن گئے مثالی ممنون ہیں نہایت بت خانے، مصطفیٰ کے
منادر''بتوں'' سے خالی ہوگئے تو پھر وہ بت خانے کہاں رہ گئے؟ اور اگر بت خانے ہیں تو ان میں بت بھی لازماً ہوں گے!!! اور اگر قاری روانی میں بت خانے اور مصطفیٰ میں وقفہ نہ دے سکا تو کیا مطلب ہوگا؟

تہجد میں کھڑے ہوتے تھے جب رب کی عبادت کو
تو اک سیل رواں اشکوں کا آنکھوں سے برستا تھا

''سیل رواں'' کا مطلب ہے''بہتا ہوا سیلاب'' اور سیل برستا نہیں، بادل برستا ہے!!(ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۲۶/۶۴۱۔۶۴۰)

(۲۴) اُجالا آپ ہی کی ذات سے ہوا ورنہ شعاعِ نور نہ تھی روشنی کے دامن میں
عجیب سا شعر ہے، اجالا اللہ کی قدرت سے ہوا یا آپ کی ذاتِ اقدس سے؟ نیز کیا حضور سے پہلے روشنی کے مظاہر چاند، سورج، ستارے نہیں تھے!؟ پھر''شعاعِ نور'' اور''روشنی'' میں کیا فرق ہے؟(ڈاکٹر اشفاق انجم،ص ۲۶/۶۴۵)

(۱۴) فیاضؔ جس سے شوکتِ اسلام ہو عیاں روئے حیات کو تو وہی خد و خال دے

(فیاض ٹانڈوی کے شعر میں) 'روئے حیات' کی ترکیب آفاقی مفہوم رکھتی ہے۔ میری دانست میں 'اپنی حیات' یا 'اپنے کلام' کے الفاظ زیادہ مناسب لگتے۔ (خضر حیات، ص ۳۲۳)

(۱۵) یہ کرم شاہدؔ پہ ہے اے رحمت للعالمین کر دیے روشن مرے دل میں محبت کے چراغ

صفحہ نمبر ۳۹۲ پر شاہد نعیم صاحب کے مقطع میں ایک سقم ہے۔ دوسرے مصرع میں ''مرے دل میں'' کی جگہ ''اس کے دل میں'' ہونا چاہیے۔ یہ مصرع یوں ہو سکتا ہے۔ ''اس کے دل میں کر دیے روشن محبت کے چراغ''۔ (حافظ عبد الغفار حافظ، ص ۶۵۴)

(۱۶) ہر ایک پیڑ پہ اترے بہار کا موسم حجازِ عشق پیمبر میں یہ دعا کی ہے

''حجازِ عشق پیمبر'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا!؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۲۹)

(۱۷) نہیں ہے کچھ تو ایک کھجور دیجے روزہ دار کو
مرے نبی کے پاس کیا ہے مرتبہ کھجور کا

جب ''کچھ نہیں'' تو پھر کھجور کہاں سے آئے گی؟ ''کچھ نہیں تو اک'' کہنا تھا، اسکے علاوہ شاکر صاحب نے حدیث کا مفہوم ہی الٹ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ''کھجور کا نہیں روزہ دار کا مرتبہ ہے اور وہ بھی ثواب کی خاطر'' (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۳۰)

(۱۸) صفحہ ۸۷ پر صرف ایک شعر درج ہے:

جادۂ حق نہ ملے، اس کے وسیلے کے بغیر جو ملاتی ہے احد سے، ہے وہ سرحد، احمد

معاف کیجئے گا، ''سرحد'' ملاتی نہیں ''جدا'' کرتی ہے۔ دو ملکوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی درمیانی لکیر (علامت) یا حد یا حدِ فاصل، کو سرحد کہتے ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۳۱/۲۶)

(۱۹) ملی ہے اس لئے خلعت کہ میں نے زیرِ عبا چلا تھا گھر سے تو شمشیر بھی پہن لی تھی

شمشیر اگر کسی قسم کا لباس ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ تو کمر سے باندھی جاتی ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ شاعر نے شمشیر ''زیرِ عبا پہن لی تھی! شاید زیر جامے کی طرح!! ایک بات اور کیا صرف شمشیر پہن لینے سے خلعت مل جاتی ہے؟ درج ذیل اشعار کی واقعیت، حقیقت اور تعلّی پر کیا کہا جا سکتا ہے: (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۳۳)

(۲۰) لیل و نہار آپ کے در کے طواف میں لوح و قلم ہے آپ کی مدحت کا آئینہ

''ہے'' اگر کتابت کی خامی نہیں ہے تو اسے ''ہیں'' ہونا چاہئے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۳۳)

اوّل تو پھولوں کی پلکیں نہیں ہوتیں، اساتذہ نے برگِ گل، دامنِ گل، کفِ گل، تبسمِ گل وغیرہ اور چشمِ نرگس جیسی تراکیب نظم کی ہیں۔ ''پھولوں کی پلکیں'' تو قیاس میں بھی نہیں آتیں۔ یہاں کچھ رعایت کریں تو ''نرگس کی پلکوں'' کہہ سکتے ہیں کہ نرگس کو آنکھ سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں ''کسی کا'' قطعی مہمل ٹکڑا ہے اس کی بجائے ''ہمارا جب سے'' کہا گیا ہوتا تو شعر مزہ دے جاتا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۷/۵۰۶)

(۲۹) میں بھی ہوتا کہ انہیں دیکھتا رہتا ہر دم عکس جلوہ مری بینائی میں اترا ہوتا

نور کا عکس نہیں ہوتا!! عکس کو 'ان کا'' کردیں تو! (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۷/۵۱۱)

(۳۰) کاشف ابھی آلودہ ہے خواہش سے مرا دل پتھر ہوں مگر کانِ گہر میں ہوں ابھی تک

''گہر'' کان میں نہیں ''سیپ'' میں ہوتا ہے۔ ثانی مصرع یوں ہوتا تو،

ع ''گوہر ہوں مگر'' کانِ حجر'' میں ہوں ابھی تک''

کاشف صاحب سے ''کانِ حجر'' کی ترکیب کی داد چاہوں گا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۷/۵۱۱)

(۳۱) شدت یاس میں پڑھتا ہوں میں جب حرفِ درود

کاسۂ سر ترے قدموں میں جھکا لگتا ہے (ایضاً)

یہ ''حرف درود'' کیا ہے؟ کیا درود سے الگ کوئی چیز ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۷/۵۱۲)

(۳۲) لو سانس بھی آہستہ کہ ٹوٹے نہ مرا خواب سرکار دو عالم مرے پاس آنے لگے ہیں

کسی اور کے سانس لینے سے شاعر کا خواب کیسے ٹوٹے گا؟ یہاں بھی ردیف کا وہی حال ہے یعنی ''آنے لگے ہیں'' بجائے ''آرہے ہیں'' کی ضرورت ہے۔ صفوت صاحب کس اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی آنکھوں میں دربار محمد لگتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیٹھے نظر آتے ہیں اور آپؐ ان کے پاس وقت بے وقت آنے بھی لگے ہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے حقیقت سے بعید یا منافی شعر کہنا بھی باعث عذاب ہے۔

بالآخر ڈھونڈ لیں گے محور نور خدا صفوت بالآخر نور احمد گرد اس محور کے دیکھیں گے

صفوت صاحب نے ''نور خدا'' اور ''نور احمد'' کو اس طرح ایک دوسرے کے گرد گھما دیا ہے کہ میری عقل چکرا گئی کہ اس پر کیا اور کس طرح لکھا جائے؟ مجھے یحییٰ نشیط صاحب کے انتخاب پر حیرت ہو رہی ہے۔ (تنویر پھول ۲۷/۵۲۱)

(۳۳) یہی حال اس مصرع کا ہے: ع اے وفورِ شوق! اے جذبِ رواں آہستہ بول

(۲۵) بولنا واجب نہیں سرکار کے دربار میں آپ سن لیتے ہیں اشکوں کی زباں آہستہ بول

جب ''بولنا واجب نہیں'' کہدیا تو پھر ردیف ''آہستہ بول'' بے معنی ہوگئی نیز اشکوں کی زباں سننا بھی محل نظر ہے، ''بات اور بیان'' سنا جاتا ہے، ''زبان'' نہیں!!
(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۴۶)

(۲۶) ہم اُمتی ہیں رعایت یہ خاص ہے ہم سے خوشا کہ حشر کے دن بھی ہے یہ رعایت خاص

''کون سی رعایتِ خاص؟'' اس کی کچھ تو وضاحت ہونی تھی۔ ''حشر کے دن بھی'' ''ہے'' نہیں ''ہوگی!!''

قلم نے حرفِ ثنا جیسے ہی شروع کیا فلک نے وجد میں قرطاس پہ رکوع کیا

قرطاس پر قلم کا سجدہ تو ہوسکتا ہے لیکن رکوعِ فلک کس طرح ہوگا؟

ہوئی جو فکر لکھوں نعت شان کے شایاں حسین شعر نے مطلع معاً طلوع کیا

''حسین شعر'' یہ کون صاحب ہیں جنھوں نے مطلع طلوع کیا! (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۴۹)

(۲۷) چراغِ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درودِ پاک پڑھتی ہیں

چھوٹے سے کمرے میں صرف ایک ہی چراغ کافی ہے، ''جلتے'' کی بجائے ''جلتا'' بہتر ہوتا اس کے علاوہ شجر وحجر، طیور و وحوش کے تعلق سے تو روایاتِ صحیحہ موجود ہیں کہ یہ سب تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں لیکن یہ روایت کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی کہ چڑیاں درود شریف پڑھتی ہیں!! اور اگر ''چڑیاں'' سے مراد ''گھر کی بچیاں'' ہیں تو پھر سوال اٹھتا ہے کہ گھر کی بجائے آنگن میں کیوں پڑھتی ہیں؟ نیز چراغ نعت صرف آپ کے کمرے میں جلتا ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/۶۵۰)

(۲۸) احمد جاوید (بھارت) کے مضمون ''وسیم بریلوی: نئی نعت کا پیشرو شاعر'' میں وسیم بریلوی کے صرف ۹/ اشعار پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک بھی ''نعت'' کا شعر نہیں ہے۔ احمد جاوید صاحب نے زبردستی غزل کے اشعار کو نئی نعت کے عنوان سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون کا پہلا ہی شعر عیب دار ہے۔

کھڑی ہیں دست بستہ خوشبوئیں پھولوں کی پلکوں پر
کسی کا جیسے نعت پاک کہنے کا ارادہ ہے

آ یئے شاعر صاحب نے فرمایا ہے۔ ’’گلنار گھٹائیں‘‘۔ ہوسکتا ہوں شاعر نے دیکھی ہوں، میں نے نہیں دیکھیں اور ممکن ہے شاعر کے مداح ڈاکٹر صاحب نے بھی دیکھی ہوں تو اور بات۔ اور آخری مصرع میں ’’مقصد تخلیق کائنات‘‘ کی تخلیق کے لیے شاعر نے لکھا ہے۔ ’’ظاہر ہوا اک پیکر صد رنگ بہ صد ناز‘‘۔ مجھے ’’بہ صد ناز‘‘ پر اعتراض ہے۔ اس قسم کی باتیں شعرا اپنی معشوقاؤں کے لیے لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم عزیز صاحب مجھے معاف کریں۔ میں ان کے اس فتوے سے بھی متفق نہیں کہ محسن نقوی عصر حاضر کا ایک ’’بڑا‘‘ شاعر تھا۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۸۹۴/۲۵۔۸۹۳)

(۳۵) میری بینائیاں عرش سے جا ملیں دیدہ ور آئینہ دیکھتے رہ گئے

شعر کی بے معنویت سے الگ ’’میری‘‘ کے ساتھ ’’بینائیاں‘‘ کا استعمال غلط ہے صرف بینائی استعمال ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۴۔۱۴۳)

(۳۶) شبِ سیاہ میں جب کچھ نظر نہیں آتا وہ کوئی راہ دکھاتے ہیں نور سے اپنے

اگر نعت کے عنوان سے یہ شعر درج نہ ہوتا تو کسی صورت اسے نعت کا شعر نہیں کہا جا سکتا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۰/۲۶۔۶۳۹)

(۳۷) چلنا خدا کے حکم پہ انساں کے بس میں ہے اپنے عمل عمل سے جتایا حضور نے

یہاں پہلے ’’عمل‘‘ کو ’’ہر اک‘‘ کر دیں تو!!

وہ عفو ان کا وہ ان کی شفقت وہ فتح کے دن بھی یہ عنایت

کہ جائے ہر شخص امان پائے صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

یہاں ’’کہ جائے ہر شخص امان پائے‘‘ محل نظر ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ’’جاؤ ہر شخص کو امان دی گئی‘‘ اس معنی کے مطابق یہ بیان غیر فصیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ ’’جائے امان پائے‘‘ تو جائے اور امان کے بیچ ’’ہر شخص‘‘ کی موجودگی غلط ہے جب کہ ’’جائے، ہر شخص کو امان دی گئی‘‘ یا ’’ہر شخص کو امان دی گئی!!‘‘

انھوں نے تزکیہ فرمایا اہل ایماں کا نکال لے گئے ظلمت سے روشنی کی طرف

عجیب سا شعر ہے ’’انھوں نے اہل ایماں کا تزکیہ فرمایا اور انھیں ظلمت سے روشنی کی طرف نکال لے گئے!‘‘ کیا اہل ایمان ظلمت میں تھے؟ یہاں ’’اہل ایماں‘‘ کی بجائے ’’اہل عصیاں‘‘ ہونا چاہیے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۲/۲۶۔۶۴۱)

(۳۸) جز ایک اشکِ ندامت، جز ایک حرفِ دعا نہیں ہے کچھ مری تر دامنی کے دامن میں

''جذبِ رواں'' کا مطلب بھی میری سمجھ میں نہیں آیا؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۶)

(۳۴) ڈاکٹر اسلم عزیز نے سید محسن نقوی کی نعت نگاری پر قلم اٹھایا ہے! مضمون تو اچھا ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھنے کے بعد کہ ''وہ نعت کے لیے وہ یوں الفاظ تلاشتا اور تراشتا ہے جیسے جوہری جواہرات کا انتخاب کرتا ہے''۔ متعدد ایسے اشعار بہ طور انتخاب لکھے ہیں جن سے ان کے تحسینی لفظوں کی نفی ہوتی ہے۔ دیکھیے یہ اشعار:

(۱) جبریل تیرے در کے نگہ بان کا ہم مزاج باقی ملائکہ تری گلیوں کے کوزہ گر

(۲) موج صبا کو ہے تیری خوشبو کی جستجو جیسے کسی کے در کی بھکارن ہو دربدر

(۳) زلفوں سے خجل شب کی ستارہ بدنی ہے

(۴) میں سایۂ طوبیٰ کی خنک رت سے ہوں واقف
مولا تری گلیوں کی مگر چھاؤں گھنی ہے

(۵) گلنار گھٹاؤں سے یہ چھلتی ہوئی چھاؤں

(۶) ظاہر ہوا اک پیکر صد رنگ بصد ناز

اب کیا میں تفصیل بھی بتاؤں کہ اشعار اور مصرعے کس طرح ظاہر کر رہے ہیں کہ شاعر کو عمدگی سے الفاظ کے چناؤ کا طریقہ نہیں آتا؟ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ملائکہ کو گلیوں کے ''کوزہ گر'' کہا گیا ہے شاعر شاید یہ کہنا چاہتا تھا کہ باقی ملائکہ گلی کے بھکاری ہیں مگر اسے معلوم نہیں کہ ''کوزہ گر'' برتن بنانے والے کو کہتے ہیں۔ اسے ''دریوزہ گر'' کے معنی میں نہیں استعمال کیا جا سکتا۔ اب دوسرا شعر دیکھیں۔ موج صبا کو حضور کی خوشبو کی جستجو ہے۔ اور وہ دربدر بھکارن کی طرح پھر رہی ہے۔ ''گویا اُسے یہ خوشبو مل ہی نہیں رہی ہے حالانکہ اس خوشبو سے تو ساری دنیا مہک رہی ہے۔ جناب ہمارے شاعر کی صبا کا جواب نہیں اور اسی طرح اس کی جستجو کا بھی۔ اب تیسرے مصرع کو دیکھیے۔ شاعر کہتا ہے کہ حضور کی زلفوں کے سامنے شب کی ستارہ بدنی خجل ہے۔ اگر بالوں کی سیاہی کی تحسین پیش نظر تھی تو پھر شب کی تیرگی کا تذکرہ ہونا چاہئے تھا۔ ''ستارا بدنی'' کا یہاں کوئی محل نہ تھا۔ مگر شاعر کو اس کی سمجھ ہوتی تو پھر بات بھی بن جاتی۔ اسی طرح بعد کے شعر میں شاعر نے کہا ہے ''گلیوں کی چھاؤں گھنی ہے'' ہے نا کمال کی بات چھاؤں درختوں کے چھت وغیرہ تلے ہوتی ہے گلیوں میں نہیں۔ اور یہ گلیوں کا چھاؤں والا مصرع اس طرح اور بھی خراب ہو جاتا ہے۔ جب ہم پہلے مصرع میں ''طوبیٰ کے سائے کی بات پڑھتے ہیں جو ایک درخت ہے۔'' آگے

رسول'' کون ہے؟ اللہ تعالیٰ یا جبرئیلؑ!!؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۳/۲۷)

(۴۳) محمد مصطفےٰ نے کس قدر اعجاز فرمایا شتر بانوں کو شاہوں کی طرح ممتاز فرمایا

''اعجاز فرمایا'' یہ کونسی زبان ہے؟ (سلیم شہزاد، ص ۵۱۶)

(۴۴) ایک ذرّہ سے آسمانوں تک نقش ہے جا بجا محمد کا

ایک ذرّہ!! کونسا؟ ذرّے ذرّے سے آسمانوں تک ہونا چاہیے تھا۔ نیز ''نقش ہے'' کی بجائے ''نقش میں'' چاہئے۔ طلعت سلیم کا مصرع ہے:

''ہوائیں جس کی بوجھل آپ کی خوشبو سے رہتی ہیں'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۹/۲۷)

(۴۵) یہ جواہرات یہ سیم و زر، نہ اُٹھے گی ان کی طرف نظر

میں ہوں بادشاہ نصیب کا مرے پاس عشق رسول ہے

''میرے پاس عشق رسول ہے'' کیا عشق رسول کوئی مادی شئے ہے جسے اپنے پاس رکھا جاسکے؟ ''مرے پاس'' کی بجائے ''مرے دل میں'' کہتے تو بہتر ہوتا۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۲)

(۴۶) شاہ محمد سبطین کے یہ مصرعے بھی محل نظر ہیں:

(۱) کر کے وضو جو میں نے پڑھا اُسوۂ نبی

(۲) اے دوست پڑھ کے دیکھ ذرا اسوۂ نبی

(۳) جس شخص نے ادب سے پڑھا اُسوۂ نبی

اسوۂ نبی کون سی کتاب ہے؟ یہ قرآن سے کنایہ ہے تو عرض ہے کہ قرآن کو ''قرآن حکیم''، ''فرقان مجید''، اُم الکتاب تو کہا جاتا ہے۔ لیکن اسے ''اسوۂ نبی'' آج تک کسی نے نہیں کہا۔ قرآن شریعت الٰہی اور قانون حیات ہے اور اسوۂ نبی اسی شریعت اور قانون کی کامل پیروی کا نام ہے۔ شاید شاہ صاحب نے حضرت عائشہ صدیقہ کی مشہور روایت ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا'' کی بنا پر قرآن کو اسوۂ نبی کہہ دیا ہے جو مناسب نہیں ہے کیوں کہ خلفائے راشدین، صحابۂ کرام اور بیش تر اولیائے امت کی زندگیاں بھی قرآن وسنّت کی پیروی کا بہترین نمونہ ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۷)

(۴۷) خجل ہو قوم عمل پر تو مہربان ہو رب ہر آنکھ فرطِ ندامت سے خوں میں تر ہو جائے

عمل نیک بھی ہوتا ہے اور بد بھی!! اس لیے یہاں عمل کی تخصیص ضروری معلوم ہوتی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۷)

''تر دامنی کے دامن میں'' سمجھ میں نہیں آیا!! ''کچھ'' کے بعد ''بھی'' کی ضرورت ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۵/۲۶)

(۳۹) ہزار شکر غلامانِ شاہ بطحا میں شروع دن سے مری حاضری لگی ہوئی ہے

''غلامانِ شہ بطحا میں حاضری'' یہ کون حضرات ہیں کہ جن کے یہاں حاضری پر شاعر ہزار شکر ادا کر رہا ہے؟ ''شروع دن'' سے کیا مراد ہے؟ روزِ ازل یا شاعر کی ولادت!؟ اولی مصرع یوں بھی ہو سکتا تھا: ''ہزار شکر کہ دربارِ شاہ بطحا میں''

ہم تھے دامن رحمت سے جب تو چین سے تھے
جدا ہوئے ہیں تو اب جان پر بنی ہوئی ہے

''دامن سے ہم ہونا'' یہ تو زبان نہیں ہے۔ ہم ہونا کا مطلب ''ساتھ، باہم، یکجا'' کے ہیں۔ ایسے مواقع پر ''دامن سے جڑنا، وابستہ ہونا'' کہا جاتا ہے۔

چاہئے خیر کے ایوان کی تعمیر اگر کام اس کام میں دیتا ہے سراپا تیرا

''سراپا'' ایوانِ خیر کی تعمیر میں کس طرح کام آئے گا؟ یہاں ''اسوہ'' کی ضرورت تھی۔

''کام اس کام میں آتا ہے بس اسوہ تیرا'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۶/۲۶۔۶۴۵)

(۴۰) اے وفورِ شوق! اے جذبِ رواں آہستہ بول

''جذبِ رواں'' کا مطلب بھی میری سمجھ میں نہیں آیا؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۶/۲۶)

(۴۱) مسرور بدایونی کا یہ شعر:

رہتی ہے درودوں کی حسیں آس مرے پاس آئے نہیں اس واسطے وسواس مرے پاس

شعر میں ''درودوں کی حسیں آس'' کا مطلب میری تو سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس قسم کی آس ہے؟ علاوہ ازیں رہتی کی مناسبت سے ''آئے'' کی بجائے ''آتے'' کا محل ہے اور درود کی جمع ''درودوں'' کس قاعدے سے بنائی گئی ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۵۰۳/۲۷۔۵۰۲)

(۴۲) ''مجید امجد کی ایک نایاب نعت'' ڈاکٹر محمد افتخار شفیع صاحب کی امجد سے عقیدت کا اظہار ہے ورنہ نعت میں کئی جگہ جھول ہے، مثلاً مجید امجد کا یہ شعر:

ہے جبرئیل محو ثنائے رسول آج ہے عاشق رسول، فدائے رسول آج

ثانی مصرعے میں ''آج'' حشو ہے!! آج سے عموماً ''دن'' مراد لیا جاتا ہے جبکہ یہاں بات ''رات'' کی ہو رہی ہے۔ وہ بھی واضح نہیں کہ یہ رات کونسی ہے!؟ علاوہ ازیں ''عاشقِ رسول اور فدائے

(۵۴) شوقِ دیدار میں ہوتی ہیں جو سطریں تخلیق سننے والا انہیں اعجاز بیاں جانتا ہے
سطریں سنی نہیں پڑھی جاتی ہیں۔
میں بھی ہوتا کہ انہیں دیکھتا رہتا ہر دم عکس جلوہ مری بینائی میں اترا ہوتا
نور کا عکس نہیں ہوتا!! عکس کو ''ان کا'' کر دیں تو! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۱/۲۷۔۵۱۰)
(۵۵) بالآخر ڈھونڈ لیں گے محورِ نورِ خدا صفوت بالآخر نورِ احمد گرد اس محور کے دیکھیں گے
صفوت صاحب نے ''نورِ خدا'' اور ''نورِ احمد'' کو اس طرح ایک دوسرے کے گرد گھما دیا ہے کہ میری عقل چکرا گئی کہ اس پر کیا اور کس طرح لکھا جائے؟ مجھے یحییٰ نشیط صاحب کے انتخاب پر حیرت ہو رہی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۶)

یہ احسان شعیب ہے مجھ پر کالی کملی والے کا
یہ سوغات مدینے سے مجھ کو بھجوائی جاتی ہے (ایضاً)

کونسی سوغات؟ اس قسم کے دعوے کا شاعر کے پاس کوئی جواز بھی ہے؟

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۲/۲۷۔۵۱۱)
(۵۶) جس نے آپ کو دیکھا اس نے دیکھنا پایا پرتوِ الٰہی کا اصل پرتوا پایا
صفحہ ۴۹۴ پر شاہ حسین نہری کی نعت کے مطلع کا مصرعِ اولیٰ ''جس نے آپ کو دیکھا اس نے دیکھنا پایا'' ابلاغ سے محروم ہے۔ (غالب عرفان، ص۲۰۳)
(۵۷) حضور میں بھی تو سوکھے شجر کی صورت ہوں مجھے بھی خوف ہے لوگوں سے پائمالی کا
''شجر کاٹا جاتا ہے'' پائمال نہیں کیا جاتا، گھاس پھوس پودے وغیرہ پائمال کئے جاتے ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۴۸/۲۶)

(۵۸) اذاں ہوئی ہے جب ہمیں نبی قریب جاں ملے
تصور اپنے ذہن میں کہاں ہے ان سے دور کا

''تعجب ہے یہ کیسا عشق نبی ہے جو صرف اذان کے وقت ہی جاگتا ہے؟'' ''دور'' کی بجائے ''دوری'' کا محل ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۴۸) کس نے زخموں پر شبنم سے ہاتھ رکھے   کوئی ہمارے بیچ آیا تھا ، دیکھا تھا

شعر یوں ہونا تھا،

کس نے زخموں پر شبنم سا ہاتھ رکھا   کوئی ہمارے بیچ آیا تھا ، دیکھا تھا

عیادت کے لیے آنے والے زخموں پر دونوں ہاتھ نہیں رکھتے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۵۱۰/۲۷)

کب بامِ افق پر کچھ دھیرا ہے   سورج تو حرا سے پھوٹتا ہے

''سورج کا پھوٹنا'' عجیب بات ہے لوگ جدّت کے زعم میں زبان و حقائق سے روگردانی کرنے لگے ہیں۔ کل کوئی صاحب یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''گنگا جمنا، راوی چناب، ہمالیہ سے اُگتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہاں ردیف ''ہے'' کی بجائے ''تھا'' کا محل ہے ویسے سورج تو آج بھی افق ہی سے طلوع ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۵۰۶/۲۷)

(۴۹) شوقِ دیدار میں ہوتی ہیں جو سطریں تخلیق   سننے والا انہیں اعجاز بیاں جانتا ہے

سطریں سنی نہیں پڑھی جاتی ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۵۱۱/۲۷)

(۵۰) نخلِ صحرا کی طرح خشک ہوں، وہ ابرِ کرم   مجھ پہ برسے تو مجھے برگ و ثمر جائے

کیا صحرا میں ''نخلِ خشک'' اُگتے ہیں؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۳۱/۲۶)

(۵۱) آیا ہوں ذوق و شوق سے کہنے سلام دلربا

جرأت کہاں سے لاؤں میں یا صاحب خیر الوریٰ

یہ سلام دل رُبا کیا ہوتا ہے؟ سلام کہنے میں جرأت کا سوال کہاں اُٹھتا ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۰)

(۵۲) مرزا صاحب کے پیش کردہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ کون سوچ پہن کر گیا ہے سوئے فلک   کہ جس کا چاند پہ نقش قدم سا لگتا ہے

یہ ''سوچ'' کیسا اور کس قسم کا لباس ہے میرے تو پلّے نہیں پڑا؟ نیز سوچ پہن کر جانے سے ''چاند پر نقش قدم سا لگنے'' میں کیا علاقہ ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۶۲۹/۲۶)

(۵۳) خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والا ہے تو

سن اے شیشوں کے مسیحا! دل شکستہ میں بھی ہوں   صہبا اختر

اساتذۂ فن و سخن نے حرفِ ندا 'اے' کی تخفیف یعنی اس سے حرف یا کا گرانا غلط اور عجز بیان بتایا ہے۔ (طلحہ رضوی برق ص، ۵۶۴)

میں معیوب ہے کیوں کہ ''یار''، دوست، آشنا، معشوق اور یار باز، آوارہ، بد چلن کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ (لغات دیکھ لیجیے) اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ''حبیب'' کا استعمال ہی ہونا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی لفظ ایسا استعمال نہیں کرنا چاہیے جو آپ کی شان کے منافی ہو۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۹)

(۵) اذاں ہوئی ہے جب ہمیں نبی قریب جاں ملے
تصور اپنے ذہن میں کہاں ہے ان سے دور کا

''تعجب ہے یہ کیسا عشق نبی ہے جو صرف اذان کے وقت ہی جاگتا ہے؟'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۶) مجھے مئے طہور شاکر آپ خود پلائیں گے
گواہ ہوگا رب دو جہاں مرے سرور کا

یہاں بھی رب دو جہاں کو گواہی میں گھسیٹ لائے ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۷) مدحت احمد کہاں اور بے ہنر ارسؔل کہاں
نعت خود سرکار نے اس طرح لکھوائی کہ بس

ارسؔل صاحب کیا واقعی یہ ''مدحت'' سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے لکھوائی ہے؟ یا پھر ''جذبۂ حبِ نبیؐ'' نے؟؟ یہاں ردیف بھی نبھ نہیں سکی۔ ''لکھوائی کہ بس'' سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی لکھوائی ہے۔ ''کہ بس'' کہاں کہاں اور کن کن معنوں میں مستعمل ہے اس کا علم ہونا ضروری ہے۔

جسے دھتکار دے سارا زمانہ محبت اس سے شیوہ آپ کا ہے

بھکاریوں، مجرموں اور گناہ گاروں کو دھتکارا جاتا ہے ایسے لوگوں سے محبت آپ کا شیوہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۱)

(۸) اس لیے پڑھتے ہیں ہم سنّی کھڑے ہو کر سلام
ہے یہی سرکار طیبہ سے محبت کی سند

سرکار طیبہ سے محبت کی سند خلوص قلب اور تمام آداب کی رعایت کے ساتھ درود و سلام پڑھنا ہے۔ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنا محبت کی سند نہیں ہے۔

پیکر نور ازل، تکملۂ علم و عمل نقش بت مثل و بدل، سارے جہاں میں یکتا

میں سخت حیران ہوں سمجھ میں ہی نہیں آ رہا ہے کہ ''پیکر نورِ ازل صلی اللہ علیہ وسلم'' کو

(ہ) فکری تناظر: (شعرِ نعت کے معائب)

ا۔ غیر ادبی رویے، مقام رسالت کا بیان اور تخلیقی اظہار کی ناکامی:

(۱) جو دنیا میں ترا کھا کر ترے شکوے کریں یارب — تعجب ہے کہ ان پر بھی رہے لطف وکرم تیرا

لفظ ''تعجب'' نے شاعر کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر تعجب کا اظہار کرنا اس کی قدرت کاملہ پر شک کرنے کے مترادف ہے۔ شعر میں اللہ کی شانِ ربوبیت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ اس کا کھا کر بھی اس کا شکوہ کرنے والوں پر لطف وکرم فرماتا ہے۔ شاعر نے یہ نہیں سوچا کہ وہ کفار ومشرکین تک کو رزق دیتا ہے!!

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۶/۶۳۶)

(۲) ناصر کاظمی کے اس شعر پر نظر ٹھہر گئی:

صبح ازل کو جس نے دیا حسنِ لازوال — وہ موجِ نور زینتِ دیوار و در ہے آج

شاعر نے ''اوّل ماخلق اللّٰہ نوری'' والی حدیث سے تلمیحی رشتہ قائم کیا ہے۔ لیکن یہ مصرع اس طرح درست اور روا قرار پائے گا؟ کیا حضور V نے صبحِ ازل کو حسنِ لازوال عطا فرمایا؟ صبحِ ازل کو حسنِ لازوال تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور V کی تخلیق فرما کر عطا کیا۔ لہٰذا یہ کہا جائے تو بات بہتر ہو جائے: ع صبحِ ازل کو جس سے ملا حسنِ لازوال

(ملک الظفر سہسرامی ص،۸۴۷۔۸۴۶)

(۳) انھوں نے شمشیرِ ضیاباری کی نظم میں عشقِ نبی V کے دعوے داروں سے 'کیا آپ نے؟' کا جو سوال کیا ہے وہ سوال ملک کے سیاست دانوں سے کیوں نہیں؟ انھیں کا یہ شعر ہے:

ذلت وخواری کا باعث مجملاً کہتا چلوں — ترکِ قرآں اور شرعِ سیّد الابرار ہے

دوسرے مصرع میں قرآن اور شرع میں اگر واوِ عطف رہتا تو ترک کا انطباق دونوں پر ہوتا مگر ترکِ قرآں کے بعد اور لکھنے سے شرعِ سیّدالابرار پر بھی (نعوذ باللہ) ذلت وخواری کے باعث کا اطلاع ہوتا ہے۔ ان نازک باتوں پر بھی نگاہ ضروری ہے۔ (طلحہ رضوی برق ص،۵۶۶)

(۴) ہمہ عالم کی رعنائی، ہمہ عالم کی زیبائی
خدا نے نور کا صدقہ، خدا کے یار کا صدقہ

شعر میں ''خدا کے یار'' کا استعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے استعمال کرنا میری نگاہ

الٰہی اور قانون حیات ہے اور اسوۂ نبی اسی شریعت اور قانون کی کامل پیروی کا نام ہے۔ شاید شاہ صاحب نے حضرت عائشہ صدیقہ کی مشہور روایت ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا'' کی بنا پر قرآن کو اسوۂ نبی کہہ دیا ہے جو مناسب نہیں ہے کیوں کہ خلفائے راشدین، صحابۂ کرام اور بیش تر اولیائے امت کی زندگیاں بھی قرآن وسنّت کی پیروی کا بہترین نمونہ ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۵)

(۱۴) وجاہت اس قدر جیسے کسی سردار سر کا ہو
لئیق تاجدار و شان و شوکت ہے سرِ اقدس

اس شعر میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کو ''کسی سردار کے سر سے تشبیہ دی گئی ہے'' جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا اور انس و جاں کے سردار ہیں۔ ''لئیقِ تاجدار'' کی ترکیب بھی بے محل ہے۔ ''لئیقِ تاج'' چاہیے تھا۔

یہاں بالیدگی ہوتی رہی موئے مبارک کی
زمانے بھر میں یکتا کشتِ قدرت ہے سرِ اقدس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس کو ''کشتِ قدرت'' کہنا کہاں تک مناسب ہے؟ کیا سر اقدس بالوں کی کھیتی ہے؟ بال تو ہر ایک سر پر قدرتاً اگتے اور بالیدگی پاتے ہیں۔ تو کیا یہ کشتِ قدرت کی بجائے کشتِ آدم ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر واقدس کی بنا پر آپ کے گیسوؤں کو موئے مبارک کہا جاتا ہے۔ ہم جیسے انسانوں کے بال صرف بال کہے جاتے ہیں۔

نمازِ عصر واروں گا ادب ملحوظِ خاطر ہے
مری آغوش میں مائل بہ شفقت ہے سرِ اقدس

''تلمیح کے بیان کا بھی ایک قرینہ ہوتا ہے۔ تبسم صاحب نے ''میری آغوش میں'' کہہ کر حضرت علی کے واقعہ کو خود سے منسوب کرلیا ہے۔ حضرت علیؓ کے دل میں یہ خیال تک نہ تھا کہ وہ نمازِ عصر وار دیں گے۔'' بلکہ نماز قضا ہو جانے کے خوف سے آپؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے جو رخسارِ اقدس پر ٹپکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔

عوام الناس کہتے ہیں احد میں ایک پتھر پر
زیارت کے لیے نقشِ محبت ہے سرِ اقدس

نعوذ باللہ! اس شعر سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''اُحد میں ایک پتھر پر سرِ اقدس بطورِ نقشِ محبت زیارت کے لیے رکھا ہوا ہے۔''

''نقشِ بت'' کس رعایت سے کہا گیا ہے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۹)

(۹) امان خان دلؔ کے اشعار:

آپ کا شہر بھی کیا خلد سے کم ہے ہم کو دشت طیبہ بھی بہ انداز ارم ہے ہم کو

جس طرح طیبہ کے لیے یثرب کا استعمال غلط ہے اسی طرح میری نگاہ میں جنت کے لیے ''ارم'' کا استعمال بھی غلط ہے کیوں کہ ''جنتِ ارم'' نمرود نے بنائی تھی۔ (جس کی حیثیت وحشر اظہر من الشّمس ہے) (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۰)

(۱۰) مرے ہر نفس میں ہے مصطفےٰ، مرے دل پہ ان کا نزول ہے
مری زندگی بھی رسول ہے مرے بندگی بھی رسول ہے

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی جگہ، مقام پر نازل ہونا ثابت ہے؟ چاہے وہ دل میں کیوں نہ ہو!! ثانی مصرع میں ''مری زندگی بھی رسول ہے'' تو ٹھیک ہے لیکن ''مری بندگی بھی رسول ہے'' سے کیا مراد ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۲)

(۱۱) جانِ بہار، جانِ جہاں، جانِ انجمن جن کے ورودِ پاک سے عالم چمن چمن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسے القاب استعمال کرنا درست نہیں جو ''معشوقِ ارضی'' کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مصرعۂ اولیٰ میں ''جان'' کی بجائے ''روح'' استعمال کرنے میں کیا قباحت تھی؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۳)

(۱۲) یہ اس معمارِ اعظم ہی کی سب تعمیر لگتے ہیں
جنھیں خیر البشر کے نام سے ہم یاد کرتے ہیں

''تعمیر لگتے ہیں'' شکیہ صیغہ ہے شاید شاعر کو یقین نہیں ہے کہ یہ سب واقعی ''خیر البشر'' کی تعمیر ہیں؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۴۴)

(۱۳) شاہ محمد سبطین کے یہ مصرعے بھی محل نظر ہیں:

(۱) کر کے وضو جو میں نے پڑھا اُسوۂ نبی

(۲) اے دوست پڑھ کے دیکھ ذرا اسوۂ نبی

(۳) جس شخص نے ادب سے پڑھا اُسوۂ نبی

اسوۂ نبی کون سی کتاب ہے؟ یہ قرآن سے کنایہ ہے تو عرض ہے کہ قرآن کو ''قرآن حکیم''، ''فرقان مجید''، اُم الکتاب تو کہا جاتا ہے۔ لیکن اسے ''اسوۂ نبی'' آج تک کسی نے نہیں کہا۔ قرآن شریعت

(۱۷) اسی طرح عزت بخاری سے منسوب شعر:

ادب گاہیست زیرآسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کا مفہوم شرکائے مذاکرہ کے ذہن میں واضح نہیں ہوا۔ ''نفس گم کردن'' کے معنی ہیں، سانس روک لینا، خاموش رہنا اور شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے ایک ایسی بھی جگہ ہے جس کی پاکیزگی اور تقدس عرش سے بھی زیادہ نازک ہے (یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مزارِ مبارک)۔ لہٰذا اس خوف سے کہ کہیں اس کی نزاکت کو ٹھیس نہ پہنچے، جنید اور بایزید جیسے سرگشتہ اور مغلوب الحال اور بلند مرتبہ خداشناس شخص بھی جب پیغمبر کے روضے پر پہنچتے ہیں تو دم سادھ لیتے ہیں۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حفظِ مراتب کا پورا پورا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اتنے صاف اور خوبصورت شعر کے معنی لوگوں نے خدا جانے کیا کیا نکالے ہیں۔ (شمس الرحمٰن فاروقی ص ۵۱۲-۵۱۳)

(۱۸) ص ۴۴۵ کا آخری مصرع:

اک بحرِ بے کنار کی صورت اچھل کے آ

محلِ نظر اور خلافِ احتیاط ہے، کیا رحمتِ تمام کو ایسے مخاطب کیا جا سکتا ہے؟
ص ۲۲ پر حمدِ باری تعالیٰ ہے، جس کے شعر نمبر ۳ کا دوسرا مصرع صحیح کمپوز نہیں ہوا، درست یوں ہے: ع اور اس کو بناتا ہے وہی نخلِ ثمر بار (محمد شہزاد مجددی ص ۵۳۲)

(۱۹) ص ۴۷۳ پر آفتاب کریمی کا شعر ہے:

میں نبی کا ادنیٰ غلام ہوں مری آل ابن غلام ہے
مری آل کی بھی جو آل ہے وہ غلام ہو یہ پیام ہے

''آل ابن غلام'' کچھ زیادہ درست نہیں لگتا بلکہ آل، آلِ غلام ہے'' زیادہ مناسب ہے۔ ایسے ہی ''آل کی آل'' بھی سمجھ سے باہر ہے۔ ص ۴۵۳ پر ایک فقرہ ہے، ''کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے آپ کی۔'' بات سمجھ نہیں آئی، نرینہ اولاد نہ ہونا اور نرینہ اولاد کا بلوغت سے پہلے ہی دنیا سے چلے جانا کیا اس میں کچھ فرق ہے؟ اور یقیناً ہے تو پھر یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے؟ (محمد شہزاد مجددی ص ۵۳۴-۵۳۳)

(۲۰) انھوں نے شمشیرِ ضیا بار کی کسی نظم میں عشقِ نبی V کے دعوے داروں سے 'کیا آپ نے؟' کا جو سوال کیا ہے وہ سوال ملک کے سیاست دانوں سے کیوں نہیں؟ انھیں کا یہ شعر ہے:

ذلت و خواری کا باعث مجملاً کہتا چلوں
ترکِ قرآں اور شرعِ سیّد الابرار ہے

جو سر سرداری کے شایان ہے ابراہیم بیجوری
وہ ذہنی تقویت کی بھی علامت ہے سرِ اقدس

یہ ابراہیم بیجوری کون صاحب ہیں؟ سرداری کے شایان کون ہے "جوسر" یا "سرِ اقدس"؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۷۔۱۴۶)

(۱۵) صفحہ ۳۸۷ پر جناب عرش صدیقی صاحب کے ایک شعر سے متعلق گزارش کروں گا۔ جس میں انھوں نے لفظ "بدنصیب" نظم کیا ہے۔ "بد" کا لفظ باندھنا مناسب نہیں نعت کے ادب کے خلاف ہے۔ عرش صاحب کا شعر:

کیا خوش نصیب تھے کہ ترے در پہ آ گئے
کیا بدنصیب ہیں کہ چلے ہیں یہاں سے ہم

خوش نصیب کے ساتھ غم نصیب ہونا چاہیے تھا۔ یہ ادب بھی ہے اور حسنِ شاعری بھی مرے خیال میں شعر اس طرح ہونا چاہیے تھا:

کیا خوش نصیب تھے کہ ترے در پہ آ گئے
کیا غم نصیب ہیں کہ چلے ہیں یہاں سے ہم

(پروفیسر سبطین شاہ جہانی ص، ۴۰۵)

(۱۶) "نعت رنگ" کے انیسویں شمارے پر جو بہت طویل مذاکرہ آپ نے شائع کیا ہے اس میں بھی بعض باتیں اختلاف کے دروازے کھولتی ہیں اور بات کو صاف ہونے سے روکتی ہیں۔ عزیز احسن صاحب کے شعر:

زکات سیرت اطہر کی چاہتا ہے عزیز گدائے خلق ہے آقا، یہ زر نہیں رکھتا

میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرض کیا جا رہا ہے کہ ان کے اوپر زکات فرض ہے اور انھیں چاہیے کہ اپنی سیرت پاک کو زکات میں دے دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں نہ صرف مہمل ہیں بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ شعر دولخت ہے، کیوں کہ دوسرے مصرع کو پہلے مصرع کا لازمی نتیجہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص گدا ہے تو وہ حضورِ پاک V سے ان کی سیرت کی زکات کیوں مانگے؟ علاوہ ازیں، سیرت پاک سے کچھ زکات مانگنا اور شے ہے اور پوری سیرت پاک ہی کو زکات میں مانگ لینا اور چیز۔ "گدائے خلق" کی ترکیب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ (شمس الرحمن فاروقی ص ۵۱۲)

محدود کر دیا ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۷)

آؤ اللہ کے دل دار کی کچھ بات کریں ہاں اسی حسنِ طرح دار کی کچھ بات کریں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا دلدار کہنا قطعی نامناسب ہے اور آپ کے حسن کو ''حسنِ طرحدار'' بھی نہیں کہنا چاہئے کہ یہ غزل یا پھر عورتوں کے حسن کے مشابہ ہو جاتا ہے۔آپ اللہ کے حبیب ہیں دلدار نہیں!!(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۷)

(۲۵) ہوں گے ضرور حاضر دربار ہم شعورؔ ہر امتی کا حق ہے زیارت حضور کی

ہر امتی کا ''حق'' نہیں ''خواہش، آرزو، تمنا'' ہے اور اگر حق ہے تو بے چارے جو بغیر زیارت دنیا سے رخصت ہو گئے وہ اپنی اس محرومی کا کس پر دعویٰ کریں گے؟(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۹)

(۲۶) رہتا ہے انتظار میں مشغول رات دن بے روزگار آپ کا بیکار آپ کا

یہ تو خلافِ واقعہ، غلو یا کذب بیانی ہے شاعر کے لیے رات دن کی ایسی مشغولی تو ممکن ہی نہیں ہے۔ ''بیکار آپ کا'' میں تعقید معنوی بھی ہے بلکہ اس میں ایک طرح ذم کا پہلو بھی نکلتا ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۹)

(۲۷)
دفن کر کے جب مرے احباب آقا چل دیے
آ کے جلوؤں سے لحد کو جگمگایا شکریہ
پیاس ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں
جام کوثر تم نے خود آ کر پلایا شکریہ

''جامِ کوثر'' پلا رہے ہیں؟ یہ تو روزِ محشر کا معاملہ ہے!! خود ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں: ''حشر و نشر کے تخیلاتی بیان کو واقعاتی سطح پر بیان کرنے سے گریز لازم ہے۔ورنہ شاعر خواہ مخواہ دروغ گو قرار پائے گا۔''(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۴۳)

(۲۸) نعت لکھنے کو جو کاغذ پہ لکھا بسم اللہ آئی جبریل کی فوراً ہی صدا بسم اللہ

اگر واقعی جبریل علیہ السلام نے بسم اللہ کہا تو مبارک ہو۔۔۔! ورنہ یہ دروغ گوئی ہے، یہی حال اس شعر کا بھی ہے:

میں نے اک نعت سنانے کی اجازت چاہی اور نکیرین نے خوش ہو کے کہا بسم اللہ

دلچسپ شعر ہے، شاعر نے قبر میں مشاعرہ برپا کر دیا اور نکیرین سوال و جواب بھول کر دادِ سخن دینے لگے!!(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۴۹)

دوسرے مصرع میں قرآن اور شرع میں اگر واو عطف رہتا تو ترک کا انطباق دونوں پر ہوتا مگر ترکِ قرآں کے بعد اور لکھنے سے شرع سیّد الابرار پر بھی (نعوذ باللہ) ذلت وخواری کے باعث کا اطلاع ہوتا ہے۔ ان نازک باتوں پر بھی نگاہ ضروری ہے۔ (طلحہ رضوی رق ص، ۵۶۶)

(۲۱) سیّد ریاض حسین زیدی لکھتے ہیں:

خدا سے جو سنی ہے آپ نے سچ سچ بتائی ہے

سچ سچ بتائی ہے میں سُوے ادب ہے۔ یوں کر سکتے تھے 'وہ سب بتائی ہے'۔

(طلحہ رضوی برق ص، ۵۶۶)

(۲۲) ہم بھی آپ کی امت ہیں، ہم بھی آپ سے بیعت ہیں

اس خوش اقبالی پر اتنا کم ہے جتنا ناز کریں

اُمت ہیں؟ یا اُمت میں ہیں یا اُمتی ہیں؟ پاکستان میں تو تصوف کی روایت بڑی مضبوط ہے۔ شاعر کو کسی سالک یا پیر طریقت سے معلوم کر لینا چاہئے تھا کہ ''بیعت'' کس سے اور کس طرح کی جاتی ہے! میرے علم کے مطابق بیعت صرف باحیات مرشدین سے ہی کی جاسکتی ہے۔

نعت محبوبِ خدا لب پہ مرے آئی ہے میں نے لکھی نہیں سرکار نے لکھوائی ہے

کیا یہ واقعہ ہے؟ اول تو لب پہ آنے کو لکھنا نہیں کہتے، دوم کیا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس تشریف لا کر شاعر صاحب سے نعت لکھنے کی درخواست کی تھی؟

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۳۰/۶۳۰-۶۲۹)

(۲۳) ثنا خواں سب زمانہ ہے ثنا خوانِ محمد کا بشر تو کیا خدا خواہاں ہے خواہانِ محمد کا

اب تک تو شعرا ''خدا'' کو حضور کے دیدار کا خواہاں و آرزومند بتاتے تھے، یہاں شاعر دو قدم آگے بڑھ گیا ہے یعنی اب خدا ''خواہانِ محمد'' کا بھی خواہاں وطلب گار ہو گیا ہے!!

مختارِ دو عالم کے ہو تم ظلِ الٰہ پس خوبیاں ہم سے ہوں بھلا کیا محسوب

''مختارِ دو عالم'' یعنی اللہ تعالیٰ کے تم ظلِ الٰہ ہو کیا مطلب؟ کیا مختارِ دو عالم اور الٰہ دو الگ الگ وجود ہیں؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۳۶)

(۲۴) مجھ سا عاصی بھی آغوشِ رحمت میں ہے یہ بھی بندہ نوازی کی حد ہو گئی

''بھی'' کی بجائے ''تو'' چاہیے۔ اس کے علاوہ شاعر کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کی قدرت و رحمت کی کوئی حد ہی نہیں ہے آپ نے ''حد ہو گئی'' کہہ کر اس کی رحمت و بندہ نوازی کو

شاعر کی زندگی میں یقیناً ایسے لاکھوں لمحات گزرے ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے تہی ہونگے یعنی شاعر کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ''حرام'' ہوگیا!! ایسے بے تکے دعوے نیکی وثواب کی بجائے عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔ (ع۔م۔ مسلم، ص ۵۱۲)

(۳۴) بھینی بھینی خوشبو سے گھر مہکا ہے شب کو خواب میں آنے والے کیسے ہونگے

اوّل تو کسی قرینے سے یہ نعت کا شعر لگتا نہیں دوسرے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے خواب میں آتے ہیں تو اپنے مکمل وجود اور واضح خدوخال کیساتھ تشریف لاتے ہیں اس صورت میں ''آنے والے کیسے ہونگے'' بے معنی سوال ہے۔ (افتخار عارف، ص ۵۱۴)

(۳۵) سبیل اور صراط ہے اور روشنی ہے اک عبد مولا صفات ہے اور روشنی ہے

شعر میں ''سبیل'' سے کیا مراد ہے کچھ پتا نہیں چلتا اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعت کا شعر ہے یا منقبت کا!! تیسرے یہ کہ کوئی عبد کسی حال میں ''مولا صفات'' نہیں ہوسکتا۔ ''خالق'' اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو کسی بندے میں نہیں ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۷/۵۰۸)

(۳۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے کوئی ایسا لفظ نہیں استعمال کرنا چاہیے جس کے منفی معنی بھی نکلتے ہوں۔ ''بوجھل'' بادلوں اور ہواؤں کے لیے استعمال ہوتا ہے، سو ٹھیک لیکن بوجھل کے معنی ہیں کثیف، تکدّر، گرانی، وزنی، بھاری، ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو نہ کثیف کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی گراں!! مصرع یوں بھی ہوسکتا تھا:

ع فضا جس کی معطر آپ کی خوشبو سے رہتی ہے

(۳۷) ٹھنڈا کر ڈالا صدیوں کی آتش کو بادل سے کوندا اترا تھا، دیکھا تھا

''کوندا اترنا'' غلط زبان ہے ''کوندا لپکتا ہے'' اور یہ بجلی کی ایک باریک سی لکیر ہوتی ہے جو جس شئے پر پڑتی ہے جلا ڈالتی ہے اور اگر ''کوندا'' سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں تو شاعر کو ہزاروں استغفار کرنا چاہیے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۷/۵۱۰)

(۳۸) ص ۷ پر محترم جناب حفیظ تائب کی کہی ہوئی حمد باری تعالیٰ ہے اس کا آخری مصرع ہے:

''دل میں ہے ترا قیام یا عزیز یا سلام''

مجھے لفظ ''قیام'' اللہ کریم جلّ شانہ کے بارے میں محلِ نظر لگا۔ ص ۸ پر جناب امین راحت چغتائی کی کہی ہوئی حمد باری تعالیٰ ہے، یہ شعر ملاحظہ ہو:

''قفس والوں کو بھی یا رب عطا ہو شرف انسانی کہ بے توقیر و بے ایقاں ہوئی ہے قوت ایماں''

(۲۹) اسی کو شان بڑھانی تھی آسمانوں پر　　تو اس نے آمد سرکار سے رجوع کیا

آفتاب صاحب کو لاکھوں بار استغفار کرنا چاہئے ،شعر کا مطلب تو یہ نکلتا ہے،

''اللہ کو آسمانوں پر خود اپنی شان بڑھانی تھی ،اس لئے اس نے آمد سرکار سے رجوع کیا!''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی شان بڑھانے کے لئے سرکار کا محتاج ہے!نعوذ باللہ!!

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۶/۶۴۹)

(۳۰) گوہر ملسیانی صاحب کا مضمون ''اردو نعت میں انوارِ قرآن'' اچھا مضمون ہے لیکن انھوں نے بعض سقیم اشعار بھی جمع کر دیے ہیں جو طبع پر گراں گزرتے ہیں ،مثلاً سردار عبدالرب نشتر کا شعر:

شب و روز مشغولِ صلی علیٰ ہوں　　میں وہ چاکرِ خاتم الانبیاء ہوں

اس شعر میں ''چاکر''،یعنی نوکر محل نظر ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شب و روز درود بھیجنا چاکری یا نوکری ہرگز نہیں ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۰۲)

(۳۱)　درج ذیل (اشعار کے) مصرع بھی محل نظر ہیں:

اور ہے خدا فدائے لقائے رسول آج　　ہے آستانِ قدس پہ پائے رسول آج

کیا خدا تعالیٰ عاشقانہ جذبات رکھتا ہے جو وہ رسول کے حسن پر فدا ہو جائے اور آستانِ قدس پر پائے رسول سے کیا مراد ہے؟ کرسیِ الٰہی پر پائے رسول؟؟ یہاں ''آستان'' کی بجائے ''آسمان'' کہا جاتا تو اس بے حرمتی سے شاعر محفوظ ہو جاتا۔

حسنِ ازل کے چہرے سے پردے سرک گئے　　حسنِ ازل ہے مستِ ادائے رسول آج

حسنِ ازل کے چہرے سے پردے سرکیں گے تو رسول مست ہونگے یا حسنِ ازل؟اور اگر پہلے مصرعے میں ''حسنِ ازل'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو یہ مفتیانِ شرع متین کے لیے مسئلہ پیدا کرسکتا ہے۔ایک سوال یہ بھی ہے کہ ''حسنِ ازل'' کے چہرے پر ایسے کون سے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے کہ اللہ اسکے پار دیکھ نہیں سکتا تھا؟؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۰۴۔۵۰۳)

(۳۲)　اختر ہوشیار پوری کا یہ شعر بھی محل نظر ہے:

زمانہ تو یہاں سے ہے وہاں تک　　محمد ہیں مکان و لامکاں تک

''زمانہ'' تو خود ''اللہ'' ہے (والعصر) جو ساری کائنات کو محیط ہے تو پھر یہ ''مکان و لامکاں'' اور ''یہاں سے وہاں تک'' کیا ہے؟(ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۲۷/۵۰۶)

(۳۳) وہ لمحہ جو کہ تری یاد سے تہی گزرے　　میں اپنے آپ پر اس کو حرام کرتا ہوں

(۴۳) وہ محمد ہیں احمد بھی محمود بھی، حسنِ مطلق کا شاہد بھی مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی ظاہراً اُمّیوں میں اٹھایا گیا

(کرم حیدری کے) ثانی مصرعے میں ''اُمّیوں میں اٹھایا گیا'' عجیب ٹکڑا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی نہیں تھے بلکہ اہلِ عرب اُمّی تھے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۵۰۲/۲۷)

(۴۴) ڈاکٹر عزیز احسن صاحب سے معافی چاہتا ہوں لیکن ان کا یہ لکھنا کہ جناب گوہر ملسیانی ''صاحب اسلوب'' شاعر ہیں میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ مجھے وہ صاحب اسلوب نظر نہیں آتے ذرا ان کا یہ شعر دیکھیں:

حسن دلکش کا بیاں ہے اور اک صحرا نشیں اُم معبد کی زباں پر ہیں شمائل آپ کے

کیا اس شعر میں انداز بیاں کچھ ایسا ہے جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ شاعر صاحب اسلوب ہے؟ ویسے میرے خیال میں صاحب اسلوب ہونا کوئی ایسی محسن صفت بھی نہیں کہ اس پر بہت خوش ہوا جائے۔ عموماً صاحب اسلوب شاعر کے ہاں بیان کی یکسانی اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اُس کا ایک شعر پڑھیں یا دس لگتا یہی ہے کہ ایک ہی چیز پڑھی ہے۔ یقین نہ آئے تو ایک واقعی صاحب اسلوب شاعر سراج الدین ظفر کا شعری مجموعہ غزال وغیرہ پڑھ لیجیے۔ ایک لطف کی بات اور ہے کہ اُم معبد نے حضور کا جو سراپا بتایا اُس میں اس کی ذہنی سطح بھی نظر آتی ہے کیونکہ وہ کوئی بہت پڑھی لکھی خاتون نہ تھی۔ اس کے بیان سے چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''نہ تو ندنکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے......''

ذرا دیکھیے کیا یہ بیان سراہے جانے کے لائق ہے۔ ہمارے گوہر ملسیانی صاحب نے اسے بہ طور خاص کوٹ کیا ہے۔ اس جگہ میں واضح طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں تحریروں اور تخلیات پر بات کرتا ہوں۔ لکھنے والوں کی شخصیت میرا ہدف نہیں ہوتی۔ گوہر ملسیانی صاحب میرے لیے معزز اور محترم ہیں البتہ میں تمام اچھے لکھنے والوں سے زیادہ کڑے معیار کا تقاضا ضرور کرتا ہوں انھیں برا نہیں ماننا چاہیے۔ اس باب میں شعرا کی تازہ نعتیں ہیں۔ یہ حصہ برا نہیں ہے۔ خورشید رضوی صاحب سلیمان خمار اور رئیس احمد نعمانی کے چند اشعار متاثر کرتے ہیں۔

(احمد صغیر صدیقی ص، ۸۹۶-۸۹۷/۲۵)

(۴۵) ہم احتیاط سے رکھتے ہیں اس زمیں پہ قدم زمین نعت ہماری کلام ان کا ہے

سید صاحب! ''زمین نعت پہ میں تو کبھی نہ پاؤں رکھوں!!'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۸/۲۶)

قوت کی اضافت، ایمان کے ساتھ ہے۔ ''قوتِ ایمانی'' کیا واقعی بے توقیر و بے ایقاں ہوسکتی ہے؟ (کوکب نورانی ص،۳/۲۵۱)

(۳۹) ص ۳۶۶ کے آخر میں ''فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری'' سے ماخوذ حمدیہ اشعار میں دوسرے شعر کا مصرع نمبر ۲ یوں ہے: شام کی یہ ملگجی میلی ردا تیری عطا کیا یہی انداز حمد ہے؟ سبحان اللہ عما یصفون۔ (محمد شہزاد مجددی ص،۵۳۳)

(۴۰) لو سانس بھی آہستہ کہ ٹوٹے نہ مرا خواب سرکار دو عالم مرے پاس آنے لگے ہیں

کسی اور کے سانس لینے سے شاعر کا خواب کیسے ٹوٹے گا؟ یہاں بھی ردیف کا وہی حال ہے یعنی ''آنے لگے ہیں'' بجائے ''آرہے ہیں'' کی ضرورت ہے۔ صفوت صاحب کس اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی آنکھوں میں دربار محمد لگتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیٹھے نظر آتے ہیں اور آپؐ ان کے پاس وقت بے وقت آنے بھی لگے ہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے حقیقت سے بعید یا منافی شعر کہنا بھی باعث عذاب ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۲۵)

(۴۱) بعض شعرائے نئی نئی ردیفوں اور قوافی میں شعر کہنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اکثر ناکام رہتے ہیں۔ ضمیر کاظمی (بھارت) کی نعت کا بھی یہی حال ہے۔ مطلع تو بڑا عجیب وغریب ہے۔

وہ ایک امی لقب ، کردگار کا لہجہ تلاوتوں میں اسی لالہ زار کا لہجہ

اس شعر کا مطلب خود شاعر یا کوئی صاحب بتا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

تلاش نقشِ کفِ پائے مصطفےٰ کی قسم
میں جب تلک رہا طیبہ میں سرخمیدہ رہا

مولانا (قمر سلطانپوری) کو شاید یاد نہیں رہا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا منع ہے۔ بعض علماً نے تو اسے شرک میں شمار کیا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۲۸)

(۴۲) صفحہ نمبر ۳۷۸ پر سیّد ریاض حسین زیدی صاحب کا کلام ہے۔ اس میں دوسرا شعر ہے:

نگاہِ دل سے دیکھو راہ ان کی قسم ہے یہ خدا کی رہ گزر ہے

یہاں ''خدا کی رہ گزر'' والی بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس نعت کے چوتھے شعر کا دوسرا مصرع ہے، ''مری کعبوں کے کعبہ پر نظر ہے'' یہاں کعبہ کی جمع کا استعمال میرے خیال میں شعری طور پر نامناسب ہے۔ (حافظ عبدالغفار حافظ، ص ۶۵۳)

سرکارِ دو عالم V تمام عالم کے لیے سراپا رحمت ہیں اور ظاہر ہے کہ جو ذاتِ گرامی رحمت ہی رحمت ہے اس سے کسی کو گلہ ہو ہی نہیں سکتا خود آقائے نام دار کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ اس بات کا گواہ ہے، کیا واقعۂ طائف اس کا ثبوت نہیں؟ (قمر رعینی ص،۴۰،۷)

(۴) اس میں شامل ہے رضا و کرم عز و جل ہر عبادت سے درود آپ کا اعلیٰ افضل

نعوذ باللہ! ''نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ'' سب بیکار!! صرف درود پڑھو اور سیدھے جنت میں چلے جاؤ!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۶/۲۶)

(۵) کفش بردارِ نبی میں ہوں اے شائق مشہور رتبہ شاہوں سے بھی ہے افضل و برتر اپنا

کیا شاعر کے پاس کفش نبی ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۳۶/۲۶۔۶۳۵)

(۶) دل کی خواہش ہے کہ گل گشت جہاں سے نکلے
دشتِ طیبہ کے کسی خار پہ ٹھہرے جا کر

آج سے صدی ڈیڑھ صدی قبل تک تو نعتوں میں ''دشت طیبہ و خار مغیلاں'' کا ذکر مناسب تھا لیکن اب ''طیبہ۔ جنت ارضی'' بن چکا ہے۔ اسے جو لوگ دشت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہاں خار و خس کی خواہش رکھتے ہیں، حماقت کرتے ہیں۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۱۳۱)

(۷) چاند ٹوٹا کبھی سورج پلٹا بات جو تو نے کہی ہو کے رہی

چاند ''ٹوٹا'' نہیں تھا دو ''ٹکڑے'' ہوا تھا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کہا نہیں تھا'' صرف ''اشارہ کیا تھا۔'' (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص۱۴۲)

(۸) مدینے کے جزیرے پر مری کشتی ہے آ پہنچی خزانہ سامنے ہو تو بھلا نقشہ میں کیا مانگوں

مدینہ، ''جزیرہ'' تو نہیں ہے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۴/۲۶)

وہی ہے عشق نبی میں کامل ہے، وہی ہے حب نبی کا وارث
رہ محبت میں چلتے چلتے، فنا جو انسان ہو گیا ہے

کیا ''حب نبی'' وراثت میں ملتی ہے؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۷/۲۶۔۶۴۶)

(۹) جہانِ کن سے ادھر کیا تھا کون جانتا ہے مگر وہ نور کہ جس سے یہ زندگی ہوئی ہے

''جہانِ کن'' یہ کون سا جہان ہے؟ ''یہ'' حشو ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۴۵/۲۶)

(۱۰) ''مدحتیں'' کا آغاز درج ذیل شعر سے ہوتا ہے:

اس اک نگاہ کی وسعت پہ دو جہان صدقے جسے خدا شب اسریٰ دکھائی دیتا ہے

۲۔ فکری رتاریخی تسامحات، خلاف واقعہ بیان:

(فکری رتاریخی تسامحات: تخلیق کار کے ایسے بیانات جو فکری، تاریخی یا مذہبی روایات کے حوالے سے درست نہ ہوں۔

خلاف واقعہ بیان: ایسا خیال یا بیان جو حقیقت سے تعلق نہ رکھتا ہو۔)

(۱) عزیز احسن صاحب نے صبا اکبرآبادی کے یہ اشعار مثال میں دیے ہیں:

جس کو چاہا اسے قدموں میں ترے ڈال رہا
خود مشیت بھی سمجھتی تھی ارادہ تیرا

میں انتہائی ادب سے کہنا چاہتا ہوں کہ نبی کا اپنا کوئی ذاتی ارادہ نہیں ہوتا اس کا ہر ارادہ ہر خواہش، زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ مشیت کی طرف سے وحی والقا ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/ ۶۴۸)

(۲) نہیں ہے کچھ تو ایک کھجور دیجے روزہ دار کو
مرے نبی کے پاس کیا ہے مرتبہ کھجور کا

جب ''کچھ نہیں'' تو پھر کھجور کہاں سے آئے گی؟ ''کچھ نہیں تو اک'' کہنا تھا، اسکے علاوہ شاکر صاحب نے حدیث کا مفہوم ہی الٹ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ''کھجور کا نہیں روزہ دار کا مرتبہ ہے اور وہ بھی ثواب کی خاطر'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۰)

(۳) راجا صاحب کا یہ شعر ان کے جذبِ دروں اور باطنی کیفیت کا غماز ہے اور خوب ہے اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ پڑھیے اور محسوس کیجیے۔

میں چند دن جو آقا کے شہر میں رہوں ہوں
کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے

ماشاءاللہ۔ راجا صاحب کا یہ شعر بھی بہت اچھا ہے:

محمود شکوہ رب سے تو کرتے رہے ہیں سب
لیکن کسی کو اس کے نبی سے گلہ نہیں

اس شعر پر ڈاکٹر گوہر کا اعتراض درست نہیں۔ راجا صاحب نے جو وضاحت کی اس میں یہ بات بھی شامل کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں قہاری و جباری بھی ہے جب کہ

(۱۴) عاصی کرنالی کی نعت فکر و نظر کے نئے نئے در وا کرتی ہے۔ احمد صغیر صدیقی کے حمدیہ و نعتیہ قطعات ان کی خدا اور رسول V شناسی کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کا پہلا حمدیہ اور دوسرا نعتیہ قطعہ خوب ہے۔ دوسرے حمدیہ قطعے میں ''لفظ'' آذر'' کا استعمال مناسب نہیں ہے۔ '' آذر'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی ''شمسی نواں مہینہ'' یا '' آگ، چنگاری'' کے ہیں۔ اسی سے آذر پرست کی ترکیب وضع ہوئی ہے یعنی آگ کی پرستش کرنے والا یا مجوسی... ہمارے خیال میں صدیقی صاحب نے لغوی معنی کے تناظر میں لفظ آذر استعمال نہیں کیا ہے۔ شاید انھوں نے ایک تاریخی کردار آذر، جس کا پیشہ بت گری تھا، کو بطور مشبہ بہ استعمال کیا ہے۔ جب کہ مشبہ اپنے خالق کو ٹھہرایا۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا صریحاً شرک ہے۔ اگر وہ آذر کی جگہ ''صانع'' کا لفظ استعمال کرتے، تو عیب بھی دُور ہو جاتا اور قطعہ بھی اپنے اثر و تاثیر سے محروم نہ ہوتا:

میرا آذر ہے جو وہ کیا ہوگا   میرا صانع ہے جو وہ کیا ہوگا

تسلیم الٰہی زلفی کی نعت کی نمایاں خوبی فکر و اسلوب کی تازہ کاری ہے۔

(قیصر نجفی ص،۷۵۳-۷۵۲)

(۱۵) جو تجلی منور مرے دل میں تھی   وہ پس مرگ شمع لحد ہو گئی

غزل میں تو قبر اور مرنے کے بعد حشر کے حالات کا بیان کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہے لیکن نعت میں مرنے کے بعد قبر کے حالات اور حشر میں شفاعت و کامیابی جیسی باتیں قطعی نامناسب ہیں۔ شاعر کے دل میں کون سی یا کیسی تجلی تھی جو پس مرگ شمع لحد ہوگئی؟ ''شمع لحد یا چراغ مزار'' تو تعویذ قبر کے ساتھ بنے ہوئے طاقچے میں روشن کرتے ہیں جس کی روشنی قبر میں جانا تو ممکن نہیں ہے!! شعر سے یہ بھی نہیں کھلتا کہ ''شمع لحد'' اوپر روشن ہوئی ہے یا قبر کے اندر!؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص،۶۳۱/۲۶)

(۱۶) ماہِ گیتی، آسماں کا پھول، رحمت کا نزول
جسم تھا صحرا کا لیکن روح صحرائی نہ تھی

(شبنم رومانی کے) مندرجہ بالا شعر کا یہ ٹکڑا ''جسم تھا صحرا کا'' میرے ذوقِ عقیدت کو بھلا نہیں لگا۔ میں شبنم رومانی صاحب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ میری تفہیم کے لیے وہ اس ٹکڑے کی وضاحت فرمادیں۔ ہوسکتا ہے کہ مجھے غلط فہمی ہورہی ہو۔ (ملک الظفر سہسرامی ص،۸۴۷)

کیا اس دنیائے فانی میں خدا کا دیدار ممکن ہے؟ اور وہ بھی ہر نگاہ کے لیے جو وسعت رکھتی ہے؟ شبِ اسریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا دیدار ہوا تھا۔ اگر چہ اس میں بھی علماء کا کلام ہے؟ اگر یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے تو اسکی ردیف غلط ہے۔ اسے ''دکھائی دیا تھا'' ہونا چاہئے تھا۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۷)

(۱۱) ڈاکٹر صاحب نے علامہ کے چار مصرعے اس جملے کے ساتھ درج کیے ہیں، ''ایک نعتِ پاک میں چار کے عدد سے کیا ہی مضمون آفرینی کی ہے کہ پڑھ کر دل وجد کرنے لگتا ہے۔ (صفحہ ۳۱۷)

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش وآب وخاک وباد ان ہی سے سب کا ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

اس قطعہ میں رُسل انھیں انبیا کو کہا گیا ہے جن پر کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ جب کہ رُسل میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے جن پر صحائف نازل ہوئے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام، کیا فرشتے صرف چار ہیں؟ اس کے علاوہ دین بھی چار نہیں صرف ایک ہے ''اسلام'' جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوئی ''اکملت لکم دینکم'' اِسی کا اعلان ہے۔ ''سلسلے دونوں چار چار'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا! آتش وآب وخاک وباد سے تخلیق شدہ اشیا تو فانی ہیں انھیں ثبات کہاں؟ یہاں ثبات کی جگہ وجود کا محل ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۳۸)

(۱۲) دل کو دنیا کے جھمیلوں میں الجھنے نہ دیا اس کو بس جستجوئے باغ ارم میں رکھا

محترمہ نورین صاحبہ سے التماس ہے کہ ''ارم'' کا استعمال نہ کیا کریں کہ یہ ''شداد'' کی جنت تھی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۸)

(۱۳) ماجد خلیل صاحب کا شعر:

تمثیلاً دیکھ خلد دوزخ تفصیلاً ہمیں بتانے والا

شاید ماجد صاحب ''معراج روحانی'' کے قائل ہیں جب کہ صحیح احادیث موجود ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج ہوئی تھی۔ مقصود احمد تبسم صاحب نے زمین تو اچھی تلاش کی ہے مگر اسے نبھا نہیں سکے ان کے یہاں ایسے اشعار بھی موجود ہیں: (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۴۷۔۱۴۶)

بہر کیف تنویر پھول کی کاوش قابل قدر ہے نعتیہ اشعار میں احتیاط لازم ولا بدی ہے کیونکہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو.... کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے سارے کے سارے اعمال ہی اکارت جائیں اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔''

(سعید بدر ص، ۹۱۵/۲۵۔۹۱۴)

(۱۹) نعت محبوب داور سند ہو گئی فرد عصیاں مری مسترد ہو گئی

آج کل شعرا میں یہ عجیب سی غلط فہمی بلکہ کج فہمی پرورش پا رہی ہے کہ ''نعت'' ہی بخشش کا ذریعہ ہے بقیہ تمام عبادات بے معنی ہیں یہاں تک کہ شاعر اپنے انجام کا خود فیصلہ کرنے لگا ہے، اپنی فرد عصیاں کو خود ہی مسترد کر رہا ہے جب کہ نص صریح ہے کہ انبیاء کے سوا ہر شخص کا حساب کتاب لازماً ہوگا کسی کو اس سے مفر نہیں۔ ''بخشش'' کے اس ''معیار'' پر قدغن لگنی ضروری ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۷/۲۶)

(۲۰) ہوا کے جھونکوں میں خوشبو بسی ہوئی ہے وہاں درود پڑھتا ہے اک اک شجر مدینے میں

شجر، حجر، طیور و وحوش کے تسبیح و تہلیل سے متعلق روایتیں موجود ہیں لیکن ان کے درود پڑھنے کی روایت کہیں نظر نہیں آئی !! مدینے کے شجر ہیں تو درود پڑھیں گے اور مکہ شریف کے شجر ذکر کریں گے!؟ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۷/۲۶)

(۲۱) یہ آرزو نہیں کہ دعائیں ہزار دو پڑھ کے نبی کی نعت لحد میں اُتار دو

ایسے وقت دعا کی آرزو نہ کرنا بد نصیبی کی بات ہے۔ لحد میں اتارنے کی دعا سنت ہے اس کے بجائے نعت پڑھنا خلافِ سنت عمل ہے۔

مرتبہ سارے مراتب سے ہے اونچا تیرا کون لکھ سکتا ہے قرآں سا قصیدہ تیرا

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۸/۲۶)

(۲۲) حمد تیری ہے یہاں اور شکریہ تیرا ادا ہے تو ہی معبود برحق جان تجھ پر ہے فدا

اللہ کا شکر ادا کیا جاتا ہے شکریہ نہیں! شکر کے معنی ہیں سپاس، تعریف!! شکریہ انسانوں کا ادا کیا جاتا ہے۔ ''زبان'' سے تو یہ کسی مبتدی کا شعر معلوم ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۶۳۷/۲۶)

(۲۳) شب دنیا میں ضیا تیری ہے اے ماہ عرب فرش سے عرش تلک طاری ہے ہالہ تیرا

حضور کیلئے ''اے'' کا اس طرح استعمال میرے نزدیک نامناسب ہے کیوں کہ یہ ہماری غیر منقسم ہندوستانی تہذیب کی نشانی ہے جو ''اپنوں سے چھوٹے یا کمتر شخص'' کے لیے مستعمل

(۱۷) آخری شعر میں:

خاکِ درِ رسول پر سجدوں کا ہے یہ معجزہ لمحوں میں جگمگا اُٹھی پیشانی سیاہ بھی

''سجدوں کا معجزہ'' شرعی اعتبار سے قابلِ اعتراض ہے۔ میر سیّد شریف جرجانی نے اپنی کتاب میں معجزہ کی تعریف یہ تحریر کی ہے:

المعجزة : امر خارق للعادة داعية الى الخير والسعادة مقرونة بدعوى النبوه قصد به اظهار صدق من ادعى انه منه رسول من اللّٰه۔ (''التعریفات''، ص ۱۹۵)

وہ عجیب وغریب کام جو عادتاً ناممکن ہو جسے نبی اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کرے لوگوں کو خیر وسعادت کی دعوت دینے کے لیے۔

اہلِ اصطلاح کی اس تعریف کی روشنی میں ''معجزے'' کا لفظ یہاں درست قرار نہیں پائے گا۔ مقصود احمد تبسم کی نعت کا شعر:

تنہائی کے ان رازوں پہ ہے آج بھی پردہ محبوب ومحبّ ملتے رہے غارِ حرا میں

اس کی معنویت پر ذرا غور فرمالیا جائے۔ کیا یہ اعتراض کی زد میں نہیں:

(ملک الظفر سہرامی ص، ۸۴۹۔۸۴۸)

(۱۸) تنویر صاحب کا اعتراض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک غار ''غارحرا'' میں مراقبہ فرمایا تھا اور شاعر نے ''غاروں'' استعمال کر کے مبالغہ آرائی کی ہے۔ تنویر صاحب! اہل علم وادب نے اسے ''شعری ضرورت'' کے تحت جائز قرار دیا ہے لیکن آپ سائنس کے تحت دو اور دو چار ہی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح احمد ندیم قاسمی کے حمدیہ شعر پر ان کا یہ اعتراض بظاہر درست لگتا ہے:

مگر جو سوچ لیا میں نے وہ ضرور ہوا

جب کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ:

''میں نے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا۔''

تنویر پھول کا یہ کہنا بہر حال درست اور بجا ہے کہ حمد ہو یا نعت یا منقبت ''انداز'' میں عاجزی وانکساری کی موجودگی ضروری ہے (بلکہ یہ ایمان کا حصہ ہے راقم) مشہور رہے کہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

(۲۷) وہ دلبرِ حق سرورِ کونین کہ جس کے   جبرئیلِ امیں در پہ کریں ناصیہ سائی

جبرئیل کی درِ نبی پر ناصیہ سائی کی کوئی سند ہے؟ یا پھر شعرائے کرام اپنی کرامتوں سے جبرئیل کو درِ نبی پر سجدے پر سجدے کروائے جا رہے ہیں!؟ (ع۔م۔ مسلم، ص۵۱۲)

عارف عبدالمتین کا شعر دیکھیے:

(۲۸) ترے جلو میں حدیں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں   ازل ابد سے ادھر بھی خرام کرتا ہوں

حدیں ٹوٹتی ہیں ''پھوٹتی'' نہیں! عارف صاحب بتائیں گے کہ ازل ابد سے ادھر کون سی جگہ ہے جہاں وہ خرام کرتے ہیں؟؟ (ع۔م۔ مسلم، ص۵۱۲)

(۲۹)   یہ وہ صنف ہے جس کو فرشتے ہاتھوں ہاتھ سمیٹتے ہیں

یہ وہ چیز ہے جو سرکار کو جا کر دکھائی جاتی ہے   (ڈاکٹر شعیب)

درود شریف کے تعلق سے تو سند موجود ہے کہ فرشتے درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچاتے ہیں لیکن ''صنف'' کے تعلق سے ایسی کوئی روایت یا سند!! شعراً کو کم از کم نعت میں بد احتیاطی سے بچنا چاہیے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۱۲/۲۷۔۵۱۱)

(۳۰) صفحہ نمبر ۶۴۷ پر عزیز احسن صاحب کی نعت کے اس شعر پر اعتراض کیا گیا ہے:

اے شافع امم V! ہے تمنائے عاصیاں   نوبت کبھی نہ آئے سوال و جواب کی

اعتراض ہے کہ سوال و جواب تو لازمی و ناگزیر ہیں، ان سے کسی حال مفر نہیں۔ ''شافع امم'' V پر بھی اشفاق صاحب کو اشکال ہے۔ اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۳۷۴ میں ہے کہ حضور V نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں سب لوگوں کا سردار ہوں گا...... اُس دن دنیا کے شروع سے قیامت کے دن تک کی ساری خلقت ایک چٹیل میدان میں جمع ہوگی ......سورج بالکل قریب ہو جائے گا اور لوگوں کی پریشانی اور بے قراری کی کوئی حد نہ رہے گی جو برداشت سے باہر ہو جائے گی۔ لوگ آپس میں کہیں گے، دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا حالت ہوگئی ہے۔ کیا ایسا کوئی مقبول بندہ نہیں ہے جو اللہ پاک کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرے؟...... حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیا نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ محمد V کے پاس جاؤ۔ سب لوگ آنحضرت V کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ V اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔ (اس حدیث کے آخر میں بغیر حساب کے جنت میں جانے والوں کا ذکر بھی ہے)۔ درود تاج میں بھی آپ V

ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۶)

(۲۴) میرے محبوب! کہا رب نے یہ معراج کی رات آ مرے پاس تجھے زینہ بہ زینہ دیکھوں

کیا خالد صاحب نے رب کو ایسا کہتے ہوئے خود سنا ہے؟ نبی کریم ''زینے چڑھ'' کر آسمان پر تشریف لے گئے تھے یا براق پر سوار ہو کر؟

اے شافع امم ہے تمنائے عاصیاں نوبت کبھی نہ آئے سوال و جواب کی

قبر اور عرصۂ محشر کے سوال و جواب تو لازمی و ناگزیر ہیں ان سے کسی حال مفر نہیں پھر ''عاصیوں کی تمنا'' کی اوقات ہی کیا ہے! عباد و زہاد تک اس مرحلے کو یاد کر کے لرز اٹھتے ہیں حضرت عثمان غنیؓ کے تعلق سے مشہور ہے کہ جب آپ کسی قبر سے گزرتے تو زار و قطار گریہ کرتے تھے۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ:

''موت کے بعد پہلی کٹھن منزل قبر ہے، یہاں سے بچ نکلے تو آگے خیر ہی خیر ہے ورنہ۔۔۔۔!!''

''شافع امم'' پر بحث کی گنجائش ہے۔ کچھ حضرات اسے ''رحمۃ اللعالمین'' کی طرح درست مانتے ہیں لیکن میری نگاہ میں ''شافع امم'' درست نہیں ہے کیوں کہ امم، امت کی جمع ہے اس میں یہودی، نصرانی، سکھ، ہنود سبھی شامل ہو جائیں گے۔ ان کی شفاعت کے لئے سرکار کس طرح اور کیوں سفارش فرمائیں گے؟ شفاعت کی اولین شرط تو اقرار ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے جو امت مسلمہ کے سوا کسی کی زبان پر نہیں ہے۔ پھر۔۔۔۔!؟

کھلا یہ منزل ہستی کا مجھ پہ رازِ نہاں نجات کا کوئی رستہ نہیں سوائے درود

سلیم کوثر جیسا شاعر بھی اگر درود کو عبادات پر ترجیح دے تو جائے ماتم ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۷)

(۲۵) سایۂ سرکار پر دنیا کا ہر سایہ نثار قامت اطہر پہ ہر سرو سمن صدقے کروں

بے شمار روایتیں ہیں کہ ''سرکار دو عالم'' کا سایہ نہیں تھا پھر عاصم صاحب کس سائے پر دنیا کا ہر سایہ نثار کر رہے ہیں؟ اس کے علاوہ ''سرو سمن'' سمجھ میں نہیں آیا کہیں یہ کمپوزنگ کی نذر نہ ہو گیا ہو یعنی ''سرو چمن!'' (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۸)

(۲۶) کیا میسر ہے، میسر جس کو یہ جگنو نہیں نعت کیا لکھے گا جس کی آنکھ میں آنسو نہیں

کیا جس کی آنکھ میں آنسو نہیں وہ نعت نہیں لکھ سکتا؟ نعت لکھنے کے لئے تو ''حب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی ضرورت ہے آنسو کی نہیں!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/۶۴۹)

،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فخرِ امم یا شاہِ امم صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے۔ ''خیر الامم'' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک نہیں بلکہ آپ کی امت کو ''خیر الامم'' کہا گیا ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۱۰) علامہ اقبالؒ کی نظم ''بلادِ اسلامیہ'' میں ایک شعر ہے:

سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار نظم عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

(تنویر پھول ص، ۲۵/ ۹۲۱)

(۳۳) محمد عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے

صفحہ نمبر ۱۷۱ پر استاد قمر جلالوی کے جس شعر کا حوالہ ہے اُس میں چُپ بیٹھنے اور اپنے گھر میں شرمانے کا ذکر نعتیہ ہرگز نہیں بلکہ غزلیہ ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۶/ ۶۶۰)

(۳۴) شاہِ عرب کے پیٹ پہ پتھر بندھے ہوئے دیکھے تو کوئی طرزِ معیشت حضور کی

پیٹ پر پتھر بندھے ہونے سے کون سا طرزِ معیشت ظاہر ہوتا ہے؟ اور کیا حضور ہمیشہ پیٹ پر پتھر باندھے رہا کرتے تھے!! یہ تو صرف ایک بار ''خندق'' کے موقع پر ہوا تھا اور بس!!

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۹ ـ ۶۳۸)

(۳۵) کچھ تاریخی غلطیاں بھی ہیں۔ صفحہ نمبر ۹۷ پر غزوہ ٔ خندق کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے: ''آپ کی نسبت سے ٹھہرا ہے یہ غزوہ آخری''۔ حالانکہ اس کے بعد اور بھی غزوات ہوئے ہیں مثلاً غزوہ ٔ حُنین اور غزوہ ٔ تبوک وغیرہ۔ خلفائے راشدینؓ کے دورِ حکومت کے تذکرے کے بعد پھر حیات طیبہ کے مختلف ادوار کا ذکر ہے، اگر ترتیب درست کر لی جاتی تو بہتر ہوتا۔ صفحہ ۱۹۱ پر حضرت عثمان غنیؓ کی شان میں راز صاحب کا مصرع ہے: ''گھر میں جو کچھ تھا میسر، نذر کر بیٹھے غنیؓ'' لیکن یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منسوب ہے، حضرت عثمان غنیؓ سے نہیں۔

علامہ اقبال نے اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں کہا ہے:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

صفحہ نمبر ۲۲۳ پر حضرت خالدؓ بن ولید سے پہلے ''ابن قاسم'' (محمد بن قاسم) کی سپہ سالاری کا ذکر ہے جبکہ محمد بن قاسم کا زمانہ دورِ رسالت اور خلفائے راشدینؓ کے بعد ولید بن عبدالملک کے دور کا ہے۔ صفحہ نمبر ۲۵۲ پر آخری بند کا مصرع ہے: ''ہو قبول افتد مرے آقا ! سلامِ بندگی''۔ ''ہو'' کے ساتھ ''افتد'' کا استعمال محلِ نظر ہے۔ اس کا صحیح استعمال اس فارسی مصرع میں موجود ہے: ''گر قبول افتد زہے عز و شرف''۔ (تنویر پھول ۲۷/ ۵۲۱)

کو ''شفیع الامم'' V کہا گیا ہے۔ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تمام انبیاؑ شفاعت کرنے سے انکار کردیں گے تو حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار ہونے والوں، حضرت عیسیٰؑ کے حواریین اور اصحاب کہف وغیرہ کی شفاعت کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ انبیائے سابقین پر اُن کے دور میں جو لوگ ایمان لائے ہوں گے وہ بھی مومن ہوں گے اور آپ V کی شفاعت سے بہرہ مند ہوں گے۔صفحہ نمبر ۶۴۹ پر اجمل سراج صاحب کے مصرع ''کہ دے کے آپ V کو بھیجا گیا ہدایت خاص'' پر اعتراض درست نہیں کیوں کہ ''بھیجا گیا'' 'ہدایت' کے لیے نہیں بلکہ ''آپ'' V کے لیے استعمال ہُوا ہے، اس کی نثر اس طرح ہوگی: کہ آپ V کو خاص ہدایت دے کے بھیجا گیا۔(تنویر پھول ص، ۲۷/۵۲۴)

(۳۱) جناب ریاض چودھری نے اپنے خط میں ڈاکٹر شعیب نگرامی کے مقالے کے بارے میں لکھا ہے کہ انھیں اس پر آڑے ہاتھوں لیا گیا میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی سوچ مناسب نہیں۔ ہم کو کھلے دل ودماغ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ڈاکٹر نگرامی بہر حال کوئی جاہل آدمی نہیں۔ان کی باتوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔برا بھلا مت کہیں۔ریاض صاحب نے خدا جانے کن لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے خوشامد کی ڈگڈگی بجاتے ہیں۔شاید ان کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے ڈاکٹر نگرامی کی حمایت کی تھی۔ایسی گفتگو موثر نہیں ہوتی۔ریاض چودھری صاحب نے ایک شعر لکھا ہے:

بعد مرنے کے چلے جائیں گے سب سے چھپ کر　　ایک گھر ہم نے مدینے میں بنا رکھا ہے

اس شعر سے تو یوں لگتا ہے جیسے مدینے میں جو گھر بنایا گیا ہے وہ کوئی چرچ وغیرہ ہے اس میں شاعر چھپ کر جانے کی بات کر رہا ہے۔عجیب سا شعر ہے۔ایسے شعر بظاہر بھلے لگتے ہیں لیکن جب ان میں اترا جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ شعر ہے کیسا۔اور یہ کام ہما شما کا نہیں ہوتا۔تنقید کی اہمیت بھی اسی لیے ہے۔نعت کے اشعار غور وفکر چاہتے ہیں۔(احمد صغیر صدیقی ص،۲۵/۸۹۷۔۸۹۶)

(۳۲) ڈاکٹر محمد طاہر قریشی کا مقالہ ''نعت اور نعتیہ عناصر'' ایک وقیع تحریر ہے جس پر موصوف مبارک باد کے مستحق ہیں۔صفحہ نمبر ۴۷۴ پر نعت کا ایک شعر ہے:

رحمۃ للعالمیں! ، خیر الامم　　آپ ہی کا سب سے اونچا ہے علم

اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خیر الامم'' کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے جو درست نہیں

کتابیات

(ا) ''اردو شاعری میں نعت'' سے ماخوذ کتب:

''اردو شاعری میں نعت'' ہر دو جلد میں کتابت کے اغلاط مالک مطبع کی لاپروائیوں کی وجہ سے بہ کثرت در آئے ہیں۔ کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء''، میں نے خود طبع کروائی تھی، اس لیے اس میں اغلاط کتابت کم ہیں۔ یہاں پر اس امر کا انکشاف بھی کرتا چلوں کہ پاکستان میں ''اردو شاعری میں نعت'' بہت کم لوگوں کے پاس ہے۔ کیوں کہ نسیم بک ڈپو لکھنؤ میں آتش زدگی کی وجہ سے کتاب مذکور کے سارے نسخے بجز ان پچاس کے جو راقم کے پاس تھے، جل کر خاکستر ہو گئے۔ (ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد ص ۱۰۲)

''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' پر متعدد جرائد و رسائل نے تبصرے شائع کیے تھے۔ ''معارف'' کے مئی ۱۹۹۰ء کے شمارے میں بھی اس کتاب پر نقد و تبصرہ شائع ہوا تھا۔ ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' میں اس بات کا ذکر ہے کہ راقم نے ''اردو شاعری میں نعت'' پر کب سے کام کرنا شروع کیا تھا اور یہ کہ راقم کو اس موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لکھنؤ یونی ورسٹی نے ۱۹۸۴ء میں تفویض کی تھی۔ پروفیسر شفقت رضوی نے ''نعت رنگ'' کے دسویں شمارے کے صفحہ ۴۰ پر خود ہی رقم فرمایا ہے کہ ''تحقیقی نقطۂ نظر سے غیر مطبوعہ تحریر بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔'' محترمی و مکرمی ڈاکٹر ریاض مجید اور مشفقی و مخلصی ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی صاحبان کی گراں قدر کتابوں کے منظر عام پر آنے سے پیش تر راقم کی تینوں کتابیں یعنی ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء''، ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل اور ''اردو شاعری میں نعت'' جلد دوم حیطۂ تحریر میں لائی جا چکی تھیں، ان تینوں کتابوں کا مخرج تحقیقی مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' ہے۔ راقم کا یہ مقالہ ۱۹۸۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچ کر ۱۹۸۲ء میں یونیورسٹی میں داخل کیا جا چکا تھا۔ جب کہ ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ کی تکمیل بہ قول پروفیسر شفقت رضوی ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔ (ملاحظہ ہو ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۰ صفحہ ۹۵) اور ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری رانچی یونی ورسٹی سے ۱۹۸۷ء میں تفویض کی گئی تھی۔ (ملاحظہ ہو، ماہنامہ ''کتاب نما'' دسمبر ۱۹۸۷ء جلد ۲۷، شمارہ ۱۲، ص ۸۵، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی) ۱۹۹۲ء تک راقم کو ان دونوں

(۳۶) مظہر صدیقی صاحب کی نظم میں بھی کئی خامیاں ہیں۔

عرب کی سرزمیں تپتے ہوئے پیتل کی صورت تھی
وہ دن کی روشنی میں ہول ناک آتش کی مورت تھی

میرے علم کے مطابق دورِ جہالت میں ''پیتل'' کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ ''تانبے'' کا ذکر روایات میں موجود ہے کہ قیامت میں جب سورج سوا نیزے پر آئے گا تو زمین تپ کر تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گی۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص ۱۴۴۔۱۴۳)

(۳۷) ہم بھی آپ کی امت ہیں، ہم بھی آپ سے بیعت ہیں
اس خوش اقبالی پر اتنا کم ہے جتنا ناز کریں

اُمت ہیں؟ یا اُمت میں ہیں یا اُمتی ہیں؟ پاکستان میں تو تصوف کی روایت بڑی مضبوط ہے۔ شاعر کو کسی سالک یا پیر طریقت سے معلوم کر لینا چاہیے تھا کہ ''بیعت'' کس سے اور کس طرح کی جاتی ہے! میرے علم کے مطابق بیعت صرف باحیات مرشدین سے ہی کی جاسکتی ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۶/ ۶۳۰)

(۳۸) رہتا ہے انتظار میں مشغول رات دن بے روزگار آپ کا بیکار آپ کا

یہ تو خلافِ واقعہ، غلو یا کذب بیانی ہے شاعر کے لیے رات دن کی ایسی مشغولی تو ممکن ہی نہیں ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۹)

(۳۹) دم اخیر جو ٹوٹی ہے ڈور سانسوں کی شفیع حشر کا لب پر مرے قصیدہ رہا

کیا مولانا قمر نے یہ شعر مرتے وقت کہا ہے؟ غزل میں تو عاشق مرنے کے بعد بھی غزلیں کہتا ہے لیکن نعت میں خلافِ واقعہ مضمون نظم کرنا کسی صورت مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شعر ایسا ہوتا تو اعتراض کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دم اخیر اگر ٹوٹے ڈور سانسوں کی شفیع حشر کا لب پر مرے قصیدہ رہے

(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۲۸)

(۴۰) ظہور کرتی ہے جس دم سحر مدینے میں اذانیں دیتے ہیں دیوار و دَر مدینے میں

خلافِ واقعہ شعر ہے ''اذانیں'' دینے کی بجائے ''چمک سے اٹھتے'' جیسا کوئی ٹکڑا چاہیے تھا۔ ویسے بھی یہ نعت کا شعر نہیں ہے۔ (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۲۶/ ۶۳۷)

☆☆☆

مقدس موضوع سے متعلق ہے اور اس کا موضوع ہے ''اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' اس مقالہ کے علاوہ نعت کے موضوع پر کانپور یونیورسٹی سے اب تک تین مقالوں پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جا چکی ہے یہ تینوں مقالے میری نگرانی میں لکھے گئے ہیں، جن کی تفصیل مرقومہ ذیل ہے۔

(۱) ڈاکٹر نگار سلطانہ، بیسوی صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، تعداد صفحات ۴۶۵۔

(۲) ڈاکٹر شکیلہ خاتون، اردو نعت کا صنفی و ہیتی مطالعہ، تعداد صفحات ۵۲۶۔

(۳) قریشہ بانو، ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعت کا تقابلی مطالعہ، تعداد صفحات ۵۲۸۔

محترمی محمد اظہار نے اردو کے حمدیہ سرمایہ پر ''اردو میں حمد نگاری کی روایت'' کے موضوع پر اسی یونیورسٹی سے میری زیر نگرانی اپنا تحقیقی کام مکمل کرلیا ہے۔ ان کا یہ مقالہ کتابت کی منزل عبور کر کے مجلد ہو چکا ہے اور داخلہ کا منتظر ہے۔ ''اردو نعت کے موضوعات کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' موضوع پر میری نگرانی میں محترمہ شمیم اختر خاتون اپنا تحقیقی کام تیزی سے مکمل کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ (ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد ص، ۱۰۴۔۱۰۳)

(۳) 'اردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقا':

راقم الحروف اردو نعت کے ساتھ والہانہ شیفتگی رکھتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ راقم نے پی ایچ۔ ڈی کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ 'اردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقا' کے موضوع پر ہی تحریر کیا ہے، جس پر راقم کو ۱۹۹۷ء میں کشمیر یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔ اب تک راقم کی ایک کتاب (اردو کے ۲۵ نعت گو شعرا: ولی دکنی سے صلاح الدین پرویز تک، صفحات ۳۲۰، سالِ اشاعت ۲۰۰۲ء) اور ۱۵ سے زائد مقالے نعتیہ موضوعات پر شائع ہو چکے ہیں۔ ایسے میں راقم جیسے نعتیہ ادب کے طالب علم کے لیے 'نعت رنگ' کی اہمیت وافادیت اور اس کے ساتھ والہانہ وابستگی کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ (جوہر قدوسی ص، ۲۷۰)

(۴) ''مفتی اعظم ہند نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری''

آپ کو اطلاع دیتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے ''مفتی اعظم ہند نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری'' پر ڈاکٹر امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی اورنگ آباد دکن سے پی ایچ۔ ڈی مکمل کرلیا

مقالوں کی طباعت واشاعت کی بات معلوم نہ تھی، صرف ان مقالوں پر ڈگریاں تفویض کیے جانے کی اطلاع تھی۔ (ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد ص،۱۰۰)

راقم کے مقالے سے ماخوذ دوسری اور تیسری کتاب یعنی ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل وجلد دوم کی طباعت واشاعت کی تکمیل کی نوبت ۱۹۹۲ء میں آئی تھی۔ راقم نے اپنے مقالے سے ماخوذ ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل کے دیباچہ میں صفحہ ۱۴ پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ راقم کو محولہ بالا دونوں مقالوں کی آ گاہی ہے، لیکن اس کو یہ دونوں مقالے تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل پائے۔ تقدم زمانی کتابت سے طے ہوگا نہ کہ اشاعت سے۔ راقم نے معرض بحث کتاب کے اسی صفحہ پر یہ اعتذار بھی رقم کر دیا تھا کہ اس مقالے یعنی کتاب ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل میں عربی وفارسی کی نعت گوئی پر بہ طور پس منظر کچھ نہیں لکھا گیا۔ نعت کی لغوی واصطلاحی تشریح اور اس کی تحقیق وتنقید اور اس کا تعارف بھی نہیں پیش کیا گیا، کیوں کہ ان موضوعات پر راقم کا مبسوط مقالہ ''نعتیہ شاعری کا ارتقا (عربی وفارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) دسمبر ۱۹۸۸ء میں فائن آفسٹ ورکس الٰہ آباد سے طبع ہو چکا ہے۔''

یہ بات پراز واقعیت وحقیقت ہے کہ راقم کی کتاب ''اردو شاعری میں نعت'' پر لکھا گیا ہر وہ تجزیہ یا تبصرہ جو نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' سے اغماض کر کے لکھا گیا ہوا ناقص، ادھورا اور نامکمل ہوگا۔ راقم کے تحقیقی مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' مدخلہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں نو ابواب ہیں، جن میں کے تین حسب الحکم مرحوم ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' میں، تین ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل میں اور بقیہ تین ابواب ''اردو شاعری میں نعت'' جلد دوم میں مشمول ہیں۔ نعت سے متعلق ساری عمومی بحث ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' میں دس ضمنی عنوانات کے ساتھ مشمول ہیں۔ لفظ ''نعت'' نبی ختمی مرتبت V کی زبان اقدس سے اسی متعارف مفہوم میں مستعمل ہوا ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف راقم نے اسی کتاب کے اسی بات میں کیا ہے اور مکمل حدیث بہ روایت حضرت انسؓ بن مالک مع حوالہ نقل کی ہے۔ راقم نے اس باب کا عنوان ''نعت: تحقیق وتنقید'' رکھا تھا۔ (یہ عنوان ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' کے پہلے باب کے نیچے صفحہ ۱ پر مندرج ہے) کتاب کی اشاعت ۱۹۸۸ء میں ہو چکی ہے۔ (ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد ص،۱۰۱)

(۲) ''اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ''

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میری شریک حیات کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی نعت کے

میں کشفی صاحب کے حوالوں اور یادوں کے سہارے ماضی میں چلا گیا اللہ تعالیٰ منشی محمد عاشق علی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنھوں نے مولود شریف کی ایسی کتاب لکھی کہ عشقِ رسول V اہلِ ایمان کے دلوں میں بسا گئی۔ یہ ۱۲۹۶ھ میں ۱۳۰ سال قبل مطبع گلزارِ محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور میری والدہ بواجی صاحبہ کو لفظاً لفظاً یاد تھی جو شمع میرے والد حضرت شاہ محمد اسمٰعیل میاں فاروقی چشتی اور میری والدہ بواجی صاحبہ نے میرے ننھے سے دل میں روشن کی تھی، وہ میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ رسول V سے محبت کا جو بیج میرے دل میں بویا گیا تھا، وہ تناور درخت بن گیا ہے جس کی بدولت میں نے سیرتِ رسول V پر چار کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ نبی کریم V کی حیاتِ پاک پر چھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب ہے، اس کتاب کو حکومتِ پاکستان نے سیرت ایوارڈ سے نوازا، رائٹرز گلڈ ایوارڈ عطا ہوا، ساکنانِ کراچی کی ایک تنظیم نے نشانِ فضیلت دیا اور اب تک اس کے گیارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری کتاب 'شفیق و مہربان نبی V' ہے جو روزنامہ 'جنگ' کے مذہبی صفحے پر شائع شدہ میرے مضامین کا مجموعہ ہے۔ تیسری کتاب 'شانِ نبی V' ہے جو نبیِ پاک V کی فضیلت اور آپ V کے مقامِ رسالت کا بیان ہے اور یہ اُن تقاریر کا انتخاب ہے جو مختلف محافل میں احقر نے حضور V کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت کے طور پر پیش کی تھیں۔ چوتھی کتاب ''نبیِ پاک حضرت محمد V'' ہے یہ اُن نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لیے ہے جو انگریزی اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ اہم تاریخی واقعات کے تناظر میں تحریر کی گئی ہے۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ماحول اور تربیت ہوتی ہے جو دلوں میں منظروں کو جنم دیتی ہے۔ نبی کریم V سے محبت اور ان کے ذکر سے جو روشنی دل و دماغ میں فروزاں ہوتی ہے وہی فقیرِ راہ کو اسرارِ مسلمانی کا خوگر بناتی ہے اور یہی وہ سرِّ نہاں ہے جو ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی سے کہلاتا ہے:

''جس ذاتِ گرامی کی تشریف آوری مومنوں کے لیے نعمت ہے، جس کی نبوت انسانوں کے لیے نعمت ہے، اُس کا ذکر بھی نعمت ہے اور نعمت کے اعتراف کی ایک شکل ہے واما بنعمت ربک فحدث۔ (سورۃ الضحیٰ) اور ذکرِ رسالت مآب V کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس سورہ سے سورۃ الناس یعنی اختتامِ قرآن تک سورہ کی تلاوت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے۔ حضور V کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے اعترافِ کبریائی کی ایک صورت ہے۔ یہ وہی بات ہے

ہے۔ میری ۱۶ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ایک نعتیہ دیوان لمعات بخشش اور صنعت تشطیر پر ایک شعری مجموعہ تشطر یات بخشش منظرِ عام پر آچکا ہے۔ انشاء اللہ PDF فائلز اور مضامین بھیجوں گا۔
(محمد مشاہد حسین ص، ۷۹۸)

(۵) 'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب':

'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب' میں کشفی صاحب کا سفر جاری ہے اور یہ ایک ایسا سفر ہے جو تاابد جاری رہے گا۔ یہ ہندوستان میں نقش بندیوں، چشتیوں، سہروردیوں اور قادری خانقاہوں کی روایت ہے جو سینہ بہ سینہ ظاہر اور باطن میں نورفشاں ہے اور اہلِ ایمان کے خون میں گردش کر رہی ہے۔

کشفی صاحب نے جس ماحول کا نقشہ کھینچا ہے، یہ صرف اُن کے گھرانے اور شہر کا نقشہ نہیں ہے، یہ ہندوستان میں مسلمان گھرانوں کی تہذیب کا نقشہ ہے، مجھے یاد ہے میں نے بدایوں کے ایک قصبے شیخو پور میں آنکھ کھولی، یہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی اولادوں کی بستی ہے۔ یہاں فریدیہ پٹاری ہے اس کی عمارت پاک پتن میں بابا فریدؒ کے مزار سے مشابہ ہے اور اس میں خوب صورت شیشے لگی چوبی الماری ہے۔ جس میں بابا فریدؒ کے تبرکات محفوظ ہیں اور محرم کی ۵ تاریخ کو ان تبرکات کی زیارت اس خاندان کا بزرگ ترین اور اہلِ علم شخص کراتا ہے۔

جب ربیع الاوّل کا چاند نظر آتا، ننھے میاں کے چھتے میں نعت خوانی کی محفل آراستہ کی جاتی، ذکرِ رسول V ہوتا، مولود شریف کی ایک کتاب ''کحل البصر فی ولادت خیر البشر'' سے اقتباس ہر روز پڑھ کر سناتے، اُس کے وہ شعر جو مجھے یاد رہ گئے ہیں، وہ بھی اس لیے کہ میری والدہ بواجی صاحبہ مسیت النسا بیگم یہ شعر اکثر یہاں پاکستان آکر بھی سناتی رہتی تھیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

جس نے اصحابِ باصفا کو دیکھا — اُس نے گویا کہ مصطفٰی کو دیکھا
اور جس کی نظر پڑے نبی پر باللہ — اُس نے تو بعینہٖ خدا کو دیکھا

شعر فہمی کا تعلق براہِ راست شعری حسیت سے ہوتا ہے اور یہ ہر سخن فہم کی الگ ہوتی ہے، کم تر سطح سے کچھ اور نظر آتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ قطرے میں قطرہ بھی نظر نہیں آتا، لیکن شعری حساسیت کا ایک وہ مقام ہے کہ قطرہ گہر نظر آنے لگتا ہے یا پھر قطرے میں سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے، ۱۲ ربیع الاوّل کے دن بڑی دھوم دھام ہوتی۔ کھانے کھلائے جاتے، شیرینی تقسیم ہوتی، کچھ یہی کیفیت زنانی محافل کی ہوتی اُن دنوں پوری بستی لوبان اور اگربتیوں کی خوش بو سے معطر ہوتی۔

جس لیے جو پڑھے وہ حاصل ہو　　　ہے یہ عقدہ کشا درود شریف

حضرت ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی ایک ولی صفت انسان ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ولی ہیں۔ صاحبِ علم وعرفان ہیں۔ ساری زندگی علم کی دولت بانٹتے گزری ہے، عاجزی وانکساری اُن کا طرۂ امتیاز ہے، زمانے میں ایسے صاحبِ علم اور صاحبِ فکر کم ہوتے ہیں، حق کہنے سے چوکتے نہیں وہ ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ خانقاہی سلسلے کی کڑیوں میں پروئی ہوئی شخصیت ہیں وہ خانقاہیں آج کی خانقاہیں نہ تھیں یہ تو سجدہ گاہیں ہیں انسانوں کو انسانوں کے غلام بنانے کا نظام ہے وہ خانقاہیں علم کا مرکز تھے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے اور مومن سازی کے ادارے جیسا کشفی صاحب کے اس مضمون سے پتا چل ہی گیا ہوا۔ (سلیم یزدانی ص، ۴۴۵-۴۴۲)

(۶) ''نعت میں کیسے کہوں!'':

''نعت میں کیسے کہوں!'' ایک سوال مع جواب ہے ہم تو پروفیسر محمد اقبال جاوید کی عبارت آرائی بلکہ طرز مرصع کے پرانے قتیل ہیں بار بار اس طرز خاص کو اپنانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے میرا خیال ہے عطا حسین خان تحسین بھی نو طرز مرصع کا جدید ایڈیشن تیار کرنا چاہیں اور محمد حسین آزاد ''آبِ حیات'' کی سبیل لگانے پر اصرار کریں یا خلیل جبران نثری شاعری میں الہامی شاعری دہرانا چاہیں تو بھی پروفیسر صاحب موصوف کی اس تصنیف کے آگے سپر ڈال دیں یہ ہم جیسے اردو سیکھنے والوں کے لیے مفید بلکہ مجرب ہے۔ لیکن یہ احساس ہوتا ہے کہ مندرجات اور عنوان کے درمیان کچھ فاصلہ زیادہ ہے۔ (شفقت رضوی ص، ۴۹۴)

(۷) ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'':

جناب عزیز احسن صاحب کی تصنیف ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کا مطالعہ کرنے بیٹھا تو موصوف کے دیباچے ہی میں الجھ کر رہ گیا اور محض اسی دیباچے ہی پر اعتراض نام بھی ترتیب پا گیا ۔ایسے نقطہ نظر اور ادبی اسلوب کی اصلاح ضروری ہے بعض حضرات نے ان کے اس تحریری مقاصد پر اثباتی فیصلے کا اظہار کیا جبکہ میں قطعی متفق نہیں مطالعہ کرنے کے بعد آپ خود ہی اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اگر آپکے نزدیک کوئی وجہ مانع نہ ہو تو ادارتی فریضے کے تحت شائع کر کے ممنون فرمائیں۔ انشاء اللہ دوسرا تازہ مضمون بھی جلد ہی ارسال کردں گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(سید شمیم احمد گوہر ص، ۵۱۸)

جو اس شعر میں کہی گئی ہے:

اور جس کی نظر پڑے نبی پر باللہ　　　اُس نے بعینہٖ خدا کو دیکھا

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بعد حضور V کی ذاتِ کامل واکمل ہمہ جہت و ہمہ صفات ہے۔ جس نے آپ V کو دیکھا تو اُسے باور آیا کہ اللہ ایک ہے۔ میلاد النبی کے جلسے اور نعت کی محفلیں مسلم تہذیب کی شان دار روایت ہے۔ اس سے حضور V کی محبت آپ V کے اخلاقِ حسنہ، آپ V کی حیاتِ پاک دلوں و دماغ پر نقش ہوتی ہے اور اللہ کا وہ تصور جو حضور V نے پیش کیا، بندہ اُس کے قریب تر ہو جاتا ہے اور اللہ کی ذات و صفات عظیم تر ہو جاتی ہے۔ اگر رسول V کو راضی کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں، مصطفیٰ V کے غلاموں سے خود راضی ہو جائے گا۔

کشفی صاحب کی یادوں کی چاندنی دلوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی ہے، حقیقت کا اعتراف ہے، تہذیب کا بہاؤ ہے، حبِ رسول V کا رچاؤ ہے، یہ ایک دعوت ہے، مصلحتوں سے پاک ہے، بلندیوں اور رفعتوں کو چھونے کے لیے ہمارے پاس ایک ہی نسخۂ کیمیا ہے
۔... نگا ہے یا رسول اللہ نگا ہے...

بچپن اور بچپن کے احساسات سچ کا مظہر ہوتے ہیں، جھوٹ اور فریب سے کوسوں دُور۔ میں نے شیخو پور میں ننھے میاں کے چھتے میں جس محفلِ میلاد کا ذکر کیا ہے وہاں تہجد کی نماز کے بعد درود شریف کا بلند آواز میں ذکر ہوتا تھا اور اختتام، سلام پر ہوتا تھا:

السلام اے حضرت خیر الانام　　　السلام اے سرورِ عالی مقام
السلام اے مہرِ ایماں السلام　　　السلام اے ماہِ عرفاں السلام

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

کشفی صاحب کی یادیں ایک بھرپور اظہار ہے اُس تہذیب اور تہذیبی رویوں کا جن کو جب مسلمانوں نے چھوڑا، دامنِ مصطفیٰ V چھوٹا اور جب دامنِ مصطفیٰ V چھوٹا تو رب روٹھا۔ کشفی صاحب کے دل میں اس اُمت کا جو درد ہے، کاش اللہ تعالیٰ اُس کا سوواں حصہ بھی اُمت کو دے دے تو ہر طرف دینِ محمدی کا پرچم لہرانے لگے:

ہر مرض کی دوا درود شریف　　　دافعِ ہر بلا درود شریف
ورد جس نے کیا درود شریف　　　اور دل سے پڑھا درود شریف

کے سلسلہ میں جو عظیم کام شروع کیا ہے وہ قابلِ صد تحسین ہے انھوں نے ایک ضخیم دیوان غالب نعت و منقبت مرتب کیا ہے جو ۸۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اس میں غالب کی تمام فارسی نعتیں شامل ہیں۔ مجموعی طور پر نعتیہ اشعار کی تعداد ڈھائی سو سے زائد ہے اکثر اشعار کا مفہوم اردو میں دے دیا ہے مگر بہت سے اشعار کو اس عمل سے محروم رکھا گیا ہے اب جب کہ فارسی داں طبقہ برائے نام رہ گیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ فارسی کلام کو سمجھنے کے لیے اردو مفہوم سے کام لیا جائے ڈاکٹر صاحب موصوف اسے بخیر وخوبی کر سکتے تھے کہ وہ فارسی کو اہلِ زبان کی طرح بولتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ ''نعت رنگ'' غالب کی فارسی نعتوں کا اردو منظوم ترجمہ کروا کر اسے اہتمام سے شائع کرے غالب کی فارسی مثنوی ''ابر گوہر بار'' کا ایک طویل حصہ نعتیہ اشعار پر مشتمل ہے یاد پڑتا ہے اس کا اردو منظوم ترجمہ مرحوم رفیق خاور نے کیا تھا اور انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔ (شفقت رضوی ص، ۴۹۵)

(۱۰) ''فہرست کتب نعت لائبریری''

''فہرست کتب نعت لائبریری'' ایک اہم جدت ہے اوّل تو نعت لائبریری خود ایک جدّت ہے قابل تحسین ہیں وہ حضرات جنھوں نے بے سروسامانی میں ذوق کی تکمیل کی کوشش کی یہ عمل ان کی ہمت و حوصلہ، لگن اور خلوص کی نشان دہی کرتا ہے اور صاحب وسیلہ، ظاہر پرست نمود و نمائش کے خواہاں صاحبان ثروت کے منہ پر طمانچہ ہے جو شخص لائبریری اپنی دولت مندی کی نمائش کے ساتھ بے جا صاحب ذوقِ علم و ادب ہونے کی شباہت کے طور پر رکھتے ہیں حالاں کہ ان لائبریریوں کی کتابیں کبھی کھول کر دیکھی بھی نہیں گئی ہوتیں۔ نعت لائبریری کا تصور اعلیٰ ذہنی اور روحانی خلوص کا نتیجہ ہے۔

اس سلسلے میں پہلے راجا رشید محمود اور غوث میاں کے نام سننے میں آئے ہیں یہ میری بدنصیبی ہے کہ کبھی ان سے استفادہ کا موقع نہیں ملا اب نعت ریسرچ سینٹر نے بھی اس نوع کی لائبریری قائم کی ہے ان تمام لائبریریوں کی فہارسِ کتب تیار ہو جائیں تو محقق حضرات کی رہنمائی کے لیے ادبی ماخذ بن جائیں گی ہم محمد یوسف ورک صاحب قادری کی خدمت میں سپاس گزار ہیں کہ ان کی محنت اور کاوش سے شاہدرہ نعت لائبریری کا قیام عمل آیا ہے اور اس بات کے لیے بھی سپاس گزار ہیں کہ انھوں نے فہرست بھی مرتب کر دی۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ موجود کتب کی نسبت سے مطلوبہ کتب کی تعداد کم نہیں ہے یہ صاحبان تصنیف اور ناشرین کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ (شفقت رضوی ص، ۴۹۶)

(۸) ''نعت رنگ اہلِ علم کی نظر میں'':

''نعت رنگ اہلِ علم کی نظر میں'' یہ ''نعت رنگ'' کے لیے ایک توصیف نامہ ہے اس میں اہلِ علم کی آرا و قیع اور ''نعت رنگ'' کی اہمیت کو اجاگر کرنے والی ہیں البتہ اہلِ علم کے درمیان ''نااہلِ علم'' بھی ہیں۔ مثلاً شفقت رضوی! کیا اچھا ہوتا اگر صراحت کی جاتی ''اہلِ علم اور نااہلِ علم کی نظر میں'' کتاب کو مرتب کرنے میں بڑی محنت کی گئی ہے اور مطبوعہ تحریروں سے زیادہ غیر مطبوعہ تحریروں کا وزن ہے۔ (شفقت رضوی ص ۴۹۴)

(۹) ''اشاریہ نعت رنگ''

''اشاریہ نعت رنگ'' کئی کوششوں کے بعد ایک جامع اشاریہ ہے غالباً ''نعت رنگ'' کے اوّلین اشاریہ لکھنے کی بدعت میرے قلم سے ہوئی تھی جس کا تکملہ سہیل شفیق نے کر دیا ہے اور ہم سے زیادہ محنت سے کیا ہے اور سابقہ تمام کاوشوں پر سبقت لے گیا ہے۔ اس کا مقدمہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے لکھا ہے حسبِ عادت اس کی ابتدا مولانا ابوالکلام آزاد سے ہوئی ہے اور اختتام بھی مولانا ابوالکلام آزاد ہی پر ہوا ہے انھوں نے اشاریہ نویسی کے سلسلہ میں اہم کاوشوں کا ذکر کیا ہے لیکن غالباً مقدمہ عجلت میں لکھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض اہم کڑیاں ذکر سے محروم رہیں، مثلاً ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا اشاریہ حسرت موہانی کے رسالہ ''اردو معلی'' جو رسالہ ''برہان'' دہلی میں سولہ اقساط میں شائع ہوا ان کے علم میں ہے مگر اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

''غالب اور ثنائے خواجہ''

صبیح رحمانی کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اپنی کہی ہوئی نعتوں کی وجہ سے مقبول ہیں یا ''نعت رنگ'' کے شائع کرنے کی وجہ سے مشہور ہیں اب انھوں نے ادارت کا قلمدان بند کر کے ترتیب و تدوین کا کام بھی شروع کر دیا ہے اب نئے نئے شعبوں کی تلاش میں ہیں کہ اپنے جوہر دکھلائیں۔ مؤلف نو کی حیثیت سے انھوں نے ''غالب اور ثنائے خواجہ'' پیش کر دی ہے ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے ان مضامین کا مجموعہ جن میں غالب کی نعت گوئی کو موضوع بنایا گیا ہے مضامین وقیع اور جان دار ہیں مگر موضوع اتنا وسیع ہے کہ ابھی تشنگی باقی ہے اردو میں چیدہ چیدہ اشعار نعتیہ ہیں مگر فارسی میں بھرپور نعتیں ہیں ان کی فارسی نعتوں کا جس قدر ذکر اس کتاب میں ہونا چاہیے تھا نہیں ہے ہمارے محبِّ محترم ڈاکٹر سید تقی عابدی مقیم ٹورانٹو نے مذہبی لٹریچر کی اشاعت نو

توجہ اور نہ ہی صدق دلی سے پڑھا ہے ورنہ وہ جن بحرانوں کا شکار ہوئے، صدق دلی اور توجہ سے پڑھ لینے کی صورت میں وہ ان بحرانوں سے محفوظ رہتے۔ میں نے خورشید ناظر صاحب کی اس تحریر کو بار بار پڑھا ہے مجھے اس تحریر کے ایک لفظ سے بھی ثابت نہیں ہوا کہ شاعر نے اس قدر اہم اور عمدہ کتاب مولانا شاکر صاحب کی فرمائش پر تحریر کی بلکہ وہ تو لکھتے ہیں کہ روضہ رسول V پر حاضری کے وقت انھوں نے دعا مانگی کہ ان سے کوئی ایسا کام لیا جائے جو آپ کو پسند ہو اور جس کے باعث وہ آپ کی شفاعت کے حق دار بن جائیں۔ اسی تحریر کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب یہ کتاب مکمل ہوگئی اور شاکر صاحب کو اس کے مکمل ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے شاعر سے رابطہ قائم کر کے اس کتاب کی اشاعت کی خواہش کا اظہار کیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ فاضل تبصرہ نگار پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب کے لیے دل میں کوئی ''خصوصی جذبات'' رکھتے ہیں جن کے زیر اثر انھوں نے ان کا نام آتے ہی غیر حقیقت پسندانہ الفاظ کی تلوار سونت لی اور اپنے تئیں جناب شاعر، پروفیسر شاکر صاحب، ''الرحیق المختوم'' اور زیر تبصرہ کتاب میں شامل مواد کو زخم زخم کرنے کے درپے ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سوائے ہوا میں تیغ زنی کرنے کچھ بھی نہ کر سکے بلکہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس کارروائی میں بحیثیت تبصرہ نگار اپنی شخصیت اور غیر جانب داری ہی کو مجروح کر سکے۔

فاضل تبصرہ نگار نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ شاعر نے اپنی کتاب کا نوے فیصد مواد ''الرحیق المختوم'' سے لیا۔ اگر ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ فاضل تبصرہ نگار نے بجا فرمایا تو ان سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ خود صاحب الرحیق المختوم یا کسی بھی سیرت نگار نے اپنی کتاب کا مواد کہاں سے لیا؟ جب سیرت پاک کی سبھی کتب اپنا چراغ روشن کرنے کے لیے اس سے پہلے روشن ہونے والے چراغوں سے استفادہ کرتے ہیں تو ایسے میں خورشید ناظر نے کون سا گناہ کر لیا۔ سیرت کی کسی بھی کتاب کو اٹھا لیجیے، آپ دیکھیں گے کہ وہ مواد جو اس کتاب میں شامل ہے وہ تقریباً سبھی دوسری کتب میں موجود ہے۔ سیرت پاک کی کون سی کتاب ہے جس میں زمانۂ جہالت، عرب کی تاریخ، آپ کا خاندان، دنیا میں آپ کی تشریف آوری، آپ کا بچپن، آپ کی جوانی، آپ کی مصروفیات، آپ کا کردار، آپ کی عبادات، آپ کو نبوت کی عطا، تبلیغ، مشکلات، ہجرت، مدنی زندگی، غزوات، فتوحات، ازواج مطہرات وصحابہ کرامؓ، دین حق کو پھیلانے میں آپ کی کوششوں، ان کی کامیابی، آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے وغیرہ جیسے موضوعات شامل

"Reverence Unto His Feet" (۱۱)

اور آخر میں سب سے اہم کتاب ہے صبیح رحمانی کی نعتوں کا انگریزی ترجمہ "Reverence Unto His Feet" ہم پہلے ہی صبیح رحمانی کی نعتوں کی سحر کے اسیر تھے اب سارہ کاظمی کے انگریزی ترجمے نے اس دام کو مزید مضبوط کر دیا ہے اردو شاعری کے ترجمے تو ہماری نظر سے گزرے ہیں لیکن نعتوں کا کوئی ترجمہ اب تک دیکھنے کو نہیں ملا۔ سارہ کاظمی کو اس سلسلہ میں تقدم کا شرف حاصل ہے۔ یہ ترجمہ انھوں نے اصل مفہوم میں ڈوب کر کیا ہے۔ اس میں تخلیقی شان پیدا ہو گئی ہے۔ اندازہ ہوا کہ انھیں انگریزی زبان پر کامل عبور حاصل ہے اور وہ ہر قسم کے مضامین کو اس زبان میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی ہے ایک بات اس میں ہمیں یہ بھی نظر آئی کہ جہاں عربی یا مذہبی الفاظ واصطلاحات استعمال کی ہیں تو ان کا صحیح تلفظ من وعن لکھا ہے۔ دوسرے لکھنے والوں کی طرح الفاظ کا حلیہ نہیں بگاڑا ہے اب ہم حیران ہیں اس کتاب کے لیے صبیح رحمانی کو تحسین کے لائق سمجھیں یا محترمہ کی خدمت میں کلماتِ تحسین گزاریں یہ ایک اہم کاوش ہے شاعر کو غیر اردو دنیا میں متعارف کروانے کی لاجواب کوشش ہے۔ (شفقت رضوی ص ۴۹۶)

(۱۲) ''بلغ العلیٰ بکمالہ'':

میرا نام ڈاکٹر منور غازی ہے۔ ایک مدت سے سعودی عرب میں مقیم ہوں۔ ''نعت رنگ'' کا قاری ہوں۔ چند روز کے لیے پاکستان میں آیا ہوا ہوں۔ سیرت پاک، تاریخ، ادب خصوصاً شاعری میرے پسندیدہ موضوع ہیں۔ تفہیم کا شعور رکھتا ہوں۔ سیرت، تاریخ شاعری اور فن شاعری کی ایک بہت بڑی تعداد میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ تسلسل اور دیانت داری سے مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ ''نعت رنگ'' میں جناب عارف منصور کا **بلغ العلیٰ بکمالہ** پر تبصرہ پڑھا۔ میں نے یہ عمدہ کتاب بارہا پڑھی ہے۔ تبصرہ پڑھ کر حیرت زدہ ہوں۔

محترم تبصرہ نگار نے اپنی بات کا آغاز مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی کتاب ''الرحیق المختوم'' سے کیا۔ انھوں نے چند جملوں میں الرحیق المختوم کا پروفیسر عبدالجبار شاکر سے تعلق واضح کرتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا کہ **بلغ العلیٰ بکمالہ** کے شاعر جناب خورشید ناظر نے اپنی کتاب شاکر صاحب کی فرمائش پر لکھی جس کے لیے انھوں نے کتاب میں ''پہلی بات'' کے عنوان سے لکھی گئی تحریر کو اپنی مذکورہ رائے کا ذریعہ بنایا ہے۔ لگتا ہے کہ تبصرہ نگار محترم نے اس تحریر کو نہ تو

تش نلب مر گئے ترے عاشق نہ ملی اے کبو د پانی کی
فاعلن فاعلن مفا عی لن فاعلن فا علن مفا عی لن

میری اس گزارش سے فن کا شعور رکھنے والے سبھی لوگ اتفاق کریں گے کہ وہ لفظ جو کسی شعر میں اپنے حقیقی وزن کے عین مطابق استعمال ہوا ہو اور جسے میر تقی میر نے اس کے حقیقی وزن پر باندھا ہو اسے کون ناروا قرار دے سکتا ہے۔ یہاں مجھے حفیظ جالندھری صاحب کا ایک مصرع یاد آرہا ہے:

تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمھیں بھلا سکے
تم نے ہمے بھلا دیا ہم نہ تمے بھلا سکے
مس تف علن ، مفاعلن مس تف علن مفاعلن

صاحب بحر الفصاحت مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری نے ہزج مسدس اخرب مقبوض مغ کے ذیل میں ایک شعر تقطیع کے ساتھ درج کیا ہے جسے عارف منصور صاحب کے لیے ہو بہو درج کررہا ہوں۔ شعر صہبائی کا ہے:

بیٹھا وہ رقیب کے جو پہلو میں اٹھا یہ دردِ دل کہ کھینچی آہ

تقطیع ، بیٹا و ''مفعول'' رقیب کے ''مفاعلن'' ج پہلو میں ''مفاعیلان'' اٹ ٹا یہ ''مفعولن'' درددل ''فاعلن'' کہ کِچی اٰاہ ''مفاعیلان۔

حوالہ: بحر الفصاحب، حصہ دوم علم عروض، مصنف مولوی نجم الغنی رام پوری۔ مرتب سیّد قدرت نقوی، مجلس ترقی اردو، لاہور ص ۱۱۹

جناب عارف منصور کی عروض دانی اور علمی کمال پر اس وقت تو عش عش کرنے کو جی چاہا جب انھوں نے جناب خورشید ناظر کے بارے میں لکھا کہ انھوں نے ''نہ'' اور ''کہ'' کو دوحرفی یعنی بروزن ''منع'' نظم کیا ہے۔ انھیں ایسا لکھتے وقت شاید یہ معمولی سی بات بھی یاد نہیں رہی کہ ''منع'' سہ حرفی لفظ ہے جب کہ ''نہ'' اور ''کہ'' دوحرفی الفاظ ہیں۔ انھوں نے دوحرفی کے لیے سہ حرفی لفظ کی مثال دے کر اپنے علم کو جو چار چاند لگائے ہیں وہ ان جیسے منصب کے لوگوں کا ہی حصہ ہے۔ میں فن شاعری کے ایک طالب علم کے طور پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ''بلغ العالٰے بکماله'' میں شاعر نے ایک جگہ بھی مذکورہ دو الفاظ کے استعمال سے شعر کو بے وزن نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے ان دو الفاظ کو اہلِ فن کی جانب سے دی گئی رعایت کے زیر اثر یا تو یک حرفی یا پھر

نہیں۔ آپ زیر تبصرہ کتاب کا صدق دلی سے مطالعہ کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ محترم شاعر نے گو سیرت کی بہت سی کتابوں سے بجا طور پر استفادہ کیا ہے لیکن قدم قدم پر اپنے منفرد انداز، قابلِ ستائش تحقیق اور قابل رشک تبصروں سے کتاب کو منفرد بنا دیا ہے لیکن اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے ''خصوصی جذبات'' کی بجائے صدق دلی اور غیر جانب داری اوّلیں شرط ہے۔

جناب خورشید ناظر نے اپنی تحریر پہلی بات میں حضرت حفیظ جالندھری کے 'شاہ نامہ اسلام' میں حضرت انسؓ کے نام کے سلسلے میں حضرت حفیظ کو عظیم شاعر قرار دینے کے بعد صرف اتنی بات کی کہ انھوں نے حضرت انسؓ کے نام کو اصل حرکات وسکنات کے مطابق نظم نہیں کیا۔ فاضل تبصرہ نگار نے اس پر بات کرنے کی بجائے فوراً انھیں جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ کے جواب میں یہ لکھ کر بوجھوں مارنے کی ناکام کوشش کی کہ خورشید ناظر صاحب نے الفاظ ''نہ'' اور ''کہ'' کو دو حرفی الفاظ کے طور پر نظم کر کے اپنے کہے ہوئے سیکڑوں اشعار کو بے وزن کر دیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عارف منصور صاحب کی فن شاعری سے سرسری واقفیت پایۂ ثبوت کو پہنچی۔ ان حیرت انگیز خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے انھیں یہ یاد نہیں رہا کہ کوئی شعر یا مصرع صرف اس وقت بے وزن ہوتا ہے جب اس میں استعمال ہونے والے کسی لفظ کے حروف کو اس کی اصل تعداد اور حرکات وسکنات کے مطابق استعمال نہ کیا جائے سوائے ان حروف کے جنھیں فن شاعری کے تحت متحرک یا غیر متحرک کرنے یا غیر محسوب کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ فن شاعری کے تحت حروف علت اور کبھی کبھی حرف ''ہ'' کو غیر محسوب کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عروض کی کتب میں مذکورہ رعایت تو واضح طور پر موجود ہے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا کہ اگر ان حروف کو محسوب کر لیا جائے تو شعر بے وزن ہو جائے گا۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ شاعر کو لفظ ''وہ'' کو ''وُ'' باندھنے کی اجازت ہے لیکن وہ اسے اگر ''وہ'' باندھے تو شعر بے وزن ہو جائے۔ یہی صورتِ حال الفاظ نہ اور کہ کے ساتھ ساتھ یہ، جو، تو، اس اور کئی دیگر الفاظ پر بھی صادق آتی ہے۔ الفاظ ''نہ'' اور ''کہ'' کے دو حرفی الفاظ کے طور پر استعمال ہونے اور محسوب ہونے کے سلسلے میں قدیم اور جدید عہد کے نامور شعرا کے کئی اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن زوائد سے بچتے ہوئے خدائے سخن میر تقی میر کا صرف ایک شعر تقطیع کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

تشنہ لب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی کی

بجا ہے۔ اس موقع پر حضرت یاسرؓ کا نام نظم ہونا چاہیے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس سلسلے میں شاعر کی معلومات کمزور نہیں۔ اگر وہ سمجھتے کہ حضرت عمارؓ شہید ہو گئے تو وہ آگے چل کر صفحہ نمبر ۴۸۵ پر اُن کا ذکر دوبارہ نہ کرتے۔ ایسے ہی معاملات کے لیے انھوں نے اپنی تحریر ''پہلی بات'' میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ قارئین نشان دہی کر کے انھیں ممنون کریں۔ اتنے بڑے کام میں اس طرح کی بات کوئی بڑی بات نہیں۔ اس کے لیے اس قدر جذباتی ہونے اور جارحانہ انداز اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

جناب عارف منصور نے حضرت حارثؓ بن ابی مالہ کی شہادت کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ میرے مطالعے کے مطابق رومانیہ کے سابق وزیر خارجہ کونسٹین ورجل جورجیو نے ''محمد ایسے پیغمبر ہیں جنھیں پہچاننے کی ازسرنو کوشش کرنی چاہیے'' کے نام سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا جسے فروری ۱۹۹۳ء میں سیارہ ڈائجسٹ نے ترجمہ کر کے عکس سیرت نمبر کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس وقت مدیر اعلیٰ امجد رؤف خان تھے۔ اس کتاب کی عمدگی اور اس کے اعلیٰ معیار کے حاصل ہونے کی بابت ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ اور ڈاکٹر ایم۔ اے فاروقی کی تحریریں بھی کتاب کی ابتداء میں موجود ہیں۔ عکس سیرت نمبر میں حضرت حارثؓ کی شہادت کا واقعہ بالکل اسی طرح درج ہے جیسے حضرت خورشید ناظر نے نظم کیا ہے۔ یہ واقعہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲۳ پر موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس غلام جس نے سفر طائف کے دوران آپ کی خدمت میں انگور پیش کیے تھے، اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۸۵ پر اس کا نام عدس لکھا گیا ہے۔ اس نام کو کئی کتابوں میں مختلف انداز میں لکھا گیا ہے، شاعر کو ان میں سے صرف ایک ہی نام نظم کرنا تھا اور انھوں نے اس نام کے سلسلے میں عکسِ سیرت کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے فاضل تبصرہ نگار میری ان گزارشات کی اگر تصدیق کر لیں تو مجھے خوشی ہوگی۔

کسی کتاب کو تحریر کرتے ہوئے مصنف واقعات کی ترتیب اور بیان میں اپنا ہی خاکہ مرتب کرتا ہے۔ سیرت پاک کے سلسلے میں اَن گنت کتب منظر عام پر آ چکی ہیں اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ اب تک لکھی جانے والی کتب میں کیا ہم کسی ایک کتاب کے بارے میں بھی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب بہر طور مکمل ہے اور اس کتاب میں آپ کی ذات مبارک سے متعلق ہر واقعے، ہر لمحے اور ہر پہلو کا احاطہ ہو گیا ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر کوئی واقعہ رہ جائے یا پھر اس قدر تفصیل کا حامل نہ ہو کہ ہر سطح کے قاری کی توقع پر پورا اترے تو یہ کوئی ایسی بات

بجا طور پر دو حرفی الفاظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ تمام قدیم اور جدید شعراء نے فن شاعری کی جانب سے دی گئی رعایت کے زیر اثر کیوں کہ ''نہ'' اور ''کہ'' اور دیگر کئی الفاظ کو بکثرت یک حرفی لفظ کے طور پر استعمال کیا ہے اس لیے جناب عارف منصور صاحب جیسے ''علما'' یہ سمجھ بیٹھے کہ انھیں صرف یک حرفی کے طور پر ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جو درست بات نہیں۔ وزن ہی کے ذیل میں آگے چل کر جناب عارف منصور نے لفظ ''وحی'' کے بارے میں لکھا ہے کہ شاعر نے اس کے حرف ''ح'' کو متحرک کر کے اس لفظ سے اپنے اشعار کو بے وزن کر دیا ہے۔

کسی لفظ کے تلفظ کے تعین کے لیے سب سے مستند ذریعہ لغت ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ فاضل تبصرہ نگار نے اگر خورشید ناظر صاحب کی تحریر ''پہلی بات'' کو توجہ سے پڑھا ہوتا تو انھیں تبصرہ لکھتے وقت یاد رہتا کہ انھوں نے ایک سے زیادہ تلفظ کے حاصل الفاظ کے استعمال کے لیے کسی ایک لغت سے اجازت کی صورت میں بھی اس تلفظ سے استفادہ کیا ہے اور یہ استفادہ بالکل بجا بھی ہے۔ لفظ وحی کے ذیل میں اگر فیروز اللغات کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں لفظ وحی کے وسطی حرف ''ح'' کو متحرک لکھ کر باقاعدہ نوٹ دیا گیا ہے کہ یہ لفظ اردو میں اس تلفظ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کیوں کہ خورشید ناظر صاحب اردو ہی میں شعر کہہ رہے تھے اس لیے انھوں نے اپنے جن اشعار میں اسے متحرک ''ح'' کے ساتھ استعمال کیا ہے، ان اشعار کو بے وزن نہیں کہا جاسکتا۔ علاوہ ازیں یہ گزارش بھی عارف منصور صاحب کے علم میں اضافے کا باعث بنے گی کہ فیروز اللغات کے علاوہ نور اللغات، جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رافع اللغات، سید شہاب الدین دسنوی اور فہمیدہ بیگم ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو دہلی کی جامع اردو لغات اور وارث سرہندی کی علمی اردو لغت میں بھی لفظ وحی کے حرف ''ح'' کو متحرک لکھا گیا ہے۔

جناب عارف منصور صاحب نے اپنے تبصرے کو ''فنی'' بنانے کے لیے ہزاروں اشعار میں سے چند اشعار لکھ کر ان میں سے کچھ الفاظ کے نیچے خط کھینچ دیا ہے اور انھیں تعقید لفظی کا شکار ہونے والے اشعار قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے فاضل تبصرہ نگار کی طرف سے نشان دہی کے بعد ان اشعار کو سیاق و سباق کے ساتھ ایک بار پھر پڑھا تو مجھے ان کے ساتھ اتفاق کرنے کے لیے بے حد کوشش کے بعد بھی کوئی معقول وجہ ہاتھ نہ آسکی۔

فاضل تبصرہ نگار نے مندرجہ بالا خیالات کے اظہار کے بعد کچھ واقعات میں پائے جانے والے تسامحات کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عمارؓ کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو

سمجھا اور جس کے زیر اثر وہ کتاب کے ظاہری حسن تک کی تعریف کرنا بھول گئے۔ میں ان کی اس صلاحیت کا اعتراف کرتا ہوں کہ وہ خوشبوؤں بھرے طویل رستے کو طے کر لیتے ہیں اور انھیں خوشبو کا کوئی جھونکا متاثر نہیں کرتا۔ میں ایک بزرگ کی حیثیت سے انھیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ انھیں بہت سے مطالعے کی ضرورت ہے، انھیں کچھ وقت اچھی کتب پڑھنے پر صرف کرنا چاہیے۔ انھیں کسی فن کو مفروضوں کی بجائے، اس کے اصولوں کے مطابق پرکھنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے اور علمی معاملات پر بات کرنے کے لیے ''خصوصی جذبات'' سے گریز کرتے ہوئے انھیں غیر جانب داری سے دیکھنا چاہیے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بلاوجہ عیب جوئی عیب جو کے لیے باعث رسوائی بن جاتی ہے۔ اچھے لوگ اچھے کاموں کی تحسین میں بخل سے کام نہیں لیتے کیوں کہ قاری ایسے بھی بے علم نہیں ہوتے کہ جو مکمل طور پر غلط تبصروں کے پس پردہ پائے جانے والے منفی رویے کو پہچان نہ سکیں۔

جناب صبیح الدین صاحب! میں اپنی گزارشات اس توقع کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آپ کتب کے تبصروں کے لیے ایسے حضرات کا انتخاب فرمایا کریں جو علم کی اس جہت سے واقف ہوں جس پر کتاب لکھی گئی اور سب سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ وہ غیر جانبدار ہوں۔ اگر آپ نے یہ احتیاط کر لی تو یہ ہم سب کے لیے بہتر ہوگا کیوں کہ آپ نے محبت رسول کا جو چراغ روشن کر رکھا ہے اُسے دنیا داری کے ہر پہلو سے اپنی لو کو بہر حال محفوظ رکھنا ہے۔ (ڈاکٹر منور غازی ص، ۸۵۹-۸۵۳)

(۱۳) ''اردو کے نعتیہ ادب کے انتقادی سرمایے کا تحقیقی مطالعہ'':

اس تناظر میں صاحب نظر نقاد و محقق اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ڈاکٹر عزیز احسن کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''اردو کے نعتیہ ادب کے انتقادی سرمایے کا تحقیقی مطالعہ'' ایک روشن سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نعت شناسی کے حوالے سے تاریخ ادب میں یہ کتاب ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ڈاکٹر عزیز احسن نے اس کتاب کے 'پیش گفتار' میں لکھا ہے کہ 'سید صبیح الدین صبیح رحمانی' میرے شکریے کے اس لیے مستحق ہیں کہ انہی کی تحریک پر میں نے تنقیدی مضامین لکھے اور انہی کے اصرار پر (ریٹائرمنٹ کے بعد) پی ایچ ڈی کی سطح کا مقالہ لکھنے کا ڈول ڈالا۔ علاوہ ازیں نعتیہ ادب سے متعلق کتب کی فراہمی کی جان لیوا محنت سے بھی انھوں نے بہت حد تک بے نیاز کر دیا۔'' گویا آپ ہی اردو کے نعتیہ ادب پر لکھے گئے اس وقیع تحقیقی مقالے کے محرک اور بنیاد گزار ہیں۔ سر سید

نہیں جس کے باعث مصنف کی لاتعداد قابلِ تحسین کوششوں کو سراہنے سے بھی گریز کیا جائے۔ فاضل تبصرہ نگار کے رویے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے ایک ایک لفظ اور ترتیب کے ہر عمل کو صرف اپنی منشا کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس منشا کی سرمو عدم تکمیل کتاب کو عجب درجے پر لے آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی علمی، ادبی اور دیانتدارانہ رویہ نہیں۔ علاوہ ازیں کسی واقعے کے اسی طرح بیان کرنے پر جیسا کہ وہ کئی مستند کتب میں مذکور ہوا ان کے جذبات میں ناقابل فہم تموج پیدا ہو جاتا ہے اور وہ لفظوں کا بھونچال برپا کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ بات بھی ناقابلِ برداشت ہے کہ کوئی کسی کے فن، محنت اور محبت کی حقیقت کے آئینے میں تحسین کرے۔ ان سے گزارش کی جاسکتی ہے کہ وہ سیرت پاک کی کسی ایسی کتاب کا نام بتائیں جس کے سبھی ابواب اور عنوانات مصرعوں کی شکل میں ہوں، یہ سبھی مصرعے تا ہے، تی ہے، تے ہیں وغیرہ پر ختم ہوتے ہوں، جس میں اسما کو صرف کنیت نہیں، انھیں مکمل طور پر درج کرنے کی کوشش کی گئی ہو، جس میں نعوت کا ایک دریا موجزن ہو، جس کا اسلوب اتنا سادہ، دل نشیں اور ہر سطح کے قاری کے لیے اتنا آسان ہو کہ سیرت پاک کو سمجھنے کے لیے اسے کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں نے اس کتاب کو کئی بار پڑھا ہے، میری محترم تبصرہ نگار سے گزارش ہے کہ غزوہ احد کے تحت، اُحد کا کون فاتح تھا، کچھ اس پر بات ہوئی ہے، کے عنوان سے صفحہ نمبر ۳۰۶ پر نظم ہونے والے حصے کو پڑھیں اور بتائیں کہ کیا سیرت پاک کی کسی کتاب میں اس طرح کا تبصرہ موجود ہے۔ وہ صفحہ نمبر ۳۳۹ پر موجود آخری عنوان کی تفصیل پڑھیں اور بتائیں کہ بنو قریظہ کو سزا کے لیے جو جواز خورشید ناظر صاحب نے مہیا کیا ہے، اس سے پہلے کہیں مذکور ہوا ہے؟ یہ اور اسی طرح کی ان گنت باتیں ایسی ہیں جو اس کتاب کو نا صرف منفرد بلکہ یقیناً شاہ کار کے درجے پر لے جاتی ہیں۔ وہ اس کتاب کو صرف اس لیے ناپسند نہ فرمائیں کہ اس کے ناشر پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب کے صاحبزادے ہیں جنھیں وہ مخصوص وجوہ کے باعث ناپسند کرتے ہیں۔ یہ کتاب دنیا داری کی سبھی آلائشوں سے پاک ایک ایسے شخص نے لکھی ہے جس کا نہ تو کسی گروپ سے تعلق ہے اور نہ وہ کسی شہرت کا بھوکا نظر آتا ہے بلکہ وہ صرف اور صرف محبت رسول کو اپنی زندگی اور آخرت کے لیے بہترین اثاثہ سمجھتا ہے۔ میں جناب عارف منصور صاحب سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے رویے پر نا صرف نظر ثانی فرمائیں بلکہ کتب پر تبصرہ کرتے وقت اس ''غیر معمولی کیفیت'' کا شکار نہ ہوا کریں جسے خورشید ناظر صاحب کی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے اپنے لیے مناسب

شخصیات

(اس باب میں نعت سے متعلق ادبی شخصیات کے حالات زندگی اور کلام پر تنقیدی مطالعات پیش کیے گئے ہیں۔ ہر اقتباس کے ساتھ متعلقہ شخصیت کا نام اور مآخذ کا صفحہ نمبر درج ہے۔ جس صفحہ نمبر کے ساتھ مصنف تحریر ہے وہ مصنف کی اپنی تحریر ہے۔)

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان

تعارف: مولانا علیہ الرحمہ دَورِ آخرین کے علماء اسلام میں اپنے تبحرِ علمی اور کثرتِ تصانیف کے لیے مشہور ہیں۔ان کی ذات ہمہ صفات بے نظیر و منفرد ہے اور ان کے علمی کمالات سے انکار ممکن نہیں ہے۔(کوکب نورانی ۳۴۰/۳)

اردو نعت گوشعرا میں حضرت احمد رضا فاضل بریلویؒ جس طرح ممتاز و ممیز ہیں، اس کی مثالیں کم کم ملتی ہیں۔ دراصل وہ ایک نیکوکار اور ایک عابد شب زندہ دار تھے۔ اصول و فروعِ دین پر کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ شارع دین متین کی مدح و ثنا کو بھی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ حضرت فاضل بریلوی کی نعت گوئی معرفتِ رسولِ خدا V کا ایک دستاویزی ثبوت ہے۔ یہ معرفت انھیں محبوبِ حق کے عشق میں فنا ہو جانے کے بعد نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں میں ایمان و عقیدہ کی للک کے ساتھ ساتھ عشقِ محمد V کا سوز اور کسک بھی ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی (بھارت) حضرت رضا بریلویؒ کے فن و شخصیت کے عارف ہیں۔ انھوں نے حضرت بریلویؒ کی نعت میں مضمون آفرینی کے متنوع ابعاد کی نشان دہی کی ہے۔ البتہ ان کی تمہیدی سطور میں ایسی گفتگو کا اعادہ کیا گیا ہے، جسے سامعین سن سن کر اور قارئین پڑھ پڑھ کر اُکتا چکے ہیں۔(قیصر نجفی ص ۵۲،۵۷)

ادھر اردو کے صفِ اوّل کے نعت گو شاعر حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کو بھی ہمارے بعض علمائے کرام نے 'فاضل بریلوی' سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ حالاں کہ ان علما میں بھی بعض شاعری کرتے ہیں۔ ایک شاعر دوسرے شاعر کی عظمت اور اہمیت کو بہتر جانتا ہے۔ اب مولانا احمد رضا خان کی شاعرانہ حیثیت اور مقام و مرتبہ پر کھل کر بات کرنا ہوگی۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ (۱) جب تنقید کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کلام رضا پر کام کیا جائے۔

نے ۱۸۷۹ء میں حالی سے مسدس مدو جزر اسلام لکھوائی تھی اور، آپ نے ڈاکٹر عزیز احسن سے اردو کے نعتیہ ادب پر ایسی شاندار اور تحقیقی کتاب لکھوائی۔ میری نگاہ میں یہ مقالہ ''نعت رنگ'' کے شجر ہی کی ایک علمی شاخ ہے۔ بلاشبہ یہ مراتب کاوش سے نہیں فیضان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوتے ہیں۔ (ڈاکٹر فراست رضوی ص، ۲۵/۹۰۳)

(۱۴) ''کلام محسن کاکوروی: ادبی وفکری جہات'' اور ''اقبال کی نعت، فکری واسلوبیاتی مطالعہ'' مرتبہ صبیح رحمانی:

آپ کی مرتب کردہ دونوں کتابیں ''کلام محسن کاکوروی: ادبی وفکری جہات'' اور ''اقبال کی نعت، فکری واسلوبیاتی مطالعہ'' ملیں۔ بھیجنے والے تو اور ناشر تو مبین مرزا ہیں لیکن گمان ہے کہ آپ کی ہدایت پر یہ کتابیں انھوں نے مجھے بھیجی ہوں گی۔ میں آپ دونوں حضرات اور خاص کر آپ کا ممنون ہوں۔ آنکھوں میں تکلیف کے باعث کتابوں کو جگہ جگہ سے دیکھا۔ انشاء اللہ جب آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی تو بالاستعیاب پڑھوں گا۔ افضال احمد انور کے مضمون ''اقبال کی نظم ذوق وشوق حمد ہے یا نعت؟'' نے خاص طور پر متوجہ کیا۔ لیکن افسوس کہ اردو کے عام نقادوں کی طرح موصوف نے بھی ادھر ادھر کی باتیں بہت کی ہیں اور کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے سے گریز کرتے رہے ہیں۔ بہر حال یہ بہت اچھی بات ہے کہ اقبال کی نعتیہ شاعری پر بھی ایک اچھی کتاب منظر عام پر آ گئی۔ یہ ضرور ہے کہ شاعر کے تئیں عقیدت بلکہ مذہبی عقیدت کا رنگ جگہ جگہ کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو گیا ہے۔ ''کلام محسن کاکوروی'' میں کئی مضمون تو خیر بھرتی کے ہیں۔ مثلاً ''محسن کاکوروی کی مثنویاں''، ''محسن کاکوروی، منفرد نعت گو''۔ ابواللیث صدیقی نے تیس صفحے صرف کیے لیکن کام کی باتیں بہت کم کہیں۔ سب سے اچھا مضمون ظاہر ہے کہ عسکری صاحب کا ہے۔ دونوں کتابوں کی اشاعت پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ کی یہ کوشش بارگاہِ رسالت میں اور ہم جیسے عام پڑھنے والوں میں بھی مقبول ہوں گی۔ (شمس الرحمٰن فاروقی، غیر مطبوعہ)

بریلوی کے اشعار جو حسنِ طلب کا بہترین مرقع ہیں، زائر کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے ہمت بندھاتے ہیں۔ بطورِ تبرک 'نعت رنگ' کے قارئین اور مدینہ منورہ کے زائرین کے لیے چند اشعار حاضر ہیں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — 'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں، غیر کا منھ کیا دیکھیں — کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی — مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تیرے ٹکڑوں سے پلے، غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال — جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

دیگر

اُف بے حیائیاں یہ منھ اور تیرے حضور — ہاں تو کریم ہے، تری خُو درگزر کی ہے
تجھ سے چھپائیں منھ تو کریں کس کے سامنے — کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے
مومن ہوں مومنوں پہ رؤف ' رحیم ہو — سائل ہوں سائلوں کو خوشی لاٰنھر کی ہے

دیگر

جنھیں مرقد میں تا حشر اُمتی کہہ کر پکارو گے — ہمیں بھی یاد کرلو ان میں صدقہ اپنی رحمت کا

دیگر

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے — ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رُخ کدھر کریں
سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں — آقا حضور! اپنے کرم پر نظر کریں
جالوں پہ جال پڑ گئے للہ وقت ہے — مشکل کشائی آپ کے ناخن اگر کریں

دیگر

دم قدم کی خیر اے جانِ مسیح — در پہ لائے ہیں دلِ بیمار ہم
اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور — جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم
میں نثار، ایسا مسلماں کیجیے — توڑ ڈالیں نفس کا زنّار ہم
ہاتھ اُٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم — ہیں سخی کے مال میں حق دار ہم

دیگر

اب تو آقا منھ دکھانے کا نہیں — کس طرح رفع ندامت کیجیے
اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے — چارۂ زہرِ مصیبت کیجیے
دے خدا ہمت کہ یہ جانِ حزیں — آپ پر واریں وہ صورت کیجیے

(۲) تحقیقی اصولوں کو بروے کار لاتے ہوئے بے لاگ تحقیق کی جائے۔اس کے لیے ہم عقیدت مندانِ رضا کو حوصلے اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔اور دلائل کی روشنی میں بات کو آگے بڑھانا ہوگا۔آپ نے 'جامِ نور' (نئی دہلی) کو دیے گئے انٹرویو (مئی ۲۰۰۵ء) میں ایک سوال کے جواب میں درست کہا ہے کہ: (۴۷۴)

> مولانا احمد رضا خان صاحب پر کام کرنے والوں پر ایک خوف کا سایہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کو اگر ہم تنقیدی رویوں سے گزاریں گے تو ہمارے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا جب کہ میرا خیال یہ ہے کہ اس تاثر کو ختم کرنا چاہیے۔دیکھیے! غالب اردو کا ایک عظیم شاعر ہے اگر اس کے حق میں دو سو کتابیں وجود میں آئی ہیں تو اس کے فن کے خلاف بھی دو سو کتابیں وجود میں آئی ہیں مگر شاعر ہونے کی حیثیت سے اس کے قد پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ تنقیدی کسوٹی سے گزر کر اس کی شاعری دن بدن فن کے نئے پہلوؤں سے ہمیں آشنا کر رہی ہے۔اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی شاعری اتنی بڑی، اتنی وقیع اور مقبول ہے کہ ان کے سر سے کلام کی مقبولیت اور عظمت کا تاج اب کوئی چھین نہیں سکتا۔لیکن مولانا کی شاعری پر کھل کر گفتگو نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ اب تک ان کا کوئی ادبی مقام متعین نہ ہوسکا۔(صفحہ نمبر ۳۷) (ڈاکٹر شبیر احمد قادری ص،۴۷۵)

اعلیٰ حضرت کی شاعری میں حُسنِ طلب کی صورتیں:

ص ۳۷۱ پر ملک شیر محمد آف کالا باغ کی بارگاہِ رسالت میں حاضری اور اقبال کا درج ذیل شعر پڑھ کر گریہ وزاری کرنے کا ذکر ہے:

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی　　تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

واقعی یہ شعر حسنِ طلب کی بہترین مثال ہے۔رحمانی صاحب! یہ ایک حقیقت ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے وقت زائر فکر مند ہوتا ہے کہ اتنے بڑے دربار میں اپنی درخواست کو کن الفاظ میں پیش کرے۔یوں کہیے کہ عقل حیران اور زبان گنگ ہوجاتی ہے۔میری کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی جب گزشتہ برس حاضری ہوئی۔ایسے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل

دونوں مناقب بھی حضرت غوث الاعظمؒ کی مدحت میں ہیں اس طرح نعت اور تینوں مناقب ملا کر فاضل بریلوی نے ایک ہی زمین میں مسلسل سو اشعار کہے ہیں۔ جو اُن کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے تاہم کہیں کہیں شدتِ جذبات میں ایسے اشعار کہے ہیں جن میں مخالفین کو زجر و توبیخ کا عنصر نہایت نمایاں ہے مثال کے طور پر غوث الاعظمؒ کو نہ ماننے والوں کو اس طرح مخاطب کیا ہے:

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی
دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا!
شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا!
حق سے بد ہو کے زمانہ کا بھلا بنتا ہے
ارے میں خوب سمجھتا ہوں معما تیرا

بعض اشعار میں فنی تسامحات بھی مل جاتے ہیں کیوں کہ یہ بشر کا کلام ہے، اللہ کا کلام تو ہے نہیں۔ مثال کے طور پر یہ اشعار:

اس گل کے سوا ہر پھول باگوشِ گراں آیا
دیکھے ہی گی اے بلبل جب وقتِ فغاں آیا!
طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہوں گے
دیکھو گے چمن والو جب عہدِ خزاں آیا!
کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے!!
سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا!

تقطیع کرتے وقت پہلے، دوسرے اور تیسرے شعر میں بالترتیب پھول، باغ اور عقل کے آخری حروف بحر سے خارج ہو جائیں گے، اسی طرح یہ شعر دیکھیے:

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دُور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی!

لفظ ''وہابی'' میں ہائے ہوز مشدد ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''وہاب'' سے مشتق ہے جب کہ یہاں بغیر تشدید باندھا گیا ہے۔ یہ اشعار بھی دیکھیے:

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا!!

آپ درگاہِ خدا میں ہیں وجیہ　　ہاں شفاعت بالوجاہت کیجیے
حق تمھیں فرما چکا اپنا حبیب　　اب شفاعت بالمحبت کیجیے
اِذن کب کا مل چکا اب تو حضور　　ہم غریبوں کی شفاعت کیجیے

حضرت رضا بریلوی کے کلام میں حسنِ طلب پر مشتمل ایسے چند نہیں کئی اشعار ملتے ہیں۔ زائرینِ مدینہ سے گزارش ہے کہ آپ کے اردو نعتیہ کلام کا مجموعہ 'حدائقِ بخشش' ہمراہ رکھیں۔ عربی زائرین اعلیٰ حضرت بریلوی کے عربی کلام کا مجموعہ "بساتین الغفران" کا منظوم عربی ترجمہ 'صفوۃ المدیح' اپنے مطالعے میں لائیں۔

حسنِ طلب کی بات چلی تو ضمناً چند اشعار بطورِ تبرک پیش کر دیے۔ دراصل میں 'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ کے حوالے سے چند گزارشات کر رہا تھا۔ (حافظ عطاء الرحمٰن قادری ص،۹۱۔۷۹۰)

حدائقِ بخشش: ایک مطالعہ:

راقم الحروف نے مولانا کے مجموعۂ نعت و منقبت "حدائقِ بخشش" کا جائزہ اسی تناظر میں لیا ہے۔ فاضل بریلوی کا یہ مجموعہ سب سے پہلے ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوا۔ اس وقت میرے سامنے اس کا جو نسخہ ہے اسے مدینہ پبلشنگ کمپنی میکلوڈ روڈ (موجودہ چندریگر روڈ) کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی میں چھپا ہے جب کہ سنِ اشاعت درج نہیں۔ ۱۰۴ صفحات کے اس مجموعے کا ہدیہ صرف نو (۹) روپے ہے جس سے اس کی قدامت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ہی صفحہ پر سب سے اوپر حدیث نبویؐ درج ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "بے شک شعر میں حکمت ہے اور بے شک بیان میں سحر ہے۔" مجموعے کی ابتدا اس مشہور نعت سے ہے جس کا مطلع یہ ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِؐ بطحا تیرا　　نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ نعت ۲۵/اشعار پر مشتمل ہے اسی سے متصل اسی زمین میں حضرت غوث الاعظم کی منقبت ہے اور اس میں بھی اشعار کی تعداد ۲۵ ہے، دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا　　شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد　　ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

اس منقبت کے بعد دو مناقب اور ہیں جن میں سے ہر ایک ۲۵/اشعار پر مشتمل ہے، یہ

اقبالؔ کے مندرجہ ذیل اشعار میں ''دیدہ'' اور ''سجدہ'' کی بھی یہی کیفیت ہے جو کلام کا حسن ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے!
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

فاضل بریلوی کے اس شعر میں کتنا سوز پنہاں ہے اسے اہلِ دل ہی محسوس کر سکتے ہیں:

سویا کیے نابکار بندے! رویا کیے زار زار آقا!

خلفائے راشدین کی منقبت میں یہ خوب صورت شعر دیکھیے:

صدق و عدل و کرم و ہمت میں چارسُو شہرے ہیں ان چاروں کے!

اس مجموعے کے صفحہ نمبر ۱۴۲ پر یہ اشعار دیکھیے:

مفلسو! اُنؐ کی گلی میں جا پڑو! باغِ خُلد اکرام ہو ہی جائے گا!
بادہ خواری کا سماں بندھنے تو دو! شیخ درد آشام ہو ہی جائے گا!

''خُلد اکرام'' اور ''درد آشام'' میں الف کا وصل ہے یعنی تقطیع کرتے وقت الف شمار نہیں ہوگا اور الف پر مدہ کی صورت میں نہ صرف ایک الف لیا جائے گا جو لوگ یہ بات نہیں جانتے وہ خواہ مخواہ ایسے اشعار پر اعتراض کرتے ہیں جو ان کی کم علمی ہے۔ غالبؔ اور اقبالؔ کے اشعار دیکھیے:

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقئِ کوثرؐ کے باب میں

....

دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے!

غالب کے پہلے مصرعے میں ''آج'' کا ایک الف جب کہ اقبال کے دونوں مصرعوں میں ''ایسا'' کا الف تقطیع میں شمار نہیں ہوگا۔ اقبال کے اس شعر کے مصرعۂ ثانی میں الف کا وصل دو مرتبہ ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

دل تھا ساجد، نجدیا پھر تجھ کو کیا!
دیوں کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
تو نہ اُنؐ کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا!

مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن فرقہ بندی کے سخت خلاف ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو ایک اللہ، ایک رسول ﷺ ایک آخری کتاب یعنی قرآن اور ایک قبلے کی بنیاد پر متحد ہو جانا چاہیے اسی تناظر میں راقم الحروف کے یہ دو اشعار ملاحظہ فرمائیے:

مسلماں بھائی بھائی ہیں، خدا نے ہے یہ فرمایا!
مگر یہ مولوی صاحب نہ جانے کیوں لڑاتے ہیں!
ہمیں فرقہ پرستی سے بڑی نفرت ہے اے یارو!
نہ ہم ہیں دیو کے بندے، نہ ہم حلوہ اُڑاتے ہیں

فاضل بریلوی کے اس مجموعے میں خاک کے موضوع پر آٹھ اشعار مسلسل ہیں جن میں سے دو ملاحظہ فرمائیں:

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدمؑ جدِ اعلیٰ ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہؐ کونین!
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

بحر ہزج مثمن سالم میں فاضل بریلوی کے یہ نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
تعالیٰ اللہ ماہِ طیبہ عالم تیری طلعت کا!
یہاں چھڑکا نمک، واں مرہم کافور ہاتھ آیا!
دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا
سرہانے اُنؐ کے بسمل کے یہ بے تابی کا ماتم ہے!
شہؐ کوثر! ترحم تشنہ جاتا ہے زیارت کا!

مندرجہ بالا اشعار میں طیبہ، پروردہ اور تشنہ تینوں الفاظ میں ہائے ہوز تقطیع میں شامل نہیں ہے جو حسنِ کلام سمجھا جاتا ہے لیکن ناواقف حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں جو اُن کی کم فہمی ہے۔ علامہ

واللہ جو مل جائے مرے گُل کا پسینہ مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول!

....

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم! خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ!
عجب کیا اگر رحم فرمائے ہم پر خدائے محمدؐ، برائے محمدؐ!

اس مجموعے میں شامل فاضل بریلوی کی دوخوب صورت رُباعیات ملاحظہ فرمائیں، ان کا عنوان ''رُباعیاتِ نعتیہ'' ہے لیکن ان میں مضمون مناجات کا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ!! عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ!
بیٹھوں جو درِ پاک پیمبرؐ کے حضور ایمان پر اُس وقت اُٹھانا مولیٰ
نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں، کردے معاف جس میں ترا کچھ خرچ نہیں، دے مولا!

فاضل بریلوی کا مشہور سلام ''مصطفٰیؐ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' ان کے مجموعۂ کلام ''حدائقِ بخشش'' میں شامل ہے۔ مسلمانوں کا کوئی محلّہ اور کوئی آبادی ایسی نہیں جہاں اُن کا یہ سلام سنائی نہ دیتا ہو۔ اس سلام سے پہلے اسی مجموعۂ کلام میں ان کا ایک اور سلام بھی ہے جو نسبتاً کم معروف ہے مگر اپنی اثر پذیری میں کم نہیں۔ اس سلام کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

کعبے کے بدرالدجیٰ! تم پہ کروڑوں درود طیبہ کے شمس الضحیٰ! تم پہ کروڑوں درود

سرزمینِ کعبہ سے اعلانِ نبوت ہوا اور ہجرت کے بعد مدینہ منور میں مستحکم بنیادوں پر اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ بدرالدجیٰ (چودھویں کا چاند) اور شمس الضحیٰ (دن چڑھے کا سورج) کے الفاظ کے ذریعے اس لطیف حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اہلِ دل ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ مطلع کے بعد اس سلام میں حسنِ مطلع اور زیب مطلع کا بھی اہتمام کیا گیا ہے یعنی اس میں تین مطلع ہیں۔ ایک خاص بات اس سلام میں یہ ہے کہ اسے ''دیوان'' کی طرز پر تحریر کیا گیا ہے یعنی پہلے وہ الفاظ ہیں جن کا مصرعۂ اولیٰ ''الف'' پر ختم ہوتا ہے پھر ب، ت، ث وغیرہ اور آخر میں ''ے'' ہر حرف کے لیے کم سے کم ''ایک'' اور زیادہ سے زیادہ سات اشعار ہیں۔ پورا سلام ۵۹/اشعار پر مشتمل ہے۔ الف کی ردیف کے یہ اشعار دیکھیے:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا! جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود
دل کرو ٹھنڈا مرا، وہ کفِ پا چاند سا سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

فاضل بریلوی کا یہ شعر کافی مشہور ہے:

حاجیو آؤ شہنشاہؐ کا روضہ دیکھو! کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو!

اب ذرا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیں:

کعبہ دلہن ہے، تربتِ اطہر نئی دلہن یہ رشکِ آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے

اسی زمین میں حضور V کا باعثِ تخلیقِ کائنات ہونا ایک نئے انداز سے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیے:

اُنؐ کی نبوت اُنؐ کی ابوّت ہے سب کو عام

اُم البشر عروس انھیںؐ کے پسر کی ہے!

....

ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل!

اُس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشرؑ کی ہے!

اب ایک شعر دیکھیے جو ذومعنی ہے اور اس میں کسی قدر مزاح کا عنصر بھی ہے:

میں مجرم ہوں آقاؐ! مجھے ساتھ لے لو

کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے!

مرزا غالبؔ کی زمین میں یہ اشعار دیکھیے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں!

دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں!

....

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفٰیؐ کہ یوں

کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں!!

غالبؔ نے ''پاؤں'' کی ردیف میں غزل کہی ''ایڑیاں'' کی ردیف میں یہ خوب صورت نعتیہ شعر دیکھیے:

ایک ٹھوکر میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا! رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں!

یہ دل نشیں اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانؐ زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول

طیبہ کے ماہِ تمام جملہ رُسل کے امام نوشۂ ملکِ خدا تم پہ کروڑوں درود
تم سے جہاں کا نظام تم پہ کروڑوں درود تم پہ کروڑوں ثنا تم پہ کروڑوں درود
تم ہو جواد و کریم، تم ہو رؤف و رحیم بھیک ہو داتا عطا تم پہ کروڑوں درود
خلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم تم سے ملا جو ملا تم پہ کروڑوں درود
نافع و دافع ہو تم، شافع و رافع ہو تم تم سے بس افزوں خدا تم پہ کروڑوں درود

اس شعر میں ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کی ترجمانی نہایت احسن طریقے سے کی گئی ہے تاہم کہیں کہیں فنی تسامح بھی موجود ہے''م'' کی ردیف کا یہ شعر دیکھیے:

جائیں نہ جب تک غلام خلد ہے سب پر حرام!
ملک تو ہے آپ کا، تم پہ کروڑوں درود!

مصرعہ ثانی میں آپ اور تم دونوں کا استعمال ''شتر گربہ'' ہے یہی سقم آخری دو اشعار میں بھی ہے:

آنکھ عطا کیجیے اس میں ضیا دیجیے جلوہ قریب آگیا تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

اب حاصل کلام شعر دیکھیے:

ہم نے خطا میں نہ کی، تم نے عطا میں نہ کی!
کوئی کمی سرورا! تم پہ کروڑوں درود

راقم الحروف کی دردمندانہ گزارش ہے کہ امام احمد رضا اور اُن جیسی دوسری قابلِ احترام شخصیات کے نام پر فرقے نہ بنائیں۔ یہ المیہ ہے کہ مسلمان قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور انھوں نے حضور V کے بعد دوسری شخصیات کو بھی ایمانیات میں شامل کرلیا ہے اور فرقہ بندی میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اس طرح وہ شرک فی النبوت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اسی وجہ سے قادیانیت کا بھی دروازہ کھلا۔ حضور اکرم V کے بعد کوئی بھی شخصیت خواہ وہ کتنی بھی محترم ہو ایمانیات میں شامل نہیں ہے۔

محمدؐ شخصیت ہیں آخری ایمانِ کامل کی!
نہیں ہے بعد اُنؐ کے کوئی بھی ایمان میں شامل
بناؤ تم نہ فرقے کہہ رہا ہے آج بھی قرآں
نہ کاٹو گردنیں ہو جاؤ گے دوزخ میں تم داخل

دونوں اشعار عام فہم اور جذبہ حبِ نبیؐ سے لبریز ہیں۔ اب اگلی یعنی ''ب'' کی ردیف کا یہ شعر دیکھیے:

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب نام ہوا مصطفیٰؐ تم پہ کروڑوں درود

''ت'' کی ردیف کا شعر:

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود

''ث'' کی ردیف کا شعر:

تم ہو حفیظ و مغیث، کیا ہے وہ دشمن خبیث! تم ہو تو پھر خوف کیا، تم پہ کروڑوں درود

''ج'' کی ردیف کا شعر:

وہ شبِ معراج راج وہ صف محشر کا تاج! کوئی بھی ایسا ہوا، تم پہ کروڑوں درود!

''ح'' کی ردیف کا شعر:

جان و جہانِ مسیح داد کہ دل سے جریح نبض چھٹیں دم چلا تم پہ کروڑوں درود

اسی طرح ہر حرف کی ردیف کے اشعار ہیں، کچھ مزید خوب صورت اشعار ملاحظہ کیجیے:

تم سے کھلا بابِ جود، تم سے ہے سب کا وجود! تم سے ہے سب کی بقا، تم پہ کروڑوں درود!

مندرجہ بالا شعر میں آیۂ رحمۃ للعالمین اور حدیث قدسی ''**لولاک لما خلقت الافلاک**'' کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کچھ اور اشعار دیکھیے:

آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمھاری ہے آس بس یہی ہے آسرا تم پہ کروڑوں درود

تم ہو شفائے مرض، خلقِ خدا خود غرض! خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروڑوں درود

آہ وہ راہِ صراط، بندوں کی کتنی بساط! المدد اے رہنما، تم پہ کروڑوں درود

سینہ کہ ہے داغ داغ، کہہ دو کرے باغ باغ طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروڑوں درود

''ق'' کی ردیف کا یہ شعر دیکھیے:

تم نے برنگِ فلق حبیبِ جہاں کر کے شق نور کا تڑکا کیا تم پہ کروڑوں درود!

''ل'' کی ردیف کا شعر:

خَلق تمھاری جمیل خُلق تمھارا جلیل! خِلق تمھاری گدا تم پہ کروڑوں درود

مندرجہ بالا شعر میں زبر، زیر اور پیش کے فرق سے تین یکساں الفاظ کا استعمال مہارت سے کیا گیا ہے۔ ''م'' کی ردیف کے اشعار نسبتاً زیادہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

ہے تو رضاؔ ترا ستم جرم پر گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

شعر پر صابر صاحب ''بجائے۔ بجائے'' میں صنعت بتاتے ہیں لیکن انہیں اگر صنعت کا نام معلوم نہیں، وہ تجنیس تام کہتے ہوئے جھجکتے ہیں کیوں کہ اس میں تجنیس تام ہے ہی نہیں۔ تجنیس دو الفاظ میں ہوتی ہے یہاں بجائے بجاتا ہے میں (ء) زائد ہے اور دوسرے بجائے کا اِملا ''بہ جائے'' ہوتا اور ''بہ'' کوئی لفظ نہیں ہے کہ اسے صنعت مرکب ہی سمجھ لیا جائے۔ (۲۷/۵۰۴)

صابرؔ صاحب مضمون پر بحث کرتے کرتے بحور و عروض میں الجھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ''واسع الشفتین'' کی صنعت سے متعلق احمد رضا صاحب کے اشعار مثال میں پیش نہ کرنے پر مؤلف 'بحر الفصاحت' مولانا نجم الغنی پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہیں جیسے نجم الغنی نے کوئی بہت بڑا گناہ کر دیا ہو!!

اسی قبیل سے حافظ عبد الغفار حافظ (کراچی) کا مضمون ''حدائق بخشش کے متن کا المیہ'' ہے۔ حضرت احمد رضا کا شعر ہے،

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے (ص ۲۵۰)
سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اس کے تعلق سے حافظؔ صاحب لکھتے ہیں،

''شررؔ مصباحی نے اس کا وزن ''فعل فعولن فعلن فعل فعل فعولن فعولن فع'' بتایا ہے جو غلط ہے۔ حافظؔ صاحب نے اسے غلط تو کہہ دیا لیکن صحیح وزن نہیں بتایا جو ضروری تھا۔ تنقید یہ نہیں کہ کسی چیز کو غلط کہہ دیا جائے بلکہ اس کی تصحیح بھی کی جانی چاہیے۔

''کرناٹک میں اردو کی نعتیہ شاعری'' شاہ رشاد عثمانی صاحب کا کافی معلوماتی مضمون ہے لیکن انہوں نے بھی بعض سقیم اشعار نقل کیے ہیں، مثلاً

وہی نظر ہے زمانے میں کامیاب نظر جو نقش پائے محمد کو ڈھونڈتی ہوگی

(منیر احمد حامی کے) شعر کی ردیف ضائع ہوگئی، یہاں ''ہوگی'' کی بجائے ''ہے'' کی ضرورت ہے۔

جو شخص مصطفےٰ کا مددگار ہوگیا اللہ پاک اس کا مددگار ہوگیا

(سورجؔ کرناٹکی کے) شعر میں قافیہ نہیں ہے اور اگر ''مددگار'' کو قافیہ تسلیم کریں تو ''ایطائے جلی'' کا

''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۹ صفحہ نمبر ۶۰۵ پر سیّد ہاشم حسین صاحب نے سورۂ یٰسین کی آیت ''و کل شیء احصینه فی امام مبین'' [آیت: ۱۲] کے ترجمے پر اعتراض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب قبلہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: اور ہم نے ہر چیز کو ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے'' یہاں امام مبین کے معنی ''کھلی کتاب'' لیے گئے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں۔ عرض ہے کہ ''مفتاح اللغات'' عربی کا صفحہ نمبر ۵۹ ملاحظہ فرمائیں جہاں امام کے معنی ''کتاب'' اور ''قرآن مجید'' بھی ہیں جب کہ ''امام مبین'' کے معنی لکھے ہیں: ''لوحِ محفوظ یا کھلا ہوا راستہ''۔ اس آیت کی وضاحت سورۂ نبا کی آیت نمبر ۲۹ سے ہوتی ہے جو یہ ہے ''و کل شیء احصینه کتبٰا'' الفاظ وہی ہیں جب کہ ''امام مبین'' کی جگہ ''کتبٰا'' کہہ کر وضاحت کردی گئی ہے کہ یہاں کتاب یا لکھی ہوئی چیز مراد ہے، بلاشبہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام ہیں وہ صرف ولی نہیں بلکہ امام الاولیا ہیں لیکن مندرجہ بالا آیات میں کتاب یا لکھی ہوئی چیز کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جناب احمد صغیر صدیقی نے راقم الحروف کا تنقیدی خط پسند فرمایا اُن کا شکریہ۔ صفحہ نمبر ۵۳۹ پر جناب منصور ملتانی نے حمدیہ مجموعے ''ربِ خیرالبشر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے، ''مجھے یہ بھی کچھ عجیب سا لگا کہ سجاد سخن کے لیے تقریباً چالیس صفحات اور تنویر پھول کے لیے تقریباً پینتیس صفحات مخصوص کیے گئے۔ جب کہ ڈاکٹر شاہد الوری اور سحر وارثی کے کلام کے لیے صرف ایک ایک صفحہ۔ میرے خیال میں اتنا واضح امتیازی سلوک مناسب نہیں تھا۔'' اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جن شعرا نے زیادہ تعداد میں ردیفی حمدیں کہیں انھیں زیادہ صفحات ملے اور جنھوں نے کم کہیں انھیں کم صفحات ملے اس میں امتیازی سلوک کی کوئی بات نہیں ہے۔ (تنویر پھول ص، ۲۵۹)

احمد رضا خان:

ڈاکٹر صابر سنبھلی کا مضمون ''حدائقِ بخشش کے صنائع بدائع پر ایک اور نظر'' اس سے قبل بھی ''دبستانِ نعت'' (عادل آباد، بھارت) کے پہلے شمارے کے صفحات ۵۷ تا ۶۱ پر شائع ہو چکا ہے۔ جو صابر سنبھلی صاحب کے لیے حیرت انگیز ہیں اور اہلِ ادب جن کا آج تک نام طے نہیں کر سکے وہ صدیوں سے ادبی کتابوں میں اپنے ناموں کیساتھ موجود ہیں، مثلاً تجنیس تام، تجنیس ناقص، تجنیس مرکب وغیرہ اب یہ الگ بات ہے کہ صابر صاحب ان الفاظ میں صنعت بتا رہے جن میں صنعت ہے ہی نہیں مثلاً یہ شعر،

ہے ایسے ہی سرکارِ دوعالم V کے باعثِ تخلیقِ کائنات اور فخرِ موجودات ہونے کے اوصاف کی جانب اشارہ کرنے کے لیے یہ لفظ فاضلِ بریلوی نے استعمال کیا ہے۔ یاد رہے نبی کریم V کی شان میں ''دولہا'' کا لفظ شعرا نے نہیں بلکہ جلیل القدر محدثین نے بھی استعمال کیا ہے، مثلاً امام قسطلانی ''مواہب الدنیہ میں لکھتے ہیں:''فاذا ھو عروس المملکۃ'' یعنی نبی کریم V نے شبِ معراج عالم ملکوت میں اپنی ذات مبارک کی تصویر ملاحظہ فرمائی تو دیکھا کہ حضور تمام سلطنتِ الٰہی کے دولہا ہیں۔ اسی طرح دلائل الخیرات میں امام محمد بن سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ جو درود لکھتے ہیں اس میں ہے:''وعروس مملکتک'' ایسی ہی اور کئی مثالیں ہیں جو طوالت کے خوف سے یہاں تحریر نہیں کر رہا۔

یہاں ایک عجیب بات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ کشفی صاحب نے ص ۳۲ پر اپنے اعتراض کا جواب خود ہی لکھ دیا ہے کہ ''مولانا احمد رضا خاں کی علمیت، شاعرانہ تخیل، قرآن و حدیث سے ان کے تعلق نے بعض شاعرانہ علامات کے سیاق و سباق کو بدل دیا ہے اور وسیع منظر و پس منظر میں نئے معانی ہمارے ذہن میں طلوع ہوتے ہیں۔'' اب کشفی صاحب سے گزارش فقط اتنی ہے کہ وہ دولہا کے نئے معانی بھی فاضل بریلوی کے حوالے سے ذہن نشین کر لیں۔ (حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی ص ۶۹،۳)

اس شمارے میں استاذ ادب محترم جناب سیّد ابوالخیر کشفی صاحب کا جو ایک مضمون بعنوان ''نعت کے موضوعات'' شائع ہوا ہے اس میں انھوں نے ایک واقعی قابل گرفت مصرع ''روزِ جزا کے مالک و آقا تھی تو ہو'' کے قبیل میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اس مصرع ''میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب'' کو بھی قابل گرفت قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں نہ تو کوئی توضیح و تشریح کی ہے نہ ہی لغت و زبان اور قرآن و احادیث کی روشنی میں کوئی تجزیہ! مصرع ثانی جو مطلب صاف کر دیتا ہے اسے بھی لکھنے کی زحمت نہیں کی۔ راقم نے اس کے جواب میں ایک مضمون بعنوان ''مصرع رضا اور کشفی صاحب'' لکھا ہے جو برائے اشاعت روانہ ہے اور جس کا چھپنا ضروری ہے تاکہ کشفی صاحب کے الزام کی صفائی ہو سکے۔ (ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ص ۶،۷۱)

اعلیٰ حضرت کی شاعری: فکری و فنی مطالعہ:

(اعتراضات اور رد اعتراضات کی روشنی میں)

☆ شمارہ نمبر ۱۳ ہی میں شارق جمال صاحب کا مضمون ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' شائع ہوا

عیب ہے۔اس میں تجنیس تام بھی نہیں ہے۔(ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۵۰۵/۲۷)

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اور احمد رضا خان:

(۲) جناب ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی صاحب کا مقالہ بڑا جان دار ہے اور انھوں نے بڑی عمدگی کے ساتھ قارئین کو بھی سلامِ رضا کے دو باغوں کی سیر کرائی ہے۔ایک جگہ انھوں نے فرمایا ہے:

دولھا، برات،نوشہ،شادی،نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اوران کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند تھے۔نوشۂ بزمِ جنت کومرکزِ بزمِ جنت،شانِ بزمِ جنت، رونقِ بزمِ جنت، کعبۂ بزمِ جنت کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔

بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اس تلازمے کی توجیہ کی ہے، تاہم اس سلسلے میں یہ ضرور عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ: نوشۂ بزمِ جنت کی ترکیب سامنے آنے کے بعد سچی بات ہے کہ باقی جتنی ترکیبیں بیان کی ہیں کسی میں وہ حسن اور جاذبیت نہیں ہے جو اس ترکیب میں ہے، عربی کا ایک مقولہ ہے"لاعطر بعد عروس" دلھن کے عطر کے بعد کسی عطر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم V بزمِ جنت کے دولھا ہیں باقی سب براتی ہیں۔(یعنی طفیلی)

"دلائل الخیرات" میں ہے(و عروس مملکتک) اے اللہ اپنی مملکت کے دولھا پر رحمتیں نازل فرما۔اس کی شرح میں علامہ فاسی نے بڑی عمدہ گفتگو کی ہے اور"مواہب لدنیہ" کے حوالے سے بعض علما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ(ولقد رآی من آیاتِ ربه الکبری)اس کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم V نے ملکوت (عالم بالا) میں اپنی صورت دیکھی (فاذا ھو عروس المملكة)تو آپ ہی مملکتِ الٰہیہ کے دولھا تھے۔

(دیکھیے مطالع المسرات عربی،ص۲۲۳)(عبدالحکیم شرف قادری ص،۶۳۳)

ڈاکٹر کشفی نے ص ۲۹ پر اعلیٰ حضرت کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے:

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

اور لکھا ہے:"دولہا، برات،نوشہ،شادی،نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اوران کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو اس درجہ کیوں پسند ہیں۔" عرض یہ ہے کہ جیسے برات کا مرکز دولہا کی ذات ہوتی ہے اور اسی کے دم سے برات ہوتی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے
(علامہ اقبال)

چاہتا ہے عشق رازِ حسن عریاں کیجیے یعنی خود کھو جایے، ان کو نمایاں کیجیے
(جگر مرادآبادی)

وہ مرے اشک کو دامن پہ جگہ دیتے ہیں یعنی منظور ہے اس قطرے کو دریا کرنا
(بیدم وارثی)

بہتے رہتے ہیں مری آنکھ سے ہر دم آنسو یعنی ہر وقت تمھیں یاد کیا کرتا ہوں
(بہزادؔ لکھنوی)

وہ نگاہِ مست اٹھی گردش میں جام آ ہی گیا یعنی وقتِ امتیازِ خاص و عام آ ہی گیا
(شکیل بدایونی)

بات بگڑی ہوئی سرکار بنانے آئے یعنی مخلوق کو خالق سے ملانے آئے
(تابش صمدانی)

اگر دواوین کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایسے اشعار اور بھی سامنے آسکتے ہیں۔ شارق جمال صاحب اگر اس ''قاعدۂ بے فائدہ'' پر عمل کرنے والوں کے نام لکھ دیتے اور ان کے اشعار بھی درج کرتے تب تو کوئی بات تھی۔ میرے خیال میں اب اس باب کو بند ہو جانا چاہیے کیوں کہ ایک ہی لکیر کو پیٹتے رہنا کوئی دانش مندی نہیں۔ شارق صاحب اب فاضل بریلوی کے کلام میں کوئی اور ''سقم'' تلاش کریں۔ اس سلسلہ میں ظہیر غازی پوری صاحب اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب سے انھیں مدد مل سکتی ہے۔

میں نے شمارہ نمبر ۱۲ میں اعلیٰ حضرت کے مصرع ''بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے'' کے بارے میں لکھا تھا کہ ''بے کسوں کی واو گرا کر پڑھیں''، اس پر احمد صغیر صدیقی صاحب اپنے خط (مطبوعہ شمارہ نمبر ۱۳) میں فرماتے ہیں، ''ہم تو اس کی واو گرانے کے چکر میں خود ہی گر پڑے مگر واو نہیں گرا سکے''، جواباً عرض ہے کہ میں نے اس خط میں مشاہیر اساتذہ کے اشعار بھی بطور حوالہ پیش کیے تھے۔ اگر ان کو پڑھنے کا طریقہ بھی بتا دیتا تو شاید صدیقی صاحب بے ہوش ہو جاتے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چند بزرگوں نے دانستہ ''اینٹی فاضل بریلوی موومنٹ'' چلا رکھی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو باتیں مشاہیر شعرا کے کلام میں موجود ہیں ان پر کوئی حرف نہیں

جس میں انھوں نے ۱۸۹۳ء کی ایک تحریر سے اقتباس درج کیا ہے۔ اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

> اس قاعدے کے وجود میں آنے کے بعد خواہ غالب کے اشعار میں، ظہیر غازی پوری کے کلام میں یا فاضل بریلوی احمد رضا کے شعروں میں یہ سقوط حروف علت نظر آنے پر اس سے فنی بحث یقیناً کی جائے گی۔ اس سقم پر سابقہ شعرائے فارسی و عربی کے اشعار کا سنداً پیش کرنا بھی درست نہیں کہ ان کے اشعار اس قاعدے کے نافذ ہونے سے پہلے کے ہیں۔

شارق جمال صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ''قاعدۂ بے فائدہ'' ہے۔ کیوں کہ بعد کے اساتذہ نے اسے تسلیم ہی نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرزا داغ دہلوی نے ''قصیدۂ اردوئے معلّٰی'' میں جو کچھ فرما دیا اب تک اسی کو حرف آخر مانا جا رہا ہے۔ شارق صاحب نے خوامخواہ زحمت فرمائی کہ اعلیٰ حضرت کے مصرع ''یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا'' کی با قاعدہ تقطیع کر کے ثابت کیا کہ یعنی، کی ''ی'' ساقط ہے۔ حضور والا ایک عروض داں مصرع پڑھتے ہی سمجھ لیتا ہے کہ کون سا حرف تقطیع میں آ رہا ہے اور کون سا گر رہا ہے۔ بحث یہ نہیں کہ یعنی کی ''ی'' گری ہے یا نہیں۔ بحث اس پر ہے کہ یعنی کی ''ی'' گرائی جا سکتی ہے یا نہیں اور کیا اساتذہ نے اس کی پابندی کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ''ی'' کسی بھی لفظ کی ہو نہ گرائی جائے تو بہتر ہے لیکن اگر ضرورتِ شعری کی وجہ سے گرانی پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ آیئے میں یعنی کی ''ی'' گرانے کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں:

یاد رکھو نون آئے حرفِ علت کے جو بعد — چاہیے اعلان اس کو نون غنہ بھی روا
یعنی دیں کو دین بولو، آسماں کو آسمان — ہاں مگر یہ فارسی ترکیب میں ہے ناروا
(داغ دہلوی از قصیدۂ اردوئے معلّٰی)

یعنی وہ جس کی ہوئی ذات سراپا برکات — باعث خلقِ زماں، موجب ایجادِ زمن
(محسن کاکوروی)

بھر کے ساقی ایک جام زہر ے آلود لا — یعنی خاکم در دہن آج آتشِ دل تیز ہے
(فانی بدایونی)(۶۴۳)

رہی اول الذکر بحر تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اعلیٰ حضرت کی یہ نعت مفعول مفاعیلن مفعول مفاعلین کے وزن پر ہی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مذکورہ مصرع کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ مزید تسلی کے لیے ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۲ میں صفحہ نمبر ۱۳۷ پر ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ''اشعارِ نعت اعتراضات کی حقیقت'' اور راقم الحروف کے خط کے مندرجات کا مطالعہ فرمائیں۔ میں نے اپنے مذکورہ خط میں میر تقی میر اور فانی بدایونی کے اس قسم کے اشعار بطورِ حوالہ درج کیے ہیں۔ (حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۶۴۵۔۶۴۳)

آپ کا جریدہ ''نعت رنگ'' اگر چہ کئی خوبیوں کا حامل ہے لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس جریدہ کے ذریعے ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت اعلیٰ حضرت کے اشعار پر اعتراض ہو رہا ہے۔ پہلے کشفی صاحب معترض رہے اور اب جناب ظہیر غازی پوری سامنے آئے ہیں۔

ظہیر صاحب نے ''نعت رنگ'' کے شمارہ نمبر ۱۱ میں ''حدائقِ بخشش'' سے ۳/ اشعار چن کر نکالے اور کہہ دیا کہ ان کے مصرعے بحر سے خارج ہیں۔ اگر ظہیر صاحب یہ ''کارنامہ'' انجام دینے سے پہلے کسی بھی عروض داں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر لیتے اور عروض کی باریکیاں سمجھ لیتے تو انھیں آج اس قسم کی شرمندگی نہ اُٹھانی پڑتی۔ اب آیئے میں ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جواب دیتا ہوں۔

ظہیر صاحب نے اعلیٰ حضرت کے جن اشعار کو بحر سے خارج قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے
زائر گئے بھی کب کے دن ڈھلنے پہ ہے پیارے
اُٹھ میرے اکیلے چل کیا دیر لگائی ہے
ہم دل جلے ہیں کس کے، ہٹ فتنوں کے پرکالے
کیوں پھونک دوں اک اُف سے کیا آگ لگائی ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ضرورتِ شعری کی بنا پر حرفِ علت گرایا جاسکتا ہے اور یہ قاعدہ اتنا عام ہے کہ ہر شاعر اس سے واقف ہے۔ مرزا داغ دہلوی مرحوم کا ''قصیدۂ اردوئے معلیٰ'' بہت مشہور ہے۔ اپنے اس قصیدہ میں وہ فرماتے ہیں:

وزن سے ہرگز نہ کوئی حرف گرنا چاہیے   ہاں مگر گرنا الف اور واؤ کا ہے روا

رکھتا لیکن اگر وہی چیز اعلیٰ حضرت کے کلام میں نظر آ جائے تو صفحے کے صفحے کالے کر دیے جاتے ہیں۔

احمد صغیر صاحب نے اعلیٰ حضرت کی ایک اور نعت کے چند اشعار پر اعتراض کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اجمالاً عرض ہے کہ مطلع کے دوسرے مصرع میں لفظ ''کیف'' حضرت جبریل امین کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ انھوں نے ایک اور شعر میں لفظ ''قدس'' پر بھی اعتراض کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس لفظ کا املا دونوں طرح صحیح ہے یعنی ''د'' پر پیش بھی جائز ہے اور سکون بھی۔ اس سلسلہ میں کسی بھی عربی نعت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ صدیقی صاحب نے اسی نعت کا ایک مصرع غلط لکھا ہے۔ اصل مصرع یوں ہے۔ ''دل کو دے نور و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کر''۔ اعلیٰ حضرت کے مصرع ''اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس میں میٹر پر جو گزری ہے وہ ضرور دیکھیے۔'' صدیقی صاحب سے عرض ہے کہ میٹر پر کچھ نہیں گزری۔ مصرع کا ہر حرف اپنی جگہ موزوں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ کی قابلیت اپنی جگہ مگر ''عروض چیزے دیگر است۔'' فاضل بریلوی کی یہ نعت جس بحر میں ہے اس کے ارکان یہ ہیں:۔ ''مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن'' اور مصرع میں دونوں جگہ (درمیان میں بھی اور آخر میں بھی) مفاعلن کی جگہ مفاعلان استعمال ہو سکتا ہے اور اساتذہ نے کثرت سے استعمال کیا ہے۔ اگر موصوف غالب کا مصرع ''دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں'' پیشِ نظر رکھتے تو انھیں اس اعتراض کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔

ڈاکٹر شمیم احمد گوہر صاحب اپنے خط میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مصرع ''اے بےکسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے'' کے متعلق فرماتے ہیں:

> یہ پورا مصرع ہی غلط نقل کیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بے بحر مصرع کا وزن تک بتاتے ہوئے اس کی تقطیع بھی کر دی گئی۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔ حالاں کہ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔ ''اے بےکسوں کے آقا اب ہے تری دہائی''۔ اس کی بحر مضارع مثمن اخرب کے تحت مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ہے اور اول مثمن مشکول کے تحت فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن ہے۔

سبحان اللہ، کیا کہنے، قربان جائیے اس عروض دانی کے۔ محترم گوہر صاحب نے جو دو بحریں رقم فرمائی ہیں، ان میں مؤخر الذکر بحر کا تو اعلیٰ حضرت کے مصرع سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔

کے وزن پر بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔

اس قسم کا ایک شعر فانی بدایونی کا بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

جو دل میں حسرتیں ہیں سب دل میں ہوں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے

فانی نے یہ غزل مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن کے وزن پر کہی ہے لیکن اس شعر میں دوسرے مصرع کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول مفاعیلن کے وزن پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ظہیر صاحب خود بھی اگر چاہیں تو اس قسم کی سیکڑوں مثالیں اساتذۂ کرام کے کلام سے نکال سکتے ہیں۔

ظہیر غازی پوری صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ایک اور شعر میں ''یعنی'' کی ''ی'' گرانے پر اعتراض کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''ی'' گرانا کیوں ناجائز سمجھ لیا گیا جب کہ یہ عروض کے مسلّمہ اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اس ضمن میں فانی بدایونی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

بھر کے ساقی ایک جامِ زہر مے آلود لا
یعنی حاکم در دہن آج آتشِ دل تیز ہے

اس شعر میں بھی ''یعنی'' کی ''ی'' ساقط ہے۔

مرزا داغ دہلوی کے ''قصیدہ اردوئے معلّٰی'' کے مندرجہ ذیل اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

یاد رکھو نون آئے حرفِ علت کے جو بعد
چاہیے اعلان اس کو، نون غنہ بھی روا
یعنی دیں کو دین بولو، آسماں کو آسمان
ہاں مگر یہ فارسی ترکیب میں ناروا

ملاحظہ کیجیے دوسرے شعر میں ''یعنی'' کی ''ی'' ساقط ہے۔ اب ظہیر صاحب بتائیں کہ کیا وہ داغ پر بھی اعتراض کریں گے۔

اب آیئے تقابل ردیفین کے موضوع پر، اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ شاعر کی جانب سے اپنے کلام پر نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات اس قسم کا عیب باقی رہ جاتا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس پر بغلیں بجائی جائیں۔ اساتذہ کے کلام سے اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل اشعار حاضر ہیں:

دوسری بات یہ کہ بعض مصرعے ذوالبحرین ہوتے ہیں اور انھیں دو بحروں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اقبال کا یہ شعر فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن کے وزن پر ہے، مگر اس کا پہلا مصرع ذوالبحرین ہے اور وہ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن کے وزن پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں مصرعے مختلف اوزان پر پڑھ کر علامہ اقبال پر اعتراض کر دے تو کیا کوئی عقل مند شخص اسے تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی صورتِ حال اعلیٰ حضرت کے مذکورہ تینوں اشعار میں ہے۔ ظہیر صاحب نے عروض کی باریکیوں سے نابلد ہونے کی بنا پر جو اعتراض کیا ہے وہ لغو ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کی مذکورہ نعت مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے وزن پر ہے لیکن پہلے شعر کے مصرع ثانی کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہے اور مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے اشعار میں مصرع ہائے اولیٰ کے پہلے ٹکڑے بھی ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ شاید یہ تفصیل ظہیر صاحب کے پلے نہ پڑی ہو اس لیے بطورِ وضاحت میں تینوں اشعار کے پڑھنے کا طریقہ بتا دیتا ہوں۔

پہلا شعر: ''اے بے کسوں کے آقا'' میں ''بے کسوں'' کا واؤ گرا کر پڑھیں۔
دوسرا شعر: زائر گئے بھی کب کے'' میں ''گئے'' کی ''ی'' گرا کر پڑھیں۔
تیسرا شعر: ''ہم دل جلے ہیں کس کے'' میں ''جلے'' کی ''ی'' گرا کر پڑھیں۔

اب میں اس قسم کی مثالیں اساتذہ کے کلام سے پیش کرتا ہوں ء
میری تقی میر کی ایک غزل کے ۲ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اب میر جی تو اچھے زندیق ہی بن بیٹھے
پیشانی پہ وہ قشقہ، زنّار پہن بیٹھے
آزردہ دل الفت ہم چپکے ہی بہتر ہیں
سب رو اُٹھے گی مجلس جو کر کے سخن بیٹھے

میر نے یہ عمل مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے وزن پر کہی ہے مگر پہلے شعر میں مصرع اولیٰ کا پہلا ٹکڑا اور دوسرے شعر میں مصرعِ ثانی کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہیں اور مفعول فاعلاتن

شعر (۲۳۴) میں اسے مجسم بنا کر پیش کیا گیا ہے، اگر یہ مطلب ہے تو یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں، کیوں کہ شعر کے کسی حصے اور کسی پہلو سے یہ مطلب نہیں نکلتا۔ پھر یہ بات بھی سمجھ سے بالا ہے کہ ''دنیاوی محبوب و محبّ کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا، کیوں؟ کیا اس لیے کہ وہ اُخروی ہے، دنیاوی محبوب نہیں ہے؟ اللہ والے دنیا میں بھی اس سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، آخرت میں بھی، اس سے زیادہ محبت کریں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **یحبھم و یحبونہ**۔ (۵/۵۴)

ظہیر صاحب پھر لکھتے ہیں:

> ویسے بھی محبوب کو مالک کا درجہ عطا کرنے کا سیدھا اور صاف مطلب ہوا کہ رسول کو خدا کہا یا تسلیم کیا اور یہی وہ مقام ہے جہاں بہ قول حضرت احمد رضا خاں صاحب، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہنچ جاتا ہے۔

اس عبارت کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم V کو مالک مان لینے سے شرک لازم آتا ہے۔ کس چیز کا مالک ماننے سے شرک لازم آتا ہے؟ اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ **فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم**. (۴/۳)

اگر تمھیں خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے تو ایک عورت سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ سے استفادہ کرو۔

۲۔ **او ما ملکتم مفاتحہ**. (۲۴/۶۱)

یا تم جس گھر کی چابیوں کے مالک ہو۔

۳۔ **قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا الا ما شاء اللّٰہ**. (۷/۱۸۸)

۴۔ **لایملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عھدا**۔ (۱۹/۸۷)

بندے شفاعت کے مالک نہیں ہاں جس نے اللہ سے عہد لیا۔

۵۔ **واتبعوا ماتتلوا الشیاطین علی ملک سلیمن**۔ (۲/۱۰۲)

انھوں نے اس جادو کی پیروی کی جس کی تلاوت شیطان کیا کرتے تھے، سلیمان کی حکومت کے زمانے میں۔

غور وفرمائیں ان آیات میں انسان کو غلاموں اور لونڈیوں کا مالک قرار دیا، گھر کی چابیوں کا مالک فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نفع وضرر کا مالک قرار دیا، جس کے پاس عہد

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا (ذوق)

تجھے نسبت جو دیتے ہیں شرار و برق و شعلہ سے
تسلی کرتے ہیں ناچار شاعر ان مثالوں سے (میر تقی میر)

لاکھوں جتن کیے ہیں، مر مر کے ہم جئیں ہیں
کیا کہیے کیسی کیسی کڑیاں اُٹھائیاں ہیں

یہ کیا کہتے ہو فانی سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

عزیزِ خاطرِ فطرت ہے، جانِ عبرت ہے
ہر ایک ذرّہ جو اس عالمِ غبار میں ہے (فانی بدایونی)

اب رہا معنوی اعتبار سے اعلیٰ حضرت کے ان اشعار کے قابل گرفت ہونے اور حصارِ نعت میں آنے کا معاملہ تو میں یہ عرض کردوں کہ میں عالم دین نہیں اس لیے اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ تاہم مجھے قوی اُمید ہے کہ حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب اس پر ضرور خامہ فرسائی کریں گے اور ظہیر غازی پوری صاحب کے افلاسِ علم کو ظاہر کردیں گے۔

(حافظ عبدالغفار حافظ ص، ۶۵۱۔۶۴۸)

ظہیر غازی پوری (بھارت) کا مقالہ ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' بھی معلومات افزا اور چشم کشا ہے۔ انھوں نے بہت سے اشعارِ نعت پر صحیح گرفت کی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ انھوں نے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ کے ایک شعر پر معنوی اور فکری اعتبار سے گرفت کی ہے وہ شعر یہ ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

ظہیر غازی پوری کہتے ہیں کہ:

اللہ ربّ العزت چوں کہ بے جسم، بے پیکر اور بے بدن ہے، اس لیے دنیاوی محبوب و محبّ کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔

(''نعت رنگ''، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۱)

یہ عبارت بالکل غیر واضح ہے، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بے جسم ہے اور اس

بخاری شریف (ص ۵۸۵) میں ہے، **اعطیت مفاتیح خزائن الارض۔** ہمیں زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔

اس حدیث کے تحت علامہ محمد عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

> یا دنیا کے تمام خزانے مراد ہیں، بندے جس چیز کے مستحق ہیں وہ انھیں نکال کر دیتے ہیں، اس جہان میں جو کچھ ظاہر ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہی دے گا جس کے ہاتھ میں چابی ہوگی۔
>
> (فیض القدیر، شرح جامع صغیر، ۱/۵۶۴)

حضرت ربیعہ ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم V نے انھیں فرمایا، ''سل ربیعه!'' مانگو۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

> اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی جو بھلائی چاہو مانگو۔ نبی اکرم V نے مطلقاً فرمایا کہ مانگو اور کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ حضور اقدس V کے دست ہمت و کرامت میں ہے، جسے چاہیں جو چاہیں اپنے رب کے اذن سے عطا فرمائیں۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں:

فان من جودک الدنیا و ضرتها
و من علومک علم اللوح والقلم

> دنیا و آخرت آپ کے جود و کرم کا حصہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔ (مسک الختام، طبع کان پور، ۱/۲۷۶)

نبی اکرم V نے یہودیوں کو ارشاد فرمایا:

اسلموا تسلموا و اعلموا ان الارض للّٰه و رسوله.

> اسلام لے آؤ، محفوظ ہو جاؤ گے اور جان لو کہ زمین اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ہے۔ (بخاری شریف، عربی، ج ا ص ۴۴۹)

دراصل بات یہ ہے کہ اگر بادشاہ اپنے وزیر کو اور آقا اپنے غلام کو اپنی تمام مملوکہ اشیا میں مختارِ عام بنا دے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وزیر بادشاہ کے برابر ہو گیا ہے اور غلام اپنے آقا

ہے اسے (۶۳۵) شفاعت کا مالک قرار دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک کا مالک قرار دیا اور کہیں شرک لازم نہ آیا، کیوں کہ قرآن پاک میں شرک کا سوال ہی نہیں ہے، نبی اکرم V کو مالک ماننے سے شرک کیسے لازم آ گیا؟

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ ''شرح عقائد'' میں فرماتے ہیں کہ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب بالذات مانا جائے یا مستحق عبادت مانا جائے۔ (شرح عقائد) مالک ماننے سے شرک تب لازم آئے گا جب نبی اکرم V کو اللہ تعالیٰ جیسا مالک مانا جائے، کیوں کہ اس وقت نبی اکرم V کو واجب بالذات ماننا پڑے گا۔ جب کہ امام احمد رضا فرماتے ہیں، ''میں تو مالک ہی کہوں گا'' یہ الفاظ خود پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے چوں کہ ربّ کریم نے آپ کو کائنات میں تصرف کا اختیار دے رکھا ہے، اس لیے میں تو یہی کہوں گا کہ آپ بھی مالک ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اس کی اجازت سے، دیکھیے قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر ۔ (۱۹/۳)

میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی مورت پیدا کرتا ہوں۔

ہوسکتا ہے کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خلق اور ایجاد کی نسبت اپنی طرف کرنا شرک ہے، لیکن اس کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اذن کا صراحۃً ذکر ہے۔ (فیکون طیرا باذن اللّٰہ)

آیئے! سرکارِ دو عالم V کے اختیار اور تصرف کی ایک جھلک دیکھیں:

۱۔ نبی اکرم V فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے چار وزیروں سے تقویت دی ہے، دو آسمان والے جبرئیل اور میکائیل اور دو زمین والے ابوبکر اور عمر۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں روایت کیا۔ (الصواعق المحرقۃ، ابن حجر مکی، ص ۷۸)

ظاہر ہے کہ وزیر بادشاہ ہی کے ہوتے ہیں، نبی اکرم V کے دو وزیر آسمان میں اور دو زمین میں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی:

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے، چاند اشاروں سے ہو چاک

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم V نے فرمایا، ہم سوئے ہوئے تھے، ہمارے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور ہمارے ہاں رکھ دی گئیں۔
(مسلم شریف، عربی ۱/۱۹۹)

تعالیٰ نے اپنے پیدا کردہ اوّلین نور سے اپنے حبیب اکرم V کو پیدا کیا، یہ نہیں کہ ایک پیکر پیدا کیا وہ نبی اکرم V تک پہنچا۔ (محمد عبدالحکیم شرف قادری ص، ۶۳۸۔۶۳۶)

نعت رنگ: احمد رضا خان نمبر:

''نعت رنگ'' ۱۸ (مولانا احمد رضا بریلوی خان نمبر) نظر نواز ہوا۔ یہ مولانا کے شایانِ شان نمبر ہے۔ کئی بہترین تحریروں سے مالا مال اور آپ کی محنت کا بولتا ثبوت۔ آپ نے اداریے میں صحیح لکھا ہے کہ مولانا کو بحیثیت شاعر موضوعِ گفتگو کو بنانے سے گریز کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ ایک بڑی دینی شخصیت تھے۔ ورنہ یہ بھی حقیقت ہے کہ نعت کے میدان میں وہ ایک بلند بالا حیثیت رکھتے ہیں۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۷۴)

''نعت رنگ'' کا خصوصی شمارہ احمد رضا خان بریلوی نمبر موصول ہوا۔ اس لطفِ خاص اور محبت وعنایت کا شکر گزار ہوں۔ بالاستعیاب دیکھا، پڑھا اور عَش عَش کیا۔ آپ کی لگن، جستجو اور محنت وسلیقے پر حسنِ ذوق اور حسنِ اظہار ہر دو میں بے مثل و یادگار رہے گا۔ غالباً مولانا احمد رضا خانؒ اور ان کی نعت گوئی اور اثرات کو اس اہتمام سے اب تک کسی نے نہ موضوع بنایا ہوگا نہ کسی سے اس طرح حق ادا ہوا ہوگا۔

مبارک باد بھی قبول کیجیے۔ اس سعادت پر جو آپ ''نعت رنگ'' سے اور نعت کے میدان میں حاصل کر رہے ہیں۔ واجبات کے ساتھ (ڈاکٹر معین الدین عقیل ص، ۸۲۵)

کے برابر ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم V کو کائنات میں تصرف کا اختیار دیا ہے تو اس سے برابری اور شرک کہاں سے لازم آ گیا؟

امام احمد رضا نے پیش نظر شعر میں محبت کے لطیف ترین جذبے کے حوالے سے استدلال کیا ہے کہ ہمیں جس سے محبت ہو اور دل کی گہرائی سے محبت ہو، اس کے ساتھ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ چیز میری ہے اور یہ تمھاری ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو محبت کے جذبۂ لطیف سے عاری ہو اور یہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی اکرم V اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب V کو اپنی کائنات میں تصرف کی اجازت دے رکھی ہے۔ علامہ اقبال اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ بندے کا محتاج ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ کہ بندہ اپنی رضا کو اللہ کی رضا میں اس طرح فنا کر دیتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے وہی بندے کی رضا ہے۔ ظہیر صاحب اس کے باوجود لکھتے

کشف اور کیف کے عالم میں محبّ رسول اگر اس منزل تک پہنچ جاتا ہے تو ادل اور مذہبی نقطۂ نظر سے یہ کیفیت قابلِ گرفت ہے، مگر اللہ بڑا مہربان ہے اور غفور الرحیم بھی تو ہے۔ (''نعت رنگ''، ص ۱۳۲)

جب ایک رویہ یا نظریہ حد شرک میں داخل ہو جائے تو وہ نا قابلِ معافی ہے، اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہونے کے باوجود اسے نہیں بخشتا۔ ارشادِ ربانی ہے:

ان اللّٰہ لایغفر ان یشرک بہ۔ (۴/۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔

ظہیر صاحب خود یہ لکھ گئے ہیں:

اپنے نور سے بھی اس نے ایک پیکر تراشا جو اس کے لیے محبوب ترین تھا، وہ نور پیشانی آدم میں محفوظ ہوا اور محمد مصطفیٰ V تک پہنچا۔ (''نعت رنگ''، ص ۱۳۱)

اپنے نور سے ایک پیکر تراشنے کا تصور بڑا ہول ناک ہے، کیوں کہ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اجزا سے پاک ہے۔ مذکورہ بالا عبارت کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے ایک ٹکڑے کا پیکر تراشا جو حضرت محمد مصطفیٰ V تک پہنچا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ

سرکار یہی کچھ ہے متاعِ فقیر... رہا معاملہ جان کا سو وہ آپ V کے سوا اور کس کی ہے۔

تائب صاحب طریقۂ راسخہ کے شاعر ہیں۔ سچ پوچھیے تو نعت گوئی کا دوسرا کوئی راستہ ہے بھی نہیں۔ حضورِ شاہ V سانس لینا بھی ایک ذمہ داری ہے۔ کبھی مواجہ شریف میں نفس گم کردہ ہو کر کھڑے رہیے اور جب زندگی اپنا حق مانگے تو سانس لیجیے کیا عجب یہی عمل آپ کی نعت بن جائے۔ حفیظ تائب کا معاملہ یہی ہے سالہا سال سے یوں ہوا ہے کہ ہم دونوں کے قیام طیبہ کا زمانہ ایک رہا ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مسجد نبوی میں ملنے سے گریزاں رہے کیوں؟ میرے عزیز! کیا یہ بات تمہیں بھی بتاؤں ایک بار ہم لوگوں کا قیام ایک ہی جگہ تھا ایک دن بیوی نے مواجہ شریف پر حاضری سے پہلے تائب صاحب سے کہا کہ مجھے کوئی دعا، کوئی عرض داشت عطا کر دیجیے جسے میں اپنے آقا، اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دوں یہ ۲۷ رمضان ۱۴۱۳ھ کی بات ہے اور پھر تائب صاحب نے ان کی کتاب یادداشت پر وہ التجا لکھی جس کے چند مصرعے یہ ہیں۔

در پہ حاضر ہوئی ہے کوئی بے نوا اے حبیب خدا
حاضری میں حضوری بھی کیجیے عطا اے حبیب خدا
کچھ عجب وقت ہے میرے آنسو بھی اب ساتھ دیتے نہیں
پاس کچھ بھی نہیں عاجزی کے سوا اے حبیب خدا
میری نادانیوں، ظلم سامانیوں سے ہوں صرف نظر
ہر عمل آشنائے ادب ہو میرا اے حبیب خدا

''آشنائے ادب''... تائب صاحب کی نعت گوئی کے لیے کلیدی لفظ ہے (مسرور کیفی صاحب کے ہاں بھی یہ ادب سامانی مجھے نظر آتی ہے)

محبت اپنے اظہار کے پیرائے خود تراشتی ہے ذرا سوچیے کہ ہم میں سے کون ارض طیبہ ضیائے گنبد خضرا، فضائے مواجہ شریف کے لیے دعا کر سکتا ہے۔ ہم تو ان کے وسیلے سے دعائیں کرتے ہیں لیکن جب آدمی شہر طیبہ کی فضا کا حصہ بن جائے تو پھر ایسے شعر اس کی زبان کو عطا ہوتے ہیں۔

سرچشمۂ عطا درِ خیر الوریٰ کی خیر — گنبد سے جان و دل میں اترتی ضیا کی خیر
ہو منبر رسول سے بیت حضور تک — ہر یادگار خواجۂ ارض و سما کی خیر

(مصنف ص، ۳۸۔۳۷)

دیگر شخصیات

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی:

عزیزم! بات بھائی حنیف اسعدی تک محدود نہیں۔ ان سے پرانی دوستی ہے، دوستی نہیں بلکہ نیاز مندی: ع ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

میں نے نعت اور نعت گو شعراء پر تسلسل سے لکھا ہے، بلکہ یوں کہوں کہ نعتیہ مجموعوں پر مقدمے اور تبصرے لکھتے ہوئے نعت گوئی کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارے کردیے ہیں۔ اب تمھارے ''نعت رنگ'' نے اس جذبہ کو ابھارا ہے کہ نعت پر لکھوں اور مسلسل لکھوں۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ صرف انھیں شعراء کی نعت گوئی پر لکھ سکا ہوں جن کے مجموعوں پر مقدمے لکھے ہیں اور کئی اچھے اور بڑے نعت گو شعرا کا مقروض ہوں۔ سچ پوچھو تو میں اپنا مقروض بنوں کیوں کہ سلسلہ اور معاملہ نعت کا ہے۔ حضرت شرقی مرحوم، محترم بھائی حفیظ تائب، برادر مکرم عبدالعزیز خالد، جناب حافظ لدھیانوی اور مظفر وارثی صاحب جیسے شاعروں کا کلام مجھ سے اپنا حق مانگ رہا ہے۔

حفیظ تائب صاحب سے میرے رشتے کو کچھ کچھ تم جانتے ہو۔ ان کی آنکھوں میں شب بیداری کے شاہد بھی تم ہو۔ ایک بار ٹیلی ویژن پر نعتیہ مشاعرہ ہو رہا تھا۔ میرے ساتھ میرے عزیز اور بہت خوش گو شاعر محمد رئیس علوی بھی یہ مشاعرہ دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب بہت سے داد طلب اور دادعا برلب شعرا کلام پڑھ چکے تو حفیظ تائب صاحب نے نعت شروع کی۔ لہجہ محبت اور ادب کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور نگاہیں یوں جھکی ہوئی جیسے مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ پورا وجود دست بستہ آواز نرم، مودب اور رفعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احساس سے پست... ''اے اہل ایمان اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو۔'' ہزاروں میل کے فاصلے پر حضوری کا یہ احساس اور یہ شرف۔ اللہ اکبر۔ مجھے ''لاترفعوا'' کے مفاہیم کی خبر ہے۔ اپنے رجحانات، رائے اور خواہشات کو نبی V کی آواز اور حکم پر ترجیح نہ دو، لیکن سامنے کے اس مفہوم کا اجر بھی کچھ کم نہ ہوگا۔

اہل قلم کے پاس جذبات وفکر اور الفاظ ہیں حفیظ تائب اپنے الفاظ کو فکر کے رنگ میں گوندھ کر جذبات کی خوش بو ملا کر نہایت ندامت کے ساتھ بارگاہ عالی میں حاضر ہو جاتے ہیں کہ

موجودہ دارالحکومت سری نگر کو ریاست کے گرمائی دارالحکومت کی حیثیت حاصل تھی۔ تقسیمِ ہند کے بعد اپنے آبائی شہر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ (شہرِ اقبال) میں سکونت اختیار کی۔ میں البتہ ۱۹۴۹ء میں اس شہرِ قائد (کراچی) میں آبسا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

لکھنے لکھانے کا شوق زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا۔ نثر نگاری سے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ سیاست، دین، ثقافت، علم و ادب اور فلم و فن جیسے سبھی شعبہ جات پر لکھا اور اچھا خاصا لکھا ہفت روزہ ''نگار'' اور روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی میں راقم کے مضامین اور نگارشات (۱۶۰) اور شعری مواد بھی (غزلیات اور منظومات) اشاعت پزیر ہوتا رہا۔ خالصتاً ادبی (منظوم مجموعۂ کلام) ''بادِ صبا کی بات'' زیرِ ترتیب ہے (غزلیں، نظمیں، ملّی نغمے، رُباعیات و قطعات وغیرہ)

برادِ محترم! پروردگارِ عالم نے خوش الحانی کی نعمت غیر مترقبہ سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ تقسیمِ ہند سے چند سال قبل (غالباً ۱۹۴۲ء) سے قیامِ پاکستان (اگست ۱۹۴۷ء) تک جموں شہر میں نئی نسل کے تین مشہور و مقبول ثناخوانانِ رسول V میں اس خاکسار (افضل) کا نام بھی شامل تھا۔ دیگر دو نعت خوانوں میں قاضی ذکاء الدین آج بھی بقیدِ حیات ہیں اور شہرِ اقبال (سیالکوٹ) میں سکونت پذیر ہیں۔ دوسرے نعت خوان اور میرے جگری دوست شمس الدین المعروف شمّی، ہجرت کے دوران سانبہ کے قریب ''ماوا'' نامی اُس ویرانے میں شہید ہوئے۔ جہاں ۵ اور ۶ رنومبر ۱۹۴۷ء کو اسلامیانِ جموں کا اجتماعی قتل عام ہوا تھا اور سیکڑوں جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کی متاعِ حیات چھین لی گئی تھی اور عورتوں، معصوم اور کمسن بچیوں کو ہندو اور سکھ درندہ نما انسانوں نے اغوا کر لیا تھا اور اس پورے ''آپریشن'' میں ڈوگر فورج اور پولیس کے علاوہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے اسلام دشمن کارکن شامل تھے۔

کراچی میں بھی اگر چہ تسلسل سے نہیں لیکن اکثر و بیش تر محافل میلادالنبی اور اس قسم کی دیگر تقریباتِ سعید میں نعت خوانی کے ذوق کی تسکین کے لیے بھرپور حصہ لیتا رہا۔ ۱۹۹۵ء میں آواز میں دباؤ اور بھاری پن محسوس ہونے لگا اور نعت پڑھنے میں خاص طور پر اونچی سُر میں آواز اُٹھانے میں دِقت بھی محسوس ہونے لگی۔ اپنے معالج سے مشورہ کیا تو اُس نے (پہلی دفعہ) مجھے ایک E.N.T. سرجن الطاف ذکریا کے پاس بھیج دیا جس نے غالباً ۱۰ را کتوبر ۱۹۹۵ء کو میری بائی آپسی (Bi-opsy) کی اور اُس کی حتمی تجزیاتی رپورٹ کے موصول ہونے پر مجھے حلق کے سرطان

اور آخر میں سب سے اہم نام ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی سب سے اہم ہے۔ یقین مانیے ان کی تحریریں ذہن میں ہلچل مچا دیتی ہیں۔ دل کے تاروں کو چھیڑنا خوب جانتے ہیں۔ ان کے دونوں مضامین میں جو ماضی قریب کی تہذیبی زندگی کے حوالے سے پڑھنے کو ملے ان کے وسیلے سے اپنے ۷۵ سالہ ماضی کو بار بار دُہرانے اور لطف اندوز ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیب، ان کا تمدن، ان کا رکھ رکھاؤ کسی قدر جاں فزا اور روح کو بالیدہ کرنے والا تھا کہ آج ان کے ذکر سے تاریکیِ جاں میں اُجالے جاگ جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے مضمون میں ظاہری انتشار پایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس میں فکری ربط ضرور ہے۔ کیا خوب ہو اگر وہ ذہن میں محفوظ تہذیبی یادوں کے ذخیرے کو نئی نسل کی تربیت کی خاطر مفصل تحریر کر کے شائع کرنے کا اہتمام کر دیں۔

یوں تو مسلمانانِ عالم کا شعوری اور تہذیبی رویہ رو بہ انحطاط ہے۔ اس کی پست ترین سطح پر پاکستانی معاشرہ ہے کتنی بدنصیب قوم ہے جو گزشتہ نصف صدی میں ایک رہ نما قوت پیدا نہیں کر سکی۔ بیس ویں صدی کے نصف اوّل میں جو مسلمان رہ نما گزرے ہیں ان کے پست قامت بھی نصف آخر کے قدآور سے بلند تھے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی، علمی میدانوں میں ہُو کا عالم ہے۔ کوئی بے راہ روی کو روکنے والا نہیں کوئی درست راہ سجھانے والا نہیں۔ ڈاکٹر کشفی اور وہ تمام بزرگ جو تہذیبی یادوں کے خزانے رکھتے ہیں اب اپنی تحریروں کے ذریعے زمانے کو لٹا دیں یہ بڑا احسان ہوگا اس عہد پر۔ (شفقت رضوی ص، ۴۹۳۔۴۹۲)

احمد فراز:

احمد فراز ہیں اردو غزل کی آبرو، ان کی نعت بھی سجی ہوئی ہے۔ دھیمے لہجے کی نعتوں میں جناب سحر انصاری، مہر وجدانی، ماجد خلیل، ریاض حسین چودھری، عباس رضوی کا کلام خوب ہے۔ ذکیہ غزل کی نعت بھی سادہ مگر پُر اثر تھی۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۷۷)

افضل بیگ (افضل الفت):

میں اسے مناسب بھی سمجھتا ہوں اور ضروری بھی کہ آپ سے اپنا رسمی تعارف کرادوں۔ میرا نام تو افضل بیگ ہے لیکن افضل اُلفت کے قلمی نام سے مشقِ سخن کرتا ہوں۔ آبائی وطن تو جموں (مقبوضہ کشمیر) شہر ہے جو تقسیمِ ہند تک (اور کچھ عرصہ بعد تک بھی) ڈوگرہ حکمرانوں کا پایۂ تخت رہا۔

قسم کی کوئی تکلیف یا آواز میں کوئی ناخوش گوار تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ اس دوران میں اپنا Periodical check-up کرواتا رہا (ہر دو یا اڑھائی ماہ بعد) اگست ۱۹۹۷ء میں البتہ آواز میں وہی کیفیت پیدا ہونے لگی جسے طبی اصطلاح میں "Voice hoarsness" کہتے ہیں۔ بس پھر میں مارا مارا کہاں کہاں نہیں گیا۔ لاہور، اسلام آباد تمام بڑے بڑے سرطان کے مراکز اور ماہرین سے طبی معائنہ کروایا اور اُن کے مشوروں سے مستفید ہوا۔ آخر کار ڈاؤ میڈیکل کالج کے ENT پروفیسر اور سول ہسپتال کے شعبۂ حلق، ناک اور کان کے انچارج سرجن کے حتمی مشورے پر ذہن وقلب کو اس مرحلے کے لیے تیار کرلیا جس سے بچنے کے لیے میں نے کتنے ہی جتن کیے تھے اور حتیٰ المقدور کوشش کی تھی۔ مورخہ ۱۴رمئی ۱۹۹۸ء کو سول ہسپتال کے ENT وارڈ کے آپریشن تھیٹر میں پروفیسر سرجن جاوید عالم نے اپنے معاونین کی ٹیم کے ساتھ وہ کارنامہ سرانجام دیا جسے طبی اصطلاح میں (Total laryengectorny) کہتے ہیں۔ مریض کا ساؤنڈ بکس (آلہ صوت فطری) نکال دیا جاتا ہے۔ سرطان اُسی ساؤنڈ بکس کی دوصوتی تاروں (Vocal Cords) کے درمیان بر جمان تھا اور اب خوراک کی نالی کی طرف پیش قدمی کرنے والا تھا۔ پانچ گھنٹے تک جاری رہنے والے اُس میجر آپریشن (بلکہ اُسے میجر جنرل آپریشن کہنا زیادہ مناسب ہے) نے سرطان سے نجات کی نوید مسرت تو دی مگر ہمیشہ کے لیے قوتِ گویائی سے یکسر محرومی بھی مقدر بن گئی اور یوں یہ افضل خوش الحان، خوش ادا و خوش بیان ہمیشہ کے لیے بے نوا و بے زبان ہو کر رہ گیا۔ ابتدا میں تو عجیب قسم کی گھٹن بے چینی یاس و بے چارگی کے شدید احساس اور ذہنی دباؤ سے پریشان ہو کر کئی بار دل چاہا کہ موت کو گلے لگالوں لیکن پھر اپنے سے بھی زیادہ بے کسی اور لاچارگی کے شکار کچھ لوگوں کو زندہ رہتے ہوئے ہی نہیں بلکہ زندگی کرتے ہوئے دیکھا تو اندر سے ایک ایسی لہر اُٹھی جس نے ذہن وقلب کی اس پوری کیفیت کو یکسر بدل ڈالا جو مجھے ''مایوسی'' کے گھمبیر اور خوف ناک اندھیروں کی طرف لیے جارہی تھی۔ ربّ ذوالجلال کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا کہ اُس نے ایک نعمت (قوتِ گویائی) واپس لے لی ہے تو باقی تمام نعمتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں اور پھر سب کچھ اُس کی رضا ہی سے ہوتا ہے۔ وہ علیم وبصیر ہے اور قادرِ مطلق بھی۔

۲۹رمئی کو ہسپتال سے گھر واپسی ہوئی تو ۲رجون کا برادرِ محترم! یہ قطعہ ہوا:

''یہ جو کچھ بھی ہوا ہے سب رضائے ذات باری ہے
مگر ہاں! قوتِ گویائی چھن جانے کا غم تو ہے

(Throat Cancer) کی نوید دِل فگار سنائی گئی۔ میری چھٹی حِس نے تو صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ اُسی وقت ہی کر لیا تھا جب میرے فیملی ڈاکٹر نے زندگی میں پہلی بار مجھے کسی .E.N.T سرجن کو refer کیا تھا۔ بہر حال یہ تصدیق ایک بجلی کی مانند تھی جو میرے گلشن احساس پہ گری لیکن جانے کیوں اس پر میرا وہ ردِّعمل نہیں تھا جو اس قسم کی خبر سے کسی بھی حساس آدمی کی طرف سے ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ مشہور انکالوجسٹ ڈاکٹر منظور ایچ زیدی سے رابطہ ہوا انھوں نے شعاعوں کے ذریعے علاج کا مشورہ دیا جسے طبی اصطلاح میں Radio-Theropy (ریڈیو تھراپی) کہا جاتا ہے۔ نومبر تا دسمبر ۱۹۹۵ء تک یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور جب ڈاکٹر منظور زیدی نے یہ نوید مسرت دی کہ اب یہ خاکسار خطرے سے باہر ہے اور پھر آواز میں بتدریج بہتری پیدا ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ آواز معمول کے مطابق (Normal) ہوگئی۔ (۱۶۱) (گفتگو کی حد تک۔ خوش الحانی کی دولت سے محروم ہو چکا تھا) اپنی شدید خواہش اور تڑپ کے پیشِ نظر میں نے ڈاکٹر منظور ایچ زیدی سے کہا کہ حرمین الشریفین کی زیارت (عمرہ) کے لیے جانے کا ارادہ ہے کیا صحت کے نقطہ نظر سے ایسا ممکن ہے؟ تو انھوں نے برملا کہا:

"Yes do go & also pray for me over there."

(ضرور جائیں اور وہاں میرے لیے بھی دعائے خیر کریں)

یکم فروری ۱۹۹۶ء (۰۱/۲/۹۶) (غالباً ۱۲ر رمضان المبارک) کو میں جدہ روانہ ہوا۔ جدہ میں میری بیٹی ہوتی ہے۔ (میرا داماد بینک آف ہالینڈ (ABN) میں اچھی پوزیشن پر فائز ہے) جدہ ایئرپورٹ سے گھر روانہ ہوا۔ افطار سے کوئی تین گھنٹے قبل بیٹی، داماد اور بچوں نے نوید دی کہ دو نفل ادا کریں اور احرام باندھ لیں ہم لوگ بغرض عمرہ حرم کعبہ جائیں گے۔ جدہ سے مکہ معظمہ ۴۵ کا منٹ کا سفر ہے۔ گاڑی اپنی تھی۔ خالقِ ارض وسما کے حضور پیش ہو کر جو دلی راحت اور سکون ملا وہ بیان سے باہر ہے۔ عمرہ سے فراغت کے بعد (نمازِ مغرب بھی وہیں مسجد الحرام ہی میں ادا ہوئی) وہاں سے روانہ ہو کر نمازِ عشاء سے بہت پہلے ہم جلدہ چلے آئے۔ یوں اپنے قیامِ جدہ کے دوران جو ۲۹ر فروری (بعد از عید الفطر) تک رہا خاکسار نے ۹ بار حرم کعبہ کا طواف (عمرہ) کیا اور دو دفعہ سرکار دو عالم حضور پُر نور آقائے نامدار V کے درِ اقدس پہ حضوری کا شرف حاصل ہوا بلکہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں حضور V ہی کے دربارِ اقدس (مسجد نبوی) میں گزاری۔ مورخہ ۲۹ر فروری ۱۹۹۶ء کو میں سعودی ایئر لائنز ہی کی پرواز سے کراچی واپس آیا۔ ۱۹۹۷ء اگست تک کسی

میں دست بستہ کھڑا ہو، لفظ لفظ میں مودّت کے چراغ جل اُٹھتے ہیں۔ ہر چند یہ تصویرِ ادب بن جاتا ہے ورق ورق پر ہجومِ مہ وانجم اُمڈ پڑتا ہے۔ نقدِ نعت کے حوالے سے ان کی خدماتِ جلیلہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔ (ریاض حسین چودھری ص،۳۸۲)

انجم نیازی:

آپ کے حکم کے مطابق اپنی کچھ مطبوعات جن کی کچھ جلدیں موجود تھیں ارسال کر رہا ہوں۔ فہرست حسب ذیل ہے: ۱۔حیات انسؓ ۲۔ترے جیسا کوئی سورج نہیں ہے (قصیدہ) ۳۔مناجات ۴۔حرا کے مکیں ۵۔حرا کے آفتاب ۶۔حرا کی خوشبو ۷۔سیدنا صدیق اکبر (پہلا صحابی) ۸۔مرادِ مصطفیٰ ۹۔ذوالنورینؓ ۱۰۔سیدنا علیؓ ۱۱۔سیدنا امیر معاویہؓ ۱۲۔سیدنا ابوموسیٰ عشری ۱۳۔اولیاء ۱۴۔آخری لمحہ (غزلوں کا مجموعہ) ۱۵۔ایک تنہا آدمی (خودنوشت سوانح عمری) ۱۶۔روشن ہیں سب ستارے رسالتمآب کے صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷۔کرنیں ایک ہی مشعل کی۔ مندرجہ ذیل کتب مکتبہ الفقر ۲۲۳ سنت بورہ فیصل آباد سے بھی دست یاب ہیں۔

۱۔حسنین کریمینؓ ۲۔سیدنا حمزہؓ ۳۔سیّدنا ذوالنورین ۴۔سیّدنا علی المرتضیٰؓ ۵۔سیّدنا امیر معاویہؓ ۶۔مرادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (سیدنا عمر فاروق) ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں دارالامین لاہور ۵۶۸۷۸۰۰-۰۳۰۷ سے مل سکیں گی۔

۱۔میری امی جان حفصہؓ ۲۔خدیجۃ الکبریٰؓ ۳۔سیدنا عمرو بن العاص (زیرطبع)

مندرجہ ذیل کتب کے مسودّہ جات طباعت کے لیے تیار ہیں۔

۱۔سیّدنا ابوعبیدؓ بن جراح ۲۔سیّدنا سعد بنؓ ابی وقاص ۳۔سیّدنا طلحہؓ ۴۔سیّدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف ۵۔سیدنا زبیرؓ بن الصوام ۶۔بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۷۔ام المومنین سیدہ امِ ؟ ۸۔ام المونین سیدہ زینبؓ بنت جحش ۹۔سیّدہ ام المونین زینبؓ بنت خزیمہ ۱۰۔صدیقہ کائنات (سیدہ عائشہ صدیقہؓ) میں عمر کے آخری حصہ میں ۷۲ سال کراس کر چکا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے صحابہؓ وصحابیات پر کم ازکم پچاس کتابیں لکھ جاؤں اللہ تعالیٰ مہلت اور توفیق عطا فرمائے۔ میں کتابوں کی رائیلٹی نہیں لیتا۔ ہر کسی کو چھاپنے کی اجازت دے دیتا ہوں۔

(مصنف ص، ۹۲۸/۲۵-۹۲۷)

میں پھر بھی مطمئن ہوں کہ بفضلِ ربِّ عزوجل
متاعِ آگہی، فکر و نظر، لوح و قلم تو ہے"

اسی کیفیت پر ایک اور قطعہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"اگرچہ مال و زر سے بے نیازی اپنی فطرت ہے
زمانے میں جیے ہم خوش ادا و خوش بیاں ہوکر
ہوا اب جسم و جاں سے منقطع آواز کا رشتہ
تو جی لیں گے جہاں میں بے نوا و بے زباں ہوکر"

مشہور صنعتی ادارے "الکوپ (ALCOP) سے راقم بسلسلۂ روزگار (ملازمت) منسلک رہا اور مورخہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۸ء (آپریشن سے پہلے) بحیثیت "اسٹور منیجر" مستعفی ہوگیا تھا۔ اگرچہ عمرہ کی ادائیگی سے قبل ہی حمد و نعت کی طرف رجحان ہونے لگا تھا لیکن عمرہ کی ادائیگی اور حجازِ مقدس سے وطن واپسی کے بعد سخن گوئی کا رجحان حمد و نعت کی طرف زیادہ ہی ہوتا چلا گیا۔ معروف سخن ور جناب حمایت (۱۶۳) علی شاعر کے مخلصانہ مشورے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے کلام پر نظرِ ثانی / اصلاح کے لیے عہدِ حاضر کے بزرگ اور قادرالکلام شاعر جناب راغب مرادآبادی کے حضور حاضر ہوا تو انھوں نے یہ کہہ کر مجھے حیران و ششدر کردیا کہ وہ تین چار روز سے میرے منتظر تھے (جناب حمایت علی شاعر نے ٹیلی فون پر اُن سے میرا تفصیلی ذکر کردیا تھا) میرا مسودہ (کلام) دیکھ کر اُس کی سرسری سی ورق گردانی کرتے ہوئے فرمایا، "اس میں اصلاح کی کوئی اتنی زیادہ گنجائش تو نہیں بہرحال جہاں اور جتنا مناسب ہوا وہ کردیا جائے گا۔ مگر دو تین ماہ کے بعد میں نے اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت چاہی اور جب ان کے درِ دولت سے واپس لوٹا تو ایک 'عزمِ نو' اور ولولۂ تازہ "محسوس ہوا کہ عہدِ حاضر کے اتنے نامور اور باعظمت بزرگِ شعر و سخن نے میرے کلام کے بارے میں یہ کہا کہ اس میں اصلاح کی کوئی اتنی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔"
(مصنف ص، ۱۶۴۔۱۶۲)

(پروفیسر) محمد اکرم رضا:

پروفیسر محمد اکرم رضا ہمارا سرمایۂ افتخار ہیں، آقائے مکرم V کی نعت کے حوالے سے قلم اُٹھاتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے کائنات کا سارا حسن ان کے قلم کے ہم رکاب بارگاہِ حضور V

نعت گوئی کے مختلف موضوعات پر میرے مطبوعہ مقالے / مضامین

نمبر شمار	نام اخبار/ رسائل	تاریخِ اشاعت	بہ عنوان
۱۔	ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی	یکم اگست ۱۹۹۷ء	اردو کا اوّلین نعتیہ نمونہ نئے انکشاف کی روشنی میں
۲۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۲۴/اپریل ۱۹۹۸ء	اردو نعت کا ہیئتی تنوع
۳۔	ہفت روزہ 'خبر ونظر' سری نگر	۱۰/اگست ۱۹۹۷ء	اردو کے نعتیہ انتخاب اور 'شہنشہِ کونین'
۴۔	ماہ نامہ 'پیش رفت' دہلی	جنوری ۱۹۹۸ء	اردو میں نعت کا اصطلاحی مفہوم
۵۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۲۶/ستمبر ۱۹۹۷ء	رسمی نعت گوئی اور حقیقی نعت گوئی
۶۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۵/ستمبر ۱۹۹۷ء	لفظ نعت کا اوّلین استعمال
۷۔	ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی	۱۵/فروری ۱۹۹۸ء	نعت گوئی کا فن اور اس کے تقاضے
۸۔	ہفت روزہ 'خبر ونظر' سری نگر	۱۶/نومبر ۱۹۹۷ء	اردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی
۹۔	ماہ نامہ 'پیش رفت' دہلی	مارچ ۱۹۹۷ء	احسان دانش کی نعتیہ شاعری
۱۰۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء	علامہ اقبال کا نعتیہ کلام
۱۱۔	'گلالہ' کشمیر یونی ورسٹی سری نگر	سال ۱۹۹۸ء	مولانا ظفر علی خاں کا نعتیہ کلام
۱۲۔	ہفت روزہ 'اخبارِ نو' نئی دہلی	۷/ستمبر ۱۹۹۸ء	علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری
۱۳۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۲۷/اگست ۱۹۹۷ء	اردو میں نعت کے مختلف انداز واسالیب
۱۴۔	ماہ نامہ 'حریمِ ناز' جموں	دسمبر ۱۹۹۸ء	نادم بلخی کا نعتیہ کلام
۱۵۔	روز نامہ 'عقاب' سری نگر	۱۷/اپریل ۲۰۰۰ء	اردو کے نعتیہ گلدستے اور 'عقاب'
۱۶۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۱۵/نومبر ۲۰۰۰ء	صلاح الدین پرویز کا نعتیہ کلام
۱۷۔	روز نامہ 'عوام' نئی دہلی	۱۳/مارچ ۲۰۰۱ء	مولانا حالؔی کا نعتیہ کلام
۱۸۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	اگست ۲۰۰۲ء	اردو نعت میں ہیئتی تنوع
۱۹۔	ماہ نامہ 'پیش رفت' دہلی	اگست ۲۰۰۲ء	اردو نعت میں ہیئتی تنوع

اس کے علاوہ کئی اور مضامین میں مختلف نعتیہ موضوعات پر شائع ہوئے۔ افسوس کہ ان کا ریکارڈ دست یاب نہیں۔ (مصنف ص، ۳۷۰-۱۷۲)

جگن ناتھ آزاد:

اس وقت اسلام اور اسلامیات کے تعلق سے میرے غیر مطبوعہ کلام کا مجموعہ زیر کتابت ہے۔اس میں حمدیہ کلام بھی ہے نعتیہ بھی اور منقبت بھی۔اسلامیات کے تعلق سے دوسری نظمیں بھی مثلاً ''دہلی کی جامع مسجد'' اور ''بھارت اور بھارت کے مسلمان'' وغیرہ اس میں سے نعتیہ کلام نکال کر آپ کو بھیجوں گا۔(مصنف ص، ۲۶۸)

جوہر قدسی:

راقم الحروف اردو نعت کے ساتھ والہانہ شیفتگی رکھتا ہے۔غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ راقم نے پی ایچ۔ڈی کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ 'اردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقا' کے موضوع پر ہی تحریر کیا ہے، جس پر راقم کو ۱۹۹۷ء میں کشمیر یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔اب تک راقم کی ایک کتاب (اردو کے ۲۵ نعت گو شعرا: ولی دکنی سے صلاح الدین پرویز تک، صفحات ۳۲۰، سالِ اشاعت ۲۰۰۲ء) اور ۱۵ سے زائد مقالے نعتیہ موضوعات پر شائع ہو چکے ہیں۔ایسے میں راقم جیسے نعتیہ ادب کے طالب علم کے لیے 'نعت رنگ' کی اہمیت و افادیت اور اس کے ساتھ والہانہ وابستگی کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔(۲۷۰)

راقم کی ادارت میں ایک خالصتاً دینی پرچہ 'الحیات' سرینگر (کشمیر) سے ۴ سال سے شائع ہو رہا ہے، جس کا مئی ۲۰۰۵ء میں مسلسل اشاعت کا ۳۸ رواں شمارہ منظر عام پر آرہا ہے، الحمدللہ۔اس جریدے میں راقم نے 'نعت اکادمی کشمیر' (جس کا میں سیکریٹری ہوں) کے لیے دو صفحے مختص کر دیے ہیں، جن میں حمدیہ و نعتیہ کلام وغیرہ کی اشاعت ہوتی ہے۔

الحمدللہ 'نعت اکادمی کشمیر' ریاست جموں و کشمیر کی واحد ایسی انجمن ہے، جو خالصتاً نعت گوئی کے فروغ و ارتقا کے لیے کوشاں ہے۔اس انجمن کا میں بانی سیکریٹری ہوں اور پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب اس کے صدر ہیں جب کہ ریڈیو کشمیر سرینگر کے ایک پروڈیوسر غلام حسن غم گین اس کے نائب صدر ہیں۔اکادمی کے پہلے نائب صدر مشتاق کاشمیری تھے، جو کشمیر کے سب سے معروف نعت گو شاعر ہیں لیکن موصوف اب کشمیر میں نہیں بلکہ آزاد کشمیر میں قیام پزیر ہیں۔

ہیں۔قرآن حکیم نے اسلام کے بارے میں اہل ایمان سے کہا ہے کہ ''اسلام میں پورے'' داخل ہو جاؤ۔حنیف بھائی کی نعت ان کی پوری ذات کا اظہار ہے۔شاعری اور نعت گوئی سے قطع نظر ان کے نفس اور ذات کی خوشبو میں بھی نعت کے کتنے ہی پہلو ہیں اس سلسلہ میں (میں حفیظ تائب کا بھی نام لینا چاہتا ہوں) جب آدمی کی خاموشی ثنا اور مدحت بن جائے تو پھر اسے اور اسکے چاہنے والوں کو اور کیا چاہیے ان کے کتنے ہی شعر اور مصرعے بہت سے پڑھنے والوں کی طرح میرے ذہن کا حصہ بن چکے ہیں۔

اپنے ہر جرم پہ محسوس ہوا   آپ نے دیکھ لیا ہو جیسے

اور بظاہر یہ سیدھا سادا مگر نہایت بلیغ مصرع: نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے

جس آدمی نے اسم محمد V کو یوں جان لیا ہو، نعت کا کون سا مرحلہ ہے جو اس کے لیے مشکل ہو گا ان کی نعت گوئی تو معرفت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مسلسل سفر ہے اور میرے عزیز! تم تو جانتے ہو کہ یہ سفر کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔دنیا کی ہر زبان کے سارے محترم لفظ، اظہار اور امکانات سرکار انسانیت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلق کیے گئے ہیں۔حنیف بھائی نے طبع موزوں، سلگتے ہوئے دل اور چشم نم کو وسیلہ نعت بنا دیا ہے اور ان کی ہر کاوش کے پیچھے وہ اشارہ موجود ہے جو ہر بڑی انسانی کاوش کی تحریک بنتا ہے۔

اس طرف کا اگر اشارہ نہ ہو   طبع موزوں بہم نہیں ہوتی

کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ لفظوں کے معانی لغت میں نہیں ملتے بلکہ اچھے اور بڑے اہلِ قلم کی نظر و نثر میں ملتے ہیں۔یہاں طبع موزوں کو دیکھو اور پھر اس کا نظم ہونا۔ العظمت للہ۔(ڈاکٹر ابوالخیر کشفی ص،۳۷۔۳۶)

رحمٰن کیانی:

رحمٰن کیانی کی نعتیں جدت فکر، لب ولہجہ کی توانائی، بلند آہنگی نیز عرب کے حسن طبیعت کا بہترین نمونہ ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے بجا طور پر انھیں ''اردو کا منفرد راجز'' کہا ہے۔تعجب تو اس پر ہوا کہ گل چیدہ میں بھی ان کی کوئی نعت نہیں ہے۔نعتوں کا یہ انتخاب بہت ہی معیاری اور آپ کی فکری سطح کی بلندی کا آئینہ دار ہے۔غوث میاں کا ''پاکستان میں نعتیہ انتخاب'' کتب نعت کی ۱۹۴۹ء سے ۱۹۹۵ء تک کی اشاعتوں کی تفصیل زندہ رہنے والا کام ہے۔(شاہ مصباح الدین شکیل ص،۸۰۶)

حفیظ الرحمٰن احسن:

حفیظ الرحمٰن احسن کی حمد (قصیدہ نما) ان کی قادر الکلامی کی مظہر ہے۔ شوکت لفظی، شکوہ بیاں اور اسلوب کی بلند آہنگی کے سبب بلاشبہ یہ ایک قصیدہ نما حمد ہے۔ غیر مانوس مفرس و معرب الفاظ کی کثرت کے باوجود نظم میں بلا کی روانی ہے۔ شاید مانوس موضوع کے طفیل پیرایۂ اظہار میں اجنبیت کا احساس نہیں ہوا ہے۔ استفہامیہ طرزِ سخن نے نظم کی جاذبیت کو دوچند کر دیا ہے۔ اس حمد میں بیک وقت قصیدے، استغاثے اور آشوب نگاری کا اسلوب ملتا ہے۔ (قیصر نجفی ص، ۷۵۰)

حفیظ تائب:

ملتان کے جناب گوہر ملسیانی نے ’’گلاب رُتوں کا شاعر‘‘ کے دلکش عنوان کے تحت جناب حافظ محمد افضل فقیر کے بارے میں معلومات افزا اور روح پرور تحریر پیش کی ہے وہ درویش منش لیکن بلند پایہ انسان تھے۔ مشہور و شاعر اور نعت نگار حفیظ تائب کی معیت میں ان سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا وہ پہلے تو اورینٹل کالج میں پروفیسر کے منصب پر فائز تھے جب نعت کی طرف آئے اور روحانیت کا سفر شروع کیا تو بس اللہ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو کر رہ گئے۔ ان کے پاس اپنی کہی ہوئی غزلوں کا کثیر ذخیرہ تھا لیکن ان کے عشق رسولؐ کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے کہ جب نعت کہنے لگے تو غزلیات کے بیش بہا ذخیرے کو ہم سب کے سامنے نذر آتش کر دیا۔ دوست احباب منع کرتے رہے لیکن وہ باز نہ آئے۔ (سعید بدر ص، ۹۱/۲۵/۷)

پروفیسر حفیظ تائبؔ تو میرے قلب و نظر ہیں، اللہ اُن کی عمر دراز کرے، انھوں نے نعت کو انکسار و محبت کا نیا رنگ دیا ہے۔ نعت کی حدود کو جس قدر وہ سمجھتے ہیں اور دورِ جدید میں وہ فہم ہمارے حصے میں کم کم آیا ہے۔ ’’نعت رنگ‘‘ کھولتے ہی میری نظروں نے سب سے پہلے اُن کی حمد کو چوما اور پھر ورق گردانی کی۔ (امین راحت چغتائی ص، ۲۳۱)

حنیف اسعدی:

حنیف اسعدی بلاشبہ ہمارے عہد کے نہایت ممتاز نعت گو ہیں غزل میں انھوں نے قائم رہنے والے نقش بنائے ہیں مگر یہ نقش گری ان کی نعت کا دیباچہ ہے۔ حنیف بھائی کی غزل میں بھی نعت کی کیفیت اکثر ابھر آتی ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ وہ دوئی کو بہت پیچھے چھوڑ آئے

احسن مارہروی کے نعتیہ دیوان ضرور حاصل کریں اور آزادی سے بہت پہلے نعت کے دو انتخاب شائع ہوئے تھے جن کا نام مدحیہ کلام حصہ اوّل اور حصہ دوم جن میں کئی نعت گوشعرا اکٹھے ملیں گے۔

۲۔ مرحوم امجد حیدرآبادی کی رُباعیات کا دیوان۔

۳۔ شہر بنگلور کرناٹک کے متوطن مرحوم علامہ عبدالحیٔ احقر کا نعتیہ دیوان اور سیرت پر لکھی ہوئی ضخیم کتاب جنان السیر جو 32000 شعروں پر مشتمل ہے اور پچھلی ایک صدی سے اس کے ایڈیشن ہر تین چار سال میں ایک شائع ہوتا رہتا ہے، موصوف مرحوم کی ڈیڑھ سو کتابیں شائع ہوئیں جن کا تعلق دین سے ہے۔

۴۔ عربی قصیدہ بردہ شریف مصنفہ حضرت سیّدنا شرف الدین امام بوصیری متوطن مصر کا اردو مقفع ترجمہ مرحوم محمد حسین عارف جو کشمیر ہائی کورٹ کے جج نے بہت اچھا کیا ہے جو 1986ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔ ضرور حاصل کریں۔ (مصنف ص ۳۴۴،۳۴۳)

رشید اختر خاں:

عہد حاضر کی اردو نعتیہ شاعری پر ایک طویل و بسیط تنقیدی کام کر رہا ہوں (یہ کام ۱۹۸۸ء میں ''جدید اردو نعت ایک مطالعہ'' کے عنوان سے شروع ہوا لیکن کتابت و طباعت کے دشوارترین مرحلے اور بعض ناگزیر حالات کی بنا پر نا تمام مسودہ محفوظ رکھ دینا پڑا) اب اُسی مسودہ کو ازسرِنو نظرِ ثانی اور اضافہ کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش جاری ہے اور کاوش تو یہ ہے کہ اس طرح کے سابقہ کاموں کے کچھ منفرد انداز کی یہ چیز ہو۔ خاص طور سے عہد بہ عہد اردو نعت گوئی کی تاریخی و تخلیقی سفر میں زماں و مکاں کی تبدیلی عصری میلانات، اردو شاعری کے بدلتے مزاج و رجحان اور نت نئے تجربات وسعت فکر کی ہمہ گیری کے ساتھ آج کی نعتیہ شاعری اس دور میں داخل ہو کر اسے عہد نعت قرار دیا جانے لگا ہے۔ مجوزہ کتاب میں اسباب و عوامل کے ساتھ تخلیقات کے حوالہ سے ایک اہم بحث شامل ہے۔ موضوع کے تنوع اور وسعت کے لحاظ سے کام پھیلتا جا رہا ہے اور اسے سمیٹنا مشکل ہے۔ (مصنف ص ۳۴۹،۵۰)

ریاض حسین چودھری:

(صبیح رحمانی صاحب!) گزشتہ دنوں جب آپ سیال کوٹ تشریف لائے تھے تو آپ

رزاق افسر:

اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی اردو شعر وادب سے وابستہ ہوں اور اپنے شہر میں اردو ادب کے فروغ کے لیے مقدور بھر ممکنہ خدمات تقریباً پینتیس سالوں سے کرتا آیا ہوں اسی ناتے اربابِ ادب سے رابطے بھی بحال ہوئے۔ پچھلے سترہ سالوں سے بینائی کی غیر معمولی خرابی میں مبتلا ہوں۔ طویل علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا لیکن بفضل تعالیٰ فکر وقلم دونوں رواں دواں ہیں۔ تخلیقی عمل جاری ہے ملک اور بیرونِ ملک سے شائع ہونے والے چھیالیس ادبی رسائل اور 42 اخبارات میں اشاعت کے سلسلے بحال ہیں۔ رسائل واخبارات میں تقریباً 1,600 تخلیقات شائع ہو چکے ہیں تین شعری مجموعے (ا) 'آبشار' فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے مالی اشتراک سے 1981ء۔ (۲) حمد ونعت اور مناقب پر مشتمل دوسرا شعری مجموعہ ''اعتراف'' سال 1990ء اور تیسرا (۳) غزلوں پر مشتمل ''شب چراغ'' دونوں کرناٹک اردو اکیڈمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئے ابھی آٹھ مسودے اشاعت کے منتظر میز پر دھرے ہوئے ہیں۔ اس خط ک ساتھ چند غیر مطبوعہ حمد ونعت کی نقول اور دوسرا شعری مجموعہ ''اعتراف'' دونوں آپ کے نام میرے ایک عزیز کی معرفت جو دبئی میں مقیم ہیں آپ کے نام بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ ڈاک ملتے ہی جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔

حمد، نعت، مناقب، غزل، پابند نظم، آزاد نظم، مختصر نظمیں، مکالماتی نظمیں، قطعات، ثلاثی، ماہیے، مرحومین کے نام نوحے (جس میں تاریخ گوئی بھی شامل ہے) پر طبع آزمائی کا سلسلہ بحال ہے۔ ماہ نامہ ''نقوش'' لاہور کے خصوصی مرحوم محمد طفیل نمبر کی دوسری جلد میں موصوف مرحوم کی رحلت پر لکھی ہوئی نظم آپ دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کے ہر سالہ عرس میں دو تین منظوماتِ عقیدت لکھتا رہا ہوں اور یہ سلسلہ تقریباً 28 سال سے جاری ہے۔ موصوف شہیدؒ کے نام لاہور اور کراچی سے شائع ہونے والی کتابوں میں تین چار نظمیں شامل ہیں۔ ادارہ بزمِ اردو میسور کا بانی رکن اور 33 سالوں سے اس ادارے کا مستقل سکریٹری ہوں۔ اُمید ہے کہ فوری جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔ آپ کے ادارے کے کاموں میں ممکنہ تعاون مجھ سے ہمیشہ ملے گا۔ ان شاء اللہ اس سلسلے میں چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں:

ا۔ حضرت امیر مینائیؒ اور علامہ منور بدایونی اور مولانا ضیاء القادری، احمد رضا خان بریلویؒ اور

مرا قلم بھی ہے جبریل کے پروں کی طرح　　فضائے نعت میں اُڑتے ہوئے نہیں تھکتا

ایک عرصے سے رابطے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوسکی شاید اس میں میرے ازلی تساہل ہی کا عمل دخل ہے پچھلے دو تین تین ماہ چیسٹ انفیکشن کی اذیت میں مبتلا رہا ہوں۔ کھانسی تو بڑی حد تک ختم ہوچکی ہے لیکن بلغم ابھی باقی ہیں۔ خدا کا شکر ہے بلڈ پریشر اور شوگر کے جن قابو میں ہیں ۔اکھڑی ہوئی سانسیں بھی اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں البتہ چلنے پھرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے آپ کو یاد ہے کہ ایک بار حاجی محمد رفیق الرفاعی کے ریسٹورنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے گر پڑا تھا اور آپ نے سہارا دے کر اٹھایا تھا صورتحال مزید بگڑ چکی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ میرے لیے صحتِ کاملہ کی دعا فرمائیں۔ اس سوچ میں گم رہتا ہوں کہ اگر سرکار مدینہ نے طلب فرمالیا تو چل کر حاضری دوں گا۔ کسی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ بڑھاپا بڑی مشکل سے گزرتا ہے رب کائنات کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جملہ جسمانی عوارض کے باوجود میرا بڑھاپا قابل رشک ہے، خضر حیات صاحب مجھے تنہا نہیں ہونے دیتے۔

ایک اک لمحہ گذرتا ہے درِ آقا پر　　کتنے دلکش ہیں بڑھاپے کے مرے شام وسحر

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کررہا ہوں کہ اس سال ''غزل کاسہ بکف'' کو صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے ''رزق ثنا'' اور ''خُلدِ سخن'' پر بھی صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے۔ رزق ثنا پر صوبائی ایوارڈ بھی ملا تھا۔ اب کے ''آبروئے ما'' پر صدارتی ایوارڈ (سندِ امتیاز) بھی عطا ہوا ہے۔

کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے　　یہ سب تمھارا کرم ہے آقا)

''زم زم عشق''، جس کا دیباچہ ڈاکٹر عزیز احسن نے تحریر فرمایا ہے پریس میں ہے ممکن ہے اس تحریر کی اشاعت سے قبل آپ کے ہاتھوں میں ''تحدیثِ نعمت'' اور ''دبستان نو'' کو آخری شکل دے چکا ہوں دس بارہ مسودے مزید ہیں وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ، جو اللہ کو منظور۔

(ریاض حسین چودھری ص، ۹۰۶/۲۵-۹۰۵)

سلیم کوثر:

اسی شمارے ۹ میں سلیم کوثر کی نعتیں خصوصی مطالعہ کے حصے میں ہیں اور خوب ہیں ان کی نعتوں میں ادبی حسن کاری کے جلوے بہتات سے بکھرے ہوئے ہیں اور ان کی نعتیں پڑھ کر دل دیر تک مسرور رہتا ہے۔ اچھی شاعری کی اہم ترین صفت یہی ہے کہ وہ خوشی بخشے۔ خصوصی مطالعہ کا یہ حصہ ہر شمارے میں رکھیں مگر صرف اس شاعر کا جس کے پاس واقعی عمدہ نعتوں کا سرمایہ

نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آج کل میری مصروفیات کیا ہیں؟ پھر اچانک گفتگو کا رخ دوسری جانب مڑ گیا، (۳۸۹) برادرِ عزیز! اللہ کے فضل وکرم اور آقائے کائنات V کی خصوصی توجہات سے نعتِ حضور V کے حوالے جو عمر بھر تھوڑا بہت کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اس کام کو سمیٹ رہا ہوں، میرا بیٹا محمد حسنین مدثر میری بھرپور معاونت کرتا ہے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ زرِ معتبر (۱۹۹۵ء) رزقِ ثنا (۱۹۹۹ء) تمنائے حضوری (۲۰۰۰ء) متاعِ قلم (۲۰۰۱ء) کشکولِ آرزو (۲۰۰۲ء) سلام علیک (۲۰۰۴ء) اور خلدِ سخن (۲۰۰۹ء) اب تک میرے سات نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ''رزقِ ثناء'' پر مجھے صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ حکومت پنجاب نے بھی ''رزقِ ثناء'' کو سیرت ایوارڈ دیا تھا۔ اب ''خلدِ سخن'' کو حکومت پاکستان کی طرف سے صدارتی ایوارڈ ملا ہے جب کہ ''خلدِ سخن'' کو نعت ایوارڈ کا بھی مستحق گردانا گیا ہے۔

۲۰۰۲ء میں تحریک منہاج القرآن کے شعبۂ ادبیات (لاہور) سے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد واپس گھر (سیال کوٹ) آ گیا ہوں، جن مسودہ جات کو آخری شکل دے دی ہے، ان کی تفصیل یہ ہے ''طلوعِ فجر'' ۱۲ر ربیع الاوّل کے حوالے سے یہ پانچ سو بند پر مشتمل ایک طویل نعتیہ نظم ہے۔ ہر بند کی آخری دو سطروں کو باقاعدہ شعر کی صورت دے دی ہے اور سعی کی ہے کہ بند کے نفسِ مضمون کو اس شعر میں سمیٹا جا سکے۔ ''طلوعِ فجر'' کا دیباچہ ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحاق قریشی نے تحریر کیا ہے۔ ''غزل کاسہ بکف'' کو بھی آخری شکل دے دی ہے۔ ''ہشت نعتیہ'' غزل کاسہ بکف کی پہلی نعت ہے جو ۴۰۰ر اشعار پر مشتمل ہے، غزل کاسہ بکف کا پیش لفظ بشیر حسین ناظم نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ نعتیہ نظموں پر مشتمل دو مجموعے، نعتیہ قطعات، نعتِ معریٰ اور مزید چار پانچ نعتیہ مجموعے بھی زیرِ ترتیب ہیں۔

حمدِ ربِ جلیل اور مناجات کے تین مجموعے مرتب ہوئے ہیں ''کتاب التجا''، ''لامحدود'' اور حمدیہ قطعات، غزلوں کے بعد دو مجموعے تیار ہیں، دعا کیجیے کے عمرہ کے دونوں سفرناموں کو بھی حیطۂ تحریر میں لاسکوں۔

مکینِ گنبدِ خضرا کا ہے کرم بے حد قلم پہ رحمتِ یزداں بھی انتہائی ہے

جسمانی عوارض اپنی جگہ لیکن بڑھاپا ثنائے مصطفیٰ کی تجلیات میں گم ہے، یہ میرے اللہ کا فضل ہے اور میرے حضور V کا کرم نہیں تو اور کیا ہے۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر لکھ رہا ہوں کہ قلم بڑھاپے کا شکار نہیں ہوا۔ (ریاض حسین چودھری ص ۳۹۰)

مولانا عبدالعزیز شرقی:

شاید تمھیں علم ہوا ہو کہ حضرت مولانا عبدالعزیز شرقی [۲]، اس سال شوال میں ہم سے رخصت ہوگئے۔ مدینہ منورہ میں زندگی کے کم وبیش تیس سال گزارے اس کے علاوہ وہ مسلسل آتے جاتے رہے۔ حمد میں تسبیح وتحمید وتہلیل کو انھوں نے اپنی نوائے عاشقانہ کا حصہ بنایا۔ اور اب یہ رنگ عام ہو چلا ہے۔

یہ کیف کا عالم جذبِ دروں، سبحان اللہ سبحان اللہ
میری زباں پر تیری ثنا ہے الحمدللہ، الحمدللہ

....

مکے کی عظمت، کعبے کی شوکت اللہ اکبر، اللہ اکبر

نعت خوانی کے ایک اسلوب خاص کے مالک تھے۔ پڑھتے تو لفظ تصویر اور رقص بن جاتے۔ مدینہ کی فضاؤں میں حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی ان سے نعت سنتے اور خاک طیبہ میں اپنے آنسوؤں کی تخم ریزی کرتے۔ (ڈاکٹر ابوالخیر کشفی ص، ۳۹)

حافظ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی (بہار، انڈیا):

میرا نام تو اوپر مرقوم ہے۔ عمر تقریباً ۶۵/ سال ہے۔ اردو ادب کی خدمت کرتے ہوئے (پروفیسر کے عہدے سے) ساڑھے تین سال قبل متقاعد ہو چکا ہوں۔ سبک دوشی ملازمت اور حج سے فراغت کے بعد ۳/ برسوں میں پانچ منظوم کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد پانچ ہزار ہے۔

۱۔ رفتگاں وقائماں، دربھنگہ کے اہل علم وادب کا منظوم تذکرہ، تقریباً ۲۴۰۰/ اشعار ہیں۔
۲۔ مناظر نامہ — مناظر عاشق ہرگانوی کے فکروفن کا منظوم تنقیدی جائزہ، ۴۳۱/ اشعار
۳۔ دستار طرح دار — مظہر امام کے فکروفن کا منظوم تنقیدی جائزہ، ۸۰۰/ اشعار
۴۔ نارنگ زار — پروفیسر گوپی چند نارنگ کے فکروفن کا منظوم تنقیدی جائزہ، ۱۳۵۰/ اشعار
۵۔ طلع البدر علینا — حمد اور نعت کا مجموعہ

اگست ۲۰۰۳ء میں جب نعت کا مجموعہ ترتیب دے رہا تھا تو ایک اہم سوال کا جواب پانے کے لیے اپنے ملک کے مقتدر علما کے علاوہ آپ کو بھی خط لکھا تھا اور اپنی اہم تصنیف ”رفتگاں

ہو۔(احمد صغیر صدیقی ص،۶۴)

شاہ حسین نہری:

اگر آپ کو میرے خطوط ملے ہوں گے اور کتاب بھی، تو آپ کے لیے میرا نام نامانوس اور اجنبی نہ ہوگا اور اگر نہیں تو عرض ہے کہ مجھ بندۂ اللہ کو شاہ حسین نہری کہتے ہیں۔ شاعری کے چار مجموعے ''شب آہنگ'' (غزل و نظم)، ''شب تاب'' (غزل)، ''سامانِ تسکین'' (حمد و مناجات، نعت و منقبت) اور ''رُباعیاتِ شاہ'' شائع ہو چکے ہیں۔ میرا پورا نام سیّد شاہ حسین نہری ہے۔ میں بل بھیم کالج بیڑ میں جولائی ۱۹۹۹ء تک لگ بھگ تیس برس اردو کا لکچرر رہا۔ جی ہاں! بیڑ یعنی وہ شہر جہاں آپ کے قریبی عزیز، میرے شاگردِ رشید جناب سیّد سجاد اختر بھی رہتے ہیں۔ اب میں اپنے وطن اورنگ آباد، دکن میں مقیم ہوں، البتہ میرا بیٹا سیّد فرید احمد نہری مسلمہ، بیڑ کے ملیہ سینئر کالج میں اردو ہی کا لکچرر ہے۔ ۱۹۹۲ء سے یہ کالج انجمن اشاعت تعلیم، بیڑ کے تحت قائم ہے اور اس انجمن کے صدر جناب سیّد سجاد اختر ہیں۔ عزیزم فرید احمد نے اطلاع دی کہ آج کل سجاد صاحب بیڑ کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں سے متعلق ایک مثنوی تخلیق کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس مثنوی میں آپ کا نام نامی اور تذکرہ بھی بطورِ خاص شامل ہے۔ (مصنف ص،۲۷۴)

ڈاکٹر صابر سنبھلی:

ہائی اسکول کے سرٹیفکیٹ میں تاریخِ ولادت ۱۵/ جولائی ۱۹۴۱ء درج ہے۔ گٹھیا نے مزید بے کار کر دیا۔ کچھ نعتیں بھی ارسال کر رہا ہوں۔ اگر کوئی پسند ہو تو شامل اشاعت کر لیں۔ Four inone صنعت کو فروغ دینا چاہتا ہوں مگر اکیلا ہی گاڑی کھینچ رہا ہوں کسی طرف سے ہم نوائی نہیں ہوئی۔ (مصنف ص، ۸۸۵/۲۵)

صابر وسیم:

صابر وسیم کی شاعری میں ندرتِ بیان کی خوبی پائی جاتی ہے۔ نعت گوئی میں بھی انھوں نے یہ خصوصیت قائم رکھی ہے۔ عرش ہاشمی کی غالبؔ کی زمین میں نعت ایک اچھی کاوش ہے، تاہم اس مصرع پر نظرِ ثانی کر لیں تو بہتر ہے: فیض جاری ہے گر یقین نہ آئے

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کا آغاز بھی حمدِ باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ یہ حمد حفیظ تائب کی فکر کا نتیجہ ہے اور ان کی فکری و فنی پختگی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ (قیصر نجفی ص،۷۵۳)

شاخِ حیرت پر کھلا ہے میرے قامت کا گلاب

ایک دوسرے مصرعے میں کمپوزنگ کی غلطی کو شاعر کی فنی کم زوری سمجھا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں ''محوِ حیرت'' کی ترکیبِ لفظی اتنی عام ہے کہ قمروارثی جیسا مشاق شاعر اس کے بجائے ''محوِ حیراں'' نہیں لکھ سکتا:

ع دم بخود ہیں ماہ و انجم، محوِ حیراں آفتاب

البتہ بقیہ دو مصرعوں پر گرفت بجا ہے۔ (قیصر نجفی ص ۵۲،۷)

ولی اللہ ولی صدیقی عظیم آبادی:

میرا تعلق عظیم آباد (پٹنہ) سے ہے، عرصۂ دراز سے بحمداللہ مدینہ منورہ، زیرِ دامانِ کوہِ اُحد قیام پزیر ہوں۔ شعروسخن سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔ حمد و نعت میرا موضوعِ سخن ہے۔ ایک مجموعۂ حمد و نعت ''نوائے طیبہ'' [۰۳۔۲۰۰۲ء] کے نام سے آپ کے کراچی شہر میں مکتبہ الشیخ ۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی، فون: ۴۹۳۸۹۹۸ سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند شعر حاضر ہیں:

میں حسانؓ و کعبؓ اور ابنِ رواحہؓ ان اصحابؓ کی اقتدا کر رہا ہوں
قلم کا مرے فیض جاری ہو یارب بصد عجز میں التجا کر رہا ہوں
جھکا کر قلم سر کے بل تیرے آگے عقیدت کے سجدے ادا کر رہا ہوں
سخن کو میرے ناز و حسنِ ادا دے کہ وصفِ شہِ انبیاؐ کر رہا ہوں

ڈنمارک کے شاتمِ رسول کی گستاخی پر خصوصاً اہلِ قلم کے حوالے سے رقم ہوئی ایک نظم پیشِ خدمت ہے۔ ''نعت رنگ'' میں شامل ہو جائے تو زہے نصیب، ورنہ۔ (مصنف ص ۸۹۱،)

کہاں میں کہاں بحرِ جود و سخا وہ جو دامن میں ہے، وہ فدا کر رہا ہوں

☆☆☆

وقائماں'' ڈاک سے بھیجی تھی۔ یہ کتاب صوری ومعنوی دونوں لحاظ سے اہم ہے۔(مصنف ص،۷۰-۶۶۹)

قمر گونڈوی:

پیش خدمت مضمون (وسیم بریلوی: نئی نعت کا پیشرو شاعر) میرے کرم فرما شاعرو ادیب قمر گونڈوی صاحب کے تقاضوں کا نتیجہ ہے جن کی کتاب 'وسیم بریلوی شخص وشاعر' زیر طبع ہے۔موصوف بڑے جواں حوصلہ بزرگ ہیں ورنہ ستر اسی سال کی عمر میں ایک ایسے شخص کا اس شاعر کی شخصیت اور شاعری پر قلم اٹھانا جوان کو چچا کہہ کر مخاطب کرتا ہے، چہ معنی دارد؟ قمر صاحب اگلے وقتوں کی نشانی ہیں۔حضرت جگر مرادآبادی کے خادم خاص رہے ہیں۔جگر، حیرت اور مجروح کی یادوں کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔مجروح سلطانپوری پر ان کی کتاب یوپی اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی تھی اور اس حوالہ سے کہ مجروح غزل کے بڑے شاعر ہیں یا فیض، بہت دنوں تک بحث میں رہی تھی۔وسیم جن کو اردو کے عام نقاد مشاعرے کا شاعر باور کر کے زحمت توجہ نہیں اٹھاتے، ان کے تعلق سے موصوف کی رائے ہے کہ وہ کسی ادبی آستانہ کے دریوزہ گر یا کسی گروہ کا حصہ ہوتے تو یہ بے اعتنائی ہرگز روا نہ رکھی جاتی۔ضروری نہیں ہے کہ ہم ان سے صد فیصد متفق ہوں لیکن اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہے۔(احمد جاوید ص،۶۵۶/۲۶)

قمر وارثی:

جناب قمر وارثی ایک مشہور وممتاز اور صاحب دواوین شاعر اسلام ہیں۔ان کے نعتیہ کلام سے برابر محظوظ ہوتا رہتا ہوں۔انھوں نے ایسے بہت سے روحانی وایمانی اشعار کہے ہیں جو والہانہ عشق ومحبت اور احساس معصیت کے چراغوں سے خوب خوب چمکتے دمکتے رہتے ہیں۔(سید شمیم احمد گوہر ص،۵۱۶)

قمر وارثی ایک مشاق شاعر ہیں اور فنِ شعر کی باریکیوں سے خوب واقف ہیں۔ بالخصوص لوازم نعت پر تو ان کی گہری نظر ہے۔پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی (بھارت) نے ان کے نعتیہ مجموعے ''کہف الوریٰ'' پر تبصرہ رقم کرتے ہوئے چار مصرعوں کو فنی طور پر محلِ نظر گردانا ہے۔ایک مصرعے میں ڈاکٹر صاحب نے لفظ ''قامت'' کو مؤنث قرار دیا ہے۔جب کہ ''قامت'' مذکر ہے اور قمر وارثی نے درست باندھا ہے:

کے اسے فلسفہ کی ذیل میں رکھتے ہیں۔ایک اور جہت اخلاقی و مذہبی اقدار کا توارث اور تسلسل ہے جو تحقیق و تفتیش سے عبارت ہے یہ برٹرینڈ رسل سے منسوب ہے المختصر فلسفہ کا ارتکاز سے عاری مدو جزر اسے کہیں ٹھہرنے نہیں دیتا یہ گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشہ میزان معاشرتی زندگی میں اپنی معنویت اور افادیت کھو بیٹھتا ہے اس کے برعکس سائنسی پیش رفت اور اس کے انکشافات بڑی حد تک معاشرہ کو سدھارنے میں 'راہِ راست بروگر چہ دور ہست' کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں ہر چند کہ سر جیمس کا اصرار ہے کہ سائنس جس مقام پر آکر سکوت و استقرار کا شکار ہو جاتی ہے فلسفہ وہاں سے اپنی پیشِ رفت کا آغاز کرتا ہے وئیپر نے فلسفہ اور سائنس دونوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ سائنس ایک جسم ہے، بے روح جسم اور فلسفہ روح ہے، جسم کے بغیر گویا اس نے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دے کر زندگی کے پہیہ کو پھر رواں دواں کر دیا۔

فلسفہ ہو یا سائنس یہ اجتماعی کاوشوں سے صورت پذیر ہوتا ہے جب کہ فن کار تن تنہا پوری انسانیت کے لیے محبت، ہمدردی اور خیر کا پیغام لے کر طلوع ہوتا ہے۔فن کار اپنی تخیلاتی اور تخلیقی سوچ کو رنگوں یا لفظوں کا جامہ پہناتا ہے تو گویا اپنے فن اور ہنر مندی کے توسط سے اپنی جذباتی، حسیاتی، جمالیاتی اور تجزیاتی کیفیات کو قارئین، ناظرین یا سامعین تک منتقل کرتا ہے سامع ، قاری یا ناظر اس سے جو کیف و سرور یا فکر و نظر کے جن نئے ابعاد سے متعارف ہوتا ہے اس صورت حال کو میور ہیڈ حساس سامع، قاری یا ناظر کی فطری محرومیوں اور نارسائیوں کی طمانیت و تسکین کا باعث گردانتا ہے فن کا حسن و جمال تخیل کی شادابی میں گھل مل کر ایک صاحب ادراک اور ایک نفس مُطمِنہ کے حامل قاری سامع یا ناظر کو سکون و آسائش مہیا کرتا ہے اس راحت رساں فن کار کو میور ہیڈ ''آفاقی انسان'' کہتا ہے جو ما فوق الانسان آفاقیت پر محیط ہونے کے سبب کائنات کا نگراں اور محرّک ہونے کا استحقاق رکھتا ہے۔اس نکتہ پر آکر ہماری نظریں ان تقدیس یافتہ، قابل احترام بابرکت محسن انسانیت پر آکر پڑ جاتی ہے جو اپنے اپنے زمان و مکان میں بحثیت انبیاء اکرام تشریف لائے خالق و مخلوق کے درمیان حد ادب کے رابطے اور ضابطے پیش کیے۔خالق و مخلوق کے درمیان عابد و معبود کی تفریق کو نمایاں کیا، جزا و سزا کا تصور دیا۔آداب بندگی سکھائے رب العالمین کی آفاقیت اور حاکمیت کا درس دیا اور اس ابدالآباد کی حقانیت کے حضور سجدہ ریزی اور تضرع کی تلقین کی اسی رشد و ہدایت کی آخری کڑی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت زیبا ہو یا سیرت مُنزہ ایثار ہو یا انکسار، فکر رسا ہو یا ذکر خدا، عفو و

متفرقات

تخلیق کائنات اور باعثِ تخلیقِ کائنات:

آپ کی خواہش ہے کہ میں ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کچھ لکھوں سو چند پہلو جن پر میں غور کرتا رہا ہوں پیش کیے دیتا ہوں۔علم کائنات (cosmology) کی تاریخ ہیت دانوں (astronomers) کے مطابق ۳۵۰۰ سال پرانی ہے ہماری کائنات کے وجود میں آنے کی کھوج اس کے مظاہر کے شاہدوں پر غور وخوض اور فکر ونظر کے ارتکاز کی ابتداء جن مما لک سے شروع ہوئی ان میں سیلون، چین، یونان، اٹلی، انڈیا اور مصر شامل ہیں یہ اعزاز ارسطو (۳۸۴۔۳۲۲ق۔م) کو جاتا ہے کہ اس نے اپنی تصنیف (Decaele on the Heavens) میں بیان کیا ہے کہ ہماری مقدس سرزمیں چھوٹے چھوٹے ۵۵ مقدس کرّوں کے درمیان چکر لگا رہی ہے ہماری زمین سے قریب ترین اور سب سے چھوٹا کرّہ چاند ہے۔ حشو و زوائد سے قطع نظر یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ارسطو کا نقطۂ نظر دو ہزار سال تک تسلیم کیا جاتا رہا اسے مورخین کی آراء میں کیتھولک فرقہ نے اپنے مفاد میں استعمال کیا اور علم کائنات کی تفہیمیت و فروغ کی راہ میں روڑا بنا رہا۔ The Handyspace Answer Book TM

Visible Imfa press-1998,USA.P-12)

حیات وکائنات کی ایسی حقیقت مطلق جس جو فکری، نظری اور علمی، عملی تائید حاصل ہو اب تک ممکن نہیں ہوا ہے پیش نظر موجودات ومظاہر کی حقیقت کو فلسفہ حتیٰ الامکان پرکھتا اور برتتا ہے اس کا ہدف اور دائرہ عمل اور نا موجود دونوں کی کنہٗ تک پہنچنا ہے تاہم فلسفہ حتمی اور فیصلہ کن نتائج یا یقین دہانیوں سے گریز برتتا ہے۔فشٹے اسے علم وآگہی، کانٹ علم انتقادیات، اور نٹشے اسے تخیل و تصور (Conception) اور ادراک یا احساس (Preception) کی ثانویت میں تقسیم کر

رسولوں کے حصہ میں آیا ہے جنہیں خالق کائنات نے 'بشریت کی تخصیصیت' کے ساتھ انسانیت کی فلاح اور بہبود کے لیے زندگی کے عمودی (up-right) گراف کے ساتھ اس طلسم حیات کی گوں نا گونی میں بھیجا گویا ایں سعادت بزور بازو نیست۔ اس بشریت کی تخصیصیت سے بڑھ کر ایک آخری مقام تکمیلیت کا ہے اس کی واحد اور اپنی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخری الزماں رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو 'بشریت کاملہ' کے مقام پر فائز ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات لاثانی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر منظوم ہو یا منثور خیر الورا سے ماورا کی نا مختتم کائنات تک پھیلا ہوا ہے جہاں تک منظوم کا تعلق ہے تو ممکن ہے بعض اذہان میں یہ ابہام پیدا ہو کہ خود قرآن ''سورۃ الشعرا'' جو مکی ہے دوسو ستائیس (۲۲۷) آیتوں اور گیارہ (۱۱) رکوع پر مشتمل ہے۔ اس میں آیت نمبر ۲۲۴، ۲۲۵ اور ۲۲۶ کا بالترتیب اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں کہ جو بہکے ہوئے ہیں............''

(آیت ۲۲۴) ص ۱۰۴۲

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک بیاباں میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں.......'' (آیت ۲۲۵) ص ۱۰۴۲

''اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں.............'' (آیت ۲۲۶) ص ۱۰۴۲

آیت نمبر ۲۲۷ میں استشناء کی جو صورتیں ہیں وہ اس طرح ہیں:

سوائے ان کے جو ایمان لائے (۱) اور نیک عمل کیے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا (۲) جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں (۳)۔

[قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر ص ۱۰۴۳، مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس]

۱) ان شاعروں کا مستثنیٰ قرار دیا ہے جو صداقت اور حقائق پر مبنی شاعری کرتے ہیں۔ ص ۱۰۴۳، قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر ص ۱۰۴۳، مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس

۲) جو کافر شاعروں کو شاعری میں جواب دیتے ہیں۔ (مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ)، ص ۱۰۴۳، ایضاً

۳) حدیث مبارکہ ہے کہ ''ان (کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبریل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں، ص ۱۰۳۳، ایضاً

درگزر رہو یا برداشت وصبر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر پہلو خالق کائنات کی رضامندی اور خوشنودی سے مشروط ہے۔ کیٹس (Johan Keats,1795-1821) نے سچ کہا ہے "Beuty is truth, truth is beauyt"(حسن صداقت ہے اور صداقت حسن ہے) حسن وصداقت کے اس پیکر جمیل صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تلے آنے والے خزف ریزے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے لیے کسی گوہر نایاب سے کم نہیں۔ دین و دنیا کی سرخ روئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور نقوش قدم کی پیروی میں مضمر ہے۔

ہماری وجودیت (Existentialism) اور اس کی مظہریات (Phenomenology) کا بنیادی قضیہ یہ ہے کہ ان دونوں میں اولیت یا ترجیح کس کو حاصل ہے؟ فرد کے وجود کو یا اس کے اوصاف کو؟ جرمن مفکر ہیڈ یگر (Martin Heidegger, 1889-1976) اپنی تصنیف "Time and Being"(ہستی و زمان) میں، فرد کی اس کائنات میں ہوئیت کو (Dasein) سے تعبیر کرتا ہے "Field Theory of Dasein" کے مطابق یہ کہیں ٹک کر نہیں بیٹھتا۔ موجودات سے بھری پوری دنیا میں اپنی ذات کو کھوجتا اور اس کی قدر کا تعین کرتا ہے یہ 'وجود فی العالم با معنی اور با مقصد ہے اگر انسان اپنے مختصر عرصہ حیات میں بر وقت اپنے اہداف کی تکمیل کر لے تو فبہا بصورت دیگر پچھتاوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ 'وجود فی العالم کی عارضیت کو ہیڈگر 'Temporal Temporality' ، (زمانی عارضیت) کا نام دیتا ہے اس کی دانست میں مغربی فلسفہ وجودیت اور عدم وجودیت اپنی تفہیمیت، وسعت اور کارکردگی میں ادھورا، نامکمل اور غیر موثر ہے وہ پانچویں صدی (ق۔م) کے چینی فلسفی لازوئے اور سدھارتھ گوتم بدھ (۵۶۰ تا ۴۸۰، ق۔م) کی تعلیمات اور نگارشات کو جو مذہبی عجز وانکسار، پارسائی، خداترسی، تقوی و پرہیز گاری اور دنیاوی لہولعب سے پاک شفاف ہیں ان کو افضلیت دیتا ہے۔ جرمن مفکر ہیڈگر کے اس فلسفہ اور اس کی تعلیمات کو سارتر نے فرانس میں متعارف کرایا اور حتی الامکان فروغ دینے کی کوشش کی۔

دنیا کا کوئی فرد نہ تو عقل کُل ہوتا ہے اور حرف آخر۔ خطاونسیاں کا یہ پتلا حیات وکائنات کی پُر پیچ وادیوں میں دامن سمیٹے، گرتا پڑتا، ٹھوکریں کھاتا Zigzag Graph کی صورت اپنی مجوزہ منزل تک پہنچنے کی تگ و دو میں تن من دھن سب کچھ لٹا کر یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ عمومی بشریت کا یہی وتیرہ اور طور طریق ہے۔ یہ اعزاز نبیوں اور

عربی کے شعرا سے فارسی گویانِ عجم میں منتقل ہوا اور وہاں بڑے بڑے شعرا جن میں جامی، قآنی، فرید الدین عطار، سعدی وغیرہ ہم نے نعتیہ اشعار کہہ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ پھر اردو زبان کی ابتدا ہی سے نعتیہ اشعار اردو شعری روایت کا حصہ بنتے رہے۔ فخر دین نظامی نے مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (جس کا زمانہ تصنیف ۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ مطابق: ۱۴۲۱ء تا ۱۴۳۵ء بتایا جاتا ہے) میں حمد کے بعد نعت ہی کہی۔ پھر تو یہ سلسلہ ایسا چلا کہ غیر مسلم شعرا بھی نعت کہنے لگے۔

پاکستان میں نعتیہ ادب کے فروغ کی تو ایک تاریخ ہے۔ یہاں نعتیہ شعری اقدار اس طور پھلی پھولیں کہ نعتیہ صحافت کا ایک الگ میدان سج گیا۔ شعرائے اردو نے بڑی کامیاب نعتیں کہیں۔ حفیظ جالندھری، ماہرالقادری، بہزاد لکھنوی وغیرہ ہم سے لے کر حفیظ تائب، عبدالعزیز خالد اور صبیح رحمانی تک بے شمار شعرا نے یہ سعادت حاصل کی۔ اب نعتیہ شعری سرمائے میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اردو کی شائع ہونے والی شعری تخلیقات پر مبنی ۶۰٪ کتب نعتیہ اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں۔

میں نے جون کیٹس کا یہ قول نقل کیا تھا کہ ''حسن صداقت ہے اور صداقت حسن ہے'' ......اس قول کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انسانی فطرت میں جو جمال پرستی رکھی گئی ہے وہ اپنی ارتقاعی (Sublimity based) شکل میں ''صداقت'' پرستی بن کر ان شخصیات کو محبوب بنادیتی ہے جو سراپا صداقت ہوتی ہیں۔ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ کائنات میں صرف اور صرف ایک ذاتِ محمدی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسی ہے کہ جو بشریت کے محاسن کی تکمیلی شکل میں عالمِ بشری کو میسر آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ذاتِ ستودہ صفات ہر راست فکر انسان کی محبوب ہے۔ نعتیہ ادب کے فروغ کی اساس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی محبوبیت پر قائم ہے اور جوں جوں انسانی شعور ارتقائی منازل طے کرے گا انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی کی طرف متوجہ ہوگا۔ لیکن آپ کی شان بیان کرنا آسان نہیں ہے اسی لیے خورشید رضوی نے کہا تھا:

شان ان کی سوچیئے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

اس تناظر میں ''نعت رنگ'' کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ میں آپ کے اور مجلس مشاورت کے تمام اراکین کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں اس کارِ خیر کا اجر عطا فرمائے۔ (آمین) (رؤف نیازی ص، ۸۸۴/۲۵۔۸۷۸)

وجودی وحدت (Ontological Unity) اور عددی وحدت (Numerical Unity) دو مختلف النوع وحدتیں ہیں کلیات اور جزیات دونوں بیک وقت کسی ایک معروض (Object) میں موجود نہیں ہو سکتیں اگر وجودی وحدت پر اصرار ہے تو عددی وحدت سے انکار لازمی ہے اگر وجودی وحدت پر اصرار ہے تو عددی وحدت سے انکار لازمی ہے اگر عددی وحدت کا اقرار ہے تو وجودی وحدت سے دست برداری لازمی ہوگی گویا کل اور اجزاء میں سے کسی ایک عنصر (Factor) اپنا اثبات کرانے کے لائق ہوگا دوسرے عنصر کی نفی لازمی قرار پائے گی ایمانیات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے لات ومنات کی نفی کی جائے اور پھر واحدہ لاشریک کی ذاتِ والا صفات کا صدق دل سے اعتراف کیا جائے اور اس اثبات کے بعد پھر دستِ دعا کسی غیر اللہ کے سامنے دراز نہ ہو یہ اعلیٰ وارفع مقام واصل باللہ کا ہے۔

حاشہ للّلہ کوئی ذات ماسوا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسی نہیں جو واصل باللہ ہونے کا اعزاز رکھتی ہو۔ایسی تقدیس یافتہ رہبر ومحسن انسانیت شخصیت کی جس قدر تعریف وتوصیف کی جائے وہ کم ہے یہی وجہ ہے کہ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک ہر وہ شاعر جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں، رفعتوں اور بشری بلندیوں کے بارے میں سوچا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نہ کچھ نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا کچھ شعرا کو بہت زیادہ کامیابی نصیب ہوئی اور انھوں نے شعرِ عقیدت ہی کہتے رہنا اپنا شعار بنا لیا۔خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شعرا کی حوصلہ افزائی فرمائی۔واجب الاحترام ڈاکٹر سید ابو الخیر کشفی نے آسمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت، افادیت، رفعت اور معنویت کو دو مصرعوں میں سمیٹ کر گویا کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔

آپ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے　　میرے سرکار ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

شمائل ترمذی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حسان بن ثابتؓ کفار کے الزامات کا منظوم جواب دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں منبر کا اہتمام کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کو للکاریں حضرت جابر بن سمرہؓ بھی گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے تھے جو عہد جاہلیت کے بیانیہ کی حیثیت رکھتے تھے۔اسی طرح حضرت زیدؓ سے امیّہ کے اشعار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمائے ۔اس سے ثابت ہوگا کہ شاعری اسلام میں شجر ممنوعہ نہیں ہے۔مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ

بھی غور کرنے کی ہے کہ شہیدوں کو زندہ کہا گیا لیکن ان کی بیوائیں دوسری شادی کر سکتی ہیں جب کہ ازواج مطہراتؓ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا کرنا یا کسی کو اُن کے بارے میں ایسا سوچنا بھی سختی سے ممنوع ہے (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۵۳)۔ یہ بھی دیکھیں کہ لفظ ایک ہی استعمال ہوتا ہے لیکن دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ کس تناظر میں اور کس کے لیے استعمال ہوا ہے؟، قرآن میں فرمایا ''کل نفس ذآئقۃ الموت'' (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بھی لفظ ''نفس'' استعمال کیا ہے (سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۲)، نعوذ باللہ کسی کو غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے قرآن کو مکمل طور پر سمجھنا چاہئے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں۔ دونوں جگہ لفظ ''نفس'' ہے لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ کس کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات الحی القیوم ہے اس لئے یہاں نفس کے معنی دوسرے ہوں گے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو عام لوگوں کی طرح سمجھنا صریح غلطی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات (دونوں کا دن پیر بتایا جاتا ہے) کی تاریخوں کے بارے میں اختلاف ہے، ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول، ۱۲ ربیع الاول اور اہل تشیع کی روایات میں ۱۷ ربیع الاول بتائی جاتی ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ وہ ۱۲ ربیع الاول نہیں بلکہ ۲۸ صفر بتاتے ہیں۔ بارہ وفات کے مہینے کی ترکیب عوام الناس کی زبان ہے جس طرح وہ صفر المظفر کو تیرہ تیزی اور ذیقعد کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں، اس کی کوئی مستند حیثیت نہیں ہے۔

شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا نہ دیکھنے کا معاملہ بھی نزاعی بنالیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ کوئی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر جو روشنی دیکھی تھی اور جسے وہ آگ سمجھے تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہی تھا، انھوں نے اسے دیکھا لیکن جب مزید کی خواہش کی تو تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے اپنی وسعت کے مطابق دیدار تو انھوں نے بھی کیا۔ اسی طرح شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں زیادہ ہی دیکھا لیکن کتنا دیکھا؟ یہ ہمیں نہیں معلوم، اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا (اور قیامت میں جنتی بھی کریں گے جو حدیث سے ثابت ہے) جبکہ حضرت عائشہؓ کی روایت اس کے خلاف ہے لیکن جب معراج کا واقعہ ہوا تھا اُس وقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں نہیں آئی تھیں اس لئے اس مسئلے میں جھگڑنا نہیں چاہیے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''فیوض الحرمین'' کے صفحہ نمبر ۳۳ پر مکہ مکرمہ میں جشن میلاد النبی ﷺ اور اس موقع پر انوار کے ظہور کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے مکہ معظمہ اور

حیات النبی اور متعلقات: چند غلط فہمیوں کے ازالے:

مشاہدہ ہے کہ کچھ لوگ بلا سمجھے بوجھے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بحث میں اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں، ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں اور فریق مخالف کو شیطان اور گمراہ قرار دیتے ہیں جبکہ سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں مبتلا ہونا بہت بری بات ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں''۔

یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ''شہیدوں کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں اور رزق پا رہے ہیں لیکن تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے''۔ ظاہر ہے کہ نبی کا درجہ شہید سے بڑا ہے اس لئے ہمیں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں تردد کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ ہم اسے سمجھ نہیں سکتے، یہ غیب کی باتیں ہیں اور ایمان کی پہلی شرط ہی غیب پر ایمان لانا ہے۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۳) اس بحث کے نتیجے میں ایسا نہ ہو کہ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے اور سارے اعمال اکارت ہو جائیں (سورۃ الحجرات، آیات نمبر ۱ اور ۲) جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو عام لوگوں کی موت کی طرح سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بڑا بھائی سمجھو۔ اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ زمرہء علما میں شامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ذرا قرآن پر ہی غور کر لیتے کہ ازواج مطہراتؓ کو قرآن نے امہات المومنین قرار دیا ہے۔ جب وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم باپ کے برابر تو ہوئے، بڑے بھائی کیسے ہو گئے؟ اب آیئے وفات اور حیات کے مسئلے کی طرف، قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی وفات (انی متوفیک) کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے جبکہ وہ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۵۵)۔ دنیا کی دائمی زندگی کسی کو نہیں ملی، ہاں شیطان کو قیامت تک کی زندگی اُس کی خواہش پر عطا کی گئی ہے۔ آخرت کی زندگی حسب مراتب عطا کی جاتی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ ایک بات یہ

النبی V کے بارے میں تردد کا شکار تھے اس لئے انھوں نے حدیث میں ''قیامت کے دن'' کے الفاظ بڑھا دیئے۔ دراصل ہم حیات النبی V کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے جس طرح شہدا کی حیات کا، جو قرآن سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ نبیؑ کا درجہ شہید سے بڑا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ نے اپنے ایک شعر میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس طرح کیا:

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ! مری چشمِ ظاہر سے چھپ جانے والے

صبیح رحمانی کا یہ خوب صورت نعتیہ شعر بھی اسی کیفیت کی عکاسی کر رہا ہے:

میں لب کشا نہیں ہوں کہ یہ جانتا ہوں میں سنتے ہیں وہ صدائیں سکوتِ نگاہ کی

ایک صاحب نے راقم الحروف کے مجموعہ نعت ''قندیل حرا'' میں ایک نعت پڑھی جس کا مطلع یہ تھا:

آپ جیسا یا نبی! باحوصلہ کوئی نہیں کھا کے پتھر دشمنوں کو دے دعا، کوئی نہیں

فرمانے لگے، نعت تو اچھی ہے لیکن آپ نے ''یا نبی!'' کہہ کر اسے قابل اعتراض بنا دیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ قائداعظم محمد علی جناح کو اُن کی وفات کے بعد ''اے قائداعظم!'' کہنے پر تو اعتراض نہیں کرتے (میرا اشارہ اس مشہور شعر کی طرف تھا: یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران۔ اے قائداعظم! ترا احسان ہے احسان) لیکن نعت میں ''یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم!'' کہنے پر اعتراض کر رہے ہیں! اس پر وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

حضرت امام زین العابدینؒ کے یہ اشعار بھی سند کی حیثیت رکھتے ہیں:

یا مصطفیٰ! یا مجتبیٰ! اِرحم علیٰ عصیاننا مجبورۃ اعمالنا ذنب وّ طمع وّ الظلم

یا رحمۃ للعالمیں! اَدرِک لزین العابدینؒ محبوسِ ایدی الظالمیں فی الموکبِ والمز دحم

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ اشعار حضرت امام زین العابدینؒ کے نہیں ہو سکتے کیونکہ ''زین العابدین'' اُن کا تعریفی لقب تھا اور وہ خود اسے اپنے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنا تعریفی لقب ''صدیق'' اپنی مناجات میں بطور تخلص استعمال کیا ہے:

انت وافی انت کافی فی مہمّات الامور انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

این موسیٰؑ این عیسیٰ این یحییٰ این نوحؑ انت یا صدیقِ عاصٍ تب الی المولی الجلیل

جو لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو سال میں ایک ایک مرتبہ آتی ہیں لیکن وہ یہ بھول گئے کہ

مدینہ منورہ میں خود محسوس کیا۔ وہ رقم طراز ہیں: ’’اس سے پہلے میں مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں تھا، میلاد شریف کے روز لوگ نبی V پر درود شریف پڑھتے تھے اور وہ معجزے بیان کرتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو اعلان نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا ان آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ فقط روح کی آنکھوں سے۔ خدا جانے کیا امر تھا ان آنکھوں سے دکھا یا روح کی۔ پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور اُن ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں اور مشاہد پر موکل و مقرر ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوارِ رحمت ملے ہوئے ہیں‘‘۔ صفحہ نمبر ۳۵ پر رقم طراز ہیں: ’’میں نے دیکھا آں حضرت V کو اکثر امور میں اصلی صورت مقدس میں بار بار، باوجودیکہ مجھے بڑی آرزو تھی کہ روحانیت میں دیکھوں نہ جسمانیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، پس مجھ کو دریافت ہوا کہ آپ V کا خاصہ ہے روح کو صورتِ جسم میں کرنا اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء نہیں مرتے اور اپنی قبروں میں نماز پڑھا کرتے ہیں اور انبیاء حج کیا کرتے ہیں، اپنی قبروں میں وہ زندہ ہیں وغیرہ وغیرہ اور جب میں نے آپ V پر سلام بھیجا تو مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظاہر ہوئے اور یہ اس واسطے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں‘‘۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ’’فیوض الحرمین‘‘ اس لنک پر دیکھی جا سکتی ہے:

https://archive.org/stream/Fuyooz-ulHaramainarabicWithUrduTranslation
/00357_FUYOOZ-UL-HARAMAIN-ur#page/n6/mode/2up

وہ بھی زندہ، شہادت ہے جس کو ملی   جان لو، جاوداں کوئی اُن سا نہیں
پھولؔ! بعد از خدا اُن کا ہے مرتبہ   خلق میں بے گماں کوئی اُن سا نہیں

لاہور سے شائع ہونے والے ایک جریدے میں دارالعلوم اٹک سے تعلق رکھنے والے ایک حافظ صاحب نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ اپنی آخری علالت میں حضور V نے اپنی دختر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ میں نے جواباً لکھا کہ حدیث میں ’’قیامت کے دن‘‘ کے الفاظ میں نے نہیں پڑھے، یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے اور یہ ایک پیش گوئی ہے کیونکہ حضور V کی وفات کے بعد اہل بیتؓ میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی۔ حافظ صاحب موصوف حیات

ہے۔ جس میں حضور ختمی مرتبت V کی ولادت پاک کے ذکر سے معمور میلاد ناموں، مولود ناموں، میلادیہ قصیدوں، میلادیہ نظموں (ہر فارم اور ہیئت کی) اور میلادیہ اشعار کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ جائزہ میلادیہ ادب کا زمانی ترتیب سے احاطہ کرتا تو زیادہ دلچسپ اور مفید ہوتا۔ راجا صاحب نے بعض باتوں کو بعض جگہوں پر جوں کا توں دہرادیا ہے۔ نتیجتاً تذکرہ غیر ضروری طور پر طویل ہوگیا ہے اور دلچسپی میں بھی خاصی کمی ہوئی ہے۔ اٹھارہ صفحات پر مشتمل حواشی کو پڑھنا بھی ایک اُکتادینے والا عمل ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ چند لوگوں نے میر تقی میر سے شعر سنانے کی فرمائش کی۔ میر صاحب نے کہا، ''آپ لوگ کیا شعر سنیں گے، اگر میں آپ کو یہ شعر سناؤں:

عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

تو آپ کہیں گے اس شعر میں تو فنی سقم ہے، یعنی ''خیال'' کی ''ی'' گر رہی ہے۔ مگر کیا کیا جائے محاورہ یہی ہے۔ یہ روایت ہمیں شارق جمال (بھارت) کا مضمون ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' پڑھ کر یاد آئی ہے۔ (قیصر نجفی ص،۷۵۱)

ڈاکٹر یحییٰ صاحب تو میلاد ناموں کے تذکرے میں علمائے اسلام پر اسرائیلی اساطیر کے تتبع کا الزام بھی لگاتے ہیں اور عقیدت کا غلو اِس بات کو فرمارہے ہیں کہ نبی کریم V کی والدہ محترمہ کو ایامِ حمل میں (خواب میں) انبیائے کرام نے بشارت دی، وہ بھی جناب شبلی نعمانی کو معتبر جانتے ہیں، وہ تو پروفیسر نجیب اشرف کی یہ ہرزہ سرائی لکھتے ہوئے نہیں جھجکے کہ: ''تولد نامہ'' میں نبی پاک V کی ولادت کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بڑی حد تک کرشن جی کی ولادت کے حالات کا آئینہ معلوم ہوتے ہیں۔'' (کوکب نورانی ص،۵۴۳)

ڈاکٹر یحییٰ اپنے مضمون ''اُردو نعت گوئی کے موضوعات'' میں ''میلاد نامے'' کے عنوان سے جو کچھ لکھ پائے ہیں وہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ عید میلادالنبی V منانے کو دل سے قبول نہیں کرتے چناں چہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''نفسِ ذکر میلادالنبی کو بعض علمائے اسلام صرف باعثِ خیر و ثواب ہی نہیں بلکہ مستحب و سنّت قرار دیتے ہیں۔''

اس حوالے سے عرض ہے کہ اس فقیر نے ایک کتاب ''اسلام کی پہلی عید'' کے نام سے

حدیث میں جمعہ کو بھی عید المومنین کہا گیا ہے جو سال میں ہر ہفتے ہی ہے۔عید اُس خوشی کے دن کو کہتے ہیں جو بار بار آئے ۔ یہ لوگ ''بدعت بدعت'' کی تکرار کرتے ہیں لیکن ''بدعت سیئہ'' اور ''بدعت حسنہ'' کا فرق نہیں سمجھتے ۔ بدعت کا مطلب ہے نئی چیز ایجاد کرنا، ''البدیع'' اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں شامل ہے جو اسی کا اسم فاعل ہے۔اچھی بات اچھی ہوتی ہے اور بُری بات بُری ہوتی ہے۔

اگر یہ لوگ ہر نئی بات کو بدعت کہہ کر ممنوع قرار دیتے ہیں تو قرآن کو کتابی شکل میں لانے اور نماز تراویح کی پابندی کرنے کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ مساجد میں برقی پنکھے اور ایئر کنڈیشنر کیوں لگاتے ہیں؟ اونٹ پر سواری کی جگہ کاریں اور ہوائی جہاز کیوں استعمال کرتے ہیں؟ خصوصاً حج اور عمرے کے سفر کے لئے ۔ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صاحب نے رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ بھی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور اُن کی تحسین کی ۔ یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ سعودی عرب والے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے خلاف ہیں لیکن ہر سال اپنا قومی دن بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں ! اُن کے فلسفے کے مطابق تو یہ بھی بدعت ہے اس لئے ممنوع ہونا چاہیے۔ (تنویر پھول ص،۲۵،۹۲۷ـ۹۲۲)

عید میلاد النبی V اور میلاد نامے:

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ سرکارِ رسالت V کی ولادت باسعادت کا واقعہ کائنات میں رونما ہونے والے تمام تر نیک وسعد واقعات میں سے سب سے زیادہ مبارک اور مسعود ہے۔ میلادِ سیّدِ کونین V صرف جن و ملک یا انسان وحیوان ہی کے لیے نہیں بلکہ جملہ موجوداتِ عالم کے لیے باعثِ مسرت و افتخار ہے۔ عید الفطر اور عیدِ قرباں کی طرح عید میلاد النبی V بھی شعائرِ اسلام میں شامل ہے۔ ہمارے نزدیک فرائض وعبادات کی طرح اہم ہے۔ بنابریں تاریخِ ولادت میں اختلافِ رائے کے باوجود مسلم اُمہ نے میلاد کی خوشی منانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔حتیٰ کہ ربیع الاوّل کے پورے مہینے کو ماہِ مسرت وانبساط قرار دیا ہے۔ تذکروں میں جہاں عید میلاد النبی کے پُر مسرت موقع پر بپا ہونے والی محافلِ مولود ومجالسِ میلاد کی روداد مرقوم ہے، وہاں میلادیہ منظوم تخلیقات کے عہد بہ عہد ارتقائی سفر کا احوال بھی مندرج ہے۔ راجا رشید محمود کا مضمون ''نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار V'' بھی تذکرے کی ذیل میں آتا

اُردو لوک گیتوں میں ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کے ''اُردو لوک گیتوں میں ذکرِ رسولؐ'' ایک خاصا تحقیقی مقالہ ہے اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے اچھا کیا لکھ دیا ہے۔ ان گیتوں کو فقہی میزان پر تولنے کی کوششیں کرنے اور شرک و کفر کے فتوے دینے سے سادہ لوح انسانوں کی خدا اور اس کے رسول کے تئیں رکھی جانے والی مخلصانہ محبت میں رخنہ پڑ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا دوسرا مضمون ''ثنائے رسول V روایت سے درایت تک'' بہت عمدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرضی روایات نے اچھے اچھوں کے دماغوں میں جگہ بنا رکھی ہے۔ ضروری ہے کہ اس قسم کے مضامین مزید لکھے جائیں۔ اذہان کو دھندلکوں سے باہر نکالا جائے۔ شعراء حضرات میں ان کا اثر اچھا خاصا ہے۔ خصوصاً اس قسم کے شعرا کے ہاں جن کا علم مذہب کے بارے میں بہت کم ہے یا سنا سنایا ہوا ہے۔ جناب محمد شہزاد مجددی کا مضمون بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے انھوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ آج کل واعظین اور قصہ گو قسم کے مقررین نے یہ عام وتیرہ بنالیا ہے کہ وہ بغیر علم کے احادیث بیان کرتے رہتے ہیں۔ ایک بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ صحیح احادیث پر مبنی کوئی مستند کتاب موجود نہیں اور جو ہیں وہ قدیم زمانے کی ہیں ان کی چھان پھٹک نہیں ہوئی ہے۔ ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے ہمارے ہاں کہ ہم اپنی اہم علمی بزرگ شخصیات پر بھی اتفاق نہیں رکھتے۔ امام ابن تیمیہؒ جیسی اعلیٰ شخصیت کے بارے میں بھی میں نے متعدد دینی عالموں کے قلم سے نہایت نازیبا کلمات پڑھے ہیں۔ واقعی یہ طے کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط۔ ماہر القادری خاصے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اپنے شعر میں وہ حضور کا سایہ نہ ہونے کا ذکر کر رہے ہیں۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۷۸۔ ۷۷)

جگر مرادآبادی اور نعت گوئی:

بھارت کے شہر پونہ میں آل انڈیا مجلسِ نعت کا اہتمام کیا گیا۔ جگر مرادآبادی کو بھی دعوت دی گئی... انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں شرابی کبابی اور رند قسم کا آدمی ہوں ایسی مقدس مجلس کے قابل کہاں ہوں؟ مگر دوست کے پُر زور اصرار پر آمادگی ظاہر کر دی... چھ دن گزر گئے۔ نعت نہ لکھ سکے۔ مگر اسی دُھن میں رہے۔ ساتویں روز نعت گوئی میں کامیاب ہو گئے۔ یہ نعت جب محفل میں پڑھی تو دھوم مچ گئی۔ دوسرے دن شہر کے ہر شخص کی زبان پر یہ نعت تھی... اس کے بعد... جگر نے شراب سے توبہ کر لی۔ پھر عمر بھر اس کے قریب نہ گئے... نعت کے صدقے میں

اب سے دس برس پہلے لکھی تھی جو اُردو اور انگریزی میں، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا گنج بخش روڈ ،لاہور نے شائع کی، اسے ملاحظہ فرمالیا جائے- ڈاکٹر یحییٰ صاحب سے عرض ہے کہ ترمذی شریف میں پوراباب ''میلاد النبی (V)'' کے عنوان سے موجود ہے اور یحییٰ صاحب شاید نہیں جانتے کہ بعض علمائے اسلام نہیں، تمام علمائے حق، علمائے اسلام، نفس ذکر میلاد رسول V اور محفلِ میلاد کو نہایت مبارک اور بڑی سعادت سمجھتے مانتے ہیں- جو نہیں مانتے وہ علمائے اسلام کہاں ہو سکتے ہیں؟ (کوکب نورانی ص ۵۵/۳)

اسلام سے دن منانے کے حکم اور ترغیب کے حوالے سے اتنے دلائل پیش کروں کہ شاہ جہان پوری صاحب حیران ہو جائیں۔ اس بارے میں انہیں اور ان تمام افراد سے، جو یومِ میلاد کا جشن منانے کو رَوا نہیں جانتے، یہی کہنا چاہوں گا کہ یہ لوگ اس دن یا اس کے جشن منانے پر مجبور نہیں کیے جاتے نہ ہی ان سے تقاضا کیا جاتا ہے تو پھر ان لوگوں کو بھی عید میلاد النبی V منانے والوں یا سلسلہ ہائے جشنِ میلاد شریف کے بارے میں مخالف و منفی باتیں لکھنے، کہنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے- مجھے حیرت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن منانے، دارالعلوم کراچی کے پچاس سالہ جشن منانے، ابوالکلام آزاد اور شورش کاشمیری کے دن منانے پر اسلام کے حکم یا ترغیب کا جنہیں خیال تک نہ آئے وہ لوگ کائنات کی سب سے بڑی اور اہم عید، عید میلاد النبی V منانے کے ثبوت اور ترغیب کے باوجود انکار اور مخالفت کریں تو اسے عناد یا ضد ہی کہا جا سکتا ہے۔

عید میلاد النبی V کے حوالے سے مَیں اپنی کتاب ''اسلام کی پہلی عید'' میں علمائے دیوبند ہی کی کتب سے دلائل پیش کر چکا ہوں بلکہ ہفت روزہ 'تکبیر' نے جب عید میلاد النبی V کے خلاف لکھا تھا تو انہیں اس فقیر نے اپنی یہی کتاب بھجوائی تھی لیکن انہوں نے راہِ فرار اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا- (کوکب نورانی ص ۹۰،۳)

ڈاکٹر صاحب نے ہرنی کا مشہور واقعہ من گھڑت اور غیر مستند قرار دیا ہے، لیکن اس کے من گھڑت اور غیر مستند ہونے کی تحقیق بیان نہیں کی، ان سے گزارش ہے کہ وہ رسولِ کریم V سے منسوب مشہور واقعات کو از خود من گھڑت اور غیر مستند قرار دینے کی بجائے پوری ذمہ داری سے تحقیق و براہین پیش کیا کریں اور ذکرِ میلاد شریف کرنے والوں کو ''میلاد خوانوں'' کہہ کر تحقیر و تضحیک سے اجتناب کریں کیوں کہ اکابر اہلِ علم بھی ذکر میلاد شریف کرتے آئے ہیں اور ترمذی شریف میں پوراباب میلاد النبی V کے عنوان سے موجود ہے- (کوکب نورانی ص ۹۷،۳)

افسانہ کروٹ کا محرک:

ایک بات اور بتاؤں... کوئی پندرہ سولہ برس ہوئے یا شاید زیادہ... سوچا کہ شعرائے کرام کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے جذبات و کیفیات کے اظہار کے لیے نظم و غزل کے انداز کو اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی قصیدہ و مثنوی کا اسلوب اپنا لیتے ہیں، ہم افسانہ لکھنے والے اس سعادت سے کیوں محروم ہیں... یہ خیال اور احساس اتنا حاوی رہا کہ ۱۹۹۲ء میں ایک افسانہ ''کروٹ'' کے عنوان سے لکھا اور ''اردو ڈائجسٹ'' لاہور کے لیے بھیج دیا۔ انھوں نے ''سیرتِ نبوی کے پس منظر میں ایک دل کش افسانہ'' کی ذیلی سرخی کے ساتھ شائع کر دیا۔ ایک دو برس اس شش و پنج میں رہا کہ وہ لوگ ''اسلامی فکر'' رکھنے والے تھے شائع کر دیا۔ کیا ادب کی طرف بھی ''کروٹ'' کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ صہبا لکھنوی ایک مذہبی انسان تھے مگر اپنے رسالے ''افکار'' کو انھوں نے ابتدا سے ہی ''ترقی پسند نظریات'' کے تابع کر رکھا تھا۔ چناں چہ میں نے ''کروٹ'' ''افکار'' کے لیے بھیج دیا اور مجھے خوشی ہے کہ وہ افسانہ اپریل ۱۹۹۴ء کے ''افکار'' میں شائع ہوا۔ میں آج بھی اسی فکر میں غلطاں ہوں کہ محسنِ انسانیت V کی تعلیمات کے بے حد و بے شمار ایسے رُخ ہیں جو عہدِ حاضر کے انسان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ (سلطان جمیل نسیم ص، ۴۳۵)

نئے نعتیہ مجلّے کے اجرا کی ایک کاوش:

گزشتہ روز لاہور کے ایک دوست لاہور سے نعت کے حوالے سے ایک سہ ماہی پرچے کے اجرا کی منصوبہ بندی کر رہے تھے، لیکن انھیں مشورہ دیا کہ ''نعت رنگ'' کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کرنا، انفرادی اور اجتماعی سطح پر احتساب کا عمل جاری رہنا چاہیے، انا کا مسئلہ کھڑا کیے بغیر اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آج کے نعت گو اور نعت خواں دونوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ قرآن و حدیث سے نعت گوئی سیکھنے کے شعور کی بیداری کرنے سے محض دیوارِ رزق چاٹنے کے عمل پر کاری ضرب پڑے گی۔ (ریاض حسین چودھری ص، ۳۸۳)

ریاض حسین چودھری اور اسلوب کی جلوہ گری:

علامہ کوکب نورانی صاحب میرے مضمون ''جدید اردو نعت میں صورت پذیری کا موسم'' کے بارے میں فرماتے ہیں ''معلوم ہوتا ہے ریاض صاحب کو عبارت آرائی سے خاصا شغف ہے'' ان کے جملے کی کاٹ نے مجھے پہروں سرشار رکھا۔ جی ہاں، آپ نے درست فرمایا۔

لعنت سے چھٹکارا مل گیا... لاریب... رسولِ V رحمت کی نعت ہر قسم کی لعنت سے نجات کی ضمانت ہے... اس بخت افزا نعت کے دو اشعار آپ بھی پڑھیے: (محمد فیروز شاہ ص، ۲۷۷)

اے خاکِ مدینہ! تیری گلیوں کے تصدق — تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے — کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

خواب، ستیہ پال آنند اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

پروفیسر قیصر نجفی نے ستیہ پال آنند کی نظم ''پیغام رساں'' پر عقیدت سے پُر مضمون قلم بند کیا ہے۔ اس نظم کی اساس شاعری وہ خواب ہے جس میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ نجفی صاحب لکھتے ہیں:

> ہمارے خیال میں خواب ہو یا بیداری، جو انسان کے بطون ذات ہوتا ہے وہی مشکل ہو کر افکار و خیالات یا اعمال و افعال کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ستیہ پال آنند کا خواب ان کے اندر کی حقیقت و ماہیئت اور درونی احوال کا کاشف ہے۔ (صفحہ ۳۶۴۔۳۶۵) حال ہی میں بہ حالت خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی کے عالم میں دیکھنا (جس عالم میں غالباً آپ کو کسی نے نہیں دیکھا) ان (ستیہ پال آنند) کا ایک منفرد اختصاص ہے۔ (صفحہ ۳۶۵)

غیر مسلموں کا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین اور تمام بنی آدم کے ہادی اور رسول ہیں۔ اس لیے غیر مسلموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمائے اسلام سے تصدیق کر لیں کہ جسے انھوں نے خواب میں دیکھا اس کا حلیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر ستیہ پال آنند نے ایسا کیا تھا تو ٹھیک ورنہ ان کا خواب مشتبہ سمجھا جائے گا۔ ''البدایۃ والنہایۃ''، ''ابن کثیر'' میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

انٹرنیٹ پر ایک کتاب ہے ''اسلام سموئیل''۔ سموئیل ایک پادری تھے انھوں نے حضور V کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے حدیث کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک تلاش کیا اور جب تمام نشانیوں کو خواب میں دیکھی ہوئی ہستی کے مطابق پایا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اس حوالے سے مجھے حیرت ہے کہ ''پیغام رساں'' کا شاعر اب تک ''ستیہ پال آنند'' ہی ہے!! (ڈاکٹر اشفاق انجم ص، ۱۴۱)

صاحب کا نام بھول گیا ہوں) اس فرستادہ نعت میں ایک شعر کے ایک لفظ میں ترمیم کرا دیجیے۔ شعر:

یہ ادنیٰ معجزہ ہے آپ کے نورِ تبسم کا ہوا بزمِ دوعالم میں چراغاں یارسول اللہ

''ادنیٰ'' کی جگہ ''روشن'' کر دیجیے۔ اس کام میں عجلت فرمایئے اور فوراً ترمیم کرا دیجیے۔ (عاصی کرنالی ص، ۵۹۶)

تخلیق نعت کی ایک خوبصورت مثال:

ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم

(صبیح رحمانی کے) اس شعر میں شعریت ہے، غنائیت ہے، فن کاری ہے، لفظوں کو برتنے کا ہنر ہے۔ ایسے ہی اشعار سے مرصع نعت پڑھنے کو ملتی ہے تو جی خوش ہوتا ہے۔

(احمد صغیر صدیقی ص، ۲۷)

ظریف نظام پوری کا ایک خوبصورت شعر:

اپنے ہم وطن شاعر مرحوم ظریف نظامپوری کا ایک شعر جو انھوں نے 'عید میلاد النبیؐ' کے موقع پر منعقدہ ایک مشاعرے میں بھیونڈی میں پڑھا تھا، یاد آ گیا۔ یہ شعر میں نے لڑکپن میں سنا تھا:

میں اور مجالِ شعر رسالت مآب پر شبنم دھری نہ جائے کفِ آفتاب پر

ہندو پاک کے کم معروف شعراء کے کلام میں بھی نعتیہ شاعری کے عمدہ نمونے مل سکتے ہیں بشرطیکہ مختلف علاقوں کے اہل قلم اس سلسلے میں چھان پھٹک کریں یا اپنی یادوں کو تازہ کریں۔

متضاد خیالات کی کارفرمائی:

۱۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط اپنے مقالہ ''اردو نعت گوئی کے موضوعات'' شمارہ ۵، صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں کہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے بھی لکھا تھا ''معراج سے متعلق احادیث صحیحہ میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔'' صحیح اور ضعیف حدیث کی دو متقابل قسمیں ہیں۔ صحیح ہوگی تو اس میں ضعف نہیں ہوگا اور ضعف ہوگا تو وہ صحیح نہیں ہوگی ان دونوں کو جمع کرنا آگ اور پانی جمع کرنے کے مترادف ہے۔

مجھے عبارت آرائی سے اس لیے شغف ہے کہ میں شعوری طور پر بھی کوشش کرتا ہوں کہ خوب صورت سے خوب صورت جملہ تخلیق کر کے تاجدارِ کائنات V کی بارگاہِ بے کس پناہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں، میں نثر میں بھی نعت کہنے کا قائل ہوں۔ کیا شعر وسخن کے تمام تر سوتے اسی عبارت آرائی کے بطن سے نہیں پھوٹتے؟ میرے آقا V حسنِ کائنات بھی ہیں اور کائناتِ حسن بھی، ارض وسما کا سارا حسن و جمال محبوبِ خدا V کے حسن و جمال کا پرتو ہے، نبی مکرم V صناعِ ازل کا شاہ کار ہیں، حسن و جمال کے تمام حوالے حضور V کے حسن و جمال کی رعنائیوں سے ابلاغ پاتے ہیں۔

علامہ کوکب نورانی صاحب! دعا کیجیے کہ اللہ ربّ العزت میرے قلم کو مزید روانی اور جولانی عطا فرمائے۔ میرے ذوقِ عبارت آرائی کو علم وفن کے نئے آفاق کی تسخیر کے تخلیقی شعور سے نوازے، شاید میرا کوئی جملہ یا شعر بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کا شرف حاصل کرلے اور میرے آقا V اسے سندِ جواز عطا فرمادیں اور میری نجاتِ اُخروی کا سامان ہوجائے۔ اس لیے قدرتی طور پر میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہوں۔ آپ نے میرے بعض جملوں اور منتخب اشعار کی نشان دہی کی ہے، میں آپ کا ممنون ہوں، اختلافِ رائے کے جمہوری حق کو تسلیم کرتا ہوں۔ اتنا عرض کرتا چلوں کہ انسانی کاوش میں اصلاح وترمیم کی گنجائش بہرحال موجود رہتی ہے۔ حرفِ آخر صرف اللہ اور اُس کے رسولِ عظیم V کا فرمان ہے۔

(ریاض حسین چودھری ص، ۳۸۵۔۳۸۴)

ڈاکٹر عاصی کرنالی کا ایک شعر:

جو نعت برائے اشاعت ارسال کرچکا ہوں (ہُوں ادب سے عرض گستر) اُس کو نہ چھاپئے بلکہ اُسے منسوخ کردیجیے۔ اُس میں میں بہت زیادہ منفی ہوگیا ہوں اور میں نے امت مسلمہ کے دامن میں کچھ بھی نہیں رہنے دیا۔ یہ بات حقائق کے خلاف اور حضور رسالت مآب کی مسلسل و مدام رحمت اللعلمینی کے برعکس ہے۔ میں نے اِسے اپنے مجموعۂ کلام سے خارج کردیا ہے۔ آپ یہ ورق نعت چاک کردیں یا مجھے ارسال کردیں۔ (عاصی کرنالی ص، ۵۹۴)

کراچی میں کوئی صاحب ''یارسول اللہ'' کی ردیف کے تلازمے سے نعتوں کا مرتبہ شائع کررہے ہیں۔ مجھ سے بھی انھوں نے نعت طلب کی تھی۔ جو میں نے بھیج دی تھی۔ (میں اُن

کا بھی۔ تاہم بات وہی ''حسن نیت'' کی ہے اور اسے سبھی جانتے ہیں۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر صابر سنبھلی کا ہے جو اسی موضوع پر ہے یعنی آداب نعت پر۔ اس میں، تُو، ترا اور آپ وغیرہ کے ضمائر پر بات کی گئی ہے۔

''اب روزمرّہ گفتگو میں ''تو'' نے ''تم'' اور آپ کے لیے جگہ خالی کر دی ہے۔'' یہ جملہ اس لیے کھٹکتا ہے کہ زمانہ لاکھ بدل جائے کوئی اپنے سے بڑوں کو ''تو'' سے خطاب نہیں کرے گا، البتہ ہندوستانی ہندی ٹی وی سیریلس میں ''تو'' اور ''تم'' کا فرق مٹ گیا ہے۔ پاکستانی ٹی وی سیریلس کے متعلق راقم التحریر لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔

''کہا جاتا ہے کہ کوئی دو لفظ ہم معنی نہیں ہوتے۔'' مقالہ نگار نے یہ کیوں فرض کر لیا کہ کہی سنی بات پُراعتماد ہوتی ہے۔ درحقیقت ہر زبان میں ہم معنی الفاظ کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ معینہ اور لغویہ کے لیے Lexeme فہمیہ کے لیے Sememe کی اصطلاحوں کی تجویز سے اتفاق کیا جاسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو کا استعمال اور آپ V کے سراپا کو منظور کرنے سے متعلق مقالہ نگار نے جو ٹھوس حوالے دیے ہیں وہ مقالے کو وقیع بناتے ہیں۔ (۲۳۷)

القابات رسول V اور معترضین:

ص ۳۱۳ پر احمد صغیر صدیقی صاحب نے اپنے مکتوب میں ''مولائے کل، آقائے دو جہاں - سرکارِ دو عالم'' کے القاب رسولِ کریم V کے لئے تسلیم نہیں کیے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ:

''تمام القاب مجھے ربِّ رحمان و رحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں۔''

احمد صغیر صاحب سے عرض ہے کہ زبان سے کہنا اور قلم سے لکھنا دونوں احتیاط سے مشروط ہیں اور قلم اٹھانے سے پہلے کچھ زیادہ احتیاط لازم ہے۔ علم کے مطابق فہم اور فہم و علم میں توازن و مطابقت نہ ہو تو اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ علم و فہم میں کسی ایک کی کمی ہی اعتراض و اختلاف کی بنیاد بنتی ہے یا پھر حقائق سے چشم پوشی پر اعتراض و اختلاف ہوتا ہے۔ احمد صغیر صاحب آیاتِ قرآنی میں یہ القاب رسولِ کریم V کے لئے ملاحظہ فرما سکتے ہیں، وہ اعتراض کی بجائے استفسار کر لیتے۔ نبی پاک V کی تو شان بہت ہی بلند ہے۔ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے'' وانا شیخ الکل ''۔ احمد صغیر صاحب شاید یہاں بھی کچھ اور ہی محسوس کریں گے۔ انہیں چاہیے کہ وہ مولا، سرکار اور آقا کے معانی و مفاہیم کو جانیں اور سمجھیں اور لفظ ''کُل'' کے بارے میں

۲۔ یہی ڈاکٹر صاحب صفحہ ۶۰ پر لکھتے ہیں ''اب ایک نعت گو توحید کے متوالے شاعر کی جرأت رندانہ نہیں بلکہ مشرکانہ ملاحظہ ہو (چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں) اوتاروں کی شان میں لکھے گئے بھجن بھی اس کفریہ کلام کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ (ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں) ثنائے محمدی V کو ''حمد'' کی شکل میں پیش کرنے کا فن کس قدر مذموم اور ناروا ہے۔'' حالانکہ حمد اور ثنا دونوں کا معنی تعریف ہے، نبی اکرم V کی ثنا ہو سکتی ہے تو حمد کیوں نہیں ہو سکتی؟ (محمد عبدالحکیم شرف قادری ص،۶۳۰)

علامہ فیض الحسن سہارن پوری کی نعتیہ شاعری اور مسئلہ استعانت:

صفحہ نمبر ۱۹۴ پر بھارت کے ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا مضمون ''علامہ فیض الحسن سہارن پوری کی نعتیہ شاعری'' شائع ہوا ہے۔ یقیناً علامہ صاحب کی نعتیہ شاعری ایک عاشقِ رسول کے دل کی آواز ہے۔ بالخصوص صفحہ نمبر ۲۰۰ پر ایسے اشعار درج ہیں جن میں مختلف پیرایوں میں حضورِ اکرم V سے مدد طلب کی گئی ہے۔ شاعری میں اس قسم کے مضامین ہر دور میں باندھے گئے ہیں۔ بہرحال علامہ سہارن پوری کے ان اشعار کے بارے میں فاضل مضمون نگار رقم طراز ہیں:

''مسئلہ استعانت نازک مسئلہ ہے۔ اکثر شعرا یہاں دائرہ اسلام سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اللہ اور رسولِ اکرم V کے مابین فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ علامہ سہارن پوری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی نقطۂ نظر واضح کر دیا کہ آپ ''غوث المستغاث'' کے درجہ پر فائز ہیں لیکن یہ مرتبہ من جانب اللہ ہے۔''

مجھے فاضل مضمون نگار کی یہ سطور پڑھ کر سخت حیرت ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان حضورِ اکرم V کے لیے کسی قسم کا علم یا کمال ذاتی تسلیم نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مانتا ہے۔ یقین جانیے اگر یہی اشعار فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے کسی عقیدت مند سے منسوب ہوتے تو علمائے دیوبند کی زبانیں شرک، شرک کی رٹ لگاتے نہ تھکیں۔ دراصل مسلکی اجارہ داری اور فرقہ پرستی یہی ہے جس کا اظہار اصلاحی صاحب کی تحریر سے ہوتا ہے۔ (۶۵۷)

نعت میں ضمائر کا استعمال:

عزیز احسن نے ''نعت اور تصورِ مقصودِ کائنات'' میں انھوں نے نعت میں ''تو'' یا ''آپ'' کے استعمال کا ذکر بھی چھیڑا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اُردو میں ''آپ'' کا ضمیر بھی ہے اور ''تو''

استقلال سے کیے جا رہے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا تازہ شمارہ اور جناب شفقت رضوی کی کتاب دیکھ کر ہی آپ کے عزمِ صمیم، پختگیٔ ایمان و ایقان و اعتقاد کے ساتھ میرا یقین بھی ایمان کی حد تک پہنچ گیا کہ وہ بھی امداد و اعانت فرماتے ہیں جن کا بیان ہے۔

شعرائے کرام، اظہارِ محبت و عقیدت کے جتنے پیرائے اختیار کرتے ہیں مضامین تحریر کرنے والے بھی اسی حساب سے اپنی فکری تحریر میں تنوع اختیار کر رہے ہیں۔ (سلطان جمیل نسیم ص، ۴۳۴۔۴۳۵)

نعت اور قناعت رسول کی پیش کش:

صفحہ نمبر ۳۹۸ پر ''چٹائی، غارِ حرا، جو کے تذکار'' کے بارے میں جو مضمون ہے اسے پڑھ کر احساس ہُوا کہ اس میں تنقید برائے تنقیص کی گئی ہے۔ نعت گو شعراء نے بوریا اور چٹائی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ سلطان مدینہ، سرورِ دو عالم اور بادشاہ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سادگی اور قناعت پسندی کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے ورنہ کرسی، مسند، چادر، بستر وغیرہ تو دنیوی بادشاہوں نے بھی استعمال کیا ہے۔

یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ آپ نے صرف چٹائی کو ہی پسند فرمایا اور باقی چیزوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ یہ مقالہ نگار کے اپنے ذہن کی اختراع ہے ورنہ شعرائے نعت نے آپ کی سادگی کو ہی بیان کیا ہے۔ ماہر القادری کے دو اور تنویر پھول کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے:

سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی، نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو امت کے لئے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑوں میں سوتا تھا
بوریا، ٹوٹی چٹائی، زیرِ پا عرشِ علیٰ
عیش کوشو! بادشاہِ دو سرا، سرکار ہیں

کیا فاضل مقالہ نگار کی نظر سے وہ روایت نہیں گزری کہ حضرت عمر فاروقؓ جسم اطہر پر چٹائی یا بوریا کے نشانات دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے تھے اور جب اُنھوں نے قیصر و کسریٰ کے عیش و آرام کا ذکر کیا تو آپ نے جواب میں کیا ارشاد فرمایا؟ یاد رہے کہ آپ کی یہ سادگی اختیاری تھی ورنہ اگر

محض اپنے فہم کو سب کچھ نہ سمجھیں۔ دیو بند کے علماء کے ساتھ ''مطاع العالم اور مطاع الکل'' کے القاب لکھے گئے ہیں حالاں کہ ان کے لئے کسی طرح یہ القاب درست نہیں، خواہ وہ کتنی تاویلیں کیوں نہ کریں......

احمد صغیر صاحب کی تسلی کے لئے آیات واحادیث پیش کرسکتا ہوں، ضرورت ہوتو وہ رابطہ فرمائیں۔ وہ لفظ ''مولانا'' پر بھی غور فرمائیں، قرآنِ کریم میں انت مولانا اور ھو مولانا کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، پھر ہر داڑھی والے کو مولانا کیوں کہہ دیا جاتا ہے؟ سورۂ تحریم میں ہے: فان اللہ ھو مولاہ و جبریل و صالح المومنین ،قرآن میں ''کُل'' کا لفظ ۳۲۵ سے زائد مرتبہ آیا ہے۔ کلاً ۱۵ مرتبہ۔ کلّہ ۷ مرتبہ۔ کلّھا ۵ مرتبہ۔ کلّھم ۴ مرتبہ......وہ ذرا دیکھیں اور بتائیں ہر جگہ کیا معنی ہیں؟ انہیں شاید نہیں معلوم کہ ''العالمین'' ماسوی اللہ کو کہتے ہیں، اس کے آقا و مولیٰ اور سردار و سرکار نبی پاک ﷺ ہی ہیں۔ (کوکب نورانی ص،۵۲،۳۔۵۱)

'نعت رنگ' سے متعلق ایک نقطہ نظر:

نعت شاعری کا وہ رُخ ہے جس میں غزل یا نظم کی طرح موضوعات کے تنوع کی گنجائش نہیں ہے اور شاعر کو جولانیٔ طبع کے اظہار کا موقع کم سے کم تر ملتا ہے، اس لیے کہ ایک مخصوص موضوع کا پابند رہتے ہوئے، احترام وعقیدت کا اظہار ایک نہایت ہی مشکل ترین مرحلہ ہے۔ محض اسلوب اور اندازِ بیان کے نت نئے تجربات کے سہارے نعت گوئی میں جتنی گنجائش تھی وہ اساتذۂ فن نے پوری طرح برت لی ہے، پھر یہ بھی ہے کہ اب تک کہی جانے والی نعتیہ شاعری پر کتنے اور کب تک مضامین لکھوائے جاسکیں گے۔ تنقید نویسوں کے متعلق میں بہت زیادہ خوش گمان نہیں ہوں۔ اوّل تو ناقد خال خال ہیں۔ آج کل تو کالج اور یونی ورسٹی میں پڑھانے والے اساتذہ نے یہ منصب سنبھال رکھا ہے اور تعلیم کا حال بھی روزِ روشن کے مانند عیاں ہے تو اساتذہ کا کمال بھی پوشیدہ نہیں۔ کتابوں کی تقریباتِ رونمائی سے ہی بے چاروں کو فرصت نہیں ملتی ہے۔ اب تو حال بہ ایں جا رسید کہ مزاح نگار بھی کتابوں کی رونمائی میں مضامین پڑھنے لگے ہیں۔ ایسے عالم میں نعت گوئی جیسے سنجیدہ اور برگزیدہ موضوع پر مضامین کون لکھے گا۔ فرض کیجیے آپ نے چند اہم نقادانِ کرام سے مضامین لکھوا بھی لیے تو وہ کب تک لکھیں گے۔ غالبًا ایسی ہی بات میں نے ''رثائی ادب'' کے مدیر عزیزم ڈاکٹر ہلال سے بھی کہی تھی۔ مگر آپ دونوں ماشاءاللہ اب تک اپنا کام نہایت

ہوگا اور فضائل میں تو سبھی ضعیف روایات کو بھی قبول کرتے ہیں۔

کسی حکم، عمل یا بات کے وجوب و استحباب کے اثبات میں محدثین جو حدیث پیش کرتے ہیں، اس حدیث کا اصطلاحی درجہ بھی بیان کرتے ہیں- حدیث سے ناواقف یا حدیث کو کم تر سمجھنے والے جہلاء وغیرہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ضعیف حدیث سے مراد غلط حدیثِ نبوی ہے جب کہ حدیث ِضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں واضح فرماتے ہیں کہ ضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ حدیث باطل ہوتی ہے، بلکہ حدیثِ ضعیف دراصل محدثین کی مقرر کردہ چند شرائط میں سے کچھ پر پوری نہ اترنے والی حدیث کو کہتے ہیں۔ اسناد میں روایت کے ضعف کے باوجود وہ احادیث صحیح ہی ہوتی ہیں- علمائے دیوبند میں مشہور جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ:

حدیث جعلی نہ ہو ضعیف ہو تو بھی استحباب ثابت ہو جاتا ہے- **والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع** (مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم) اور غیر مقلد اہلِ حدیث میں مشہور جناب نذیر حسین محدث فرماتے ہیں: حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو، استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے- (فتاوٰی ثنائیہ بحوالہ فتاوٰی نذیریہ ج ۱، ص ۳۱۵)۔ 'نیل الاوطار' میں جناب شوکانی بھی فرماتے ہیں کہ ضعیف روایات مل کر بلند مرتبہ ہو جاتی ہیں اور مستحب اعمال میں کام دیتی ہیں- یہ وضاحت یوں کی گئی ہے کہ وہ لوگ جو حدیث کو ضعیف قرار دے کر تضحیک و توہین کرتے ہیں وہ حقائق سے واقف ہوں اور محتاط رہیں۔ (کوکب نورانی ص ۳، ۵۷۔ ۵۶)

موضوع احادیث:

اس نعت رنگ میں سبھی لکھنے والے ذکرِ رسول V کو سرمایۂ ایمان، ذریعہ نجات، عبادت، بہترین سعادت اور موجبِ خیر و فلاح لکھ رہے ہیں- اگر جامِ کوثر حاصل کرنے کا جتن کوئی مسلمان ذکرِ رسول V لکھ کر کرتا ہے تو اسے منفی یا ناروا کہا یا سمجھا نہیں جا سکتا، البتہ اس کی تحریر میں کوئی غیر معتبر یا تحقیق کے لحاظ سے غیر مستند بات ہو تو یہ واضح ضرور کیا جائے کہ کس شخصیت نے کس کتاب میں اسے موضوع یا غلط روایت بتایا ہے تا کہ اہلِ علم و تحقیق اس معترض و ناقد کے اعتراض و تنقید کی وقعت او راصلیت جان سکیں- موضوع (لوگوں کی خود بنائی ہوئی) احادیث کے حوالے سے محدثین نے جو مجموعے تیار کئے ہیں ان میں درج تمام روایات کو اہلِ علم نے موضوع نہیں مانا۔ ابنِ جوزی نے بہت سی صحیح احادیث کو موضوع لکھا تو اہلِ علم بالخصوص امام جلال الدین

آپ چاہتے تو پورا کوہِ اُحد سونے کا بنادیا جاتا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح جو یعنی شعیر کے ذکر کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی کھانے میں آپ کی سادگی کا ذکر ہے اور مکرر عرض ہے کہ یہ سادگی اختیاری تھی۔

(تنویر پھول ص، ۲۶/ ۶۶۳-۶۶۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ:

علاوہ ازیں انہوں نے نبی کریم V کے وجودِ اقدس کے ''بے سایہ'' نہ ہونے کے بارے میں جناب سلیمان ندوی کی تحریر اور دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہی سمجھتے رہے کہ ندوی صاحب کے دلائل درست ہیں- عرض ہے کہ جناب شبلی نعمانی اور ندوی صاحب کے بارے میں خود ان کے ہم مسلک جناب اشرف علی تھانوی نے جا بہ جا تنقید کی ہے بلکہ سخت اختلاف کیا ہے جو احمد صغیر صاحب کے علم میں شاید نہیں- نبی پاک V کے وجودِ نوری و مقدس کا سایہ نہ ہونے کے بارے میں علمائے حق کی تحریریں یادگار ہیں جن کا مطالعہ کافی ہوگا، اِن شاءاللہ-

(کوکب نورانی ص، ۳/ ۵۴)

معراج سے متعلق احادیث:

مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر یحیٰی صاحب نے انتہائی غیر محققانہ تحریر پیش کی ہے- ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں تمام حوالے صرف ایک مکتبِ فکر کے علماء کے پیش کئے ہیں- ص ۵۷ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''رسالہ برہان دہلی کے سابق ایڈیٹر جناب سعید اکبر آبادی نے بھی لکھا تھا: ''معراج سے متعلق احادیثِ صحیحہ میں بھی ضعف پایا جاتا ہے-''

یحیٰی صاحب سے پوچھنا چاہوں گا کہ سعید اکبر آبادی صاحب کا محققین میں کیا درجہ ہے، وہ کس درجہ کے محدث ہیں؟ کیا اس بارے میں کوئی متفقہ و اجماعی رائے اہلِ علم کی وہ پیش کر سکتے ہیں؟ کچھ رواج ہو گیا ہے کہ قرآن و حدیث کے بارے میں اپنی رائے کو اہمیت دی جا رہی ہے حالاں کہ اس بارے میں سخت وعیدیں بیان ہوئی ہیں- محدثین و محققین نے جن احادیث کو ضعیف کہا ہے ان کے ضعف کی وجہ بیان کی ہے اور مسائل و فضائل کے بارے میں اصول و قواعد مختلف ہیں۔ اگر حدیث فی الواقع ضعیف ہو تو وجوب ثابت نہ ہوگا، استحباب تو ثابت

محسن کا قصیدہ لامیہ اور ہندو صنمیات:

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن رحیمی نے اپنے مضمون، محسن کاکوروی کے قصیدۂ لامیہ پر ایک نظر میں'' جو اتفاق و اختلاف کی بحث چھیڑی ہے وہ برسوں پہلے سرد ہو چکی ہے اب اس کے احیاء کا کوئی موقع ہے نہ مطلب!! ان کا یہ کہنا:

> ''جہاں تک اس کی تشبیب میں ہندوانہ ماحول و فضا یا ہندو صنمیات کی تلمیحات کے استعمال کی بات ہے تو ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ قصیدہ اس وقت کہا گیا ہے جب برصغیر متحد تھا، اس کی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اس وقت اس متحد ملک میں ہندو اور مسلمان سب ایک ساتھ رہتے تھے اور اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں مذاہب ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے ہیں اس وجہ سے مسلمان ہندوؤں کی مذہبی شخصیات اور مقامات سے بخوبی واقف تھے اور ہندو بھی مسلم معاشرے میں گھل مل گئے تھے یہی وجہ ہے کہ متعدد غیر مسلم شعراء نے بھی نعت گوئی کا شرف حاصل کیا، اس ماحول و معاشرے میں محسن نے یہ قصیدہ کہا۔''

نہایت بھونڈا جواز اور نہایت بودی دلیل ہے۔ ماحول و معاشرے کے اثرات اپنی جگہ مسلّم لیکن مذاہب کا ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا قطعی نا قابل قبول ہے۔ محسن نے کبھی مندر میں ماتھا ٹیکا اور نہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر اور کرشن بہاری نور نے مسجد میں نماز پڑھی!! اب محسن کے اس قصیدے پر بحث لاحاصل ہے۔ (۲۶/۶۴۳۔۶۴۴)

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تعاقب کیا- میری ذاتی لائبریری میں موضوعات کے حوالے سے کئی کتابیں ہیں ان میں علمائے احادیث نے واضح لکھا ہے کہ ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور کسی کو موضوع کہنا، ان دونوں میں بڑا بل ہے کیوں کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافترا ثابت کرتا ہے اور غیر صحیح کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث ہی نہیں بلکہ اس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے- (اللآ لی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ، ص ۱۸، جلد اول، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ھ) امام ملا علی قاری، علامہ طاہر فتنی، امام ابنِ حجر عسقلانی نے بھی واضح لکھا ہے کہ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا- اسی طرح سند کا منقطع ہونا بھی موضوع ہونے کو لازم نہیں کرتا- اسی طرح ''التعقبات علی الموضوعات'' میں ہے کہ حدیثِ ضعیف کی ایک قسم مضطرب اور ایک قسم منکر ہے اسے بھی موضوع کہا یا مانا نہیں جاتا اور فضائل میں اس سے استدلال کیا جاتا ہے- جہالت راوی، یا صرف راوی کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بھی حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا- اس موضوع پر تمام تفصیل یکجا دیکھنی ہو تو اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث وفاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین'' یا ''فتاوی رضویہ'' کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے- ایک مسلمان کے لئے ذکرِ رسول V ایسا مبارک وظیفہ ہے جس پر دوسرے رشک کرتے ہیں، وہ لوگ جو ایمان ومحبت سے اس ذکر کو سرمایہ آخرت بناتے ہیں وہ خیر ہی سے شغف رکھتے ہیں اور ذکرِ رسول اللہ V سے بلاؤں، آفتوں کا دُور ہونا تو خود جناب اشرف علی تھانوی کی تحریروں میں مذکور ہے، چناں چہ طاعون کی وباء سے بچنے کے لئے وہ نبی کریم V کے روزانہ ذکر کو نافع ومفید لکھتے ہیں- کچھ برس پہلے بھارت کے ایک صوبے میں یہ وباء پھیلی تھی، ان دنوں روزنامہ جنگ کراچی میں میرا مضمون شائع ہُوا تھا اس میں بھی تھانوی صاحب کا یہ اقتباس مَیں نے لکھا تھا- جناب اسمٰعیل دہلوی کی تحریر میں بھی یہ ہے کہ: ''ہردم نام محمد کا لے-'' اسے مَیں نے اپنی کتاب سفید وسیاہ میں نقل کیا۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے اگر یہ سمجھا ہے کہ شمائلِ رسول (V) پڑھنے سے فائدہ نہیں ہوگا تو یہ ان کی غلط فہمی ہے البتہ فی الواقع موضوع یا غلط روایت کی اشاعت ہی غلط ہے، ان کے پڑھنے پر فائدہ وثواب کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرے گا- (کوکب نورانی ص ۳،۹۷)

'نعت رنگ' میں مستقل لکھنے والوں نے اپنے تئیں کوشش کی ہے کہ وہی مطالعہ اور مشاہدہ کہتا ہے۔ خطوط کا حصہ تو اچھا خاصا 'ہائیڈ پارک' بن چکا ہے۔ اس میں کسی خاص موضوع کے حق اور مخالفت میں دونوں آرا موجود ہوتی ہیں، ایک عمل کا ردّ عمل اگلے شمارے میں سامنے آجاتا ہے۔ جواب آں غزل تو خیر کمال دلچسپی لیے ہوئے ہے۔ 'نعت رنگ' آپ کے باطنی اخلاص اور ذاتِ سرورِ کائنات V سے تعلق خاطر کا مظہر ہے۔ ایک طرف آپ نعت گوئی اور دوسری جانب نعت خوانی کے ذریعے جو سعادت دارین حاصل ہوتی ہے وہ عطائے ربی ہے، 'نعت رنگ' عقیدتوں کے اظہار کی تیسری جہت ہے جس میں آپ کے ساتھ ہزاروں لاکھوں عقیدت مندوں کا قافلہ بھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ 'نعت رنگ' کے اجرا سے پہلے جب آپ محترم غوث میاں کے ہمراہ فیصل آباد آئے تھے تو آپ کا عجز آثار عزم بتا رہا تھا کہ آپ کوئی بہت بڑا منفرد کام کرنے جارہے ہیں اور میرا یہ تاثر اب ایک زندہ حقیقت بن چکا ہے۔ ۵۱۲ صفحات کے شمارے کا حرف حرف اعلان کر رہا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس سے بھی زیادہ کی توقع رکھی جائے۔ (ڈاکٹر شبیر احمد قادری ص، ۶، ۴۷-۴۷۵)

جہاں تک ''نعت رنگ'' کا تعلق ہے وہ محبتوں کے دلآویز نغمات پر مشتمل مسکراتے آنسوؤں کی ایسی لڑی ہے کہ اس عِقدِ لآلی میں کیف و رنگ بھی ہے، نور و نکہت بھی، چاند تاروں کی جلوہ ریزیاں بھی ہیں اور گلہائے مدحت کی خوشبو میں بسی کرنوں کی سیڑھیوں سے اُترنے والی الہامی کیفیتیں بھی ہیں۔ نعت رنگ دلوں میں فریفتگی و شیفتگی کے بے پناہ سمندر اٹھانے والی منہ زور، متلاطم موجوں کا سیل تجاج اور رقعہ بر رقعہ دوختہ ''مرقع'' Anthology ہے جس میں عشاقِ رسالت مآب V کے لیے سامانِ اضطراب ہے۔ متاعِ طمانیت ہے خستہ حال بے قراروں کے لیے قرارِ جان ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ اس دور میں نعت خواں و نعت شناس حضرات کی صف اوّل ہی میں نہیں امامت کے منصب پر کھڑے ہیں۔

جہاں تک آپ کی نعت گوئی اور نعت نگاری کا تعلق ہے وہ ''شعر برائے شعر گفتن'' کے قائل ہی نہیں۔ عشق رسول V میں ڈوب کر لکھتے ہیں۔ ان کیفیاتِ وارفتگی و سرمستی میں ڈوب ڈوب جانا آپ کا اختصاص و امتیاز ہے۔ آپ اس بحر محبت کے شناور ہیں جو ناقابل یافت Fathomless ہے، ناقابل رسائی Unaccessable ہے۔

(غلام رسول عدیم ص، ۲۷/۵۱۶)

'نعت رنگ': خطوط کے آئینے میں

''نعت رنگ''

اک آئینہ ہے صبغۃ اللہ کا
بلا شک، بہت خوب ہے نعت رنگ
بہ سعیِ صبیح، فدائے رسول
مسلماں کو محبوب ہے نعت رنگ
مرتب ہیں اس کے سزاوارِ قدر
بہت ہی خوش اسلوب ہے نعت رنگ
بخوبی ہیں اس سے بھی واقف صبیح
کہ راغبؔ کو مرغوب ہے نعت رنگ

راغبؔ مرادآبادی (۳۴۲)

'نعت رنگ' ایک تعارف:

غیر مشروط اور غیر متزلزل کومٹ منٹ کا پہلا صلہ یہ عطا ہوتا ہے کہ تخلیقی سطح پر سوچ اور اظہار کے مقفل دروازے خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔ تخیل کے پرندوں کو تازہ ہواؤں سے دائمی وابستگی کا ادراک ملتا ہے اور لفظ معانی کی فضائے بسیط میں اونچی پرواز کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ''نعت رنگ'' نے اپنے جس تخلیقی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس کے نقوشِ پا اتنے تابندہ اور روشن ہیں کہ بہت سے دوسرے اربابِ وفا پر بھی سفر کے مراحل آسان ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ثنائے حضور V کی خنک ہواؤں کے قافلے کے رواں دواں رہنے کا چرچا خوش بوئیں ہی نہیں، دھنک کے رنگ بھی کرتے رہے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا شمارہ نمبر۲۲ پھولوں کی اپنی خوش بوؤں، دھنک کے انھی رنگوں اور آفتابِ ادب کی اسی روشنی کا عکسِ جمیل نظر آتا ہے۔

(ریاض حسین چودھری ص،۳۸۵)

گی۔ ذکرِ حبیبِ خدا V کے سلسلے میں بھی یہ رویہ صدیوں سے جاری ہے اور ذکر کی فراوانی ہے کہ بڑھتی جاتی ہے۔ لاکھ پابندی لگاؤ کہ ذکر نہ ہو، احترام نہ ہو، عقیدت میں سر نہ جھکے، ہاتھ کا اشارہ نہ ہو، زبان پر یارسول اللہ نہ آئے، لیکن نہ تو فتوؤں کی ضرب اور نہ قینچیوں کی ضرب دلوں کے جذبوں پر قابو پا سکیں نہ محبتوں اور عقیدتوں کے سوتے سوکھ سکے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذہنی خلفشار، تہذیبی اقدار کی شکست و ریخت، مصلحتوں کو نظر سے ہٹانے کے اس دور میں 'نعت رنگ' طوفانوں کے درمیان جگنو کی طرح روشن ایک چھوٹا سا دیا ہے۔ اسے ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہیے۔ غالباً میں نے اپنے کسی پچھلے خط میں لکھا تھا کہ 'نعت رنگ' ختم ہوا تو سمجھو تمھاری زندگی ختم ہوگئی۔ میرے خیال میں 'نعت رنگ' کے تمام لکھنے والے اور پڑھنے والے بھی اس سے متفق ہوں گے۔ (شفقت رضوی ص، ۴۹۱۔۴۹۰)

'نعت رنگ' اور تنقیدِ نعت:

''نعت رنگ'' نے اشاعت اوّل میں جس انفرادیت کا پرچم اُٹھایا تھا وہ آج تک اس کے شامل حال ہے۔ میری مراد تنقیدِ نعت سے ہے۔ شروع میں یار لوگ تنقیدِ نعت کے نام سے بدکنے لگے کہ ہمارا شاعرانہ وقار اس سے گر جائے گا مگر آہستہ آہستہ انھیں از خود احساس ہونے لگا کہ یہ تنقیص یا عیب جوئی نہیں بلکہ تنقید ہے اور اس تنقید کا ہر دور میں شعرا کو سامنا کرنا پڑا ہے۔ نعت بھی ایک صنف شاعری ہے جسے بڑے زوروں سے منوایا گیا ہے۔ ''نعت رنگ'' بھی اس ادبی، صحافتی اور علمی و فکری جدوجہد میں شامل ہے جس کی بدولت آج کے اہلِ سخن اور اہلِ ادب اسے صنفِ سخن ماننے پر مجبور ہوگئے ہیں۔

بات ہو رہی تھی تنقیدِ نعت کی، ''نعت رنگ'' کے کہنہ مشق اور ادبی لحاظ سے قد آور لکھاریوں نے اس حسن ادا کے ساتھ تنقید کا پرچم لہرایا کہ تنقید کو اب تنقیص نہیں بلکہ فروغِ شاعری کا اہم حصہ تصور کیا جانے لگا ہے۔ جہاں ''نعت رنگ'' بہت سے علمی اور شعری رویوں کا علم بردار نظر آتا ہے وہاں تنقیدِ نعت کے حوالے سے اس کی افادیت آج دنیائے نعت کے نعتیہ شماروں کی اوّلین ضرورت بن گئی ہے۔

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ آج ''نعت رنگ'' فکر و فنِ نعت کے حوالے سے اہم علمی پلیٹ فارم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جس نے انتہائی ممتاز لکھاریوں، ناقدینِ فن اور قلم کاروں کا

'نعت رنگ' کی غرض و غایت:

بادی النظر میں ''نعت رنگ'' کے اجرا کی غرض و غایت فروغِ نعت قرار دی جاسکتی ہے۔لیکن اشاعت اوّل ہی نے اجراو اشاعت کے پس منظر میں کارفرما مرتب و معاونین مرتب کی فکری تحریک وتشویق کا راز کھول دیا کہ ''نعت رنگ'' کے طلوع کی اصل بلکہ غایت اولی فضائے نعت میں تجدد و اجتہاد کی روشنی پھیلانا اور فن و موضوع کے تعلق سے ایسے مباحث کے در وا کرنا ہے، جو پہلے سوئے ادب متصور ہوتے تھے۔(قیصر نجفی ص ۵۳،۷)

جیسا کہ 'نعت رنگ' کے قارئین کو علم ہے اس جریدے کا واحد مقصد اردو کی اصنافِ سخن میں سے نعت کو فکری اوصاف اور فنی محاسن کے حوالے سے ایک ایسی بلیغ صنف کے طور پر پیش کرنا ہے جس میں ادبیاتِ عالیہ کے سارے محاسن کا عمدگی سے اظہار ہُوا ہو۔اسے محض ایک مذہبی موضوع کا بیان نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی تخلیق میں صرف کی جانے والی مساعی، مہارت، ریاضت اور تخلیقی اقدار کے شمول کو بھی زیرِ جائزہ لایا جائے۔(ڈاکٹر ریاض مجید ص ۲۵،۸۷۳)

'نعت رنگ' کی اہمیت:

یہ مجلّہ اب، بلکہ ایک آغاز ہی سے، اپنے مشمولات کے تنوع اور دل کشی کے باعث محض ایک رسالہ ہی نہیں ایک دنیائے کیف و سرور اور عقیدت و موّدت ہوتا ہے جس کا رشتہ راست ہم سب کی روح اور حواس دونوں سے قائم و برقرار ہے۔اس کے تنوع میں یہ سب کچھ ہے اور ساتھ ہی افادیت بھی اپنی جگہ بے پناہ۔مقالات جائزے و مطالعے ہر دو پر مشتمل ہوتے ہیں اور پھر ان میں اکثر معلومات بھی قاری کو اپنی دنیا میں سمیٹے رکھتی ہیں۔(ڈاکٹر معین الدین عقیل ص ۸۲۶)

اردو زبان اور 'نعت رنگ':

'نعت رنگ' نے اردو زبان کے چٹکارے لینے کا مزہ دیا۔ایک تو سلونی زبان اس پر ذکرِ حبیبِ خدا V کی نور فشانی دل کے سرور اور روح کے کیف کے سامنے ہوگئے۔خیال ہوا اردو کو مٹانے کے لیے غیروں نے اور ان سے زیادہ اپنوں نے جو زحمتیں اٹھائیں وہ سب بے کار ثابت ہوئیں۔اگر اردو جنوبی ایشیا میں مٹ بھی جائے تو امریکا، کینیڈا، لندن، اٹلی، جاپان، وسطی ایشیا میں زندہ رہے گی اور اس کو مٹانے کا عزم رکھنے والے دوستوں کے سینے پر مونگ دلتی رہے

کی ضرورت محسوس نہ ہو اس ضمن میں آپ کو اپنا مدیرانہ استحقاق بھی بروئے کار لانا ہوگا۔

(حفیظ تائب ص، ۲۸۱)

'نعت رنگ' کے ادبی وفکری رجحانات:

'نعت رنگ' شمارہ ۱۶ اپنے روایتی علمی وادبی رچاؤ، فکری وفنی حسن اور روحانی جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا... 'نعت رنگ' کا ہر شمارہ آپ کے کڑے انتخاب کی چغلی کھاتا ہے۔ ایسے جریدے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، جو فی الواقع معیار کو مقدم سمجھتے ہیں اور ادب میں لابی ازم یا گروہ بندی کو تکفیر کی حد تک بُرا خیال کرتے ہیں۔ بحمداللہ! 'نعت رنگ' اسی قبیل کے جرائد میں سے ایک ہے۔ البتہ جہاں تک 'نعت رنگ' کے علمی وادبی میلانات اور فکری وفنی رجحانات کا تعلق ہے تو اس کتابی سلسلے کی اساس نعتیہ ادب پر رکھی ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نعتیہ ادب میں مذہبی فکر کی جوت جگائے بغیر بات نہیں بنتی۔ جب کہ مذہبی فکر ہمارے ہاں فرقہ واریت کے گہن سے مبرا نہیں ہے۔ لہٰذا ایک ایسے معاشرے میں جہاں ہر فرقے نے اپنی علاحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہو، وہاں نعت و نعتیہ ادب کے کسی نمایندہ جریدے کو عقیدہ و عقیدت مندی کے حوالے سے متوازن رکھنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ 'نعت رنگ' اس تناظر میں ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ 'نعت رنگ' کے سولہ شمارے غیر جانب داری کا ایک ایسا معیار پیش کرتے ہیں، جس کے عشر عشیر تک پہنچنا بھی متعجب کر دینے کے لیے کافی ہے۔ (قیصر نجفی ص، ۶۲۔۶۱ ۷)

'نعت رنگ' کی خدمات:

اس وقت میرے سامنے ''نعت رنگ'' کے دو شمارے ہیں (۹ اور ۱۰)۔ واجب ہے کہ تمھاری تعریف کی جائے۔ تم نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ ایک بہت خطرناک سا کام تھا مگر نیت میں خلوص ہو تو پرودرگار کی مدد ضرور ملتی ہے۔ آج ''نعت رنگ'' کے پلیٹ فارم سے وہ کام ہو رہا ہے جس کی ہمیشہ سے اردو ادب کو ضرورت تھی۔ نعت رسول ﷺ خدا مذہبی دائرے سے نکل کر ادب کا ایک جز بن رہی ہے اور جو کام ہو رہا ہے اس سے بہت سی بدعتوں کا قلع قمع ہونے کے ساتھ ہی نعت نگاری کو اپنے درست خدوخال کے ساتھ ابھرنے کا موقع فراہم ہو رہا ہے۔ ایسے کم زور مذہبی عقائد کا بھی پردہ چاک ہو رہا ہے، جنھوں نے معمولی پڑھے لکھے افراد پر گرفت قائم کر رکھی تھی۔ یقیناً ابھی کافی کام باقی ہے اور انشاء اللہ تمھارے جریدے کے توسط سے یہ بھی تکمیل کو پہنچے گا۔ بس

تعاون حاصل کیا ہے۔ بڑے قلم کار منّت سماجت سے نہیں بلکہ کسی کا ادبی مقام اور علمی مقام دیکھ کر اپنے بھرپور تعاون سے نوازتے ہیں۔

''نعت رنگ'' نے اتنے برس اس شمعِ نعت کو روشن کیا ہے کہ آج اس کی روشنی بے شمار پڑھنے والوں کے دلوں میں ضوفگن ہو چکی ہے اور اس روشنی کو مزید نکھار عطا کرنے کے لیے نام ور ناقدین اور محققین کا ایک بڑا گروہ آپ کے قدم سے قدم ملا کر چل رہا ہے۔ ایک دو شمارے نکال لینا اور بات ہے لیکن مسلسل عہد آفریں کام کو سرانجام دیتے جانا کسی بھی عہد کا اعزاز بن جاتا ہے اور بلاشبہ یہ اعزاز آپ اور ''نعت رنگ'' کی برکاتِ فکری کا حصہ ہے۔

''نعت رنگ'' بلاشبہ نعتیہ صحافت کا ایک ایسا گل دستہ ہے جس کی رنگارنگی نے ہر صاحب نظر کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے، اس تمام عرصہ میں نہ تو ''نعت رنگ'' کی محبوبیت میں کمی آئی ہے اور نہ ہی چاہنے والوں کی شدتِ خلوص میں کمی کا احساس ہوا ہے بلکہ یوں لگتا ہے کہ ہر آنے والا وقت اس کی عظمتوں کے چاند کو مزید جگمگاہٹ عطا کرتا ہے۔ ربّ کریم سے دعا ہے کہ ''نعت رنگ'' کا جذبۂ عمل یوں ہی فروزاں رہے۔ آپ کا حسنِ ترتیب و اشاعت اسی شان کے ساتھ اس نعتیہ شاہ کار کو بہتر سے بہتر اُسلوب عطا کرے اور سرورِ کونین V کی عنایات مسلسل ان کے شامل حال رہیں کیوں کہ یہی تو ایک حقیقت ہے:

میں خود تو کچھ نہیں میری قیمت ہے آپ سے

(ڈاکٹر حافظ منور حسین سرور ص ۸۵۲۔۸۵۱)

ناقدین نعت سے چند گزارشیں:

''تنقید نعت'' تخلیق نعت سے بھی کہیں مشکل کام ہے، لہٰذا اس کام کو وسعت دینے والے احباب سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نعت کا فنی محاسبہ جس طرح چاہیں کریں، لیکن اس کے فکری پہلوؤں پر قلم اُٹھاتے ہوئے ہر نکتۂ نظر و زاویۂ فکر پر نگاہ رکھیں اور ہر پہلو کا بہ نظرِ عمیق جائزہ لے کر بات کریں۔ اختلافی معاملات میں احباب سے مشورہ کر لینے میں کچھ حرج نہیں ہوتا بلکہ باہمی تبادلۂ خیال سے کوئی نہ کوئی اور رُخ بھی سامنے آ سکتا ہے۔ یہ دردمندانہ التماس اس لیے کر رہا ہوں کہ نعت کا احترام بہر صورت قائم رہنا چاہیے اور اس سے مختلف دینی مسالک کو قریب لانے کی سعی بھی ہونا چاہیے۔ یہ بات اس لیے بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بعد میں تنقید پر تنقید لکھنے

ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے محبوبؐ کی مدح وثنا کی توفیق صرف ایسے انسانوں کو عطا کرتا ہے، جو حبیب خدا کی ذات وصفات کا عرفان رکھتے ہوں۔ یہ منصب ہر کہ ومہ کو نصیب نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی مدّاح رسول V ہونے کا دعویٰ کسی کو زیب دیتا ہے۔ غالب ایسا فدائے محمد V وآل محمد V علیہم السلام بھی اپنی تمام تر ذہانت، طبّاعی اور شعری فراست کے باوصف معرفت ختم الرسول V کا مدعی نہ ہوا۔ (قیصر نجفی ص،۴۵۷)

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

''نعت رنگ'' کا پہلا ہی شمارہ دیکھ کر طبیعت پھڑک اُٹھی تھی اور آپ حضرات کے لیے بے اختیار دعائیں نکلی تھیں۔ بلاشبہ ظاہری و باطنی حسن سے آراستہ دستاویزی رسالہ آپ نکال رہے ہیں۔ اس شمارے کے تینوں حصے تحقیق نعت، تنقید نعت اور نعتیہ مجموعوں پر تبصرہ، وقیع ورفیع ہے اور وسیع مسائل ومباحث پر محیط ہے۔ اردو نعت کی باضابطہ تحقیق وتدوین کا کام تو گزشتہ دو تین دہائیوں سے جاری ہے اور اس موضوع پر بعض معرکہ کی چیزیں سامنے آ گئی ہیں، مگر تنقید نعت کا کوئی کام ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا، گویا آپ نے مطالعۂ نعت کی ایک نئی طرح ڈالی ہے جو بے حد مفید ومستحسن ہے مگر اسے تنقید نعت کے بجائے نعت کا شرعی محاسبہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ آج اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اردو نعت کا مطالعہ اسلامی فکر اور شریعت محمدی V کی روشنی میں کیا جائے اس لیے کہ نعت گوئی ایک مشکل اور نازک فن ہے، ذرا سی لغزش شاعر کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے، عقیدہ وایمان اور عشق ومحبت کی ہم آہنگی اور خلوص وابستگی کے بغیر کوئی شاعر نعت کا ایک شعر نہیں کہہ سکتا اور نہ اس کے کلام میں تاثیر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ عرفی جیسا خود پسند اور متکبر شاعر بھی جب اس میدان میں آتا ہے تو کانپ اُٹھتا ہے، اس کے نزدیک نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

جدید ادب کی فکری بے راہ روی اور فنی بے اعتدالیوں کے درمیان نعت کی مقبولیت اور اس کی بے پناہ وسعت نہایت خوش کن جزیرہ ہے اور یہ عصری ادب کا ایک خوش آئند اور مستحسن پہلو ہے جو ادب وزندگی دونوں کی خیر وفلاح کا ضامن ہے۔ ارض پاک میں تو اب یہ ادبی رجحان ایک عوامی

میری دعا یہ ہے کہ وہ لوگ ہر بات کو کھلے دماغ اور کشادہ دلی سے پڑھیں اور براہ تحقیق اپنے عقائد اور ایمان کی اصلاح کریں "تقلید" کا سحر بس اسی طرح ٹوٹے گا۔ (احمد صغیر صدیقی ص،۶۳)

'نعت رنگ' کا سترھواں شمارہ ضخامت کے اعتبار سے گزشتہ شماروں پر بازی لے گیا۔ ۵۱۲ صفحات پر مبنی یہ شمارہ بھی اپنے اندر رنگینیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ ان سترہ شماروں میں حمد و نعت کے بعض بنیادی نوعیت کے موضوعات پر اہلِ علم و فضل نے خوب جم کر لکھا ہے۔ آپ نے نعت کے ایسے مقدس موضوع کی معیار بندی کی خاطر تنقید کے جو در کھولے ہیں اس سے نعت نگار اور نعت خوان دونوں محتاط ہو گئے ہیں۔ معاصر شاعروں کی نئی نعتوں میں ان موضوعات سے دامن بچا کر چلنے کا شعور پیدا ہوا ہے جنھیں صنفِ نعت سے دُور کی بھی نسبت نہ تھی۔ نعت پر تنقید اس سے پہلے بھی ہو رہی تھی مگر 'نعت رنگ' کا تخصص یہ ہے کہ اس حوالے سے با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام شروع ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نعت پر تنقید کے بعض ایسے نمونے دیکھنے کو ملے جس کی اس سے پہلے مثال موجود نہ تھی۔ اس سے ردِّ عمل بھی سامنے آیا جو فطری بات تھی اس لیے کہ نعت کو صرف عقیدتوں کے اظہار تک محدود رکھنے والے اس کے فنی پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کر رہے تھے۔ نعت کو اصنافِ سخن میں شمار نہ کیے جانے کے پیچھے یہی عمل کارفرما تھا مگر اب یونی ورسٹیوں میں نعت کو ادبی صنف کے طور پر قبول کر کے اس پر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی سطح کے تحقیقی مقالات لکھنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ (ڈاکٹر شبیر احمد قادری ص،۴۷۴)

ابتدائیہ میں بیان کردہ آپ کے ان خیالات کی بصد مسرت توثیق کرتا ہوں:

"یہ سفر جو صرف عقیدت اور محبت کی ایک کیفیت میں شروع کیا گیا تھا، آج معنویت کی کئی منزلوں کو اپنے جلو میں لیے ہوئے جاری و ساری ہے.... "نعت رنگ" اسی محبت اور معنویت کے سفر کا ایک تابناک رخ ہے"۔

"نعت رنگ" کی طبعی عمر ابھی خاصی کم ہے، مگر معنوی زندگی کے اعتبار سے اس کے خطّ و خال سے بزرگی جھلکنے لگی ہے۔ ایک نہایت قلیل مدّت میں کسی ادبی جریدے کے مقام اعتبار پر فائز ہو جانا خواہش کی حد تک تو ممکن ہے، لیکن عملی صورت میں حد امکان سے بعید ہے۔

"نعت رنگ" نے مختصر سے عرصے میں مدارج اعتبار و وقار طے کر کے ادبی جرائد و سائل کی ایک نئی توانائی سے روشناس کرایا ہے۔ بالخصوص نعتیہ ادب کے حوالے سے اس نے جو باب تحیر کھولا ہے، اس کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کتابی سلسلہ تائید ایزدی کی ایک روشن مثال

جرائد کا تسلسل کئی حوالوں سے ادبی میلانات کو ایک واضح رُخ دیتا ہے اردو رسائل میں نقوش، اوراق، فنون، سیپ ایک طرح کے ادب (افسانہ، نظم، غزل وغیرہ) کی اشاعت کے باوجود میلانات اور پیشکش میں ایک دوسرے سے ذرا مختلف رہے ہیں دراصل رسائل کا وقت کے ساتھ ایک اپنا مزاج بن جاتا ہے ''نعت رنگ'' کا تنقیدی حصہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح معیار آشنا اور توازن رُو ہوا ہے یہ نعت---خصوصاً تنقیداتِ نعت کے لحاظ سے خاص انفرادیت کا حامل ہے اسے نہ صرف بحال رکھنے بلکہ علمی و تحقیقی انداز سے اور زیادہ متوازن رکھنے کی ضرورت ہے۔ (ڈاکٹر ریاض مجید ص، ۲۵/۳/۸۷)

اب ''نعت رنگ'' کی نیرنگیاں بیان سے باہر ہیں۔ موضوعات کے شمار کی دشواری، وسعتوں کی پیمائش ناممکن، جدت ترازیاں حیرت انگیز، اسکالرز کے لیے تحقیق کے بے شمار موضوعات، تحقیق کے مآخذ اپنے چاہنے والوں کے صبح و شام منتظر۔۔۔۔ملک کی حالت کچھ بھی ہو! وہ ترقی کرنے نہ کرے ''نعت رنگ'' نے نعت بندی میں اور اس کے حوالے سے دینی مسائل میں جو عظیم الشان تحریک پیدا کر دی ہے اس جیسا رنگ و روپ صدیوں پہلے تک نظر نہیں آتا میں اس کامیابی اور جدت طرازی کے لیے کہ صرف آپ ہی کو اس وجہ سے پہلے مبارک باد دینا نہیں چاہتا کہ آپ ''نعت رنگ'' کے مرتب ہیں بلکہ آپ کے معاونین، مجلس مشاورت کے اراکین اور نعت رنگ کے اہل قلم جو کسی پہلو سے بھی نعت کے فن اس کے متعلقات یا کسی اور پہلو سے سو سو صفحے کا مضمون لکھیں یا کسی نے ایک صفحے کا خط لکھا ہو چوں کہ علم و تحقیق یا دین و ادب اور ہیکل نعت کی تعمیر میں سب کا حصہ ثابت ہے اس لیے میں عزیزی آپ کے ساتھ ان تمام حضرات کو بھی مبارک باد کا پہلے مستحق قرار دیتا ہوں میرے نزدیک ''نعت رنگ'' کے صفحات میں جس نے بھی کم و بیش جگہ پائی ہے وہ قابل فخر ہے۔

یہ بھی اللہ کا فیضان ہے اس نے نعت رنگ کی برکات اور اس کے کاغذ، کتابت اور کمپوزنگ اور اس کی سجاوٹ کی رنگینیاں صرف اسی حد تک محدود نہیں رہی، بلکہ مطالعہ نعت کے عشق، اس کی زبان کی لطافت، اس کے اسلوب کے کمال حسن اور پیش کش کی دل ربائی کو قدرت نے چاند اور تاروں سے مزین زمین پر علم وفن کی ایک نئی دنیا آباد کر دی ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ پچھلے چند برسوں میں نعت کو جو اردو شاعری کی صنف سمجھی جاتی تھی ایک مستقل فلسفہ اور علم وفن تسلیم کر لیا گیا۔ (ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری ص، ۲۵/۷/۸۷)

تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات میں محتاط رویہ کی اب اور زیادہ ضرورت ہے۔ آپ قابل مبارک باد ہیں کہ دنیائے نعت میں اس جہت سے آپ نے پہلی آواز اُٹھائی اور نعت میں احتیاط کے تقاضوں کو سامنے لایا۔ عاصی کرنالی، رشید وارثی، اور عزیز احسن کے مقالات، ممنوعاتِ نعت، نعت نگاری میں ذم کے پہلو اور نعت نبی V میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں۔ دراصل اردو نعت کا بہترین شرعی محاسبہ ہیں۔ اُمید ہے کہ اس سلسلے کو آپ مزید آگے بڑھائیں گے اور نئی نئی تحقیقی کاوشوں کو پیش کرتے رہیں گے۔ (شاہ رشاد عثمانی ص، ۳۴۶)

نعت پر تنقید کا مطلب دراصل نعت کے فن کا علمی اور ادبی محاکمہ ہے۔ یہ بات ''نعت رنگ'' کے وسیلے سے مجھ تک پہنچی ہے۔ ورنہ شروع شروع میں ''نعت پر تنقید'' کا جملہ سن کر دل ڈر جاتا تھا کہ کہیں یہ سوئے ادب نہ ہو۔ رفتہ رفتہ ''نعت رنگ'' کے شماروں سے خیال کی یہ دھند چھٹ گئی اور ادب تو نعت نگاری کے فنی، لسانی اور ادبی اصول بہت ہی واضح ہو کر ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ یہ کام محمد حسن عسکری سے شروع ہوا، ابوالخیر کشفی کی تحریروں میں اس کا احیاء ہوا اور پھر نعت رنگ نے اسے نعت کے مکمل تنقیدی دبستان میں تبدیل کر دیا۔ آپ اور آپ کے رفقا کی کوششوں سے نعت پر تنقید ایک علاحدہ اور مخصوص مکتب فکر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار دو عالم V کی نگاہِ رحمت ہی سے آپ کو یہ توفیق ملی ہے، کہ آپ پاکستان میں نعتیہ ادب کے فروغ اور اس کے تنقیدی دبستان کی تشکیل کا تاریخی کام انجام دے سکے۔ (فراست رضوی ص، ۲۵/۹۰۳)

مقامِ اطمینان ہے کہ ''نعت رنگ'' سے وابستہ اہلِ قلم نے اس صنف کو ایک اعلیٰ ادبی معیار کی حامل صنف کے طور پر متعارف کروانے کی کوشش کی ہے یہاں میں متعارف کو لغوی مفہوم کی بجائے تلازماتی حوالوں میں لے رہا ہوں مقدار کے علاوہ معیار سازی کے لئے کوشاں ذہنوں نے اردو شعریات کے ساتھ اردو تنقیدات میں بھی اس صنف کو ایک عالمانہ جہت سے روشناس کیا یہ رُوشناسی اور تعارف گزشتہ دہائیوں میں اتنا جاندار اور شاندار نہیں تھا جتنا نعت رنگ کی سعیٔ جمیلہ سے ہُوا (جان دار اور شان دار کے الفاظ کثرت استعمال سے اپنی وہ تازگی کھو چکے ہیں جو اِن الفاظ کے آغاز میں آج سے کئی صدیاں پہلے شامل تھی۔) میں قارئین کی توجہ پھر ان الفاظ سے وابستہ مفاہیم کی قدیم تازگی کی طرف لے جانا چاہتا ہوں ''نعت رنگ'' کی تنقیدی جہت نے اس صنف کے نہ صرف آفاق وسیع کئے بلکہ اس صنف کو معیار آشنا بھی کیا۔

’نعت رنگ‘، چند تجاویز:

’نعت رنگ‘ عصر حاضر کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ اس کا نہج قابلِ تحسین ہے۔ میرے خیال میں دو، تین مزید شماروں میں نئی جہتوں کی تلاش لازم ہو جائے گی۔ کیوں نہ ابھی سے اس کی داغ بیل ڈالی جائے اور ’’نعت رنگ‘‘ کے scope کو وسیع کیا جائے۔ اچھا ہوا اگر آپ پاکستان میں مروّج زبانوں سے اس صنف کی نمائندہ تخلیقات حاصل کر کے ان کے اردو تراجم شائع کریں۔ اس کے علاوہ مشرقی اور مغربی زبانوں کی نمائندہ تخلیقات کو بھی شامل کریں۔ دوسرے اس امر کی کوشش بھی کریں کہ سابق میں جن شعرا نے نعت گوئی کے معیاری نمونے تخلیق کیے لیکن وہ اب گوشہ گم نامی میں ہیں انھیں متعارف کروایا جائے۔ اگر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ان امور کی جانب توجہ کی تو مستقبل میں ’’نعت رنگ‘‘ ’’نعت انسائیکلو پیڈیا‘‘ بن جائے۔

(شفقت رضوی ص، ۴۷۸۔ ۴۷۷)

جہاں ’’نعت رنگ‘‘ کا کام کر رہے ہو وہاں کسی سے نعت کی کتابیات مرتب کرواؤ۔ اردو میں نعتیہ مجموعے کتنے چھپے ہیں، کتنے مجموعوں میں نعتیں شامل ہیں۔ اچھی ضخیم کتابیات مرتب ہوسکتی ہے۔ مقتدرہ، مرتب کو معاوضہ دے کر اسے چھاپتا ہے۔ (شفقت رضوی ص، ۴۸۳)

ص ۲۷۰ پر پروفیسر مظفر عالم جاوید صدیقی کا یہ کہنا درست نہیں کہ ’’مولانا کفایت علی کافی اور کئی دیگر میلاد نگاروں نے اس کی تقلید میں سلام لکھے ہیں۔ کافی کے سلام میں بھی مولانا احمد رضا کے سلام کا رنگِ شاعری جھلکتا ہے۔‘‘ کافی تو سلامِ رضا کے وجود میں آنے سے بہت پہلے آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ ہاں یہ کہنا درست ہے ’’مولانا احمد رضا خاں کا سلام فکری و فنی لحاظ سے زیادہ مؤثر ہے۔‘‘ ص ۵۵۵ پر جگہ جگہ نبی کریم V کے نامِ اقدس کے ساتھ ’’ص‘‘ کا لفظ دیکھ کر تکلیف ہوئی۔ مکمل درود شریف لکھ کر حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل کرنی چاہیے۔ یہ حدیث پاک امام سخاوی نے ’’القول البدیع‘‘ کے ص ۶۰ ۴ پر نقل کی ہے، ’’جس نے کتاب میں مجھ پر درود پاک لکھا تو جب تک میرا نام مبارک اُس میں رہے گا فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے۔‘‘

ص ۵۵۷ پر جناب عرش ہاشمی کے ان اشعار نے ایمان تازہ کردیا:

چونکہ خاتم النبیین ، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت مسلمہ کے لیے ایک مرکز اتحاد ویکجہتی ہیں ۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی نقطہ پر کار کائنات ہے، اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات کا یہ دائرہ کبھی وجود میں نہ آتا۔خاکم بدہن کون مسلمان ہے جو ختمی مرتبت رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ مانتا ہواور روز حشر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ ہر مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اللہ اور قرآن مجید سے آشنا ہوا۔سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات نقطہ وحدتِ امت ہے۔اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ نعت شناسی کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ منافرتوں کے خلاف اور اتحاد اسلامی کے لیے بھی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ''نعت رنگ'' اپنی تحریروں کے ذریعے سے نعت نگاری اور نعت شناسی کے جو علمی وادبی معیارات قائم کررہا ہے، ان معیارات کو برتنے اور برقرار رکھنے کے لیے تفسیر قرآن ،علم حدیث ، کتب سیر، تصوف ،تاریخ اسلام ،صرف نحو ،عروض ،ادبیات عالم اور لسانیات کا مطالعہ ناگزیر ہے ۔گویا بلا واسطہ نعتیہ ادب کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم کے فروغ وترویج کا کام بھی ''نعت رنگ'' کے توسط سے ہورہا ہے۔

میرے نزدیک ''نعت رنگ'' نعت کے موضوع پر فقط ایک رسالہ ہی نہیں یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریک ہے۔ یہ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انجمن ہے۔ یہ اردو میں صنف نعت کے ادبی اصولوں کو علمی اور تنقیدی بنیادوں پر مرتب کرنے کی ایک خوبصورت کاوش ہے۔نعت رنگ سارے مسلمانوں کو محبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاقی مرکز پر جمع رکھنے کی ایک مخلصانہ سعی ہے ۔ یہ جریدہ ہمیں سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہری اصول یاد دلاتا ہے اوران پر چلنے کے ہمارے ارادے کو تقویت دیتا ہے۔

یہ جریدہ ہمیں نئی نئی علمی ،ادبی اور اسلامی علوم کی کتابوں کے مطالعے پر مائل کرتا ہے ۔یہی سبب ہے کہ نعت رنگ نے کم وقت میں نعت کی تاریخ ،تنقید اور تحقیق پر کام کرنے والے منفرد اہل قلم کا اپنا ایک حلقہ پیدا کرلیا ہے۔ یہ جریدہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اطہر سے مہکتا ایک چمن ہے جس میں تحسین وتوصیف کے رنگ برنگ پھول مہک رہے ہیں ۔(فراست رضوی ص،۲۵ر۹۰۴۔۹۰۳)

اور احوال و اسرار پر تنقید یا تبصرہ کر کے عوام الناس سے داد و تحسین وصول کرنے کے بجائے ایسے مضامین سے ''نعت رنگ'' کو مزین کیا جائے۔ جنھیں پڑھ کر اولیاء اللہ کے عقائد و نظریات سے متنفر ہونے کے بجائے اُن سے عقیدت و محبت کے جذبات پروان چڑھیں۔ وہ علوم و معارف جنھیں اکابر اولیاء اللہ نے اسرار الٰہی کے زمرے میں رکھا ہے اور جن کے افشا کرنے کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری میں ''قطع هذا لبلعوم'' (یہ گلا کاٹ دیا جائے) یا حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت میں ''کلم الناس علی قدر عقولهم اتریدون ان یکذب اللّٰه و رسوله'' (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے) کے الفاظ وارد ہیں انہیں عامیانہ انداز میں عوام الناس تک نہ پہنچایا جائے تاکہ وہ انھیں غلط سمجھ کر گم راہ نہ ہوں یا ان کی تکفیر کر کے خود موجب عذاب نہ ہوں۔ قدیم کتب فقہ میں بعض مسائل کے بارے میں ظاہری علم شریعت کے باوجود یوں ممانعت ہے کہ ''یہ مسئلہ جاننے کا ہے بتانے کا نہیں ہے۔ (ناصر الدین صدیقی ص، ۸۶۸)

نعت گوئی کے ضمن میں، ایک بات کہنا چاہوں گا کہ نعتیں تو بہت سے شاعر لکھ رہے ہیں مگر یہاں بھی معیار کا مسئلہ رہتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ''نعت رنگ'' میں، نعت کا معیار ذرا سخت کیا جائے بھلے کم نعتیں چھاپیں مگر وہ عمدہ ہونی چاہئیں۔ شاعری کی جو صورت حال آج کل سامنے ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشق کے سہارے یہ کام زوروں پر ہے۔ بہت سی نعتیں مشق کے سہارے کہی جا رہی ہیں یعنی ان کے اندر ادبی حسن کم کم ملتا ہے۔ ''نعت رنگ'' میں اس پہلو پر بھی توجہ دیں۔ ٹھیک ہے سارے شاعر تابشؔ، مظفر وارثی، سلیم کوثرؔ، نسیم سحرؔ یا تمھاری طرح جیسے ٹیلنٹیڈ (Talented) نہیں ہو سکتے مگر اس سے تو انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ ہر ایک کے پاس ٹیلنٹ کا کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے اور یہ کلام میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جب تک نعت میں نظر نہ آئے ''نعت رنگ'' میں اسے جگہ نہ دی جائے۔ ضرورت quantity کی نہیں quality کی ہے۔ (احمد صغیر صدیقی ص، ۶۴)

''نعت رنگ'' کے آئندہ شماروں کے لئے چند تجاویز ہیں (ان سے آپ کا یا قارئین نعت کا متفق ہونا ضروری نہیں)

۱۔ سرورق سے شروع کرتے ہیں سہ ماہی ''آج'' نے سادگی کے ساتھ رسائل کے جرائد کو ایک تازہ جہت سے رُوشناس کیا ہے اس کے شمارے سٹال اور لائبریری میں بڑے ہوئے دُور سے

"بے گانہ سنتوں سے جو ہے وہ میرا نہیں"
کیوں اس حدیث پاک سے صرفِ نظر کریں
کس طرح زندہ ہوں میرے آقا کی سنتیں
اس دُھن میں اپنی شام اسی میں سحر کریں

نعت گو شعرا سے التماس ہے کہ وہ ان موضوعات پر بھی خامہ فرسائی فرمائیں۔(حافظ محمد عطاء الرحمن قادری رضوی ص، ۶۹۵)

راجا صاحب نے جس ذاتِ گرامی کی مداحی کے لیے خود کو وقف کر رکھا ہے، اس ذاتِ اقدس کے صبر و تحمل کی مثال پوری تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی، اس ذات والا صفات کا ہر قدم اربابِ بصیرت کے لیے راہ نما و چشم کشا ہے۔ میرے خیال میں ادب کو خصوصاً نعتیہ ادب کو لسانی اور گروہی تعصبات سے ملوث نہ کیا جائے اور غلط فہمی کی بنا پر الزام تراشی سے گریز کیا جائے تو یہ خود صاحبِ تحریر کے لیے بہتر ہوگا۔(قمر رعینی ص، ۴۰۷)

"نعت رنگ" شمارہ اوّل کے مطالعہ کے بعد ضروری لگا ہے کہ نعت میں تحقیق، تدوین، تنقید اور تخلیق کا کام کرنے والے صاحب نظر لوگوں کو یک جا کر کے "مسائلِ نعت" پر کوئی سمپوزیم ہو اور اُس کی کارروائی "نعت رنگ" کے کسی شمارے کا حصہ بنے۔ سمپوزیم کا ایجنڈا طے کر کے مختلف مسائل پر ناقدین سے اشاراتی بلکہ کلیدی مضامین لکھوائے جائیں اور اُن پر بحث کے بعد کچھ نتائج مرتب ہوں۔ اس منصوبے پر اپنے رفقائے کار اور دوسرے اسکالرز سے مشوروں کے بعد، اگر تجویز اچھی لگے تو اسے عملی جامہ پہنانے کی اپنی سی کرنا چاہیے۔(حفیظ تائب ص، ۲۸۲)

بات درحقیقت یہ ہے کہ ہر شعر کہنے والا نعت نہیں کہہ سکتا ہے۔ اس کے لیے شعری سلیقہ، رسول اللہ V سے عشق، رسالت کے تقدس سے آگہی، مقامِ رسالت کا شعور اور لفظوں کو موتیوں کی طرح شعری مالا کا روپ دینا آنا ضروری ہے کہ کوئی لفظ مقامِ رسالت کے منافی نہ ہو اور کوئی شعر تقدسِ رسالت کے خلاف نہ ہو کہ کوئی لفظ مقامِ رسالت کے منافی نہ ہو اور کوئی شعر تقدس رسالت کے خلاف نہ ہو اور یہ سب اُس وقت آتا ہے جب وہ ایک تہذیبی روایت، ماحول فضائے ربانی سے گزر رہا ہو جس کی برتر مثال حضور V کے دور کی مدنی زندگی ہے کہ حضور V کا ہر صحابی حضور V کے عشق سے سرشار نظر آتا ہے۔(سلیم یزدانی ص، ۴۴۱)

میری گزارش ہے کہ مستند و مقبول اور مشہور اولیاء اللہ عارفین کاملین کے اقوال و افعال

ہے۔ (مختلف شاعروں کی ایک ایک نعت کے علاوہ) ایسے گوشوں کی اشاعت سے کسی شاعر کی تخلیقی مساعی کا ایک بھرپور تاثر سامنے آئے گا اور یوں زیرِ مطالعہ شاعر کے فکروفن کے کئی رخ بیک نظر سامنے آئیں گے۔ میری نظر میں نعت رنگ کا اب تک سب سے توجہ طلب حصہ نعتیہ شاعری سے تعلق رکھتا ہے اس حصہ پر مزید محنت کی ضرورت ہے۔ فکروفن میں بلاغت نادرہ کاری، ہیئت، لفظیات اور طرز ادا کی تازگی کے پیش نظر اس حصہ کو مقدار ساماں کی بجائے معیار آشنا کرنے اور رکھنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ تدوینِ کا پہلو نظر انداز ہو رہا ہے ۱۸۴۰ سے ۱۹۴۰ تک سینکڑوں نعتیہ گلدستے ناموں کی مناسبت سے نظمیں (میلاد نامے، وفات نامے، معجزات نامے، معراج نامے، پیغمبر نامے، جنگ نامے وغیرہ) شائع ہوئیں بیس چوبیس صفحات سے لے کر اسّی، سو صفحات تک یہ نعتیہ سرمایہ فراموش ہو رہا ہے اگر نعت رنگ میں ہر بار ایک کاپی سولہ صفحات تدوینِ نعت کے ذیل میں محفوظ کیے جائیں تو ایسے مختصر نعتیہ کتابچوں کے تعارف کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ (ڈاکٹر ریاض مجید ص، ۸۷۵/۲۵)

۶۔ 'نعت رنگ' کے ذمے 'نعت نما' کے عنوان سے اب تک کے شائع شدہ نعتیہ اثاثے کی سائنٹیفک بنیادوں پر مبسوط اشاریۂ کتب کی تدوین ہے اس کے لئے الگ مضمون درکار ہے۔ جس میں اس کے لئے رہنما اصول اور ضروری تجاویز کی تفصیلات دی جائیں ----- سو یہ کام پھر سہی۔ (ڈاکٹر ریاض مجید ص، ۸۷۶/۲۵)

۷۔ میرے خیال میں ''نعت رنگ'' جیسے پرچے میں اس قدر فرقہ واریت کو فروغ نہیں ملنا چاہیے۔ ''نعت'' تو محبت کی بہترین تبلیغ اور زمزمۂ محبت کا خوش ترین ترانہ ہے۔
لہٰذا جس نے بھی نعت کہی ہے، یقین کرنا چاہیے کہ اس نے حضور سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے۔ ان سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ جس مسلک کے آدمی نے بھی نعت کہی ہے وہ حضور کی ختم المرسلینی کو بے مثال اور ان کی رحمۃ للعالمینی کو بے نظیر سمجھتا ہے۔ ظفر علی خان، محمد علی جوہر اور سید نفیس الحسینی شاہ، حضرت کوکب نورانی کے ہم مسلک تو نہیں لیکن ان کی نعتیں اس قدر عشق رسول (ﷺ) میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ انھیں پڑھ کے حضور سے وابستگی اور والہانہ پن زیادہ اجاگر اور دل نشین ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا نعت کے حوالے سے اس قدر کرخت فقہی بحثیں شاید سود مند نہ ہوں۔''
(سید ریاض زیدی ص، ۳۴۶/۳)

پہچانے جاتے ہیں ہر نئے شمارے پر رنگ کے فرق اور شمارہ کے نمبر سے ''آج'' کے الگ الگ پرچوں کی شناخت ہو جاتی ہے۔نعت رنگ کے سرورق کو بھی ایک مخصوص شکل دی جاسکتی ہے۔ ہر شمارہ پر نعتیہ خطاطی کے نمونے بھی دیئے جاسکتے ہیں اسلام آباد سے چھپنے والے رسالے پیغام آشنا کی طرح ---آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ بھی دیئے جاسکتے ہیں۔صوفی برکت کی مرتب کردہ کتاب ''اسمائے نبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اسماء مبارکہ کی خطاطی حافظ یوسف سدیدی مرحوم نے کی ہے میں نے اپنی نعتیہ کتابوں سیدنا احمد ''سیّدنا محمد''،سیّدنا الرّحیم،سیّدنا الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرورق کی خطاطی اسی کتاب سے لی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ کتابوں کے عنوانات اور خطاطی بھی حافظ یوسف سدیدی مرحوم سے (بہ جذبہ تشکر و دعا) اخذ کرنے کا آرزومند ہوں---نعت رنگ کے سرورق پر مستقلاً ایک خاص سائز کے بکس میں اس مبارک خطاطی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے--- حرمین شریف کی تاریخی تصاویر وغیرہ بدل بدل کر آتی رہیں اور باقی تمام سرورق ریورس میں ایک جیسے پس منظر (' آج' وغیرہ کی طرح) کے ساتھ ہر بار مختلف رنگ میں آتا رہے پُشتے پر شمارہ وار نمبر کے اندراج کے ساتھ--- (غلام رسول عدیم ص، ۸۷/۴/۲۵)

۲۔نوتصنیف ---کے عنوان سے غزل کے علاوہ نعتیہ قصائد اور مثنویات یا دوسری صنف سخن کی اشاعت کی طرح ڈالی جائے یہ حصہ تین چار صفحہ پر مشتمل کسی بھی صنف میں نوتصنیف نعت پارہ پر مشتمل ہو اس طرح غیر محسوس طور پر ایک دو سالوں میں نعت کے باب میں پُر شکوہ اور محاسن شعری کی حامل اصناف (عام غزلیہ نعتوں کے علاوہ) تخلیق ہوں گی اور ان کی جمع آوری ہو سکے گی۔

۳۔اس نعت میں --- جیسے کسی عنوان سے بعض نعتوں کے فکری و فنی تجزیاتی مطالعے کی گنجائش پیدا کی جائے۔نئی اور آزاد نظم کے تعارف کے لئے بیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں کئی رسائل نے نظموں کے تجزیاتی مطالعے شروع کئے تھے ایک ایک نظم پر تین تین چار چار اہل قلم کی آرا کو اس نظم کے ساتھ شائع کیا جاتا اس سے نظم کے کئی ہے پہلو سامنے آتے۔میراجی کی کتاب اس نظم میں ایسے ہی جائزوں پر مشتمل ہے بعد میں مولانا صلاح الدین کے زیر اہتمام نکلنے والے جریدے ''ادبی دنیا'' لاہور میں بھی ایسے جائزے شامل ہوتے رہے---بعض بلیغ مفاہیم کی حامل نعتوں پر ایسے جائزوں سے تنقیدات نعت کی نئی جہتیں سامنے آئیں گی۔

۴۔توضیحی مطالعات---کسی خاص شاعر کی آٹھ آٹھ دس دس نعتیں مختصر تعارف اور تنقیدی کلمات کے ساتھ شائع کرنے کے لئے آنے والے شماروں میں ایک خاص گوشہ وقف کیا جاسکتا

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری:

'نعت رنگ' اور آپ کے سفر کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔ میں آپ کی ابتدائی زندگی سے واقف نہیں کہ قلم اٹھاؤں تو آپ کی شخصیت کے ذکر کے چھیڑتے ہی بول اٹھوں کہ "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" لیکن اگر ایسا نہ کروں تب بھی آپ کی موجودہ زندگی کا رکھ رکھاؤ بول اٹھتا ہے کہ آپ کے ذوق و مزاج کا علم کیا ہے؟ آپ کا شوق و مطالعہ ادب وفنونِ لطیفہ سے دل چسپی شعر کہنے اور پڑھنے کے اسلوب سے بروا کی ہونہاری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے اگر دس پندرہ سال پہلے کی اٹھان نہ دیکھی تھی تو اس کا غم نہ تھا میں اسی قریبی مدت سے آپ کی زندگی کے انداز کو دیکھ کر رہا ہوں اور اسی دیدہ و مطالعے نے میرے دل میں ایک ایسا آئینہ بنا دیا ہے جس میں آپ کے گزشتہ دور کے تمام حسن و زیبائش کے ساتھ آپ کی تمام باتیں اور نظارے دل کے آئینے میں دیکھ سکتا ہوں۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی شاعری شہرت ہو چکی تھی خواہ کسی بڑے حلقے میں نہ سہی مگر آپ کے سامعین اور شائقین کا ایک حلقہ ضرور پیدا ہو گیا تھا لیکن نعت خوانی کی مجالس کے تعلق سے آپ کے حسنِ بیان کی خوشبو دور دور تک پہنچ چکی تھی۔

اسی زمانے میں آپ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور تذکار مقدسہ کے مقصد سے ایک مجلّہ علمی و دینی "نعت رنگ" کے اجرا کا فیصلہ کیا اگرچہ یہ کام نہ اس وقت آسان تھا اور نہ آج کے بہت ترقی یافتہ دور میں یہ کام آسان ہے میرا اشارہ مجلّے کے کاغذی مجموعے کی اشاعت نہیں بلکہ علمی و دینی پہلو سے اس کی جامعیت، تحقیق کے معیار زبان و بیان کی لطافت اور پیش کش حسن کی رنگینوں اور دل آویزوں کی طرف تھا اور سچ یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ آپ اس مقام کو کبھی حاصل نہ کر سکیں گے لیکن آج میں شرمندہ ہوں، میں بھول گیا تھا کہ:

لیس الانسان الاماسعی (النجم ۵۳۔۳۹)

انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

عزیز محترم آپ نے جس چیز کی آرزو کی تھی خدا سے جس چیز کو مانگا تھا اور پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا۔ آپ نے اپنی سعی و عمل سے خدا کو راضی کر لیا اور آپ کو کامیابی نصیب ہوئی اور میں اپنے تصورات میں کھویا اور خیالات میں ڈوبا رہا اور شرمندگی سے دوچار ہوا۔ (نعت رنگ ص، ۲۵/۸۷۶)

مدیر نعت رنگ: معاصرین کی نظر میں

ڈاکٹر جمیل جالبی:

آپ نے جس سلیقے اور عمدگی سے 'نعت رنگ' مرتب و شائع کیا ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ معیار اور حسن طباعت کے اعتبار سے بھی ایسا کوئی دوسرا رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ آپ نے نعت گو شعرا کے اندازِ نظر کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا ہے وہ بھی یقیناً قابل تعریف ہے۔ شرک ہر صورت میں روحِ اسلام کے منافی ہے۔ رسالے کے معیار اور طباعت کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ کا رسالہ نہ صرف کامیابی سے ہم کنار ہوگا بلکہ بہت مقبول بھی ہوگا۔ جادہ ءرحمت کی شاعری بھی دل پذیر اور پراثر ہے۔ آپ کے اندر شعر گوئی کی بہت اچھی صلاحیت ہے۔ (نعت نامے ص ۲۶۸۔۲۶۷)

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو:

صرف نعت گوئی کے موضوع پر اتنے ضخیم نمبر نکالنا اور مفید اور قیمتی مضامین شائع کرنا آسان کام نہیں۔ آپ نے بڑی ہمت کی۔ (نعت نامے ص ۷۹۵)

کالی داس گپتا رضا:

مجھے ''نعت رنگ' کے چار شمارے موصول ہو چکے ہیں، مگر ان میں سے ایک نسخہ بھی میرے پاس نہیں رہا۔ اس کے شائقین اتنے ہیں کہ دیکھتے ہی اُٹھا لے جاتے ہیں۔ میں بھی اُن کا ہاتھ نہیں روکتا۔ اسے کارِ ثواب سمجھتا ہوں اور شمارے بھی نکل چکے ہوں گے۔ پرچہ اتنا خوب صورت اور مبارک ہے کہ حد بیاں سے باہر۔ آپ اس کے باطنی اور خارجی حسن کا بہت دھیان رکھتے ہیں۔ اس نیک کام کا اجر آپ کو ضرور ملے گا۔

'نعت رنگ' کتاب نمبر ۴ ملی۔ 'نعت رنگ' جس شان سے نکالا ہے وہ جناب آپ اور آپ کے رفقائے کار ہی کا حصہ ہے۔ جو کچھ بھی رسول عالی مقامؐ کے تعلق سے لکھا جائے گا وہ محترم تو ہو ہی جائے گا۔ ان معنوں میں 'نعت رنگ' احترام سے پڑھی جانے والی کتاب ہو گی۔ (نعت نامے ص ۷۶۶، 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۵، ص ۳۶۱)

جاتا تھا۔ میں آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ چند نکات پیش کرنا چاہوں گا:

۱۔ موجودہ زمانے میں عام موضوعات کا جریدہ یا کتابی سلسلہ شائع کرنا، جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ چہ جائے کہ خاص موضوعاتی رسالہ اور وہ بھی نعت کے موضوع پر اس اہتمام اور پابندی سے شائع کیا جائے۔

۲۔ آپ نے اردو کی نئی بستیوں میں جو ٹوکیو سے لاس اینجلس تک پھیلی ہوئی ہیں، اپنے ہم نوا پیدا کر لیے ہیں۔ یعنی معتبر لکھنے والوں کا ایک نیا حلقہ ''نعت رنگ'' سے وابستہ ہو گیا ہے۔ یہ کارنامہ اس سے قبل اپنے اپنے زمانے میں سر سیّد احمد خاں (تہذیب الاخلاق)، نیاز فتح پوری (نگار)، شاہد احمد دہلوی (ساقی)، صلاح الدین احمد (ادبی دنیا)، صہبا لکھنوی (افکار)، ڈاکٹر جمیل جالبی (نیا دور)، احمد ندیم قاسمی (فنون) اور ڈاکٹر وزیر آغا (اوراق) وغیرہ سرانجام دے چکے ہیں۔ اس صف میں شمولیت کوئی کم اہم پیش رفت نہیں ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ آپ ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

۳۔ نعت گوئی کے معیار اور اس سے متعلق تحقیق و تنقید کا ایک باب آپ نے ''نعت رنگ'' کے ذریعے وا کر دیا ہے۔ اس سے قبل کسی رسالے میں اس معیار اور تازہ تر عنوانات کے حامل مضامین کم ہی دیکھنے کو ملتے تھے۔

۴۔ آپ نے نعت گوئی کے آداب، شائستگی، حفظِ مراتب اور روایات کی صداقت اور لفظیات کے ضمن میں جن مباحث کو ''نعت رنگ'' میں جگہ دی ہے، ان سے مبتدی اور منتہی دونوں روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔

۵۔ آپ ''نعت رنگ'' میں روایتی انداز کی نعتوں اور روایتی معلومات کے سرسری مضامین کی اشاعت سے گریز کرتے ہیں، اس طرح نعت رنگ کی ادبی، علمی اور تحقیقی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوا ہے۔

۶۔ دورِ حاضر کے معروف ادیبوں اور نقادوں میں پروفیسر فتح محمد ملک، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر معین الدین عقیل، امین راحت چغتائی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، ڈاکٹر تقی عابدی، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، پروفیسر انوار احمد زئی کے نام بہ طور امثالِ امر پیش کر رہا ہوں کہ یہ تو عرصہ دراز سے لکھ رہے ہیں اور دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ ''نعت رنگ'' کے لیے خصوصی مقالے بھی تحریر فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل:

'نعت رنگ' کا آغاز....سامنے کی بات ہے، پھر ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ مطبوعات بھی نظر سے گزرتی رہی ہیں لیکن اب جو 'نعت رنگ' کو دیکھتا ہوں تو حیرت ومسرت کا احساس ہوتا ہے کہ آپ نے صرف اپنے رسالے ہی کو نہیں، اس کے وسیلے سے اپنے سلیقے ومحنت اور تزئین و اہتمام سے خود نعت کو اب کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں، یاد کرتا ہوں کہ دو تین دہائیوں قبل تک نعت کو اس حسن اور دل نشینی کے ساتھ کوئی کہاں پیش کرتا تھا۔ بطورِ صنف، بڑی ست روی سے جیسے جیسے یہ ارتقا پزیر تھی، لیکن آپ نے 'نعت رنگ' کو کس قدر تیز تر، وسیع تر اور جاذبیت وقبولیتِ عام سے اسے ہم کنار کردیا ہے! اب یہ تو ایک مستقل صنفِ سخن اس طرح بن گئی ہے کہ اس نے محض تخلیق کی حدود میں اپنے آپ کو اب قید نہیں رکھا ہے۔ تجزیہ وتنقید، بلکہ تحقیق کے وسیلے سے متعدد نئے آفاق اس نے تلاش کر لیے ہیں اور ہمارے ادب کی مستقل اصناف کی طرح اور 'دامنِ دل می کشد کی جا ایں جاست' کے مصداق، جذبہ وعقیدت کی نئی جہات کو تخلیقی وسعت، گہرائی، پختگی اور رنگینی عطا کررہی ہے۔ یہ مبالغہ نہیں، کہ یہ سب آپ کی تنِ تنہا محنت اور جاں فشانی اور سلیقہ وحسن کاری کے باعث ممکن ہوا ہے۔

دراصل رسالہ یا مجلّہ نکالنا ایک عمومی دل چسپی کا عمل بھی ہے لیکن جو اپنے موضوع یا موضوعات میں اضافے، اس کے وقار کی بلندی اور اپنے موضوع کی روایت کو فروغ دینے کے باعث بنے، ایسا مجلّہ ہی تاریخ میں یادگار رہتا ہے اور اپنی جگہ فرضِ کفایہ ادا کرتا ہے۔ آپ نے 'نعت' کے زمرے میں ایسی مثال قائم کردی ہے جو یقین ہے کہ آپ کی ایسی ہی محنت ولگن اور کوشش وجستجو سے مزید فروغ پائے گی اور آئندہ اس نوعیت کے رسائل کے لیے ایک نمونے اور معیار کا کام دے گی۔ (نعت نامے ص ۸۲۴، ۸۲۷)

پروفیسر سحر انصاری:

۱۔ ''نعت رنگ'' کا سلور جوبلی نمبر اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے۔ سب سے پہلے تو اس قدر ضخیم اور منفرد شمارہ ترتیب دینے پر دلی مبارک باد قبول کیجیے۔ ''نعت رنگ'' کا کوئی تازہ شمارہ جب بھی نظر نواز ہوتا ہے تو مجھے بھائی حنیف اسعدی مرحوم کی قیام گاہ پر ہونے والی وہ ابتدائی صحبتیں یاد آجاتی ہیں جن میں اس مجلّے یا کتابی سلسلے کی اشاعت کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کیا

تھا اسے آپ تن تنہا انجام دے رہے ہیں۔ظاہر ہے اس صورتِ احوال میں خامیوں اور کمیوں کا در آنا ایک فطری امر ہے۔چناں چہ اس شمارے میں بھی کتابت (پروف ریڈنگ) کی غلطیاں خاصی ہیں۔آپ اس بات کو فراموش نہ کریں غیر اختیاری طور پر آپ نعتیہ ادب اور نعتیہ شاعری کی ایک تاریخ مرتب کررہے ہیں۔بعد کے ادوار، میں ہی نہیں بلکہ ابھی دورِ حاضرہ میں "نعت رنگ" کے شمارے نعتیہ ادب پر کام کرنے والے محقق اور اسکالر اس کے لیے ایک معتبر، معتمد اور قابلِ قدر ماخذ کے طور پر مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ آپ ذمہ داریوں کی کس نازک شاہراہ سے گزر رہے ہیں۔آپ کی ادنیٰ سی لغزش بھی تاریخی روایت کا حصہ بن جائے گی اور پھر لمحوں کی اس خطا کی سزا صدیوں کے مقدر میں جائے گی۔خود کو آپ 'نعت رنگ' کا صرف مرتب تصور نہ کریں بلکہ آپ اس جریدے کے قابلِ احترام مدیر ہیں۔آپ کی ذمہ داری ایڈیٹنگ کی بھی ہے۔رطب و یابس حشو و زوائد سے اس رسالے کو پاک ہونا چاہیے۔
(نعت نامے ص،۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۵)

تابش دہلوی:

'نعت رنگ' کا چوتھا شمارہ ملا، میں نے اس رسالے کو آپ کے ذوقِ سلیم اور آپ کی ترویج صنف نعت گوئی اور فروغ نعت کی کوششوں کا صلہ پایا۔آپ اس سلسلے میں جو کام کررہے ہیں وہ نہایت قابل قدر ہے۔تعجب ہے کہ اربابِ نقد و نظر نے صنف نعت کو اپنی تحریروں میں وہ مقام اور درجہ نہیں دیا جو دوسری اصناف سخن کو دیا ہے۔آخر کیوں؟ غالباً اس کی وجہ مذہب سے کم تعلق اور رسول V کی تعریف و توصیف کے حوالے سے اس کو (نعوذ باللہ) یک رخہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا۔صنف نعت پر جستہ جستہ کام ہوا جو نہ ہونے کے برابر ہے۔نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں اور ایک آدھ کتاب تاریخ نعت کے حوالے سے منظر عام پر آئی ہے جس سے سیری نہیں ہوتی۔آپ کا کام ٹھوس ہے اور آپ نے نعت کو ادبیات کی اعلیٰ اصناف میں شامل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔(نعت نامے ص،۲۴۲)

نصیر ترابی:

گئے وقتوں میں نعت ایک معتقداتی اور ثوابیہ صنف تھی لیکن اِدھر تم نے اِسے ایک ادبی وصفِ امتیاز سے ایسا کچھ کردیا ہے کہ بس اللہ اللہ۔تمھاری اس ریاضت سے یہ عقدہ کھلا کہ آگہی،

۷۔ میں اب بہ طورِ خاص مبین مرزا، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، ڈاکٹر شہزاد احمد، ڈاکٹر داؤد عثمانی کے نام پیش کرتا ہوں جنھوں نے نعت گوئی کے ضمن میں تازہ نگاری کا ثبوت دیا ہے اور انھیں میں ''نعت رنگ'' کے خصوصی مقالہ نگاروں میں شامل کرتا ہوں۔ (نعت رنگ، ص، ۲۶، ۶۲۰۔۶۱۹)

ملک الظفر سہسرامی:

آپ نے نعتیہ شاعری کے دامن میں نئی لفظیات جدید تراکیب اور خوب صورت استعاروں کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں۔ اس کی قدر شناس جوہریوں نے خوب خوب پزیرائی فرمائی ہے۔ نعتیہ ادب پر یوں تو انفرادی نوعیت کا کام ہو ہی رہا تھا لیکن سفرِ شعر کے تعین کے ساتھ اجتماعی شعور کی کمی تھی۔ الحمدللہ ''نعت رنگ'' کے اربابِ فکر نے نعت شناسوں کا ایک قافلہ تیار کیا جو فکر وفن کے گل بوٹے سے نعتیہ ادب کے دبستان کی آرائش وزیبائش میں مستقل مصروف سفر ہے۔

یہ تمام باتیں اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ صنف نعت کے تعلق سے آپ کے سینے میں ایک حساس دل ہے اور آپ کا ہر تار نفس اس مقدس صنف سخن کے لیے وقف ہو چکا ہے رب قدیر آپ کے پاکیزہ جذبات کا خوب سے خوب تر صلہ عطا فرمائے۔

نقشِ اوّل میں آپ نے صحیح فرمایا ہے کہ ایک مقام پر ٹھہرنے یا دایرے میں چکر لگانے کے بجائے ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود کی حقیقت کا مظہر ہے۔ خطوط کی تعداد اور دنیا کے چاروں کھونٹ سے آنے والے مکاتیب کے معیار و مزاج کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ''نعت رنگ'' کی ایک واضح اور مستحکم برادری بن گئی ہے جو رسولِ برحق کی محبت وعقیدت کے اٹوٹ رشتے میں بندھی ہوئی ہے۔ خدا کرے یہ مبارک سلسلہ دراز تر ہو اور دنیا و آخرت میں خیر و برکت کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی یگانگت اور بھائی چارے کا سبب ہو۔

صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ''نعت رنگ'' کے ذریعے نعتیہ ادب کے لیے جس فکری انقلاب کا خواب دیکھا تھا اب دھیرے دھیرے اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔ لیکن پھر بھی منزل دُور ہے۔ اس صنفِ سخن کو جب تک ہم صنفِ سخن کا درجہ نہ دلا دیں ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے اس میں کہیں پہلو تہی کی ہے چوں کہ جو کام ایک ادارے کا

کیا ہے اُسے جدید نعت نگاری کے نصاب کا درجہ حاصل ہے۔نعت کے اسلوبیاتی پس منظر میں نئے امکانات کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے آپ کا مختصر مگر فکر انگیز اداریہ بھی شعور کے اَن گنت مقفل دروازوں پر دستک دے رہا ہے،نعت شناسی کے حوالے سے شعرا کی انفرادی تفہیم ایک نئے جہان معنی کے تخلیق کا کارنامہ سرانجام دے رہی ہے جو آگے چل کر نعت کے جدید اور قدیم رجحانات کو مزید مضبوط کرنے کا باعث بنے گی اور ادبی تاریخ کی حرارت میں بھی آپ کو سرخ رو ہونے کا اعزاز بخشے گی۔

آپ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ آپ نے نعت رنگ کے پلیٹ فارم پر ممتاز اہلِ قلم کو جمع کرلیا ہے جو ہر شعبہ زندگی کی نمائندگی کرتے ہوئے نعت رنگ کے قیمتی صفحات کو مزید ثروت مند بنا رہے ہیں۔ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر فتح ملک، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر افضال احمد انور، پروفیسر محمد اقبال جاوید، امین راحت چغتائی، ڈاکٹر شہزاد احمد، ڈاکٹر اشفاق احمد انجم، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، پروفیسر انوار احمد زئی، ڈاکٹر داؤد عثمانی، پروفیسر شفقت رضوی، گوہر ملسیانی، منظر عارفی، سعید بدر، تنویر پھول، مبین مرزا، کس کس کا نام لوں فکر و نظر کی ایک کہکشاں جو محبتِ رسول کے ان گنت درجوں پر مشتمل ہے دور دور پھیلی ہوئی ہے۔اللہ کرے انفرادی اور اجتماعی شعور کی یہ دلآویزیاں تاابد سلامت رہیں۔(نعت نامے ص۳۸۳، ۳۸۶،نعت رنگ، ص ۶۲۶/۲۶)

ڈاکٹر سلیم اختر:

صبیح صاحب! منہ دیکھی بات نہیں، نعت کے حوالے سے سنجیدہ فکری پر مبنی آپ کی یہ کاوش لائق تحسین ہے۔گزشتہ شماروں کی مانند تازہ شمارے (نمبر ۴) میں بھی نعت کے فن کے بارے میں بعض مقالات پڑھنے کو ملے۔اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، نور احمد میرٹھی، احمد ہمدانی، مجید بیدار کے مقالات خصوصی تذکرہ چاہتے ہیں۔ان میں سے بیشتر مقالات کی اساس تحقیقی مواد پر استوار ہے اور اس میں ان کی افادیت مضمر ہے۔ان کے علاوہ دیگر مقالات بھی موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے خوب ہیں۔ظاہر ہے اس نوع کا پرچہ مرتب کرنے کے لیے محنت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی آپ کے پاس کمی نہیں اور اسی لیے 'نعت رنگ' فکری اعتبار سے قابلِ توجہ جریدہ ثابت ہوتا ہے۔('نعت رنگ' شمارہ نمبر ۵،ص ۳۶۲)

حقیقت کو اُس کے اعتباری مقام پر پہنچانے کا دوسرا نام ہے۔

صبیح تمھارا عشق سراسر انجذاب اور استغراق ہے مگر ''نعت رنگ'' کے ذریعے نمود و شہود محض تمھارے عشق کو حق کے آئینے میں اپنا حسنِ سراپا دیکھنے کی ایک لاشعوری مجبوری ہے۔

بقولِ غالبؔ: پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

''نعت رنگ'' کی تہذیب دیکھ کر احساس ہوا کہ تمھارا عشق لمحوں کے چاک پر پوری صدی تخلیق کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ یعنی تمھاری تشنگی لمحۂ حال کی سیرابی سے چشمۂ فردا تک رسائی چاہتی ہے۔ تم کو یہ تشنگی مبارک ہو۔ (نعت نامے ص، ۸۷۸۔۸۷۷)

ڈاکٹر عزیز احسن:

تمہارا ارادہ ہے کہ کوئی ایسا رسالہ نکالو جس کے ذریعے نعت کے مضامین پر سنجیدگی سے غور کرنے اور انہیں تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کی راہ ہموار ہو۔ تمہاری ''پذیرائی'' کے حوالے سے جاری ہونے والا مجلّہ اور گل بہار نعت کونسل کے مجلوں میں تمہارا Contribution دیکھ کر مجھے اطمینان ہے کہ ان شاء اللہ تم ضرور کوئی باقی رہنے والا کام کر گزرو گے!

''نعت رنگ'' کتابی سلسلے کے اجراء کا تمہارا خواب ان شاء اللہ ضرور شرمندۂ تعبیر ہو گا! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تم خلوص سے اس کام میں منہمک رہو گے میں اپنا قلمی تعاون بھی جاری رکھوں گا اور بساط بھر دیگر امور میں بھی تمہاری معاونت سے روگردانی نہیں کروں گا۔ اللہ تمہیں عزم و حوصلہ عطا فرمائے اور نعتیہ شاعری کے لیے جو خلوص تمہارے دل میں پیدا ہو گیا ہے اس کی شمع ہمیشہ روشن رکھے۔ (نعت نامے ص، ۶۸۴۔۶۸۳)

ریاض حسین چودھری:

'نعت رنگ' کی اس اشاعتِ دل پذیر پر دلی مبارک باد قبول فرمایئے، اگر آپ نعت گو نہ بھی ہوتے اور دورِ نعت خوانی کا اعزاز بھی آپ کو حاصل نہ ہوتا تب بھی آپ 'نعت رنگ' کے ان بیس شماروں کے حوالے سے کائناتِ نعت میں زندہ رہتے، اللہ آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ اسی لگن اور تڑپ کے ساتھ آگے بڑھتے جایئے۔ جہانِ نو کے مقفل دروازے خود بہت کھلتے جائیں گے اور ''نعت رنگ'' کی خوش بو چار دانگ عالم میں پھیل جائے گی۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے ابتدایئے اور اظہاریے میں جن گراں قدر خیالات کا اظہار

نہیں، بے شمار مثالیں ہیں۔ ایسی پیچیدہ، حوصلہ شکن صورتِ حال میں آپ نے فنِ نعت پر ایک رسالہ شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور وہ کام کیا ہے جو دوسروں نے نہیں کیا جو دوسرے نہیں کر پاتے، وہ کام یقیناً دشوار ہوتا ہے۔

نعت ہمارے ادب کی ایک مستقل صنفِ سخن ہے۔ قریباً ہر شاعر نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور کمال کمال کیا ہے، صرف کلمہ گویاں ہی نہیں، دیگر مذاہب کے شعرا نے بھی بہ قول شخصے، کچھ یوں اپنی عاقبت کا سامان کرلیا ہے۔ نعت بڑی نازک صنف ہے۔ شاعری کی تمام اصناف میں شاید سب سے زیادہ نازک۔ سو اس موضوع پر رسالہ شائع کرنے کا کام کچھ کم احتیاط نہیں چاہتا۔ آپ کو پھونک پھونک کے قدم رکھنے، قدم اُٹھانے پڑیں گے۔

اب تک 'نعت رنگ' کے تین شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی وقعت اور جامعیت کا ہر گوشے میں اعتراف کیا گیا ہے۔ ''نعت رنگ'' کی جلوہ نمائی کے بعد احساس ہوتا ہے کہ کتنی بڑی بھول ہوتی رہی ہے۔

ہر اردو رسالے کے لیے مہم جوئی کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔ یہ تو ایک خاص رسالہ ہے۔ آپ اسی تن دہی، مستعدی سے، کوئی تحریک، کوئی کارنامہ سمجھ کر جُٹے رہے تو مجلّہ ''نعت رنگ'' اردو کے موضوعی رسالوں میں یادگار حیثیت اختیار کرسکتا ہے۔ ساری بات اس کام میں یقین اور خلوصِ نیت کی ہوتی ہے۔ مکمل شاید کوئی چیز نہیں ہوتی اور یہی گنجائش تخلیق کاروں، ہنر کاروں کا حوصلہ فزوں رکھتی ہے۔ مجھے آپ کے وسائل کی تنگی کا علم ہے لیکن وسائل والوں کو آج تک اس طرف توجہ دینے کا خیال کب اور کہاں آیا۔ وسائل والے تو مسائل اور بڑھانے کا ورد کرتے ہیں۔ آپ کے پاس اور خوبیاں بے پناہ ہیں۔ تکلم ترنم، سخن کاری و خوش نوائی، جذبۂ فراواں، عمر بھی آپ کے ساتھ ہے۔ کام کرنے کے لیے تین بنیادی اوصاف شمار کیے جاتے ہیں۔ محنت، دیانت اور راست سمت میں جستجو، اقدام اور ہاں ایک اور چیز عشق۔ آپ کے ہاں عاشقی کی خو ہے اور سب سے بڑا عشق تو ایک ہی ہوتا ہے اور اسی عشق کا اظہار ''نعت رنگ'' ہے۔ ((نعت نامے ص، ۵۰۹۔۵۰۸)

ڈاکٹر شبیر احمد قادری:

صبیح بھائی! آپ کی اب تک کی خدمات کو دیکھتے ہوئے مجھے تو کم از کم یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کام آپ خود نہیں کرتے بلکہ یہ کام آپ سے لیا جا رہا ہے۔ بالفاظ دگر آپ کو اس کام کے

عاصی کرنالی:

صبیح رحمانی کو میں ایک روحِ بے تاب سمجھتا ہوں جو بہت سے صاحبانِ عزم کے وجود میں متحرک ہے۔ آپ کی مرکزی شخصیت سے وابستہ ہوکر کئی باہمت اور باعزیمت اصحاب کراچی میں حمد ونعت کے فروغ میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ آپ نے نعت میں ''تحقیق'' کا جو رُخ اختیار کیا، اس انقلابی اقدام کے سبب آپ کا اور آپ کے رفقا کا نام اور کام ایک تاریخ ساز حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

موجودہ 'نعت رنگ' (شمارہ نمبر۲) پہلے شمارے ہی کی طرح آپ اور آپ کے رفقا کی محنت، ریاضت اور ذاتی لگن کا ثمر شیریں ہے۔ اس میں مضامین ومقالات کا تنوع اور تحریروں کا علمی مزاج اس کے معیار کی بلندی کا ضامن ہے۔ ایک قاری جب اسے پڑھ لیتا ہے تو وہ یقیناً اپنے شعور وبصیرت میں اضافہ محسوس کرتا ہے اور اس کا دامان طلب علم وتحقیق کے قیمتی جواہر پاروں سے معمور ہوتا ہے۔ آپ نے 'نعت رنگ' میں بعض اچھوتے موضوعات پر لکھ کر یا لکھوا کر اس کی قدر وقیمت کو بڑھا دیا ہے۔

آپ اس قدر معیاری، وقیع اہم مضامین کیسے جمع کر لیتے ہیں جن میں ابداع بھی ہے اور علم افروزی بھی اور خرد افزائی بھی اور پھر اتنی کثرت کے ساتھ ان کا حصول اور جمع وترتیب آپ کے 'معجزاتِ فن' میں شامل ہے۔ آپ کے رفقا کا ایثار واعانت لایق تحسین ہے تاہم آپ روح رواں ہیں اور آپ کی ریاضت مہارت اور لیاقت 'شادباش' کے قابل ہے۔

صبیح رحمانی خود تو ہزاروں سال تک زندہ رہیں تے لیکن انھوں نے نعت پر تنقیدی اور تحقیقی ذائقوں کے مضامین کی تحصیل وابلاغ کا جو نیا رخ نکالا ہے اور واقعی حمد ونعت بلکہ دینی ادب میں جو ایک جدت اختیار کی ہے اس کے سبب ان کا نام اور کلام قید ماہ وسال سے آگے تک جائے گا۔ اللہ اس جہاد وعزیمت کا قائم رکھے۔

(نعت نامے ص، ۶۰۸، 'نعت رنگ' شمارہ نمبر۳، ص۳۳۴، شمارہ، ۵، ص۳۶۳)

شکیل عادل زادہ:

کسی ایک موضوع پر رسالہ شائع کرنے کے مسائل ومراحل کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔ اردو میں موضوعی رسالے نکلتے بالعموم بڑے جوش وخروش سے اور دم جلد ہی توڑ دیتے ہیں۔ ایک

اللہ کریم آپ کو توفیقِ مزید ارزانی فرمائے۔ (نعت رنگ، ص، ۵۱۷/۲۷)

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد:

راقم نے ''نعت رنگ'' کے دونوں نمبروں کو سرسری طور سے دیکھا۔ آپ کی گراں بہا شخصیت واقعتاً لائق صد تہنیت ہے کہ آپ اتنا وقیع کام افادۂ خاص و عام کے لیے انجام دینے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ بہتر اور بہتر سے بہترین کا یہ سفر جاری ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ بہ توسل نبیٔ رحمت آپ کی ہمت کو سدا بلندی اور تازہ حوصلہ اور آپ کے قلم کو کبھی نہ تھکنے والی توانائی عطا فرمائے۔ اللھم آمین! (نعت نامے ص، ۹۹)

☆☆☆

لیے چن لیا گیا ہے۔ اللہ کریم قبولیت کا یہ سلسلہ جاری رکھے۔ آمین۔ دس سال اور سترہ شمارے گل ہائے تبریک قبول کیجیے۔

صبیح بھائی! آپ نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے یہ بڑا پُر خار ہے اور پُر پیچ ہے۔ اس میں بہت مشکلات ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ بادِ مخالف سے نہ گھبرائیں اور آپ وہی کریں جو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نعت کے میدان میں انقلابی سوچ رکھنے والے مدیر ہیں، 'خوف کا سایہ' خود بخود ہٹ جائے گا اور کوئی 'بہت بڑا مسئلہ' بھی کھڑا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ سترہ شماروں کے ذریعے آپ لوگوں کے ذہن تیار کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ اختلافِ رائے بقول آپ کے 'بری چیز نہیں مگر شائستگی ضروری ہے'۔

'نعت رنگ' صوری اور معنوی ہر دو حوالوں سے بڑا معیاری اور دل آویز کتابی سلسلہ ہے۔ ایک مسلک سے منسلک ہوتے ہوئے بھی آپ نے 'نعت رنگ' کو 'مسلکی جریدہ' نہیں بننے دیا۔ اس میں ہر طبقے کو نمائندگی دے کر اسے آپ نے ایک دلچسپ مرقع بنا دیا ہے۔

(نعت نامے ص ۴۷۶۔۴۷۵)

ڈاکٹر نذر عابد:

حضرت صبیح الدین نے دورِ حاضر میں اس کام کو جس طرح آگے بڑھایا ہے قابلِ تحسین ہے۔ برصغیر میں درجنوں ادارۂ اردو ادب کے حوالے سے کام کر رہے ہیں مگر اردو ادب کے اس شعبۂ 'نعت' میں حضرت والا نے ۲۵ سال میں اتنا تحقیقی و علمی کام جمع کر لیا ہے کہ اگر ادارے کے افراد ''اردو نعت انسائیکلو پیڈیا'' تیار کرنا چاہیں تو بآسانی یہ کام چند ضخیم جلدوں میں مکمل کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ برصغیر کی ان تمام جامعات میں جہاں شعبہ اردو قائم ہے وہاں گوشہ نعت قائم کر کے M.A کی سطح پر اردو ادب میں نعت گوئی پر Specialization بھی کرا سکتے ہیں۔

(نعت رنگ، ص، ۶۵۸/۲۶)

اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے روحانی تسکین ہوتی ہے کہ آپ کے ادارے نے اب تک نعت جیسی مقدّس صنفِ سخن کے حوالے سے تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اِس سلسلے میں آپ اور آپ کے رفقاء کی مساعیٔ جمیلہ لائق صد تحسین ہیں۔ بلاشبہ یہ خدمت توفیقِ الٰہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نگاہِ التفات کے بغیر ممکن نہیں۔

نمبر و کتاب	صنف	مصنف	قیمت
30- نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	(تنقید)	پروفیسر محمد اکرم رضا	250/-
31- نعت کے تنقیدی آفاق	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
32- مثنوی رموزِ بیخودی کا فنی و فکری جائزہ	(اقبالیات)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
33- اُمیدِ طیبہ رسی	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
34- نعت شناسی	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
35- اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیق مطالعہ	(تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	700/-
36- پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	300/-
37- نعت نامے بنام صبیح رحمانی	(مجموعۂ مکاتیب)	ڈاکٹر محمد سہیل شفیق	1000/-
38- نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	350/-
39- تعلق بالرسول a کے تقاضے اور ہم	(سیرت)	ڈاکٹر عزیز احسن	52/-
40- دل جس سے زندہ ہے	(ظفر علی خان کی نعتیہ تب و تاب)	ڈاکٹر محمد اقبال جاوید	100/-
41- نعت رنگ کے پچیس شمارے	(ایک اجمالی تعارف)	ڈاکٹر شہزاد احمد	50/-
42- وفیات نعت گویانِ پاکستان		ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ	200/-
43- ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت		صبیح رحمانی	400/-
44- اُصول نعت گوئی		حلیم حاذق	200/-
45- نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات		کاشف عرفان	400/-
46- زمزمہ سلام		سیما منیر	ہدیہ دُعا
47- مدحت نامہ		صبیح رحمانی	600/-
48- کراچی کا دبستانِ نعت (صاحبِ کتب نعت گو شعرا کا تذکرہ)		منظر عارفی	1000/-
49- مناقب امام حسین اور شعرا کراچی		منظر عارفی	500/-
50- کلام رضا فکری و فنی زاویے		صبیح رحمانی	500/-
51- عطر خیال (نعتیہ مجموعہ)		شبنم رومانی	200/-
52- یہ روح مدینے والی ہے		رئیس احمد	250/-
53- پاکستانی زبانوں میں نعت		صبیح رحمانی	500/-
54- کلیات عزیز احسن		صبیح رحمانی	900/-
55- نعتیہ شاعری کے فروغ میں ''نعت رنگ'' کی خدمات		حلیمہ سعدیہ منگلوری	500/-
56- اُردو شاعری میں نعت		ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری	500/-
57- حمد و نعت کے معنیاتی زاویئے		ڈاکٹر عزیز احسن	400/-
58- تحمید و تحسین	(حمدیہ اور نعتیہ مضامین)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	500/-

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

1- اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر		ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ		رشید وارثی	350/-
3- نعت میں کیسے کہوں	(تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4- غالب اور ثنائے خواجہ	(تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5- نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
6- ہنر نازک ہے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
7- اردو نعت اور جدید اسالیب	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	120/-
8- نعت نگر کا باسی	(تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9- جادۂ رحمت کا مسافر	(تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10- بہشت تضامین	(شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11- خیر البشر	(میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12- نعت اور تنقید نعت	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13- فنِ اداریہ نویسی اور ''نعت رنگ''	(تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14- ''نعت رنگ'' اہلِ علم کی نظر میں	(مضامین)	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15- فہرستِ کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر	(کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16- زبورِ حرم	(کلیاتِ نعت)	اقبال عظیم	450/-
17- شہہ لولاک	(شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18- جادۂ رحمت	(انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19- اشاریہ ''نعت رنگ''	(بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	300/-
20- سرکار کے قدموں میں	(انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21- شہپرِ توفیق	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
22- قوسین	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23- نزول	(شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24- آنکھ بنی کشکول	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-
25- آپ	(شعری مجموعہ)	حنیف اسعدی	150/-
26- کرم و نجات کا سلسلہ	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
27- نعت اور سلام	(شعری مجموعہ)	وحیدہ نسیم	20/-
28- ممدوحِ خلائق	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
29- مرقعِ چہل حدیث	(مجموعہ احادیث)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	300/-

خطوط میں مکتوب نویسوں کے خیالات اسی طرح بھٹکتے ہیں جس طرح غزل کے شاعر کے ہر شعر میں الگ الگ خیال کا ہیولیٰ بنتا اور اشعار میں ڈھلتا جاتا ہے۔ مکتوب الیہ سے تعلقات ذاتی ہوں تو مکتوب نگار ذاتی باتیں کرتا ہے لیکن اگر کسی رسالے کے مدیر کو مخاطب کیا جائے تو رسالے کے کسی شمارے کے مشتملات کی رنگارنگی مکتوب میں بھی جھلکنے لگتی ہے۔ صبیح رحمانی کو لکھے گئے خطوط میں مکتوب نگاروں کا ان سے تعلق خاطر بھی عکس ریز ہے اور ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے مضامین اور منظوم کلام پر تنقیدی آراء بھی نمایاں ہیں۔
ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے، مدیر نعت رنگ کے نام تحطوط کے مجموعے "نعت نامے" (مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق) میں شامل تمام خطوط کے علاوہ ''نعت رنگ'' کے دیگر شماروں میں شائع ہونے والے خطوط کو بھی اپنے تجزیاتی حصار میں لیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "نعت نامے" جیسی وقیع اور ضخیم کتاب کی موجودگی میں، ڈاکٹر ابرار عبدالسلام کو یہ کام کرنے کا خیال کیوں آیا؟؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "نعت نامے" میں خطوط اور خطوط نگاروں کے کوائف تھے لیکن موضوعاتی تجرید نہیں تھی۔ ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے موضوعاتی تجرید (Abstract) کے ذریعے، مذکورہ خطوط میں سے چن چن کر وہ تمام نکات جمع کر لیے ہیں، جو کسی خاص موضوع سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً ان خطوط میں "نعت کی تعریف، تقاضے اور روایت"، تخلیق نعت کی خصوصیات، نعت گوئی کے لیے ادبی و شرعی اصول و مبادی یا شعری و شرعی تقاضوں کے حوالے سے کہاں کہاں گفتگو ہوئی ہے؟ نعت رنگ کے مشتملات پر لسانی، ادبی، شعری صنعتوں کے حوالے سے تنقیدی مباحث اور عروضی نکات پر کس کس خط میں بحث چھڑی ہے؟؟؟..... یہ اور اس طرح کے تمام زاویے پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے سیکڑوں خطوط کا اس طرح مطالعہ کیا کہ گویا انھوں نے ہر خط کا X_Ray حاصل کر لیا اور پھر لفظوں میں پوشیدہ خیال کی لہروں کو اپنے تجزیاتی عمل سے گزار کے اپنی وقیع رائے دی ہے......... کسی رسالے کے مدیر کے نام لکھے گئے خطوط کا ایسا تجزیاتی خوردبینی مطالعہ (میری محدود معلومات کی حد تک میں کہہ سکتا ہوں) اردو نثر کی مکمل تاریخ یا نعتیہ ادب کی اقلیم (Domain) میں پہلی بار ہوا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے حروف کی رگوں میں دوڑنے والے لہو کی لہروں کو نہ صرف شمار کیا ہے بلکہ ان کے غیر مرئی تجریدی مزاج کی تحلیل بھی کی ہے۔ "نعتیہ ادب: مسائل و مباحث" جیسے وقیع اور صبر آزما علمی کام کی کامیاب تکمیل پر، میں ڈاکٹر ابرار عبدالسلام کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر عزیز احسن
ڈائرکٹر: نعت ریسرچ سینٹر کراچی
جمعہ: ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق: یکم مارچ ۲۰۱۹ء